

پارہ نمبر ۲۱ اردو ترجمہ

روح البیان

مفسر و مؤلف

سراج العلماء، زبدۃ الفضلا حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقی البروسوی

قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد

اویسی رضوی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ ملتان روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب ـــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان
پارہ ـــــــــ ۲۱ ـ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ
مؤلف ـــــــــ حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ
مترجم ـــــــــ حضرت مولانا الحاج محمد فیض احمد اویسی
خطاط ـــــــــ محمد شریف گل، گڑیال کلاں براہ شیخوپورہ
مصحح ـــــــــ چودھری مشتاق محمد خاں، لاہور
سنِ طباعت ـــــــــ اپریل ۸۸ ۱۹ء
ناشر ـــــــــ مکتبہ اویسیہ رضویہ، ملتان روڈ، بہاولپور
باہتمام صاحبزادہ عطاالرسول اویسی رضوی



پارہ نمبر ۲۱

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ
الْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ
الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ
اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ
بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ
لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ
اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ
اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اے محبوب پڑھو جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی اور نماز قایم کرو بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے۔ اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور اے مسلمانو! کتابیوں سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا اور کہو ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو تمہاری طرف اترا اور ہمارا تمہارا ایک معبود ہے اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں اور اے محبوب! یُونہی تمہاری طرف کتاب اتاری تو وہ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی اس پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ان میں سے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں سے منکر نہیں ہوتے مگر کافر۔ اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یُوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم اور بولے کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے۔ تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لیے۔

تفسیر عالمانہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ۔ التلاوۃ بمعنے پے درپے پڑھنا۔ الایحاء بمعنے اعلام فی الخفاء۔ اور شرع میں اس کلمۂ الٰہیہ کو کہا جاتا ہے جو انبیاء عظام علیہم السلام و اولیاء کرام سے القاء ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ قرآن مجید جو آپ پر نازل ہُوا آپ اسے تقرب اس کے الفاظ کی حفاظت کرنے اور اس کے معانی و حقائق سمجھنے کے ارادے پر پڑھیے اس لیے کہ اس کے غور و فکر کی تلاوت سے وہ معانی و حقائق منکشف ہوتے ہیں جو اس سے پہلے معلوم نہیں ہوتے نیز اسے پڑھ کر لوگوں کو پڑھنے اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دیجئے اور انہیں اس کے محاسنِ آداب و مکارم اخلاق کے سمجھائیے۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک چور کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس نے عرض کی: "میرے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیوں؟" وہ اگرچہ قرآن مجید پڑھا ہوا تھا لیکن اس کے احکام سے بے خبر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں حکم فرمایا۔" اس نے عرض کیا: "وہ کہاں ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا

نکالاً من اللہ و اللہ عزیز حکیم ۔

چور نے کہا: "بخدا میں نے آج تک یہ حکم نہیں سنا تھا اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں چوری نہ کرتا۔"

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا عذر قبول نہ کیا اور ہاتھ کاٹ دیا۔

نکتہ: تراویح کی جماعت میں بھی یہی حکمت ہے تاکہ عوام پورا قرآن مجید سُن کر اس کے احکام سے آگاہ ہوں۔

مسئلہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو کھڑے ہو کر نماز میں پڑھتا ہے اسے ایک حرف کے بدلے سَو نیکی کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو نماز میں بیٹھ کر پڑھتا ہے اسے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو نماز سے باہر باوضو ہو کر قرآن مجید پڑھتا ہے تو اسے ہر حرف پر پچیس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور جو نماز کے بغیر بلا وضو قرآن مجید پڑھتا ہے اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز میں قرأۃ مختصر ہو اس سے بلا صلوٰۃ قرآن کی تلاوہ افضل ہے جیسے طویل قرأۃ والی نماز مختصر قرأت والی نماز سے افضل ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا: طویل قیام والی نماز کثرتِ سجود والی سے افضل ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "افضل نماز وہ ہے جو طویل قیام کے ساتھ ہو"۔

(القنوت بمعنے القیام ہے) اس لیے کہ طویل سجود و رکوع میں تسبیحات کی کثرت ہوگی اور قیام میں قرأت کی کثرت ہوگی اور تسبیحات سے قرأتِ قرآن افضل[۱] ہے۔

---

[۱] ہم یہاں پر چند فضائل و آدابِ تلاوت و مسائل عرض کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو مزید فائدہ ہو۔

کتابِ مقدس تمام علوم کی جامع ہے اس کا ایک ایک صفحہ اور ایک ایک حرف بے نہایت برکات کا سرچشمہ ہے۔

حدیث شریف ۱: سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قرآن کریم کی قرأت کرو وہ روزِ قیامت اپنے رفیقوں کا شفیع ہوگا۔" (مسلم)

حدیث شریف ۲: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"جس شخص نے قرآنِ کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے نیکی ہے دس نیکیوں کے برابر۔" (ترمذی)

حدیث شریف ۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

"اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر ایسا مشغول کرے کہ وہ مجھ سے مانگنے اور سوال کرنے کی فرصت بھی نہ پائے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔"

(باقی بر صفحہ ۶)

آدابِ تلاوت بہتر ہے کہ تلاوت باوضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کی جائے۔ نہ پالتی لگائے نہ کسی چیز سے ٹیک لگا کر، نہ ہی متکبرانہ طور پر۔ بلکہ ایسے خشوع و خضوع سے ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵)

حدیث شریف ۴: "جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ اہلِ آسمان کے لیے ایسی زینت ہوتا ہے جیسے ستارے زمین والوں کے لیے۔" (بیہقی)

حدیث شریف ۵: "اپنے مکانوں کو نماز سے اور قرآنِ کریم کی قرأت سے منور کرو۔"

حدیث شریف ۶: "میری امت کی بہترین عبادت قرآن کی قرأت ہے۔" (بیہقی)

حدیث شریف ۷: سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"تم میں بہتر وُہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔" (بخاری)

اتقان میں ہے کہ تمام قرآنِ کریم کا حفظ کرنا اُمت پر فرضِ کفایہ ہے تاکہ قرآنِ کریم کا تواتر باقی رہے اور تبدیل و تحریف کو اس میں راہ نہ ہونے پائے۔ اگر اس فرض کی ادائیگی کے لیے استنے لوگ قائم ہوں جن کی تعداد کثرت و تواتر کو پہنچتی ہے تو ان کے حفظ کر لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ فرض نہیں رہے گا اور اگر حافظوں کی تعداد اس حد سے کم ہو تو سب لوگ گنہگار رہوں گے۔ قرآن کریم کی تعلیم بھی فرضِ کفایہ اور افضل ترین قربات و طاعات ہے۔ جیساکہ حدیث مسلم میں ارشاد ہوا جو اوپر گزر چکی ہے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت بکثرت کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف ۸: دُو ہی چیزیں رشک کے قابل ہیں ان میں سے ایک وُہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم عطا فرمایا وُہ صبح و شام اس کی تلاوت کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

جس روز قرآنِ کریم ختم ہو اس دن روزہ رکھنا سنّت ہے اور یہ بھی سنّت ہے کہ اپنے گھر والوں اور دوستوں کو جمع کرے۔

حدیث شریف ۹: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن ختم کرتے اپنے اہل کو جمع کرتے اور دعا کرتے۔" (طبرانی)

حکم بن عُیَینہ سے مروی ہے کہ مجاہد نے انہیں بُلایا اور ان کے پاس ابن ابی اُمامہ بھی تھے ان دونوں حضرات نے فرمایا ہم نے تمہیں اس لیے بلایا کہ ہمارا ارادہ قرآن ختم کرنے کا ہے اور ختمِ قرآن کے وقت دعا مستجاب ہے۔

قرأتِ قرآن میں اسلاف کی عادتیں جداگانہ تھیں بعض تو اتنی کثرت کرتے تھے کہ رات دن میں آٹھ ختم کر لیتے تھے، چار دن میں چار رات میں۔ بعض حضرات شب و روز میں چار ختم کرتے تھے بعض تین، بعض دو، بعض ایک، بعض حضرات دو راتوں میں ایک ختم کرتے تھے، بعض تین میں بعض چار میں، بعض پانچ میں، بعض چھ میں (باقی بر صفحہ ۷)

گویا کہ وہ کسی بارعب شخصیت کے سامنے بیٹھا ہے۔
سورۂ نمل میں ہم نے تلاوت و آداب اسرار بیان کردیئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶) بعض سات میں اور یہ اکثر صحابہ کا معمول تھا۔ احوال اور ذوق مختلف ہیں۔ بعض حضرات اس پر قادر ہیں کہ قرآن کریم کو نہایت جلد پڑھنے میں بھی حروف کو ان کے مخارج سے صحیح ادا کریں اور معانی کا بھی لحاظ کرتے جائیں۔ بعض کو اس مقصد کے لیے زیادہ وقت صرف کرنا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔
مسئلہ: قرآنِ کریم کی تلاوت اگرچہ بے وضو بھی جائز ہے لیکن اس کے لیے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ قرآن پاک کی قرأت افضل اذکار سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ الٰہی کو باطہارت پسند فرماتے تھے۔
مسئلہ: جنب (وہ شخص جسے غسل کی حاجت ہو اور حیض و نفاس والی عورت) ان سب کے لیے قرآن کریم کی قرأت حرام ہے بغیر ہاتھ لگائے دیکھنا اور دل میں تصور کرنا جائز ہے۔
مسئلہ: جس کا منہ ناپاک ہو جیسے کہ شرابی۔ اس کو بھی قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں۔
مسئلہ: ناپاک شخص کو قرآن کریم کا چھونا جائز نہیں۔
مسئلہ: سنّت ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت پاک جگہ پر ہو، اور مسجد میں زیادہ بہتر ہے۔ مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا قبلہ رُو ہو اور نہایت عجز و انکسار اور خشوع و حضورِ قلب سے سر جھکا کر باطمینان پڑھے۔ پڑھنے سے قبل مسواک سے منہ کو خوب صاف کرلے۔ تلاوت سے قبل اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور سوائے سورۃ براءت کے ہر سورت کے اوّل میں بسم اللہ پڑھا کرے، سننے والا خاموشی سے دل لگا کر سُنے۔
سلے ہم بھی چند آداب و مسائل یہاں بیان کرتے ہیں:
قرأت میں ترتیل سنّت ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قرأت فرماتے تھے کہ ایک ایک حرف صاف معلوم ہوتا تھا۔ (ابو داؤد)
س حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قرآن شریف جب دل میں اترتا ہے اس میں جمتا ہے اور نفع دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)
س حدیث شریف میں ہے کہ روزِ قیامت قاریِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھ اور درجات میں ترقی کرتا چلا جا۔ جس سکون و اطمینان کے ساتھ دنیا میں آہستہ آہستہ پڑھتا تھا ویسا ہی پڑھ۔ پڑھتے پڑھتے جہاں تک پہنچے گا وہ سب ملک تجھے عطا کیا جائے گا۔
مسئلہ: قرآن کریم کو تدبر و فہم کے ساتھ پڑھنا اور اس کے معنی پر نظر رکھنا مقصودِ اعظم ہے (باقی صفحہ ۸ پر)

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز کی ادائیگی پر مداومت کرو۔ یعنی وہ نمازیں جو فرض ہیں انہیں ان کی شرائط کے ساتھ باجماعت ادا کیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرکے آپ کی امت کو اس کی اقامت کا حکم فرمایا گیا ہے اور اقامۃ الصلوٰۃ کی علت بتاتے ہوئے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ بے شک نماز جس کی ہیئت کذائیہ سب کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷) اسی سے شرح صدر اور نورانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے اور معنی پر نظر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ جو پڑھتا ہے اس کے معنی سمجھے اور امر و نہی میں غور کرے اور دل میں اس کے ماننے اور اطاعت کرنے کا اعتقاد جمائے اور گزرے ہوئے زمانے میں جو تقصیر ہوئی ہو اس سے استغفار کرے اور جب آیتِ رحمت آئے تو خوش ہو اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرے اور جب آیتِ عذاب آئے تو ڈرے اور اس سے پناہ مانگے۔

مسئلہ : قرآن کریم کی تلاوت کے وقت دل حاضر کرے اور خشوع کے ساتھ پڑھے یہاں تک کہ رقت آئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔

مسئلہ : قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھے اگر خوش آواز نہ ہو تو کوشش کرے کہ خوبی سے ادا ہو، مگر یہ لحاظ رکھے کہ حروف اپنی حد سے متجاوز نہ ہو جائیں کہ ممنوع ہے۔

مسئلہ : خوش آوازوں سے قرآن شریف پڑھوانا اور سننا مستحب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک جماعت قرأت کے لیے جمع ہو اور تھوڑا تھوڑا سب لوگ پڑھیں جیسا کہ ہر آیت میں معمول ہے۔

مسئلہ : قرآن شریف پر دیکھ کر پڑھنا حفظ پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ قرآن کریم کا دیکھنا بھی عبادت ہے۔

مسئلہ : قرآن کریم کی قرأت کو کسی سے بات کرنے کے لیے قطع کرنا مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کریم کی قرأت کے دوران میں کلام نہ فرماتے جب تک کہ فارغ نہ ہو جاتے۔

مسئلہ : قرأت کے درمیان ہنسنا، بے فائدہ عبث حرکات کرنا اور لہو کی طرف نظر کرنا مکروہ ہے۔

قرآنِ کریم ختم کرنے کے بعد قاری کو چاہیے کہ دوسرا قرآن شروع کر دے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ کر سورہ بقرہ ھم المفلحون تک پڑھے پھر دعا کرے۔ ایسا ہی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ (دارمی)

مسئلہ : ختمِ قرآن کے وقت معمول ہے کہ سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے دس پاروں کا ثواب ملتا ہے (ملخصاً مشکوٰۃ شریف)

مسئلہ : تجوید کی رعایت قرآن کریم میں بہت ضروری ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو تجوید سے ادا کرو۔ قراء کا قول ہے کہ تجوید یعنی حروف کو ان کے صحیح مخارج سے جیسا چاہیے ویسا ادا کرنا قرآن مجید کی زینت ہے۔

اویسی غفرلہٗ

معلوم ہے اگر اسے اپنے جملہ شرائط ظاہری و باطنی کے ساتھ ادا کیا جائے تَنْهٰى تو اس کی شان اور اس کی خصوصیات سے ہے کہ وہ روکتی ہے عَنِ الْفَحْشَآءِ اس فعل سے جو عقلاً بُرا ہے وَالْمُنْكَرِ ط اور اس فعل سے جو شرعاً ممنوع ہے۔

ف: الوسیط میں ہے کہ المنکر وُہ عمل جو نہ شرع سے ثابت ہو اور نہ سنّت سے، فعلاً یا قولاً۔ اس کی نقیض المعروف آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز برائیوں سے اس لیے روکنے کا سبب ہے کہ اس میں انسان ذکرِ الٰہی پر مداومت کرتا ہے اور بحضورِ حق حاضری کی وجہ سے دل میں خشیّت پیدا ہوتی ہے ایسے موجبات گناہوں سے روکنے والے ہوتے ہیں۔

حکایت ایک نوجوان انصاری نماز تو پڑھتا تھا لیکن ہر بُرائی کا ارتکاب بھی کرتا تھا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کی شکایت کی گئی تو فرمایا: "اسے اس کی نماز عنقریب برائیوں سے روک دے گی۔" چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد وُہ اپنے گناہوں سے تائب ہُوا اور قلیل مدّت کے بعد اس کا معاملہ سُلجھ گیا اور وہ اچھے لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ بلکہ اب زہاد صحابہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ مسلّم ہے کہ ہر عمل اچھا ہو یا بُرا اس کی کوئی خاصیت ہوتی ہے۔ نماز کا خاصہ یہ ہے کہ وہ خشیتِ الٰہی دل میں پیدا کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے، جیسے کفر جو اسی نماز کا بالمقابل ہے کہ وہ معاصی پر ابھارتا ہے اور خشیّتِ ایزدی دل سے خارج کرتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکِ صلوٰۃ کو کفر سے تعبیر فرمایا، کما قال علیہ السلام:

من ترك الصّلٰوة متعمدًا فقد كفر۔

(جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا)

اور ایسے کفر کا خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں سے تو ڈراتا ہے لیکن خوفِ خدا دل میں رہنے نہیں دیتا اسی لیے ایسا انسان منہیات کے ارتکاب میں جرأت اور دلیری رکھتا ہے۔ چنانچہ آیت سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا (ہم عنقریب کافروں کے دل میں رُعب ڈالیں گے بوجہ ان کے اس شرک کے کہ وہ ایسی اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے جس کی کوئی سند نہیں)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف "جس شخص کو نماز برائیوں سے نہیں روکتی اُسے اللہ تعالیٰ کے بُعد کے سوا اور کچھ نصیب نہ ہو گا۔"

یعنی نماز الٹا اس کے لیے وبال ہو گی اور جو شے اس کے لیے قربِ الٰہی کا سبب تھی وہی بُعد کا سبب بن گئی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص نماز کی حقیقت سے عہدہ برآنہ ہوسکا جیسا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ نماز حضورِ قلب سے ادا کی جائے اس لیے کہ ظاہری ذکر سے فکر پیدا ہوتی ہے اور بالخصوص نماز کے اندر کا ذکر غفلت کو دُور کرتا ہے اور غفلت کا دوسرا نام فحشاُ ہے اور فکر خواطر مذمومہ کو دفع کرتی ہے انہی خواطرِ مذمومہ کو صوفیا ء کرام المنکر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے یہ نماز نمازی کو مذکورہ خرابیوں سے روکتی ہے ایسے ہی اسے خارجی خرابیوں سے مثلاً اپنے اعمال کو بہتر سمجھنا یا ان اعمال کا بدلہ طلب کرنا۔ جسے ایسی نماز نصیب ہوتی ہے اسے عارفین فرماتے ہیں کہ اس خوش قسمت کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہُوئی اس لیے کہ نماز معائنہ و مشاہدہ سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس کی نقیض مغائبہ آتی ہے۔

مسئلہ : نماز فرضی ہو یا نفلی ہو وہ تمام عبادات بدنیہ سے افضل ہے اس لیے کہ نماز کو اصلاحِ نفس میں بہت بڑی تاثیر حاصل ہے اور نفس ہی تمام فحشاُ و منکر کی جڑ ہے۔

ف : حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ فرائض ادا کر کے مجھ سے نجات پاتا ہے اور نوافل سے اسے میرا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نمازِ صُوفیانہ نماز کئی قسم ہے :

(۱) بدن کی نماز ارکانِ معلومہ ہیں ،

(۲) نفس کی نماز خشوع اور خوف و رجاُ کے درمیان اطمینان سے،

(۳) اور قلب کی نماز حضور و مراقبہ سے ،

(۴) اور سِر کی نماز مناجات و مکالمہ سے ،

(۵) اور رُوح کی نماز مشاہدہ و معائنہ سے ،

(۶) اور خفی کی مناغات و ملاطفت سے

اور ساتویں مقام میں نماز ہوتی ہی نہیں کیونکہ وُہ مقام فناُ ہے اور محبۃ خالصہ نصیب ہو تو انسان کو عین وحدت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ نماز کے ظاہر کی انتہاُ موت ہے جسے قرآن نے یقین سے تعبیر کیا۔ کما قال :

واعبد ربك حتى يأتيك اليقين -

یہاں پر الیقین بمعنے موت ہے اور نماز حقیقی کی انتہا فناء مطلق پر ہے۔ جسے اہلِ تصوّف حق الیقین سے تعبیر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہر نماز، ظاہری ہو یا باطنی مرتبہ ظاہر و باطن کے فحشاُ و منکر سے روکتی ہے۔ بدن کی نماز

معاصی و ملاہی سے اور نفس کی نماز رذائل و علائق و اخلاق ردیہ و ہیئات مظلمہ سے اور نماز دل فضول و فور غفلت سے اور نماز سر التفات ماسوائے حضرت کو اور نماز روح استقرار بملاحظہ اغیار سے اور نماز خفی شہود اثنینیت و ظہور سے منع کرتی ہے ؎

جز یکے نیست نقد ایں عالم
بازبیں و بعالمش مفروش

ترجمہ : اس جملہ عالم میں ایک کے سوا اور کوئی نہیں اسے اچھی طرح دیکھئے ایک کو تمام عالم کے ساتھ مت بیچ۔

فائدہ صوفیانہ ارباب حقیقت فرماتے ہیں : نماز کے ظاہر کی رعایت صحت مطلقہ کا سبب ہے۔ اگر نمازیں ترک نہ ہوتیں تو کسی کو موت نہ آتی۔

شرح الفائدہ المذکورہ فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا بیان کے دو معانی ہو سکتے ہیں :

(۱) اگر بالفرض والتقدیر دنیا میں باقی رہنے کا اگر کوئی سبب ہوتا تو یہ نماز ہی ہوتی۔ اسی وجہ سے ترک نماز گویا موت کا سبب ہوئی۔

حدیث شریف جیسے حدیث شریف میں ہے : صدقہ اور صلہ رحمی زندگی بڑھاتے ہیں''

یہاں بھی یہی معنیٰ ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر عمر کو کوئی شے بڑھاتی تو وہ یہی صدقہ و صلہ رحمی ہوتی۔ اس سے احکام شرعیہ کے فضائل بیان کرنا مطلوب ہے بالخصوص نماز، صدقہ اور صلہ رحمی۔

(۲) ہر زندہ شے اور بے جان چیز، مثلاً پتھر، جماد وغیرہما کی ایک میعاد مقرر ہے۔ جن کی موت انقطاع من الذکر ہے اس لیے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے (کذا فی الحیٰوۃ الحیوان)

یہی وجہ ہے کہ درخت اس وقت کاٹا جاتا ہے جب وہ ذکر الٰہی سے غفلت کرتا ہے، ایسے ہی ہر انسان قتل کیا جاتا ہے یا مارا جاتا ہے (یعنی ذکر الٰہی سے غفلت پر)۔

حدیث شریف : ہر شے کی میعاد مقرر ہے فلہٰذا تم اپنی لونڈیوں کو برتن توڑنے پر مت مارو۔

ف : خلاصہ یہ کہ جس نے نماز ترک کی گویا اس نے ذکر اور حضور مع اللہ سے توجہ ہٹالی کیونکہ انسان کا بہتر معاملہ کامل بیداری میں ہے۔ جب نفس غفلت میں پڑتا ہے تو اس سے حیات اور اس کے اسباب منقطع ہو جاتے ہیں

جیسے بیداری اور نیند کا فرق ظاہر ہے ایسے ہی غافل و ذاکر و شاغل کا حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہر وقت نماز میں ہیں ان پر تو موت صرف ان کے ظاہر پر طاری ہوتی ہے۔ ان کے بواطن ویسے ہی زندہ ہوتے ہیں اور وہ مرتے نہیں، بلکہ وہ ایک دار (فنا) سے منتقل ہو کر دوسرے دار (بقا) میں چلے جاتے ہیں (کذا ورد فی الآثار) اور میرے نزدیک یہی توجیہ موزوں ہے (واللہ اعلم)

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط یعنی نماز تمام طاعاتِ الٰہی سے عظیم تر ہے۔ اسے ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا:

فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔

وہ اس لیے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اس میں ذکرِ الٰہی ہے اور وہ تمام اذکار سے افضل و اعلیٰ بلکہ تمام طاعات و عبادات سے بہتر و برتر اور جملہ برائیوں سے روکنے والا ہے۔ اسی معنے پر اسے افضل الطاعات والعبادات کہا گیا ہے۔ کیونکہ ذکر سے اسی کی یاد نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاذکرونی اذکرکم۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حدیثِ قدسی "میں بندے کے گمان کے مطابق ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس سے بہتر ہے۔ بلکہ اس کی یاد سے کئی گنا زیادہ یاد کرتا ہوں۔"

ف: اس سے خالص ذکر مراد ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ ہر نوع کی ریا اور شہرت بلکہ دیگر طاعاتِ ظاہرہ کی ملاوٹ سے مبرّا اور منوّر ہے۔ ایسا ذکر کفار کی گردن زدنی کی عبادت سے بہتر ہے بلکہ گردن آزاد کرنے اور احباب پر مال لٹانے سے افضل ہے۔ ذکر کا پہلا مرتبہ توحید پھر تجرید پھر تفرید ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف "المفردون سبقت لے گئے۔ عرض کی گئی: المفردون کون ہیں؟ فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔"

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

(۱) اصل تجرید ست وداع شہوتست
بلکہ کلی انقطاع لذت ست

(۲) گرتو ببریدی ز موجودات امید
آنکہ از تفرید کردی مستفید

ترجمہ: (۱) اصل تجرید شہوت سے دُور رہنا بلکہ جملہ لذات سے کُلی انقطاع کرنا (۲) اگر تم جملہ موجودات سے امیدیں ختم کردو تو پھر تمہیں تفرید سے کچھ فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔

ف: ذکر تمام غفلتوں کو مار بھگاتا ہے۔ اسی لیے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جنت میں ذکر نہیں اس لیے کہ وہاں غفلت ہے ہی نہیں۔ بلکہ اہلِ جنت دائم الحضور ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فحشاء و منکر قلب کے امراض میں سے ہیں اور قلب کے لیے سب سے بڑا مرض نسیان ہے اور اس کے ازالہ کے لیے سب سے بڑا علاج ذکرِ الٰہی ہے۔ اگرچہ تلاوتِ قرآن اور نماز اس کا ازالہ کرتے ہیں۔ لیکن ذکرِ الٰہی اس سے فزوں تر ہے۔ اس لیے اطباء کا قاعدہ ہے علاج بالضد زیادہ مفید ہوتا ہے۔

سوال: ذکر اور تلاوتِ قرآن اور نماز سب کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور وُہ خود بیمار ہے اور بیمار کا ہر فعل کمزور ہوتا ہے۔ پھر وہ قلب کے مرض کا ازالہ کس طرح کریں گے۔

جواب: ذکرِ الٰہی بمنزلہ اکسیر ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاذکرونی اذکرکم۔

یعنی گویا اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا ایک اکسیر ہے کہ جونہی وُہ (ذکر) کمزور قلب پر اثر انداز ہُوا تو اس کی جملہ کمزوریاں دور ہو کر خالص سونا بن گئیں۔ گویا اس کی یہ کمزوری ذات (مذکور) کی برکت سے دُور ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ بندے کا ذکر ذکرِ حق میں فنا ہوگیا۔ اسی معنے پر ذکر اللہ اکبر ٹھہرا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا: ذکر الذات مقام فنا محض میں اور صلاۃ الحق عند التمکین مقام بقا میں جمیع الاذکار سے اکبر اور جمیع صلوات میں افضل ہے۔

ف: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا تمہاری یاد سے اکبر بایں معنیٰ ہے کہ اس کا یاد کرنا محض اس کا فضل و کرم ہے اور ہماری یاد میں آرزوئیں اور اسباب و علل و سوالات مضمر ہوں گے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا: جب تم نے کہا کہ ذکرِ الٰہی بندے کے ذکر سے اکبر ہے تو تم نے حادث و قدیم کا مقابلہ کیا اور تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اللہ مخلوق سے احسن ہے تو یہ غلط ہے اس لیے نہ قدیم کا موازنہ قدیم سے ہونا چاہیے اور اسی طرح اس کا ذکر ذکرِ الٰہی کا موازنہ کرسکے گا۔ پھر کون کا مکوّن کے ساتھ موازنہ کیسا!

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ ذکرِ الٰہی دوسروں کے ذکر سے بہتر ہے اس لیے کہ ذکرِ الٰہی طاعت ہے اور غیروں کا

ذکر طاعت نہیں ۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اوقات خوش آں بود کہ با دوست بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصل و بے خبری بود

ترجمہ : بہتر اوقات وہی ہیں جو دوست کے ساتھ بسر ہوں ۔ ورنہ باقی جملہ اوقات بے سُود اور بے خبری پر مبنی ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ ○ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو تم ذکرِ الٰہی و دیگر طاعات عبادات کرتے ہو ۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں ۔ اس پر وہ تمہیں بہتر جزا دے گا ۔

تفسیر صُوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ احوال و مقامات کو جانتا ہے جو تم یقین رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو معاصی و سیئات سے بچنے والے اور طاعات و عبادات بالخصوص نماز کی طرف متوجہ اور عالمِ سر و خفیات کی طرف راغب ہونے والے کا علم ہے ۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ دل کو تمام مشاغل سے فارغ رکھے ۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا کہ حضورِ قلب کی نماز دیگر نمازوں سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔

حکایت ایک شخص رو رو کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتا ہے کہ اسے کوئی ایک نماز مقبول نصیب ہو ۔ ایک دن اس نے حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن دل میں کہا کہ ان کی تو قرأت اچھی نہیں ۔ اس کے بعد نماز میں مشغول ہُوا ۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ تجھے ایک نماز مقبول نصیب ہُوئی لیکن افسوس کہ تُو نے اس کی قدر نہ کی ۔

سبق اصلاحِ باطن ایک اہم امر ہے اسی سے ہی لوگوں کے درجات مراتب اور نیکیوں کے درجات مختلف ہوتے ہیں اور فلاحِ حقیقی اپنے وجود کو وجود واجب الوجود میں محو کرنے میں ہے ۔ بندہ ارکانِ شریعت و آدابِ طریقت کو بجا لاکر کما لیتہ جزا کا ادراک کرکے عالمِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ ہی اسے اس کا ادراک ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مفتاحِ شریعت و بضاعۃ طریقت کو تم کس طرح استعمال کرتے ہو کہ وجود مجازی کے ابواب کو کھولا جا سکے اور وجودِ حقیقی کے کنزِ مخفی کا وصال نصیب ہو ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں فعلِ حسن اور وضعِ جمیل کی توفیق بخشے اور ہمیں مقامِ ارفع اور اجرِ جزیل عطا فرمائے ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَا تُجَادِلُوۡۤا اَہۡلَ الۡکِتٰبِ ۔ المجادلہ والجدال بمعنے ایک دوسرے سے سخت جنگ کرنا (کذا فی التاج)

امام راغب نے فرمایا : الجدال بمعنے المعارضۃ علیٰ سبیل المنازعۃ والمغالبۃ (ایک دُوسرے کو ایک دوسرے کے منازعۃ و مغالبۃ کے طور سپرد کرنا) یہ جَدَلۡتُ الحَبۡل سے ہے بمعنے اَحۡکَمۡتُ فَتۡلَہٗ گویا کہ دو

لڑنے والے ایک دوسرے کو اپنی رائے پر مجبور کرکے جھگڑنا چاہتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اہلِ کتاب کے ساتھ مت جھگڑو اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ق مگر ساتھ ایسے طریقے کے جو سنجیدہ ہو۔ مثلاً سختی کے بجائے نرمی سے اور جوش اور غیظ و غضب کے بجائے حوصلہ سے اور شر انگیزی کے بجائے پند و نصیحت سے اور عجلت کے بجائے تاخیر و احتیاط سے معاملات سلجھاؤ تاکہ درمیان میں الجھنیں نہ پیدا ہوجائیں اور نہ ہی ان کے ساتھ دنیوی امور کے بڑے بڑے اور اہم معاملات کا لین دین کرو اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ مگر ان میں سے وہ جو ظالم ہیں یعنی وُہ جو عناد اور تجاوز عن الحد میں زیادتی کرتے ہیں۔ کافر کو یہاں پر ظلم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ کافر جب فسق و فجور کا ارتکاب کرے تو اس کو مبالغہ سے یاد کیا جاتا ہے اور کافر کا مبالغہ ظالم ہی سے ہے یا وہ ظالم بایں معنیٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا اثبات کرتے تھے یا اس سے عہد شکن اور جزیہ نہ دینے والے وغیرہ مراد ہیں۔ ایسے ظالموں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جس کے وُہ اہل ہیں۔ مثلاً زبانی گفتگو سختی سے ہو یا تلوار سے یا تیروں سے وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا اور کہو کہ ہم صدق و اخلاص کے ساتھ ایمان لائے ہیں بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا ساتھ اس کے جو ہمارے ہاں نازل ہُوا یعنی قرآن مجید پر وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ اور اس پر جو تمہارے ہاں نازل ہُوا یعنی تورات و انجیل۔

شانِ نزول حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سُنا کہ اہلِ کتاب اپنی کتابیں اہلِ اسلام کو عربی میں پڑھ کر سُناتے اور اپنی رائے پر تفسیر گھڑ کر سمجھاتے ہیں تو فرمایا ، نہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب ، بلکہ کہو کہ ہمارا اللہ تعالیٰ ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان ہے اگر وہ اہل کتاب باطل قول پیش کریں تو اس کی تصدیق نہ کرو اگر وُہ حق بات پیش کریں تو تکذیب نہ کرو۔

ف : ابن الملک نے فرمایا کہ ان کی تصدیق و تکذیب سے اس لیے روکا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر رکھی تھی اور ہر بات تحریف شدہ مضامین سے پڑھ کر سُناتے۔ اگر اہلِ اسلام ان کی تصدیق کرتے تو باطل کی تصدیق لازم آتی اگر وہ تکذیب کرتے تو ان کی بعض باتیں حق ہوتیں تو حق کی تکذیب لازم آتی۔

قاعدہ : اسی سے فقہاء کرام نے وُہ قاعدہ ثابت کیا ہے کہ جس امر کا علم نہ ہو اس پر توقف لازم ہے نہ اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے نہ ہی اسے باطل ٹھہرایا جاتے۔ یہی ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا دستور رہا۔

وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ اور ہمارا تمہارا ایک معبود ہے اس کی الوُہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ○ اور ہم صرف اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اس میں اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو تنبیہ ہے کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو معبود بنا رکھا تھا وَکَذٰلِکَ یہ اشارہ اسی مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے یعنی مثل اسی انزال بدیع کے جو تمام کتب منزّل من السماء کے موافق ہے اَنْزَلْنَآ

اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ہم نے کتاب کو نازل کیا یعنی قرآن کو فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ پس وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے کتاب دی، اس سے یہود و نصاریٰ دونوں گروہ مراد ہیں یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں کہ انہوں نے یہودیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا ان کے ماسوا کو کتاب عطا ہی نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور عمل نہ کرنے والے کو قرآن مجید جاہل سے تعبیر کرتا ہے یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس سے پہلے گزرے ہیں کیونکہ یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کی تصدیق کرتے تھے جیسے قیس بن ساعدہ و بحیرا و نسطورا و ورقہ وغیرہم۔ ان مذکورہ اور ان جیسے حضرات کو کتاب دینے کی خبر میں اشارہ ہے کہ اصلی کتاب توراۃ، انجیل ان کے ہاں تھی ورنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین سے تو اصلی کتاب منسوخ ہو چکی تھی اور اس کی بھی وہ لوگ تحریف کر چکے تھے۔ اس معنے پر حضور علیہ السلام کے معاصرین کو کتاب دی ہی نہیں گئی اور فاء مابعد ماقبل کی ترتیب کے لیے ہے اس لیے کہ ایمان لانا قرآن مجید کے انزال کے بعد ہی مرتب ہونا تھا وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ اور اہلِ عرب میں سے بعض مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ وہ ہیں جو قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں وَمَا یَجْحَدُ۔

حل لغات: الجحد بمعنے قلبی نفی کا اثبات کرنا۔

بِاٰیٰتِنَآ ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ اس کی عظمت شان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اور اسے آیات سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ اس کے معانی کی دلیلیں واضح اور روشن ہیں اور ساتھ ہی بتانا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہی آیا ہے۔ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ۝ مگر وہ گروہ جو کفر میں بہت زیادہ منہمک اور اس کے دوام پر مصمّم ارادہ رکھنے والے ہیں۔ یہی بات انہیں اس میں نہ غور و فکر کا موقعہ دیتی ہے اور نہ ہی اس رکاوٹ کی معرفت حقیقت کی طرف پہنچ سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں ارباب و اصحاب علوم باطنیہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے علوم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اسی لیے ان پر لازم ہے کہ وہ ظاہری علوم سے گفتگو فرمائیں کہ جس میں انہیں طریق کسب و دراستہ کا نرمی اور حوصلہ اور سکون کا طریقہ ہوتا کہ فتنہ نہ اُٹھے اور نہ ہی انہیں انکار کی گنجائش ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا ہے وہ دلائل کشفیہ اور براہین حقیہ کی تصدیق کرتا ہے کہ واقعی وہ منجانب اللہ ہیں اور اسی میں حق ہے اور اسی سے ہدایت نصیب ہوتی ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ محروم کرتا ہے وہ ایسے کشفیہ دلائل کا انکار کرتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے سے بعید ہوتا رہتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہرکرا مشک نصیحت سود نیست — لا جرم با بُوے بدخو کرد نیست
۲ مغز را خالی کن از انکار یار — تاکہ ریحان یابد از گلزار یار
۳ کاشکے چوں طفل از حیل پاک آمدی — تا چو طفلاں چنگ در مادر زدی

ترجمہ: (۱) جسے نصیحت جیسی خوشبُو سود مند نہیں اسے بدبو سے عادت بنانی ہے۔
(۲) مغز کو انکار یار سے خالی کرتاکہ تجھے گلزار کا ریحان (پھول) نصیب ہو۔
(۳) کاشکے تم بچوں کی طرح حیلوں سے پاک ہوتے تاکہ تم اپنے ننھے بچوں کی طرح ماں کے دامن میں ڈالتے۔

مسئلہ: مجادلہ فی الدین ناجائز ہے بلکہ ایسا مجادلہ اعمال حبط کرتا ہے جبکہ وہ تفنناً اور باطل کی ترویج کے لیے ہو اگر اظہارِ حق کے لیے ہو تو شرع مطہرہ نے اس کا حکم دیا ہے۔

وہابی عقیدہ خارجی اصول والے کے ساتھ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا مناظرہ ایک شخص نے کہا کہ غیر اللہ کسی شے کا مالک نہیں، یہاں تک کہ میں اپنے حرکات و سکنات اور عورت کی طلاق اور لونڈی آزاد کرنے کا بھی مالک نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ کیا اپنی لونڈی کا مالک بحیثیت غیر مالک کے ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اگر تو کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا غیر ہو کر اس کا مالک ہوں تب بھی تو نے غیر اللہ کی ملکیت ثابت کی اگر یہ کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ مالک ہوں تو تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو شریک بنایا (اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا) (کذا فی شرح المواقف)

حکایت سعدی رحمہ اللہ ایک شخص درویش صفت کو مجلس میں دیکھا وہ دولت مندوں کی مذمت میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے کہا اے دوست دولتمند تو زائرین کا مقصود اور مسافروں کی جائے پناہ ہے ان کی عبادت قبولیت کے قریب تر ہے کیونکہ ان کی خاطر جمع ہے اور بے فکر ہیں یہ لوگ پریشان خاطر نہیں ہیں حدیث شریف میں ہے: الفقر سواد الوجہ فی الدارین (تنگدستی دونوں جہانوں میں سیاہ روئی کا موجب ہے) میں نے کہا چپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقر میں اس گروہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو مرد میدانِ رضا اور تیر قضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے ہیں اور تنگدست فقیر کا حال تو یہ ہے کہ ایسے لوگ تو پریشانی سے کفر کا انجام پاتے ہیں (کاد الفقر ان یکونوا کفرا یعنی فقر کو قریب ہے کہ وُہ کفر کا موجب بنے) ؎

باگرسنگی قوت و پرہیز نماند — افلاس عنان از کف تقویٰ بستاند

ترجمہ: بھوک میں قوت و پرہیز گاری نہیں رہتی تنگدستی تقویٰ کے ہاتھ سے باگ چھین لیتی ہے۔

کہا کہ دولتمندوں کا گروہ مغرور ہے کسی کی طرف دیکھتے ہیں تو کراہت کی نگاہ سے، جو بات کہتے ہیں تو بیوقوفی سے، اور علماکرام کو گداگری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور فقراء عظام پر بے سرو سامانی کا عیب لگاتے ہیں۔ میں نے کہا دولتمندوں کو بُرا نہ کہہ کیونکہ یہ لوگ صاحب کرم ہیں۔ کہا غلط کہہ رہے ہو یہ لوگ تو پیسے کے غلام ہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں بیادون کا بادل ہیں لیکن برستے نہیں۔ میں نے کہا آپ بھی بخل والے فقیروں سے بے خبر ہیں ورنہ جسے طمع کا مرض نہ ہو اس کے لیے بخیل و کریم

یکساں ہیں۔ اس نے کہا میں تجربے سے کہہ رہا ہوں اس لیے کہ دروازے پر نوکر کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ صاحب سنیز کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ صاحب یہاں نہیں ہیں۔ اور وہ بھی سچے ہیں اس لیے کہ ؎

آنرا کہ عقل و ہمت و تدبیر و رائے نیست — خوش گفت پردہ دار کہ کس درسرائے نیست

ترجمہ، جسے عقل و ہمت و تدبیر و راستے نہ ہو، صحیح کہا اس پردہ دار نے کہ سرائے میں کوئی نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل یعنی انزال قرآن سے پہلے آپ کی عادت نہ تھی کہ آپ پڑھتے مِنْ كِتٰبٍ آسمان سے نازل شدہ کتابوں میں سے کسی کتاب کو وَّلَا تَخُطُّهٗ اور کتابوں میں سے کسی شے کو لکھتے۔

حلِ لغات : الخط بمعنے درازی جسے کسی حیثیت سے درازی حاصل ہو اس پر لفظِ خط بولتے ہیں۔ یہاں پر کتابت (لکھنا) مراد ہے۔

بِيَمِيْنِكَ سیدھے ہاتھ سے۔ جیسا کہ عادت ہے کہ عموماً سیدھے ہاتھ سے لکھا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اُلٹے ہاتھ سے لکھتے ہیں اس لیے کہ اُلٹے ہاتھ سے لکھنا بھی نوادر میں سے ہے، بلکہ یہاں مطلقاً لکھنے کی نفی ہے۔

ردِّ شیعہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے لکھنا جانتے تھے لیکن نزولِ وحی کے بعد آپ کو لکھنے سے منع کیا گیا اور دلیل میں کہتے ہیں کہ و لا تخطہٗ نہی کا صیغہ ہے اور صیغہ نہی سے لکھنے کا ثبوت ملتا ہے ورنہ نہی کا کیا معنیٰ!

چنانچہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ طاء کو مفتوح پڑھا گیا ہے۔ یہ روایت شاذہ ہے۔ اور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے لکھنا نہیں جانتے تھے۔

الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ شیعہ کا قول مردود ہے اس لیے کہ اگر لا تخطہٗ نہی کا صیغہ ہوتا تو طاء کو مفتوح یا مکسور یا بفک الادغام یا اسے بصیغۂ تفعیل پڑھا جاتا۔

اِذًا یعنی اگر آپ کی لکھنے پڑھنے کی عادت ہوتی تو اس وقت لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○

حلِ لغات : المختار میں ہے کہ الریب بمعنے الشک۔

امام راغب نے لکھا کہ الریب بمعنے کسی شے کے بارے میں وہم کرنا کہ اسی کے وہم کے مطابق منکشف ہو جائے گی۔ اور الارابۃ بمعنے وہم کرنا کہ اس کے وہم کے مطابق شے منکشف نہ ہوگی اور ارتیاب، ارابۃ کے قائم مقام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے ارتیاب سے نفی کی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولا یرتاب الذین اوتوا الکتب والمؤمنون۔ (اہلِ کتاب اور مومن شک نہیں کرتے)

المبطل ہر وہ شخص جو باطل کو لائے اس کی نقیض المحق آتی ہے اور المحق ہر وہ شخص جو حق لائے، اس لیے کہ باطل کی نقیض حق آتی ہے۔ المفردات میں ہے کہ البطال بمعنے شے کو فساد اور زائل کرنا وہ شے حق ہو یا باطل۔

قال تعالیٰ لیحق الحق و یبطل الباطل۔
اور المبطل ہر اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ایسی بات کہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔
اب مطلب یہ ہُوا کہ اگر آپ بظاہر لکھے پڑھے ہوتے تو کافر و مشرک کہتے کہ نبی علیہ السلام نے یہ قرآن مجید کسی سے سیکھا ہوگا یا پُرانی کتابوں میں سے مضامین تیار کر لیے ہوں گے۔ جب ہم نے آپ کو اُمّی بنا کر بھیجا تو اب باطل پرستوں کو آپ کے حق میں چہ میگوئی کی گنجائش ہی نہیں اور نہ ہی انہیں ایسے باطل گوئی کے شک و شُبہ کا موقعہ دیا گیا ہے۔

ف : کاشفی صاحب نے لکھا کہ تباہ کار اور کجرو یعنی مشرکین عرب شک میں پڑ جاتے اور کہتے ہیں جب یہ نبی پڑھا لکھا ہے تو اس نے پُرانی کتابوں سے قرآن مجید کے مضامین تیار کر لیے ہیں اور وہی مضامین پڑھ کر ہمیں سناتے ہیں یا پھر یہودیوں کو شک گزرتا کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پڑھا تھا کہ آپ اُمّی ہوں گے اور یہاں معاملہ برعکس ہے کہ آپ پڑھے لکھے ہیں فلہٰذا وہ آپ کی نبوت کا انکار کر دیتے اب انہیں بھی انکار کی گنجائش نہیں اور نہ ہی شک و شبہ کا موقعہ ملا۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو المبطل کیوں کہا، اگر آپ اُمّی نہ ہوتے تو یہود اپنے دعوے میں سچے ہوتے کہ ہم نے تو انھیں تورات میں اُمّی پڑھا تھا لیکن یہ تو پڑھے لکھے ہیں۔ اب یہودیوں کو بھی المبطلون میں شامل کیا گیا اور کفارِ مکہ کو بھی کہ وہ اپنے دعوے میں سچے ہوتے اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو کہتے ہیں کہ کسی سے پڑھ کر یا کہیں مضمون دیکھ کر تیار کر لیا ہے، ایسا نہیں ہوا۔ اس طرح سے کفارِ مکہ کو بھی المبطل کہا گیا۔ وجہ کیا ہے؟

جواب : دراصل انہیں کافر و مبطل وغیرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر و تکذیب کی وجہ سے کہا گیا ہے کافروں کو جب یقین تھا کہ آپ پڑھے لکھے ہوئے نہیں اور نہ ہی کسی سے پڑھ کر، سُن کر قرآن مجید تیار کیا اور ان کے جملہ توہمات کے دروازے بند کر دئے گئے لیکن اس کے باوجود آپ کی مخالفت پہ ڈٹے ہوئے تھے فلہٰذا انہیں مبطل کہنا حق تھا اسی طرح یہودیوں نے جب اپنی تورات کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی پایا تب بھی انکار کیا تو مبطل ٹھہرے۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کہہ کر احسان جتلایا ہے حالانکہ آپ کو لکھنا پڑھنا آتا تو وہی کمال تھا نہ کہ نقص و عیب۔

جواب : (۱) آپ کو اُمّی کہنے میں ایک وجہ تو وہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو تورات میں بتا دیا تھا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی بن کر تشریف لائیں گے۔ اسی طرح نصاریٰ کو انجیل میں بتا دیا تھا۔ یہاں اسی وعدہ کو محقق کرنے کے لیے فرمایا کہ اے اہلِ کتاب! یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے متعلق میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہ اُمّی ہوں گے فلہٰذا پورے طور غور و فکر کر لو اگر ان کا انکار کرو گے تو مارے جاؤ گے۔

(۲) یہ بھی معلوم کرانا تھا کہ لکھنا پڑھنا ایک صنعت ہے اور صنعت ایک دنیوی امر ہے جسے مدح و ذم سے کوئی

تعلق نہیں۔

(۳) لکھنے پڑھنے کی غرض و غایت یہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے امور کو لکھ پڑھ لے تاکہ بعد کو غفلت کی وجہ سے فراموشی کا شکار نہ ہو جائے اور حضور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی غفلت و فراموشی سے منزّہ اور مبرا تھے اسی لیے آپ کو لکھنے پڑھنے سے کیا غرض، جیسے ایک شخص کی آنکھ تندرست ہو تو اسے کسی سہارے یا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والے کی کیا ضرورت!

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہوئی عبارات کو جانتے اور بسا اوقات اس کی خبر بھی دیتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ سے لکھنا ثابت نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وہی بات جو پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کہتے کہ یہ وُہ نبی علیہ السلام نہیں جن کے اوصاف تورات و انجیل میں لکھے گئے تھے اور کافر و مشرک بھی کہہ دیتے کہ انہوں نے قرآن پرانی کتابوں سے تیار کر لیا ہے۔

(ہم اہلسنّت اسی مضمون یعنی یہود و نصاریٰ کے لیے علامت کے اظہار کو ایک قاعدہ کے طور وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ کو پیش کرتے ہیں جب وُہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ مبارک اور تصرف و اختیار پر حملہ کرتے ہیں۔ تفصیل تصانیفِ اہلسنت یا فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے[1])

سایۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کا نکتہ اور جواب نیساپوری نے لکھا کہ آپ نے لکھنا اس لیے اختیار نہیں فرمایا کہ جس وقت آپ لکھتے تو قلم اور ہاتھ کا سایہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی پر پڑتا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک کی بے ادبی کے باعث لکھنا اختیار ہی نہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اپنے ہاتھ اور قلم کے سایہ کو میرے اسم پر پڑنے کو گوارا نہیں فرماتے تو میں بھی آپ کے لیے آپ کے غلاموں کو حکم فرماتا ہوں کہ وُہ آپ کے سامنے اونچا نہ بولیں اور آپ کا سایہ بھی زمین پر پڑنے نہیں دیتا تاکہ آپ کے سایہ پر کسی کے قدم نہ پڑیں تاکہ آپ کی بے ادبی نہ ہو۔

(یہ تھے اسلاف صالحین جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا یقین تھا اور یہ ہیں آج کے موحد مومن کہلانے والے وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی جو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تاریک سایہ کے اثبات میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں[2])

نورانیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نفیِ سایہ کا حوالہ (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] ایضاً

نہ ہونے کی دلیل میں لکھتے ہیں کہ)

وقیل انہ نور محض ولیس للنور ظل وفیہ اشارۃ الی انہ افنی الوجود الکونی الظلی وھو نور متجسد فی صورۃ البشر وکذلک الملک اذا تجسد بصورۃ البشر لا یکون لہ ظل وبذلک علم بعض العارفین تجسد الارواح القدسیۃ۔
(روح البیان ج ۶ ص ۰۸۴ مطبوعہ مصر)

اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالص نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ نے وجودِ کونی ظلی کو فانی بنا دیا اور وہ نورانی جسم میں بشری صورت میں اور ایسے ہی فرشتہ جب بشری صورت اختیار کرتا ہے تو اس کا سایہ نہیں ہوتا ایسے ہی بعض عارفین کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ارواح جن اجسام میں جلوہ گر تھیں ان کے بھی سائے نہ تھے۔

(ف : غور کیجئے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ تو فرمائیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور بشکل بشر تھے۔ اسی لیے سایہ نہ تھا۔ اور آج کے موحد مومن کہلوانے والے وہابی کہیں کہ وہ ہم جیسے خاکی بشر تھے، ان میں اور ہم میں صرف نبوت کا فرق ہے۔ فیصلہ ناظرین خود فرمائیں۔ صاحبِ روح البیان تو بعض اولیاؑ کے لیے بھی سایہ کی نفی کر گئے۔)[1]

نحوست بھرے ارواح جب ارواحِ خبیثہ جسمانیت سے متعلق ہوتے ہیں تو ان کے سایہ کی ظلمت و کثافت بہ نسبت دوسرے اظلال کونیہ کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس بحث کو خوب یاد کر لو اور سمجھ لو۔

اُمّی ہونا معجزہ تھا تیسیر میں لکھا ہے کہ لکھنا اور پڑھنا فضیلت و کمال کا موجب تھا لیکن دوسرے پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کے لیے اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ لکھنا پڑھنا معجزہ تھا اور جب معجزہ ظاہر ہو گیا تو آپ کے اُمّی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہا۔ تو آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت اور کمال بھی عطا فرمایا تاکہ آپ کا دوسرا معجزہ ظاہر ہو۔

حدیث شریف اور دلیلِ اہلسنّت ابنِ ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا کہ حضرت عون بن عبداللہ سے مروی ہے کہ :

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کتب وقراء۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۸۰ مطبوعہ مصر)

اور آپ کا لکھا پڑھا ہوا ہونا آیت قرآنی کے منافی نہیں اس لیے کہ آپ سے ان دونوں کی نفی کرنا مقید بہ قبل نزول ہے اور اثبات بعد از نزول کے لیے ہے۔ لیکن صحیح اور قریب تر مذہب یہ ہے کہ آپ از اول تا آخر عمر اُمی رہے۔ کذا قال الکاشفی ؎

۱ بقلم گر نرسید انگشتش
بود لوح وقلم اندر مشتش

۲ از سواد خط اگر دیدہ بست
بکمالش نرسد ہیچ شکست

۳ بود او نور خط تیرہ ظلم
نشود نور و ظلم جمع بہم

ترجمہ: (۱) قلم کو آپ کی انگلی نہ لگی لیکن لوح وقلم آپ کی مٹھی میں تھی۔
(۲) اگرچہ لکھنے پڑھنے سے تعلق نہ رکھا لیکن آپ کے کمال میں کوئی کمی نہ آئی۔
(۳) لکھنا تو تاریکی اور ظلمات ہے اور آپ تو نورِ مجسّم تھے۔ نور وظلمات یکجا کیسے اکٹھے ہو سکتے تھے!

شانِ ارفع واعلیٰ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعض مشایخ نے فرمایا کہ جس ذات کی خادم قلم اعلیٰ ہو اور جن کی نگاہ لوح پر ہو انہیں ظاہری لکھائی اور علوم کی کیا ضرورت ہے جبکہ ان علوم اور کتابت کو آلاتِ جسمانیہ کی محتاجی ہے اس لیے کہ صنعتِ ذہنیہ اور قوتِ طبعیہ آلاتِ جسمانیہ سے صادر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک نوجوان انصاری نے اپنے ضعفِ حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ (اپنے ہاتھ سے مدد لیا کرو) یعنی لکھ لیا کرو۔

دُنیا کا پہلا کاتب منقول ہے کہ سب سے پہلے عربی، فارسی، سریانی، عبرانی، حمیری، یونانی، رومی، قبطی، بربری، اندلسی، ہندی، چینی آدم علیہ السلام نے مٹی کے گارے پر لکھ کر اسے آگ پر پکایا اور جونہی اسے زمین پر رکھا تو ہر لغت کا لکھا ہوا ٹکڑا علٰحدہ ہو کر کتابی شکل میں ہوا، جسے

(اپنی بولی کو) ہر قوم نے لکھ لیا۔ اور عربی بولی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حصّے میں آئی۔

سوال : مشہور ہے کہ سب سے پہلے کاتب ادریس علیہ السلام ہیں۔

جواب : ادریس علیہ السلام رمل کے فن کے مُوجد تھے اور وہ اس فن کے لحاظ سے پہلے کاتب مشہور ہو گئے، ورنہ حقیقۃً سب سے پہلے کاتب آدم علیہ السلام ہی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ جب انسان کا قلب معلومات سے اور سِرّ مرقومات سے متجرد ہوتا ہے اور روح موہومات سے پاک ہو تو یہ فطرت سے قریب تر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ نفوس سفلیہ یعنی حسیات و خیالات و توہمات میں مشغول نہیں ہوتے۔ پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ مغیبات ربانی سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ ان میں پھر نہ طبع کی ملاوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسب کی مشارکت اور تکلفِ بشریہ کو کوئی دخل ہوتا ہے۔

ہذا حظ الشیطان منک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کا ابتدا دحال میں ہر عمل جبریل علیہ السلام کی حاضری سے مشروط تھا۔ اسی لیے انہوں نے حضور علیہ السلام کے قلبِ اطہر سے کوئی شے نکالی اور عرض کی :

هذا حظ الشیطان منك -

(یہ حصّہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا جو میں نے باہر نکال دیا ہے)

لیکن جب قلب کا حال انتہا کو پہنچا تو لکھنے پڑھنے کے نقوش تعلیمیہ سے محفوظ ہو گیا بلکہ انزالِ قرآن کے قابل تھا۔ اسی لیے یہ صرف آپ کا خاصہ تھا کہ قرآن کا نزول قلبِ اطہر پر ہوتا۔ کما قال :

نزل به الروح الامین علیٰ قلبك -

(آپ کے قلب مبارک پر روح الامین نے نازل کیا)

اور یہ خصوصیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نصیب نہ تھی۔

ربط : مذکورہ بالا کمال آپ کے طفیل آپ کے فرمانبرداروں کے لیے ثابت فرماتے ہوئے فرمایا :

تفسیر عالمانہ بَلْ هُوَ بلکہ وہ قرآن اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ آیات بیّنات واضحات ثابتات راسخات ہیں فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم عطا ہوا کہ وُہ کتاب یعنی قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ وہ اسے حفظ کر لیتے ہیں اسی لیے کسی قرآن مجید کی تحریف کا امکان نہیں۔

ف : جناب کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جن لوگوں کے سینے میں علوم ہیں ان سے مومن اہلِ کتاب یا

صحابہ کرام مراد ہیں۔ وہ قرآن مجید کو حفظ کرتے ہیں تاکہ اس میں تحریف کا امکان نہ رہے۔

فائدہ عجیبہ قرآن مجید کو یاد کرلینا اسی اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا التحیہ والاثنیہ کا خاصہ ہے۔ پہلی امتیں اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتی تھیں بلکہ انھیں دیکھ کر پڑھتی تھیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ قرآن مجید کا سینے میں محفوظ ہونا اسی کا خاصہ ہے کیونکہ پہلی امم کے افراد اپنی کتب دیکھ کر پڑھتے تھے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کو یاد نہ ہوتی تھیں۔

ازالۂ وہم: قارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حافظِ توراۃ تھا۔ یہ شہرت روایاتِ صحیحہ سے ثابت نہیں۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں دُعا کی:

اے الٰہ العالمین! میں نے تورات میں ایک ایسی اُمت کا نام پڑھا ہے جن کے سینوں میں قرآن مجید محفوظ ہوگا اور وہ اسے دیکھ کر کبھی پڑھیں گے الخ

(اس سے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیہ والثناء مراد ہے)

اگر سابقہ اُمتوں بالخصوص موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے ہاں لکھی ہُوئی کتابیں نہ ہوتیں تو وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کے احکام یاد کرلیتے کیونکہ ان کی استعداد بھی باکمال تھی اور قوتِ حافظہ بھی تیز تھی لیکن انہیں یہ دولت نصیب نہ ہُوئی۔ اسی لیے جونہی انبیاء علیہم السلام کا وصال ہوتا تو عرصہ کے بعد ان کی شریعتوں کے معاملات میں گڑبڑ ہو جاتی۔ ایسے ہی توراۃ وانجیل کا معاملہ ہُوا۔

ف: یہود و نصاریٰ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے اسی حفظِ قرآن کی وجہ سے حسد ہے۔ (ایسے ہی شیعہ پارٹی حفظِ قرآن مجید کی دولت سے محروم ہے)[1]

حافظِ قرآن مجید کے فضائل (۱) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس جسم کو آگ سے محفوظ رکھے گا جس کے دل میں قرآن مجید محفوظ ہوگا۔

(۲) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قلب کہ جس میں قرآن مجید کی آیت نہ ہو ویران گھر کی طرح ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو یاد کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے وہ سینوں سے اونٹ بندھے ہوئے کے چھوٹنے سے بہت جلد نکلنے والا ہے یعنی جیسے ہی اونٹ کے پاؤں سے رسّی کھولی جاتی ہے تو وہ فوراً بھاگ جاتا ہے۔

اور حدیث شریف میں تعاھدوا واقع ہوا ہے۔ از تعھد بمعنے تحفّظ یعنی محافظت وتجدید الامر بہ۔ اس سے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

تلاوتِ قرآن مجید کی محافظت اور اس کے تکرار پر مداومت مراد ہے۔

مسئلہ: قرآن مجید کا کچھ حصہ رات اور دن میں پڑھ لینا چاہیے تاکہ بھول نہ جائے۔

حدیث شریف حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمّت کے گناہ میرے سامنے پیش کیے گئے اس کے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ مجھے ان کا قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا آیۃ بھولنا نظر آیا"۔

بھولنے کا یہ معنیٰ ہے کہ پھر وہ قرآن مجید کو دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ (کذا فی القنیۃ)

ف: ابن عُیَینہ فرماتے ہیں: قرآن یا اس کی سُورۃ یا آیۃ کا بھُولنے والا ملامت کا مستحق ہے، اسے گناہ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سے ترکِ عمل مراد ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے: نسیان بمعنے ترک آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فلما نسوا ما ذکروا بہ۔

یہاں پر نسوا بمعنے ترکوا ہے۔ اور فرمایا:

نسوا اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت ترک کی فنسیھم تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرنا ترک فرمائے گا۔

مسئلہ: شارح جزریہ نے لکھا ہے: قرآن مجید زبانی پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ یہی سلف صالحین سے مشہور ہے لیکن یہ علی الاطلاق نہیں ہے اس لیے کہ جس حافظِ قرآن کو زبانی پڑھنے سے تدبر و تفکر نصیب ہوتا ہے اور جمعیت قلبی اور بصیرت نصیب ہوتی ہے وہ اس دیکھ کر پڑھنے والے سے افضل ہے جو دیکھ کر تو پڑھتا ہے مگر اسے تدبر و تفکر نصیب نہیں ہوتا۔ اگر کسی کے لیے دونوں طریقے ایک سے ہوں تو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس میں قرآن مجید کے دیکھنے اور پڑھنے کے دو ثواب ہیں۔ اور زبانی پڑھنے کا ایک ثواب۔

مسئلہ: دُوسرے سے قرآن مجید سُننا سُنّت ہے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت

چو باطلان ز کلام حقت ملول چیست

ترجمہ: ہر وقت قرآن مجید کے سُننے میں دل لگائیں۔ باطلوں کی طرح حق کے سننے سے دل تنگ نہ کیجئے۔

تفسیر صُوفیانہ کشف الاسرار میں ہے کہ عرفاء کاملین کے قلوب غیبی خزائنِ الٰہی ہیں ان میں حق کے براہین اور سرِّ الٰہی کے بیّنات اور توحید کے دلائل و ربوبیت کے شواہد ہوتے ہیں۔ ان کے

قلوب حقائق کے قانون ہیں۔ اسی لیے ہر شے ان کے قلوب سے طلب کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ چمکیلے موتی صدف سے اور آفتاب تاباں برج فلک سے اور شہد خالص شہد کی مکھی اور نورِ معرفت و وصفِ ذات احدیت عارفین کاملین کے قلوب سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ عارفین کے قلوب معرفتِ الٰہی کے قانون اور تجلی صفات کا مرکز ہیں۔ بلکہ خود ذاتِ حق کو خواصِ عباد کے قلوب سے طلب کیا جائے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا:

"الٰہ العٰلمین! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میں اُن قلوب میں ہوتا ہوں جو محض میری وجہ سے منکسر و خاشع ہیں۔"

مثنوی شریف میں ہے:

۱ از درون و اہلِ دل آبِ حیات
چند نوشیدی و واشد چشمہات

۲ پس غذائے سکر و وجد و بیخودی
از در اہلِ دلاں بر جان زدی

ترجمہ: (۱) اہلِ دل سے ہی آبِ حیات کا پیالہ پی لے، پھر دیکھ تیری آنکھیں کیسی کھلتی ہیں۔
(۲) غذائے سکر و وجد بیخودی کے لیے اہلِ دل پر جان قربان کر دے۔

عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

نکتۂ عرفاں مجو از خاطر آلودگاں
گوہرِ مقصود را دلہائے پاک آمد صدف

ترجمہ: گناہ سے ملوث قلوب سے عرفان مت تلاش کر و گوہرِ مقصود پاک صاف دل سے نصیب ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ باوجودیکہ آیات واضح اور روشن ہیں لیکن ان کا انکار نہیں کرتے اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۝ مگر وہ جو شر و مکابرہ و فساد کی حد میں تجاوز کرنے والے ہیں۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم از لسانِ عیسےٰ علیہ السلام اور شہادت برائے علمِ غیب مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ میں آسمان پر جاتا ہوں میرے بعد تمہارے ہاں فارقلیط یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، وہی روح حق ہیں وہ از خود نہیں بولیں گے ان کی گفتگو شنیدنی ہوگی وہ تمہارے ساتھ حق کی گفتگو کریں گے اور

تمہیں حق راہ پر چلائیں گے۔ اور تمہیں الحوادث والغیوب کی خبر دیں گے اور میری حقانیت کی گواہی دیں گے جیسے میں ان کی نبوت کی گواہی دے کر جارہا ہوں۔ میں نے تمہیں امثال سنائیں۔ وہ تاویل بتائیں گے بلکہ ہر شے کی تفسیر واضح طور پر سمجھائیں گے۔

ف : الحوادث یعنے وہ واقعات جو آنے والے زمانوں میں واقع ہوں گے۔ جیسے خروج دجال وظہور دربہ و طلوع شمس وغیرہ۔ الغیوب سے امور قیامت مراد ہیں جیسے حساب وکتاب، جنت و دوزخ وغیرہ۔ یہ بیانات توراۃ، انجیل، زبور میں نہیں یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رؤیۃ آیات سے جحد و انکار کے زنگ کی خصوصیت ہے کہ جب یہ کسی قلب پر چڑھ جاتا ہے تو قلب ایسے کالا سیاہ ہوجاتا ہے جیسے شیشے پر زنگ چڑھ جائے تو وہ کالا سیاہ ہوجاتا ہے۔ ایسے قلوب پر غیوب کے نقوش ظاہر نہیں بلکہ رویتِ آیات سے اندھے ہوجاتے ہیں۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا :ـ

لہ فی کل موجود علامات و آثار دوعالم پر ز معشوقست گو یک عاشق صادق

ترجمہ : ہر شے میں علامات و آثار ہیں۔ دو عالم معشوق سے پُر ہے اگرچہ ان کا ایک عاشق ہے۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا :ـ

۱ نخست دیدہ طلب کن پس آنگہے دیدار از انکہ یار کند جلوہ بر اولوا الابصار

۲ ترا کہ چشم نباشد حاصل از شاہد ترا کہ گوش نباشد چہ سود از گفتار

۳ اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار

۴ بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدای غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

ترجمہ : (۱) پہلے دید طلب کر پھر دیدار، اس لیے کہ جلوۂ یار آنکھ والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

(۲) جب تجھے دید نصیب نہیں تو پھر محبوب کا تجھے کیا فائدہ۔ جب تیرے کان نہیں تو تجھے کسی کی گفتار سے کیا حاصل!

(۳) اگرچہ تُو نے چہرہ دیکھنے آئینہ لے رکھا ہے تو کیا فائدہ جبکہ تجھے ہمیشہ تاریک بنائے رکھتا ہے۔

(۴) آیئے آئینہ کو توحید کے صیقل سے صاف کیجئے شرک کی غبار سے تاکہ تیرا آئینہ زنگ سے صاف ہو۔

رُوحانی نسخے حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قلب کے تصفیہ کے پانچ نسخے ہیں :

(۱) تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت (۲) قیام اللیل (۳) سحر کے وقت تضرع الی اللہ (۴) خلوت نشینی (۵) نیک لوگوں (اولیاء اللہ) کی صحبت

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح وفلاح سے بنائے بے شک وہی قادر فتاح، فالق الاصباح، خالق المصباح ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْا اور کفارِ قریش نے کہا لَوْلَا تخصیص کے لیے ہے بمعنے ھلا بمعنے کیوں نہیں اُنْزِلَ بھیجی جاتیں عَلَیْہِ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ اس کے رب سے آیات جیسے ناقہ صالح وعصائے موسیٰ ومائدہ عیسیٰ علیہ السلام قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آیات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت اور اس کے حکم کے تابع ہیں وہ انہیں جیسے چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ میرے ہاتھ میں تو نہیں کہ میں انہیں تمہارے مطالبے پر لاؤں وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ بے شک میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی میرا کام ہے کہ میں قہر اللہ تعالیٰ سے ڈراؤں اور خوفِ خدا سے تمہیں آگاہ کروں ان آیات کے ذریعے جو مجھے اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئی ہیں یعنی میں تمہیں اسی زبان میں خوفِ الٰہی سناتا ہوں جو تم سمجھتے ہو۔ یہی بیّنات کا مطلب ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور ردِّ وہابیہ کشف الاسرار میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفین کا مطالبہ کرنا اور پھر آپ کا اسے پورا نہ کرنا مبنی بر حکمت تھا (نہ جیسا کہ وہابیہ نے سمجھا کہ حضور علیہ السلام کو کوئی اختیار نہ تھا ورنہ جب کفار نے مطالبہ کیا تو آپ ان کا مطالبہ پورا کر دیتے)[1]

پہلی حکمت تو یہ تھی کہ کفار کا مقصد ان آیات کا حصول نہ تھا بلکہ محض ضد تھی اور حضور نبی علیہ السلام کو پریشان کرنا مطلوب تھا۔ اگر آپ ان کا مطالبہ پورا کرتے تو پھر وہ اور مطالبہ کر دیتے۔ اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جاتا اور یہ بعثت نبویہ کے مقصد کے سراسر منافی تھا۔

دوسری حکمت یہ کہ انہوں نے ایسی آیات کا مطالبہ کیا جن پر ایمان لانا فرض ہوتا اگر وہ اس سے انکار کرتے تو فوراً عذاب کے مستحق ٹھہرتے۔ جیسا کہ صالح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کا حشر ہوا۔ یعنی اگر وہ انکار کرتے تو ان کی جڑ کٹ جاتی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ انکار پر ان کے ساتھ ایسا ہو گا حالانکہ اس سے قبل خود حضور علیہ السلام نے بڑی الحاح وزاری سے اللہ تعالیٰ سے منوایا کہ رہتی دنیا تک آپ کی اُمت پر عذاب نازل نہ ہو اور آپ کے صدقے تو نزولِ عذاب نہ کرنے کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ سے ہو گیا۔ اگر آپ کفار کا مطالبہ پورا کرتے تو پہلے اپنے پروگرام کی خلاف ورزی کرتے دوسرا اللہ تعالیٰ کے لیے خلافِ وعدہ لازم آتا۔ اور یہ سراسر محال ہے۔ (یہ جوابات وہابیہ کو سنائے جائیں، مانیں گے تو نہیں البتہ حجت ضرور قایم ہو جائے گی)[2]

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ربط : اب کفار کے مطالبہ کا بطلان بیان فرمایا۔

اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ ہمزہ انکار کے لیے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔

حل لغات : الکفایۃ بمعنے کسی شے کے خلل کو بند کرنا اور مقصد و مراد کو پہنچنا، دراصل اقصر ولم یکفہم الخ تھا یعنی پچھلے مضمون کو رہنے دیجئے۔

کیا انہیں ہماری آیت کفایت نہیں کرتی جس کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بیشک ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو حق بولتی ہے اور دیگر کتب سماویہ کی تصدیق کرتی ہے حالانکہ آپ نے وہ کتابیں پڑھی نہ سُنی تھیں یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ط ان کے سامنے ان کی لغت میں ہر زمان و مکان میں پڑھی جاتی ہے اس لیے یہ آیت ان کے لیے لازوال اور انمٹ ہے بخلاف دوسری آیات کے کہ وہ ہمیشہ نہیں رہتیں اور ایک عرصہ کے بعد ختم ہو جاتی ہیں اور وہ ہر جگہ بھی نہیں ہوتیں۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ ان کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں کہ کوئی آیت انھیں نظر ہی نہیں آتی حالانکہ وہ آیت روشن تر ہے یعنی قرآن ایک واضح اور روشن دلیل ہے لیکن باوجود اینہمہ دیگر آیات کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ خود دیکھ رہے ہیں کہ یہ قرآن وہ شخص پیش کر رہا ہے جو بظاہر لکھا پڑھا نہیں لیکن وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے نازل ہوا اور وہ اُمّی ہونے کے باوجود انہیں فر فر سُناتا ہے۔ اور پھر اس کی وضاحت ایسے روشن طریقے سے کرتا ہے جس سے ان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ آیۃ واضحہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک اس عظیم الشان کتاب میں، جو رہتی دُنیا تک رہنے والی ہے لَرَحْمَةً رحمت اور نعمتِ عظیمہ ہے وَّذِكْرٰی اور پند و نصیحت ہے لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ ایسے لوگوں کے لیے جن کا ارادہ ایمان لانے کا ہے انہیں سرکشی اور ہٹ دھرمی سے کوئی غرض نہیں یعنی یہی مطالبہ کر کے محض ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

پند گفتن با جہول خابناک
تخم افگندن بود در شورۂ خاک

ترجمہ : جاہل غافل کو نصیحت کرنا ایسے ہے
جیسے شور زمین میں بیج ضائع کیا جائے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ
لَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰعِبَادِيَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ
ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ
غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ
يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَلَئِنْ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ
اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: تم فرماؤ اللہ بس ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
اور وہ جو باطل پر یقین لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی گھاٹے میں ہیں اور تم سے عذاب کی جلدی
کرتے ہیں اور اگر ایک ٹھہرائی مدت نہ ہوتی توضرور ان پر عذاب آجاتا اور ضرور ان پر اچانک آئے گا
جب وہ بے خبر ہوں گے تم سے عذاب کی جلدی مچاتے ہیں اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے
کافروں کو جس دن انہیں ڈھانپے گا عذاب ان کے اوپر اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور فرمائے گا
چکھو اپنے کئے کا مزہ۔ اے میرے بندو! جو ایمان لائے بے شک میری زمین وسیع ہے تو میری
ہی بندگی کرو۔ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر ہماری ہی طرف پھرو گے۔ اور بے شک جو
ایمان لائے اور اچھے کام کیے ضرور ہم انہیں جنت کے بالاخانوں پر جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں
بہتی ہوں گی ہمیشہ ان میں رہیں گے کیا ہی اچھا اجر کام والوں کا، وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے
رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور زمین پر کتنے ہی چلنے والے ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے

اللہ روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں، اور وہی سنتا جانتا ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو ضرور کہیں گے اللہ نے تو کہاں اوندھے جاتے ہیں اللہ کشادہ کرتا ہے رزق اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے، بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے اور جو تم ان سے پوچھو کس نے اتارا آسمان سے پانی تو اس کے سبب زمین زندہ کر دی مرے پیچھے ضرور کہیں گے اللہ نے، تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

تفسیر عالمانہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ با زائدہ صلہ کی ہے۔ اللہ، کفٰی کا فاعل ہے بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے مجھ سے اور تم سے جو کچھ صادر ہوگا اس سے وہ مطلع ہے يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جانتا ہے ان امور کو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں منجلہ ان کے میرا اور تمہارا حال ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ اور وہ لوگ جو ایسی چیزوں پر ایمان لائے جو باطل ہیں جیسے بُت اور شیطان وغیرہما۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو نفس کی آنکھ سے دیکھتا ہے وہ اسی پر ایمان لاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اور کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حالانکہ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے ایمان لانے کے موجبات و دلائل و براہین بھی قوی اور مضبوط ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ وہی لوگ خاسر ہیں یعنی آخرت کی بیع میں وہ گھاٹا پانے والے ہیں اس لیے کہ ایمان دے کر کفر کو خریدا اور فطرت اصلیہ اور ادلہ سمعیہ کو ضائع کیا جو ایمان کا موجب ہیں ؎

عمر تو گنج ہر نفس از وے بطل گہر
گنجی چنیں لطیف مکن رائگاں

ترجمہ: تیری زندگی ایک خزانہ ہے اس سے ہر لحظہ موتی بکھرے جاتے ہیں ایسے خزانہ کو مفت ضائع مت کر۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ۔ الاستعجال بمعنے شے کو وقت سے پہلے طلب کرنا یعنی آپ سے کفار وقت سے پہلے عذاب مانگتے ہیں۔ اس کے نضر بن الحارث اور اس کے ہمجولی مراد ہیں وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور استہزا کہتے کہ یہ ڈراوے جو آپ ہمیں سناتے ہیں وہ کب واقع ہوں گے اگر ہم آپ کی بات نہیں مانتے تو ہمارے اوپر آسمان سے عذاب کی بارش برسائیے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو عافیت پر صبر نہ کرتے ہوئے وقت سے پہلے عذاب مانگے تو وہ ضرور عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ عادۃً جلد باز ہے۔ اسی لیے دُکھ درد اور تکالیف پر صبر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ جس پر مہربانی فرماتا ہے اُسے صبر کی توفیق بخشتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو تو ہر انسان اپنی فطرت کے مطابق بے صبری کا مظاہرہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو صبر کی تلقین فرمائی۔ کما قال :

واصبر وما صبرك الا بالله۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر بلا سے حفاظت اور پناہ مانگتے ہیں۔

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى اور اگر ان کے لیے عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ کما قال :

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ۔

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ آپ کی امت کو ہمہ گیر عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا بلکہ ان کا عذاب قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اس ارادہ قدیمہ کو حکمتِ ازلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ہر مقدور کے لیے ایک وقت مقرر فرمادیا۔ اس سے نہ وہ مقدم ہوگا نہ مؤخر۔

لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ تو انہیں بہت جلد عذاب میں مبتلا کیا جاتا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ وقتِ مقرر سے پہلے عذاب کا مطالبہ غیر مفید بلکہ مذموم ہے۔

سبق : سالک کو چاہیے کہ وقت سے پہلے اپنے نفس کے شہوات اور اس کی مراد کے مطابق کوئی شے طلب نہ کرے۔ اور وقت سے پہلے شے طلب کرنا مذموم کیوں نہ ہو!

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ حالانکہ جس عذاب کا وقت مقرر ہے وہ لازماً اپنے وقت پر آئے گا **بَغْتَةً** اچانک۔ امام راغب نے فرمایا : یہ البغت سے ہے بمعنے شے کے متعلق آنے کا وہم وگمان نہ ہو اور وہ آجائے۔ **وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝** اور وہ اس کے آنے کو نہیں سمجھتے کہ ان پر اچانک عذاب آئے گا۔

سوال : (صاحبِ روح البیانؒ نے فرمایا:) قیامت کے عذاب کو اچانک کہنا نامناسب ہے اس لیے کہ اس کے متعلق ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اس نے ایک وقت پر آنا ہے۔

جواب : اس سے موت مراد ہے اس لیے کہ وہ عذابِ آخرت کے لیے بمنزلہ مقدمۃ الجیش کے ہے۔ اور وہ ایسے وقت میں آتا ہے کہ اس کے آنے کا وہم وگمان تک نہیں ہوتا۔ اور موت کے بعد فوراً عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اسی لیے احادیث میں قبر کو آخرت کی پہلی منزل کہا گیا ہے اور اس دعوٰی کی دلیل یہ حدیث شریف ہے :

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو مرگیا اس کے لیے قیامت قایم ہوگئی۔

مسئلہ: برزخ (قبر) میں بھی عذاب ہوگا اگرچہ وہ آخرت کے عذاب کی نسبت آدھا ہوگا اس لیے کہ یہاں قبر میں صرف رُوح کو عذاب ہوگا۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عذاب ان کے مطالبہ کے مطابق نہ ہوگا اور نہ ہی ان کے کہنے پر فوراً آجائے گا۔ بلکہ اگر ایسا ہو تو پھر ان کی رائے کو ترجیح ہوگی اور ان کے شعور کے مطابق بات ماننی پڑے گی۔ جو شخص موت سے پہلے اپنے امور کی اصلاح کرے اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہے اسے اچانک کی موت نہیں آئے گی اگرچہ نیسند میں بھی مرجائے اور جو شخص کہ اپنے امور کی تصحیح نہ کرتا ہو اور موت کے لیے تیار بھی نہ ہو تو اس کی موت اچانک کی موت ہوگی اگرچہ سال بھر بستر پر پڑا رہے۔

حکایت: لطائف المنن میں ہے حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میری ایک طالب علم سے گفتگو ہوئی، میں نے کہا: علم میں خلوصِ نیت ضروری ہے ورنہ تحصیلِ علم بے سُود۔ اس کی خلوصِ نیت کی علامت یہ ہے کہ اسے جب کہا جائے کہ تم کل مرجاؤ گے، تو وہ سُن کر کتاب بند کردے بلکہ پڑھنے میں لگا رہے۔

مسئلہ: سب سے بہتر موت وہ ہے جو تحصیلِ علم کے دوران واقع ہو۔ انسان پر لازم ہے کہ ایسی موت کے لیے ہر وقت متمنی رہے ؎

۱ تو غافل در اندیشۂ سود و مال
کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

۲ طریقے بدست آر و صلحی بجوئے
شفیعی بر انگیز و عذرے بگو

۳ کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پر شد بدور زمان

ترجمہ: (۱) تو غافل ہو کر سُود و مال کے چکر میں ہے ایسے ہی تیری عمر برباد ہوگئی۔
(۲) کوئی طریقہ ہاتھ میں لے اور صلح تلاش کر۔ سفارشی کھڑا کر کے اور عذر کر
(۳) کہ ایک لحظہ بھی امان نہ ملے گی۔ جب پیمانہ بھر گیا تو وقت نہ ملے گا۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ آپ سے عذاب لانے کی جلدی کرتے ہیں **وَاِنَّ جَهَنَّمَ** حالانکہ جہنم عذاب کا ایسا سخت مقام ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی سخت نہیں **لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۙ** کفار کو گھیر لے گی یعنی وہ جہنم عنقریب انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی کیونکہ آخرت کا وقت بہت جلد آنے والا ہے۔

ف: یہاں جملہ اسمیہ لانے میں اشارہ ہے کہ جہنم کا عذاب لازماً ہوگا اور دائمی ہوگا۔ سبب کو بمنزلہ مسبب کے

لایا گیا ہے وہ اس طرح کہ کفر و معاصی دخولِ جہنم کے موجب ہیں۔ اور جہنم کا عذاب کافروں کو محیط ہے۔ (کذا فی الارشاد)

ف : بعض مشایخ نے فرمایا: کفر و معاصی ہی نارِ جہنم بنیں گے جو آخرت میں اسی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

یَوْمَ یَغْشٰھُمُ الْعَذَابُ —— یہ ظرف فعل مضمر سے متعلق ہے یعنی قیامت میں ان پر وہی عذاب محیط چڑھ جائے گا اور انہیں ڈھانپ لے گا جس کا ذکر اوپر ہوا جس میں بہت بڑی وحشتناک اور خوفناک سزائیں ہوں گی کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا **مِنْ فَوْقِھِمْ** ان کے سروں کے اوپر سے **وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ** اور ان کے پاؤں کے نیچے سے۔ اس سے محض سر اور پاؤں ہی مراد نہیں بلکہ جملہ جہات مراد ہیں **وَیَقُوْلُ** اور اللہ تعالیٰ یا بعض فرشتے بحکمِ الٰہی فرمائیں گے **ذُوْقُوْا** چکھو۔

حلِ لغات : الذوق کھانے کی چیز کا منہ میں ہونا۔ دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جو منہ میں تھوڑی سی ہو۔ اگر بہت زیادہ ہو تو اسے الاکل سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں عذابِ الٰہی کو ذوق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے وہ عذاب اگرچہ بظاہر تھوڑا نظر آئے گا لیکن اس کی شدّت وکثرت بیان سے باہر ہے اور یہاں اس طرح سے بیان کرنے میں عذاب کی قلت وکثرت کا اظہار مطلوب ہے (کذا فی المفردات)

مَاکُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ یعنی چکھو ان برائیوں کی سزا جن کا تم دنیا میں دائمی طور پر ارتکاب کرتے تھے منجملہ ان کے یہی ہے جو تم عذاب کی طلب جلدی کرتے تھے۔ کاشفی نے لکھا کہ دنیا دارِ عمل ہے اور آخرت دار الجزاء۔ جو کچھ دنیا میں بویا جائے گا آخرت میں وہی کاٹا جائے گا ؎

تو تخمے بیفشاں کہ چوں بدروے
ز محصول خود شاد و خرم شوے

ترجمہ : تم بیج بونے کی کرو اس لیے کہ جب اس کا پھل اٹھاؤ گے تو شاد و آباد ہو گے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات النجمیہ میں ہے کہ **یستعجلونک بالعذاب** میں عذاب والوں کو عذاب لعجلت مانگنے پر عذاب ہوگا۔ اس سے نفس کافر مراد ہے اسے منوانا آسان کام نہیں **وَاِنَّ جَھَنَّمَ** نفس کو عذابِ جہنم میں مبتلا کیا جائے گا یعنی اسے حرص، ہوا، شہوت، کبر، حسد، غضب اور کینہ کا خوگر بنایا جائے گا **لَمُحِیْطَۃٌ بِالْکٰفِرِیْنَ ○** عذابِ مذکور نفوس کافرہ کو محیط ہو جائے گا۔ یعنی نفوس مذکورہ بالا امور میں ہر وقت منہمک رہیں گے **یوم یغشٰھم العذاب** نفوس کافرہ کو اپنی صفات کا احاطہ ڈھانپ لے گا **من فوقھم** ان کے اوپر حرص وکبر و غضب غالب ہو جائیں گے **ومن تحت ارجلھم** اور انہیں پیروں تک حرص و ہوا اور شہوت وکبر گھیرا کر جائیں گے لیکن وہ ان امور سے

غافل ہیں خوابِ غفلت میں محو ہیں جو نیند والے کی طرح انہیں عذاب کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا جیسے نیند والے کو کوئی شعور نہیں ہوتا باہر ہونے والے کاموں سے وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے ایسے ہی نفسِ امارہ کی شرارت کے شکار کا حال ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی کیفیت نیند والے کی سی ہے جیسے نیند والا نیند سے بیدار ہو کر عذاب وغیرہ کو محسوس کرتا ہے ایسے ہی نفسِ امارہ کی بیماریوں میں مبتلا کا حال ہے۔ چنانچہ فرمایا **ویقول** اور قیامت میں فرمائے گا **ذوقوا ماکنتم تعملون** ○ چکھو اس معاملے کا عذاب جو تم خلق اور خالق کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ہماری تاویل کو وان الفجار لفی جحیم میں مؤکد کیا گیا ہے یعنی آج انہیں اس عذاب کا شعور نہیں یصلونہا یوم الدین اس دن کہ انہیں آگ میں داخل ہونا ہوگا یعنی قیامت میں انہیں معلوم ہوگا وماھم عنہا اور وہ آج عذابِ جہنم سے لاشعور ہیں ہاں جس کے مشرقِ قلب سے ہدایت وعنایت الٰہی کا سورج طلوع ہوتا ہے وہ لیل الدین سے نکل کر یوم الدین میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کی بشریت کی زمین نورِ ربانی سے چمک اُٹھتی ہے تو وہ اپنے نفس کو اخلاقِ رذیلہ کی آگ میں گھرا ہوا پاتا ہے اسے ہدایت کا ذوق نصیب ہوتا تو وہ ان بُرے اخلاق سے جان چھڑانے اور بداخلاقی کی آگ سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اللہ کی زمین فراخ ہے۔ چنانچہ ابھی اس کا بیان آتا ہے اِن شاءاللہ تعالیٰ ہم اللہ تعالیٰ سے جملہ خرابیوں سے بچنے کی التجا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا یہ خطاب تشریفیہ ہے جو اہلِ ایمان کو نصیب ہوا لیکن وہ دینی امور میں پختہ اور مضبوط ہیں جن کے لیے کفر کا کوئی معاملہ مانع نہیں اور انہیں ارشاد کا بہتر طریقہ سمجھایا گیا ہے۔

شانِ نزول کاشفی نے لکھا، منقول ہے کہ اہلِ ایمان کی جماعت مکہ معظمہ میں مقیم تھی قلتِ زاد وکمیِ استعداد ومحبتِ وطن یا صحبتِ دوستاں کی بناء پر ہجرت نہیں کرتے تھے۔ لیکن کفارِ مکہ سے ڈر کے مارے چھُپ کر عبادتِ الٰہی بجا لاتے تھے۔

ف: دینی امور بجا لانے کے باوجود قیامت میں سزا پائیں گے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور فرمایا: اے میرے مومن بندو! جب تمہیں کسی شہر میں عبادت کی آسانی میسر نہ ہو نہ ہی تم دینی امور کو با سہولت ظاہر کر سکو تو اس شہر سے ہجرت کر جاؤ جہاں تم آسانی سے دینی امور سرانجام دے سکو۔

اِنَّ اَرْضِیْ بیشک میری زمین۔ اس سے مراد وہ حصہ ہے جو آسمان کے بالمقابل ہے۔ یعنی تم زمین کے ان حصوں میں ہجرت کر جاؤ جو تمہارے لیے پیدا ہوئے وَاسِعَۃٌ فراخ ہے اس میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں۔ اگر تم خالص ہو کر اس زمین پر میری عبادت نہیں کر سکتے فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ○ تو میری زمین کے

دوسرے خطے میں چلے جاؤ اور وہاں جاکر مخلصانہ عبادت کرو۔ اس معنے پر حرفِ فا شرط محذوف کا جواب ہے۔ پھر شرط بھی حذف کر دی گئی ہے۔ اس کے قائم مقام مفعول بہ کو مقدم کیا گیا ہے جس میں اختصاص و اخلاص کا معنیٰ بھی دیتا ہے حضرت کاشفی نے لکھا کہ اگر تم اہل وعیال، اولاد و اسباب اور شہر کی محبت میں گرفتار ہوکر ہجرت نہیں کرتے، بالآخر ان سے ایک دن جُدا ہوگے کیونکہ کُلُّ نَفْسٍ ہر نفس انسانی ہو یا اس کا غیر۔ یہ مبتدا ہے اور نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں عموم کا معنیٰ پایا جاتا ہے ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ موت کا کڑوا بن پائیں گے اور جُدائی کے گھونٹ پئیں گے۔ موت کو چکھی ہُوئی شے سے تشبیہ دی ہے اس لیے کہ ذوق کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں پر ہوتا ہے (کذا قال الراغب)

ف : بعض نے کہا کہ ذوق در اصل منہ سے ہوتا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ نفوس کو بہ ملابست بدن سے موت سے نکالا جائے گا۔

ف : انسان کا جسم دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی جسم اور رُوح سے۔ ان کے درمیان ایک لطیف بخار ہے جسے رُوحِ حیوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب تک انسان میں وہ بخار اسی تعلق خاص کے ساتھ موجود ہے تو زندگی قائم ہے۔ جب وہ بخار مٹ جاتا ہے یا ان کے ساتھ تعلق کی صلاحیت نہیں رکھتا تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اور رُوح جسم سے اضطراری طور پر جُدا ہو جاتا ہے ایسی موت صوری کہلاتی ہے۔ جسم کے اندر روح کے ہونے اور اس کے جدا ہونے کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں جب وُہ جسم سے جدا ہوتا ہے تو اس مفارقت کو موت کہا جاتا ہے۔

ف : جسم کے رُوح سے نکلنے کے وقت دیکھنے والوں کو معمولی سا احساس ہوتا ہے کہ اب روح جسم سے جدا ہونے والا ہے۔ وہ بھی قرائن سے۔ البتہ اللہ والوں کو باذن اللہ تعالیٰ کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ پھر ہمارے ہاں جزا و سزا کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔ ترجعون الرجع سے ہے بمعنے الرد یعنی لوٹائے جاؤ گے۔

سبق : جسے اپنے نیک انجام کی خواہش ہے اس پر لازم ہے کہ وُہ آخرت کے لیے سرمایہ جمع کرے اور ہر وقت اس کے لیے تیار رہے اور اس عالمِ دنیا کے وطن کو ترک کرنے کا سوچے اور سمجھے کہ آنے والا سفر لازمی ہوگا۔

مسئلہ : کوئی شخص کسی دار الشرک میں ہو یا کسی ایسے علاقے میں ہو جہاں کے لوگ معاصی و بدعات میں مبتلا ہوں اور وہ ان کی اصلاح نہیں کرسکتا تو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے ہجرت کرکے ایسے علاقہ میں چلا جائے جہاں کے لوگ نیک اور اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے ؎

سفر کن چو جائے تو ناخوش بود
گزین جائے رفتن بداں ننگ نیست

وگر تنگ گردد ترا جائگاہ
خدائے جہاں را جہان تنگ نیست

ترجمہ : جب تیرے علاقے میں دینی خرابی ہو تو وہاں سے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر تیرے علاقے میں دینی پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ کا ملک تنگ نہیں فلہذا اور جگہ چلے جا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے منجملہ ان کے ہجرت دینی ہے لَنُبَوِّئَنَّهُمْ ہم انہیں جگہ دیں گے۔

حلِ لغات : التبوُّ سے ہے بمعنے کسی کو جگہ دینا۔

مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا یہ لنبوئنہم کا مفعول بہ ہے۔ اس سے بہشت کے اونچے اور بہترین مکانات مراد ہیں جو موتیوں، زبرجد اور یاقوت سے بنے ہوئے ہیں اور اسے غرفاً اس لیے فرمایا کہ بہشت اوپر کی جہت میں ہے اور دوزخ نیچے کی طرف۔ اور قاعدہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف پانی اور سبزیاں لذیذ تر اور زیادہ خوشنما نظر آتی ہیں۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یہ غرفاً کی صفت ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ اعمال صالحہ والوں کے لیے بہت اچھا اجر ہے یہی بہشت کے بالاخانے الَّذِيْنَ صَبَرُوْا یہ عاملین کی صفت ہے یا اس کا منصوب ہو علی المدح ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفار و مشرکین کی اذیتوں اور دینی ہجرت میں تکالیف و دیگر دکھ درد برداشت کیے۔ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اور وہ اپنے جملہ امور میں نہیں بھروسہ کرتے مگر اللہ تعالیٰ پر۔ اور یہ توکل قوتِ ایمانی سے ہوتا ہے جب انسان ایمان میں کمال حاصل کرتا ہے تو وہ نہ صرف کفر و معاصی سے بلکہ اموال و ارزاق کے تفکرات سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے وطن اور غربت برابر ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے لیے جملہ تکالیف کا مداوا اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب میں سمجھتا ہے۔

حدیث شریف جو شخص کفر و معاصی سے بچنے کے لیے ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو چلا جاتا ہے اگرچہ ایک بالشت ہی سہی، تو اس کے لیے بہشت واجب ہو جاتی ہے اور بہشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوگا۔

ف : بہشت اور بالاخانے صرف اپنے وطن اور مکانات کو ترک کرنے کی وجہ سے جو اس نے دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں انہیں چھوڑا اور دو پیارے محبوبوں کی رفاقت اس لیے کہ اس نے ہجرت کر کے ان کی سنت پر عمل کیا۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام ارضِ مقدسہ کو اور ہمارے آقا حضرت محمد

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ ارض جاہ یعنی مخلوق کو اپنے تابع دیکھنے کو ترک کر کے ارضِ خمول کو چلا جائے۔

حکایت حضرت ابو سعید خراز سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک شہر میں رہتا تھا وہاں میری کافی شہرت ہو گئی اور لوگ میری تعظیم و تکریم میں ایسے حد سے بڑھ گئے کہ میرے ہاتھ سے اگر خربوزے کا چھلکا بھی گرتا تو تبرک سمجھ کر ایک ہزار دینار میں خرید کر کے غنیمت سمجھنے لگے۔ بلکہ عقیدت منداس سے مزید اضافہ کر کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے میں نے خیال کیا کہ میرا یہاں رہنا مناسب نہیں اس لیے یہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جانا چاہیے جہاں لوگ مجھے زندیق سمجھیں اور مجھے مجرم سمجھ کر مجھ پر پتھر برسائیں۔ اسی لیے ایسے مقام پر پہنچ کر میں نے مدتوں تک خوشی سے مصائب و مشکلات سر پر اٹھائے۔

حکایت ۲ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے دنیا میں صرف تین خوشیاں منائیں باذن اللہ تعالیٰ جب نفس کی سرکوبی کر کے غالب ہوا،

(۱) ایک دفعہ میں جب انطاکیہ میں پہنچا تو سر و پا برہنہ تھا۔ مجھے لوگ طعنہ دیتے تھے کہ یہ کسی کا بھگوڑا غلام ہے۔ مجھے ان کی یہ بات بہت بھلی لگی اور میں نے اپنے نفس سے کہا: بتائیے کیا حال ہے؟ اگر تو بھگوڑا ہے اور اپنے مالک سے جھگڑا کیا ہے تو اس سے صلح صفائی کر لے اسی میں تیری بہتری ہے۔

(۲) ایک دفعہ میں کشتی میں بیٹھا تھا، اس میں ایک مسخرہ تھا وہ لوگوں کو خوش کر رہا تھا، کشتی میں مجھے حقیر ترین سمجھ کر اپنی ہنسی مذاق کا مجھے نشانہ بنایا۔ اسی لیے میں جب بھی اٹھتا تو وہ میرے گلے میں پھندنا ڈال دیتا۔

(۳) شہر عطیہ کی ایک مسجد میں گریبان میں سر ڈال کر بیٹھا تھا اور اپنے نفس کی ذلت و خواری کا سوچ رہا تھا کہ کوئی بے غیرت انسان آیا، آتے ہی اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا اور کہا لیجئے گلاب کا پانی سیجئے۔ میرا نفس اپنی اس تحقیر سے بہت خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ سے بے شمار تحائفِ سعادت نصیب ہوئے۔

ف: پیر طریقت فرماتے ہیں کہ بہت سے سیر الی اللہ اور نعمت اللہ میں داخل انسان دھوکا کھا جاتے ہیں، جب ان کی خلقِ خدا تعریف کرتی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ نفس کو موت کے گھاٹ اتار دے فنائے صوری سے پہلے ہی فنائے معنوی کا درد کھائے اس لیے کہ دنیا دارُ الفنا ہے اور ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ہر ایک کو اس راہ پر لازماً چلنا ہے اور اس پُل سے ضرور گزرنا ہے اور اس کے گھونٹ پینے ہیں۔ حضور سید الکائنات صلی اللہ

علیہ وسلم ہمیشہ اپنی اُمت کو وصیت فرماتے کہ لذات کو مٹانے والی موت کو بہت زیادہ یاد کرو، اسے ہرگز نہ بھلاؤ اور نہ اس سے غفلت برتو۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: حضرت! آپ نے یہ کیا کیا کہ شاہی تخت کو ٹھکرا کر اور لباس شاہی اتار کر تنگدستی اختیار کی اور گدڑی پہن لی اور پھر دنیا کے دکھ اور درد سر پر اٹھا لئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ایک دن میں تختِ شاہی پر بیٹھا تھا کہ اچانک شیشہ میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ شیشہ میں میں نے دیکھ کر سوچا کہ میری صورت اور میرا تمام جسم خاک میں مل جائے گا وہاں کے لیے ساتھی اور مونس کوئی نہیں۔ سفر بھی دراز ہے میرے پاس زادِ راہ بھی نہیں۔ سامنے قید خانہ ہے اس کی سزا کی مجھے طاقت بھی نہیں۔ وہاں کے فیصلہ کنندہ کو عادل پایا اس کے سامنے مجھے جواب دینے کا سلیقہ بھی نہیں۔

سبق: انسان کی آرزو اور تمنا کی کوئی حد نہیں اسے اگر بستر کی طرح بچھایا جائے تو قاف سے قاف کو پھیل جائے گی۔ تمہیں تو صاحبِ قاب قوسین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یاد رکھنا چاہیے۔ فرمایا:

میں نے زمین سے کوئی قدم نہیں اٹھایا لیکن پھر یقین نہ تھا کہ ممکن ہے موت سے پہلے اسے زمین پر نہ رکھ سکوں اور کوئی لقمہ منہ میں نہیں ڈالا لیکن پھر یقین نہ تھا ممکن ہے موت سے پہلے نگل نہ سکوں۔

سبق: غور کیجئے وہ سیدِ اولین و آخرین اور مقتدائے اہلِ سماوات و ارضین صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں اور ہم مغرور ہو کر زمین پہ دھوکا میں رہیں کہ لمبی آرزوئیں پیشِ نظر رکھیں اور ہزار سالہ امور کی سرانجامی کا سوچیں اور سمجھیں۔ بس یہی ہمارا مطمحِ نظر ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ دُنیا غدّار اور سرائے فریب و غرور ہے۔ اس میں راحت و سرور مفقود۔ یہاں سے بالآخر جانا ہے۔ کسی کو اس میں قرار و اطمینان نہیں ؎

۱ تا کے از دار الغرور سے ساختن دار السرور
تا کے از دار الفرار سے ساختن دار القرار

۲ اے خداوندان مال الاعتبار الاعتبار
وے خداوندان قال الاعتذار الاعتذار

۳ پیش از اں کیں جان عذر آرد فرو ماند ز نطق
پیش از کیں چشم عبرت بین فرو ماند ز کار

ترجمہ: (۱) دار الغرور کو کب تک دار السرور بناتے رہو گے۔ کب تک دار الفرار کو دار القرار بناتے پھرو گے!

(۲) اے مال والو عبرت حاصل کرو، اے بات بنانے والو عذر کرو۔

(۳) اس وقت سے پہلے جب بول نہ سکو گے۔ جب تمہارا معاملہ ختم ہو جائے گا اس وقت سے پہلے ہی توبہ کرو۔ (کذا فی کشف الاسرار)

وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا کایّن تکثیر کے لیے ہے کم خبریہ کے معنی میں واقع ہوا ہے۔ یہ کاف تشبیہ اور ایّ سے مرکّب ہے لیکن اسے افرادی معنی سے مجرد کیا گیا ہے کل مجموعہ ملا کر گویا اسم مبنی علی السکون ہے اس کے آخر میں من کی طرح نون ساکن ہے اس کی تنوین ممکن نہیں اسی لیے یاؔ کے بعد نون صاف لکھا گیا ہے حالانکہ صورت خطی تنوین کی کوئی اپنی شکل وصورت نہیں ہے اور یہ مبتدا اور اس کی خبر اللّٰہ یرزقھا الخ ہے اور لا تحمل دابۃ کی صفت ہے۔

حلِ لغات الدابۃ ہر وُہ جانور جو زمین پر چلے یا متحرک ہو ذوی العقل ہو یا نہ۔ الحمل بمعنے سر اور پیٹھ پر کوئی شے اٹھانا بالکسر اس بوجھ کا نام ہے جو سر یا پیٹھ پر رکھا جائے۔ الرزق وہ شے جس سے نفع اٹھایا جائے اور اصطلاح میں ہر وُہ شے جسے اللّٰہ تعالیٰ جاندار شے کے لیے بھیجے تاکہ اسے وہ کھائے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ کے اہلِ ایمان کو ہجرت کا فرمایا تو انہوں نے جواب دیا ہم ایسے شہر میں کیسے ہجرت کریں جہاں ہماری معاش تنگ ہے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ بہت سے جانور غذا کے حاجتمند اور ضعف کی وجہ سے اپنے رزق کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے یا اسے ذخیرہ کے طور نہیں رکھتے اور صبح کے وقت اُٹھتے ہیں تو رزق سے خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔

اعجوبے تین جانور ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں:

(۱) انسان

(۲) چیونٹی

(۳) چوہا

یہ بھی لکھا ہے کہ سیاہ چوہا ذخیرہ کرکے پھر اسے بھول جاتا ہے۔

کشاف میں لکھا ہے کہ ہم نے بلبل کو دیکھا کہ وُہ اپنی غذا بالوں میں چھپائے ہوئے تھی۔

خلاصہ یہ کہ بہت سے جانور، طیور، وحوش، سباع، ہوام اسی طرح حیوانات بحری غذا کا ذخیرہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنا رزق سر یا پیٹھ پر اٹھائے پھرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا اور اللّٰہ تعالیٰ روزانہ انہیں رزق پہنچاتا ہے وہ جہاں بھی ہوں وَإِيَّاكُمْ اور تمہیں بھی رزق عطا فرماتا ہے جہاں بھی ہو۔ پھر باوجودیکہ دیگر حیوانات ضعیف اور کمزور و ناتواں ہیں انہیں اللّٰہ تعالےٰ پر

بھروسا ہے اور تم باوجودیکہ قوت و طاقت کے مالک اور کمانے کی قدرت رکھتے ہو لیکن بے صبر ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے۔ ہاں رزق اسباب سے متعلق ہے اور مسبب (سبب کا مالک) وہی خود ہے۔ پھر ہجرت اور دارِ غربت کی طرف ہجرت سے خطرہ کیوں ؎

ہست زفیض کرم ذوالجلال
مشربِ ارزاق پر آب زلال

شاہ و گدا روزی ازاں میخوانند
مور و ملخ قسمت از و می برند

ترجمہ: ذوالجلال کے فیض و کرم سے رزق کا گھاٹ ایک صاف و ستھرے ماحول سے ہے۔ شاہ و گدا اس سے رزق پاتے ہیں۔ چیونٹی اور مکڑی اسی سے اپنا حصہ لیتے ہیں۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وہی خوب سننے والا ہے اس لیے تمہیں رزق کے معاملے میں جو توہمات پیش ہیں وہ انہیں بھی سنتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے اسی لیے جو مخفی باتیں تمہارے قلوب میں ہیں انھیں بھی جانتا ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ وہ جانتا ہے کہ تمہاری روزی کہاں سے آئے گی وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ اگر آپ اہلِ مکہ سے پوچھیں مَنْ استفہامیہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کس نے آسمان زمین کو پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق ہمیشہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

حلِ لغات التسخیر بمعنے کسی شے کو دوسرے کے تابع فرمان بنانا اور مجبور کر کے اسے خاص غرض کے لیے کام میں لگانا۔

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ تو کافر کہیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس امر پر انکار کی گنجائش ہی نہیں اس لیے کہ جملہ عقول کے ہاں ثابت ہو چکا ہے کہ جملہ کائنات کی انتہا صرف ایک ذات پر ہونا واجب ہے اور وہ ذات وہی واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ ہے فَاَنّٰى پس کہاں يُؤْفَكُوْنَ ○ یہ الافك (بالفتح) سے ہے بمعنے الصرف والقلب یعنی پھرنا اور بالکسر بمعنے ہر وہ شے جو حق سے پھری ہوئی ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ کہاں پھر جائیں گے جبکہ اقرار نہیں کریں گے کہ واقعی الوہیت کا مستحق صرف اللہ ہے۔ کیونکہ انہیں اقرار ہے کہ خلق و تسخیر کا مالک وہی ہے۔ اگر انکار کر رہے ہیں تو پھر وہ اپنے علم کے موجب سے ہٹ رہے ہیں اور یہ ناموزوں بات ہے۔ اس میں انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ان کے انکار سے اہلِ ایمان کو ان پر تعجب دلایا گیا ہے اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ رزق کشادہ فرماتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے مومن ہوں یا کافر ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ : زمین پر اس کا خوانِ نعمت عام بچھا ہُوا ہے اس خوانِ نعمت پر دشمن دوست برابر ہیں۔

وَيَقْدِرُ اور تنگ کرتا ہے **لَهٗ** جس کے لیے رزق تنگ کرنا چاہتا ہے جو بھی ہو مومن ہو یا کافر۔ یہ اس لیے کہ لہ کی ضمیر مبہم ہے اسی لیے مرجع بھی مبہم ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک ہی فرد مراد ہو کہ اسے پہلے رزق میں وسعت دی جائے پھر تنگدست بنایا جائے یا اس کے برعکس۔

ف : حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو رزق میں وسعت دیتا ہے تاکہ وہ دھوکا کھائیں اور قیامت میں سزا پائیں اور اپنے دوستوں کو رزق کی تنگی میں مبتلا فرماتا ہے۔ یہ اس کی شفقت و رحمت ہے مبارکباد کا مستحق ہے وہ خوش بخت انسان، جس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو خُوب جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ رزق کی کشادگی کا مستحق کون ہے تو پھر اس کے لیے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے جانتا ہے کہ یہ تنگ روزی کا حقدار ہے تو پھر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ یہ وقت فلاں بندے کے لیے رزق فراخ کرنے کا اور فلاں کے لیے رزق تنگ کرنے کا ہے۔ اس میں حکمت و مصلحت ہے اور وُہ ہر کام ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت جب چاہتا ہے کرتا ہے۔

حدیثِ قدسی میرے بہت سے بندے ہیں جنہیں میں غنی رکھتا ہُوں اگر انہیں تھوڑی دیر کے لیے تنگدست کروں تو ان کا ایمان خراب ہونے لگتا ہے اور میرے بہت سے بندے فقر و فاقہ کے لائق ہوتے ہیں اور اسی سے ہی ان کا ایمان کامل رہتا ہے اگر میں انہیں دولت مند بنا دُوں تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اگر آپ مشرکینِ عرب سے سوال کریں کہ **مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** آسمان سے پانی کس نے اُتارا **فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ** اس سے آباد کیا زمین کو انگوریوں اور کھیتوں اور درختوں سے **مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا** بعد اس کی ویرانی یعنی خشکی اور قحط سے۔ قاعدہ ہے کہ جو زمین انگوری نہ دے اسے میتۃ (مردار) سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ جب مردار سے کسی قسم کا نفع نہیں اٹھایا جاتا ایسے ہی اس سے۔ **لَيَقُوْلُنَّ** تو ضرور کہیں گے **اللّٰهُ** اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا اور اسی نے ہی ویران زمین کو آباد کیا یعنی مشرکین اقراری تھے کہ جملہ کائنات اصول ہوں یا فروع، کا موجد (خالق) صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے

باوجود اس کے ساتھ اس کی مخلوق کے ایسے بعض افراد کو اس کا شریک بناتے جن میں ذرہ بھر بھی قدرت وطاقت کا وہم وگمان تک نہ تھا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس لیے کہ حق ہمارے ہاں ہے کہ جس کے انکار پر اہلِ باطل کو انکار کی گنجایش نہیں۔ اس میں کفار ومشرکین کو اظہارِ حجت کا حکم دیا گیا ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ بلکہ کفار ومشرکین کے اکثر لَا يَعْقِلُوْنَ○ کسی شے کو بھی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اپنے اقرار کے مقتضیٰ کو نہیں جانتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی خسیس اور رذیل اشیاء کو شریک ٹھہرا رہے ہیں جن کی خساست ظاہر ہے یعنی بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اپنی بے عقلی اور بے وقوفی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

نکتہ (صاحب روح البیان نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے رزق کی آیت کے بعد توحید کی آیت بیان فرمائی اور پھر دو سورتوں میں بار بار ذکر فرما کر اشارہ کیا کہ رزق کفر وشرک اور معاصی وجرائم کی وجہ سے بند نہ ہو گا' اس سے اہلِ ایمان وطاعات سوچیں کہ جب وہ اپنے باغیوں کا رزق بند نہیں کرتا تو پھر اپنے دوستوں کے رزق سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے ؎

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب
گبر وترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ترجمہ: اے کریم! تیرے خزانۂ غیب سے کافر، بت پرست سبھی کھا رہے ہیں تو تُو دوستوں کو کس طرح محروم کر سکتا ہے جبکہ تیری نظرِ کرم دشمنوں پر بھی ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف اور صرف توحید اور تقویٰ و توکّل چاہتا ہے اور رزق کا معاملہ اس نے اپنے ذمۂ کرم لگایا ہے اور تمام مخلوق کی تقدیر کا ذرہ تخلیق کائنات سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھی اور اس نے جو کچھ رزق اور پیدایش اور اجل کے بارہ میں لکھا اس میں کسی طرح بھی تغییر واقع نہ ہو گا خواہ اس کے خلاف جملہ کائنات جدوجہد کرے۔ ذرا غور تو کرو کہ یہ پرندے، درندے اور وحشی جانور صبح کو خالی پیٹ اُٹھتے ہیں لیکن شام تک پیٹ بھر کر اپنے گھونسلوں اور رہائش گاہوں کو لوٹتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے قلوب میں نورِ معرفت ہے کہ رزق کا خطرہ کاہے کا جبکہ ان کا خالق موجود ہے۔

سبق: انسان کو حیوانات سے سبق سیکھنا چاہیے کہ یہ رزق کے پیچھے مارا مارا پھر رہا ہے اور حرام وحلال

کی تمیز کئے بغیر ذخیرہ اندوزی میں لگا ہوا ہے اسے نہ رزق کی حقیقت کی طرف دھیان ہے نہ ہی اپنی اجل کو سمجھتا ہے، کیونکہ بہت سے انسانوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوا دکھا رہتا ہے اور وہ عالمِ برزخ کو سدھار جاتا ہے۔ پھر اس کا جمع کیا ہوا غیر کھا جاتے ہیں۔ بلکہ ایسے لوگ بھی اس کے ذخیرہ کے مالک بنتے ہیں جنہیں وہ ایک آنکھ دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا۔

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کل کے لیے ذخیرہ مت کرو کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر لمحہ ہر سانس جدید نصیب ہوتا ہے ایسے ہی رزق بھی روزانہ وہاں سے آتا ہے۔ جیسے بندہ رزق کی تلاش میں پھرتا ہے ایسے ہی اجل اس کی تلاش میں رہتی ہے۔

حدیث شریف ۲ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے لوگو! رزق ازل سے تقسیم ہو کر مل رہا ہے تمہارے مقسوم میں کمی نہ ہوگی، نہ زیادتی۔ نہ ہی ایک کا رزق دوسرے کے پاس جائے گا۔ البتہ تلاش تمہارے ذمہ لگائی گئی ہے۔ لیکن اسے طاعتِ الٰہی کے تحت تلاش کرو۔ نافرمانی میں تلاش کی گئی (یعنی حرام طریقے سے روزی حاصل کی گئی) تو اس کی سزا ملے گی۔ قناعت میں فراخی ہے۔ اپنے رزق کے حصول اور خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرو۔ اسے کفایت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ زہد میں ہے اور زہد میں راحت ہے اس لیے اس میں حساب کی خفت ہے اور قیامت میں ہر عمل کا حساب ہوگا اور وہ وقت عنقریب آئے گا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در خرابہ مکش بہر گنج غصہ و رنج
چو نقد وقت تو شد فقر خاک بر سر گنج
بقصر عشرت وایوان عیش شاہان بین
کہ زاغ نغمہ سرا گشت وجغد قافیہ سنج

ترجمہ: دنیا میں خزانوں کی خاطر دکھ درد مت اٹھا جب تیرا قیمتی وقت ضائع ہوگیا تو خزانہ تیرے کیا کام آئے گا۔ تم شاہوں کے محلات کو دیکھ لو کہ اب ان پر کوا کائیں کائیں کر رہا ہے اور الّو بول رہا ہے۔

حکایت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اور میرا ساتھی پہاڑ کے ایک گوشے میں عرصہ تک عبادت میں مشغول رہے۔ میرا ساتھی مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا ایک دن آیا اور کہا کہ ہمارے پڑوس میں بدوی آئے ہیں

(باقی برصفحہ ۴۵)

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ڌ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ۧ

ترجمہ : اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کُود اور بے شک آخرت کا گھر ضرور وہی سچّی زندگی ہے کیا اچھا تھا اگر جانتے پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لاکر، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے جبھی شرک کرنے لگتے ہیں کہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمت کی اور برتیں، تواب جانا چاہتے ہیں اور کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے حرمت والی زمین پناہ بنائی اور ان کے آس پاس والے لوگ اچک لئے جاتے ہیں تو کیا باطل پر یقین لاتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی نعمت سے ناشکری کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آئے کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۴) آئیے ان سے ملیں، ممکن ہے ان سے کچھ کھانے پینے کے لیے مل جائے۔ میں نے ہر چند انکار کیا مگر اس نے بصد الحاح وزاری مجھے رضامند کرلیا۔ ہم ان کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ہمیں کھلایا پلایا۔ جب ہم لوٹے تو ہم دونوں اپنی اپنی عبادت گاہ میں چلے گئے۔ میں نے حسب معمول دوسرے روز ہرنی کا انتظار کیا، جو روزانہ میرے لیے غیب سے کھانا لاتی تھی، وہ نہ آئی۔ میں اور چند روز تک اس کا انتظار کرتا رہا، اس نے نہ آنا تھا، نہ آئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ نحوست اسی کی ہے جبکہ ہم نے توکّل کے خلاف کرکے بدویوں سے کھانا طلب کیا تھا۔

سبق : اس غلطی سے تین نصیحتیں حاصل ہوئیں :

(۱) توکّل کو توڑنے کی نحوست

(۲) طمع ولالچ سے قناعت کو چھوڑا جس کی برکت سے غیب سے رزق ملتا تھا۔
(۳) حرام رزق کی نحوست سے حلال طیب رزق کی بندش جو منجملہ کرامات کے تھی جو اس بندۂ خدا کو نصیب ہوئی تھی۔ (ذکرہ الیافعی فی الریاض)

تفسیر عالمانہ

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اس میں دنیا کی تحقیر کی طرف اشارہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی قدر و قیمت نہیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ حیاۃ دنیاو آخرت کی وجہ سے دو قسم ہے؛
(۱) حیاتِ دُنیا
(۲) حیاتِ آخرت

حیاتِ دنیا سے مراد یہ ہے کہ اوّل ہے بوجہ اس کے بالمقابل دوسری حیات یعنی حیاتِ آخرت۔ اسی لیے دُنیوی زندگی کو ادنیٰ اور اُخروی زندگی کو آخر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہلی زندگی سے موت سے پہلے کے اوقات مراد ہیں اور چونکہ یہی اوقات انسان کو قریب ہیں اسی لیے اسے دنیا سے تعبیر کیا گیا اور دوسری زندگی سے مرنے کے بعد کے اوقات مراد ہیں اور وُہ آخر اس لیے ہے کہ وُہ دُنیوی زندگی سے متاخر ہے۔ یعنی نہیں دُنیوی زندگی اِلَّا لَهْوٌ مگر کھیل۔ اور لہو ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو انسان کو مقصود و مطلوب سے باز رکھے اور ملاہی لہو کے آلات کا نام ہے وَّلَعِبٌ یہ لعب فلان سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے فعل سے کسی مقصد صحیح کو سامنے نہ رکھے۔

ف: کاشفی نے ترجمہ لکھا کہ مگر مشغولی و بیکاری و لعب و بازی یعنی دنیا سرعۃ القضاء و زوال میں بچوں کے کھیل کے مشابہ ہے کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر کھیلتے ہیں تو خوش و خرم، لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے منتشر ہو کر محزون و مغموم ہوتے ایسے ہی دنیا کا حال ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

بازیچۂ طفل قریب این متاع دہر
بے عقل مرد ماں کہ بدیں مبتلا می شوند

ترجمہ: عالمِ دنیا کا تمام سامان بچوں کے کھیل کی طرح ہے لیکن بے عقل ہیں وہ لوگ جو اس میں مبتلا ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ حیاتِ دنیا جس میں انسان عیش اڑاتا ہے وہ یہ مقابلہ حیاتِ آخرت کے کہ جس میں اللہ والے اللہ کے قرب و جوار میں ہوں گے، اور

اسے لہو ولعب سے تعبیر کرنے کی دو وجہیں ہیں :

(۱) ظاہر ہے لہو ولعب کا معاملہ سریع الزوال ہے کہ اس میں مداومت نہیں ہوتی ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دنیا اور اس کی زینت وشہوات ڈھلنے والے سائے کی طرح ہے کہ اس میں بقا نہیں ۔ اسی لیے اس میں دل لگانا مناسب نہیں بلکہ اسے جھانک کر بھی نہ دیکھا جائے ۔

(۲) لہو ولعب بچّوں اور پاگلوں کا کام ہے عقلاً اور سمجھدار لوگ اس سے متنفر ہوتے ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"نہ میں لہو ولعب سے ہوں اور نہ لہو ولعب مجھ سے ہے۔"

ف : حدیث شریف میں لفظ " الـرد " واقع ہوا ہے بمعنے لہو ولعب ۔ سمجھدار انسان لہو ولعب یعنی دنیا سے دامن بچانے کی کوشش کرتا ہے ۔

سوال : کشف الاسرار میں ہے کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے لہو ولعب کیوں فرمایا حالانکہ اسے کسی حکمت و مصلحت کے تحت پیدا فرمایا ہے اور اس کی حکمت میں لہو ولعب کیسا ؟

جواب : اسے اغلب و اعم کی بنا پر لہو ولعب فرمایا کہ اس میں عموماً اور غالباً لہو ولعب ہوتا ہے ۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ دُنیا کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا : جو شے تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہی دُنیا ہے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱	چیست دنیا از خدا غافل شدن	نے قماش نُقرہ فرزند و زن
۲	مال را گر بہر دیں باشی حمول	نعم مال صالح خواندش رسول
۳	آب در کشتی ہلاکِ کشتی است	آب اندر زیر کشتی پشتی است
۴	چونکہ مال ملک را از دل براند	زاں سلیمان خویش جز مسکین نخواند
۵	کوزۂ سربستہ اندر آب رفت	از دل پر باد فوق آب رفت

ترجمہ : (۱) دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا، نہ کھیل تماشا نہ اولاد اور عورت ۔

(۲) اگر مال دین کے لیے اٹھایا ہوا ہے یہ اچھا مال ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

(۳) پانی کا کشتی میں ہونا تباہی ہے ۔ پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کی پشت پناہی ہے ۔

(۴) چونکہ سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال کو دل سے صاف کر دیا تھا اسی لیے وہ خود کو مسکین کہلواتے تھے ۔

(۵) کوزہ سربستہ پانی میں ڈال دیا جائے تو وُہ چونکہ اندر سے صاف ہے اسی لیے پانی کے اوپر آجائے گا ۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۘ اور بے شک دارِ آخرت یعنی بہشت حیاتِ حقیقیہ کا گھر ہے کیونکہ وہاں نہ موت ہے نہ فنا ہے یا اس میں مبالغہ ہے وہ یہ کہ جسے حیات کہا جاسکتا ہے وہ صرف آخرت ہے۔

حلِ لغات الحیوان، حیی کا مصدر ہے۔ جس شے میں حیات ہو اسے بھی الحیوان سے تعبیر کرتے ہیں یہ دراصل حییان تھا۔ دوسری یا کو واؤ سے تبدیل کیا گیا تاکہ صرفی قاعدہ سے ایک یاء الف سے تبدیل ہو کر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر نہ جائے۔ اور الحیٰوۃ سے یہ بلیغ تر ہے اس لیے کہ صیغہ فعلان میں مبالغہ ہوتا ہے اور اس کی حرکت اضطراب وتحرک پر دلالت کرتی ہے جو حیوان کا خاصہ ہے اسی مبالغہ کے پیشِ نظر حیاۃ پر حَیَوَان کو لایا گیا ہے۔

لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ اگر انہیں علم ہوتا تو وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے کیونکہ دنیا تو عدم محض ہے اور اس کے اندر جتنے امور ہیں سب عارضی اور فانی اور سریع الزوال ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دارِ دنیا دراصل موت ہی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو مُردہ کہا ہے اگرچہ وہ دنیا میں زندہ ہے۔ کما قال:

لا تسمع الموتیٰ۔

اور فرمایا:

لتنذر من کان حیاء۔

اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں جو بھی ہے وہ مُردہ ہے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ نورِ ایمان سے زندہ فرمائے تو وہ زندہ ہے اور آخرۃ سے عالمِ ارواح اور ملکوت مراد ہے اس لیے کہ اس کا ہر حصہ حیاۃ ہے اور اسے حیوان سے اسی لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور زندہ کے ہر حصہ میں حیوٰۃ ہوتی ہے اور آخرۃ بھی اسی لیے حیوان ہے کہ اس کا ہر جُز زندہ وحی ہے۔

حدیث شریف بے شک بہشت اور اس کے اشجار و اثمار اور محلات اور دیواریں اور نہریں یہاں تک کہ اس کی مٹی اور پتھریاں سب کی سب حیوٰۃ ہی حیوٰۃ ہیں۔

اس معنی پر حیوٰۃ حقیقی کو نہ تو تکالیف لاحق ہوتی ہیں اور نہ مصائب اور نہ امراض، نہ علل بلکہ وہاں نہ موت ہے نہ فوت، اور اہلِ جنات و قربات کی حیوٰۃ یہی ہے اگر وہ اس کی قدر و قیمت اور اس کی غایۃ کمالیۃ اور حقیقی عزت سے باخبر ہوتے تو اس کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ حریص ہوتے اور جسے ایسی حیاۃ حاصل نہ ہوئی وہ اسے آخرت میں حاصل نہیں کر سکے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اہلِ نار کی صفت یہ ہے کہ وہ

اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے یعنی انہیں حیوٰۃ حقیقی نصیب نہ ہوگی جس سے راحت و قرار حاصل کر سکیں اور پھر وہ موت کی آرزو کریں گے لیکن وہاں موت کہاں!

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اے غافل! کب تک حصولِ مراد کے تصور میں رہو گے اور کب تک خام آرزو میں رہو گے کبھی تو تم شیر بن جاتے ہو کہ جو چیز سامنے آئی توڑ دی اور کبھی بھیڑیا کہ جو چیز سامنے آئی پھاڑ دی۔ کبھی کبک کہ پہاڑوں میں اڑتا پھرتا ہے کبھی ہرن کہ کھیتوں میں دوڑتا ہے۔ تم نے کبھی سوچا نہیں کہ یہ دُنیا کیا ہے کہ جس پر تم نازاں ہو۔ یہی تمہیں فریب دے رہی ہے اور اپنے دامِ تزویر میں تمہیں پھنسانا چاہتی ہے۔ یہ سراسر لہو و لعب اور بے سروسامان لوگوں کی سرائے ہے اور کنگالوں کا سرمایہ اور بیکاروں کا کھیل، فتنہ انگیزوں کی محبوبہ اور تنگدستوں کی معشوقہ ہے۔ بے وفا دوست ظالم دایہ دشمن ضرر رساں ہے۔ صبح کسی کی ہوتی ہے تو شام کو کسی اور کی۔ کسی کے ساتھ ایک دن خوشی سے پیش آتی ہے تو دُوسرے روز اسے ذلیل و خوار کر کے مارتی ہے ؎

احلام نوم او کظل زائل
ان اللبيب بمثلها لا يخدع

ترجمہ: دنیا محض خواب خیال یا ڈھلنے والے سائے کی طرح ہے۔ سمجھدار ایسی شے سے دھوکا نہیں کھاتا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	صوفی در باغ از بہرے کشاد	صوفیانہ روئے بر زانو نہاد
۲	پس فرو رفت او بخود اندر نفول	شد ملول از صورت خوابش فضول
۳	کہ چہ خسپے آخر اندر از نگر	ایں درختاں بین و آثار خضر
۴	امرِ حق بشنو کہ گفتست انظروا	سوئے ایں آثارِ رحمت آرزو
۵	گفت آثارش دلست اے بوالہوس	آں بروں آثار آثار است و بس

ترجمہ: (۱) ایک صوفی باغ میں قلب کی کشادگی کے لیے صوفیانہ طور گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

(۲) بیٹھتے ہی سو گیا بیدار ہوا تو اپنے خوابِ فضول پر غمگین ہُوا (اور خود سے کہا کہ)

(۳) تُو اس باغ میں کیوں سو گیا تُو ان درختوں اور سبز پتوں کے نشانات دیکھ

(۴) امرِ حق سُن کہ اس نے فرمایا انظروا (دیکھو) ان آثار کو اور رحمت کی جانب منہ کر۔

(۵) پھر کہا کہ آثار تو دل ہے اے ابوالہوس! باہر والے تو صرف نام کے آثار ہیں اور بس۔

ف: اس زندگی (دنیا) کو وہ لہو و لعب سے گزارتا ہے جسے حیاتِ طیبہ اور حقیقی زندگی کا علم نہیں اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جن کا ہر لمحہ اس کے ذکر میں بسر ہوتا ہے جس کا صلہ قیامت میں یہ نصیب ہو گا کہ ان کا ہر لمحہ مشاہدہ و معاینہ میں بسر ہو گا کیونکہ ذکر و فکر کی زندگی کا صلہ اُنس اور مہر و وفا کا ثمرہ فنا یہی حضرات ہیں کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے اللہ تعالیٰ سے محجوب نہیں ہوتے اور جو محجوب ہوں گے انہیں دائمی زندگی نصیب نہ ہو گی ؎

غم کے خورد آنکہ شادمانیش توئی

یا کے میرد آنکہ زندگانیش توئی

ترجمہ: اسے غم کیسا جس کی خوشی کا سامان تو ہے اور وہ کب مرتا ہے جس کی زندگی تیرا دیدار ہے۔

سبق عاقل وُہ ہے جو اپنی پیاری زندگی خواہشاتِ نفسانی اور اشتغالِ دنیا میں ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ باقی رہنے والے اجر و صلہ کے حصول کے لیے جد و جہد کرتا ہے۔

ف: حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا: دنیا اگرچہ سراسر سونا ہو تب بھی اسے فنا ہے اور آخرت اگرچہ ٹھیکری کی مانند ہے تب بھی بہتر ہے کہ اسے بقا ہے بنا بریں ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے اختیار کریں جسے بقا ہے اگرچہ ٹھیکری کی مانند سہی۔

ف: مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مومن کے عملنامہ کی ایک تسبیح ابنِ داؤد یعنی سلیمان (علیہ السلام) کی شاہی سے بہتر ہے اس لیے کہ شاہی کو فنا ہے اور مومن کی تسبیح کو بقا۔

ف: موت کے بعد انسان کے ساتھ صرف تین صفتیں باقی رہتی ہیں:

(۱) صفاء القلب یعنی دُنیوی کدورت سے قلب کا خالی ہونا۔

(۲) ذکرِ الٰہی کے ساتھ انس

(۳) محبتِ حق تعالیٰ، وہ اس لیے کہ قلب کی صفائی یعنی قلب کا دنیا کی گرد و غبار سے پاک و صاف ہونا صرف معرفتِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے اور معرفتِ الٰہی کو بقا ہے اور معرفتِ الٰہی ذکر حق تعالیٰ کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہے اور افضل الذکر توحیدِ الٰہی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ یہ کفار کے شرحِ حال پر دلالت کرنے والے مضمون کے متصل ہے۔

حلِ لغات الرکوب بمعنے متحرک شے کے اوپر ہونا اور یہ فعل متعدی بنفسہٖ ہے مثلاً والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا لیکن یہاں پر اسی طرح کئی دوسرے مقامات پر لفظ فی سے متعدی ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ مرکوب ایک ایسی شے ہے جو مکانیت سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی حرکت قسریہ

غیرارادیہ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ کفار جن کے اوصاف مذکور ہوئے وہ اپنی تجارات و دیگر ضروریات کے لیے جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں اور ہوا کے جھونکوں اور دریا کی موجوں سے جب کشتیاں چکر کاٹتی ہیں اور انہیں ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے یعنی جب کفار و مشرکین کشتیوں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور امواجِ دریا سے کشتیاں چکر میں گھرتی ہیں دَعَوُا اللّٰہَ تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۚ درانحالیکہ وُہ دین میں اہلِ ایمان کی طرح خلوص ظاہر کرتے ہیں۔ اس وقت ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ غیراللہ کو نہیں پکارتے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ شدائد و مصائب کو صرف وہی ٹالتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ کفار سے اخلاص کیسا، اخلاص ایمان کے بغیر کہاں؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت وہ اللہ تعالیٰ کے حضور خوب گڑگڑاتے ہیں اور اس وقت عزم کر لیتے ہیں کہ اگر غرق ہونے سے بچ گئے تو پکے اور سچے مسلمان بن جائیں گے لیکن ان کی بدبختی کہ جونہی غرق ہونے سے بچ نکلتے ہیں تو پھر اسی غفلت اور اصرار علی الکفر میں لگ جاتے ہیں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت میں اخلاص سے وہ اخلاص مراد نہیں جو ایمان کے ثمرات سے ہے۔

تفسیر قرآنی از عکرمہ آیت کے مضمون کی تصدیق حضرت عکرمہ کے قول سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت جب دریائی سفر کو جاتے تو کشتی پر سوار ہوتے وقت اپنے ساتھ بُت رکھتے۔ جب ہوا زور پکڑتی اور کشتی کو خطرہ لاحق ہوتا تو بُتوں کو دریا میں پھینک کر زور زور سے پکارتے: یا خدا! یا خدا! (کذا فی الوسیط) اور کشف الاسرار میں ہے کہ وہ پکارتے: یارب! یارب!

فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ۔

حلِ لغات البر، بحر کی نقیض ہے۔ اس سے وسعتِ مکانی مراد ہے اور البر (نیکی) بھی اسی سے مشتق ہے بمعنے فعل الخیر میں توسّع (کذا فی المفردات)

یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے اور دریا میں غرق ہونے سے سلامتی بخشتا ہے اور وہ صحیح سالم میدانوں میں آجاتے ہیں اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ اس کے بعد اپنی پرانی عادت شرک کی طرف لَوٹ آتے ہیں لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ یہ لام کے کی ہے یعنی تاکہ ہو جائیں ہماری دی ہوئی نعمت نجات کے ساتھ بوجہ شرک کفر کرنے والے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ نجات پانے کے بعد شکرِ خداوندی میں مشغول رہتے وَلِيَتَمَتَّعُوْا تاکہ عبادتِ اصنام اور ان کی محبت کے انہماک میں مجتمع ہو کر نفع اٹھائیں، اور،

یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں لام امر کی ہو۔ اس معنے پر یہ امر وعید و تہدید کا ہوگا جیسے اعملوا ما شئتم کا امر تہدیدی ہے۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اس کا انجام اور نافرمانی کا نتیجہ جان لیں گے جب عذابِ الٰہی اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاذا رکبوا فی الفلك میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ کرے اور یقین کرے نفع وضرر کا مالک صرف وہی خدا ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب قلب پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور وہ دُکھ درد اور ہلاکت وتباہی کے گھاٹ اترتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کو بھیجا تاکہ وہ جوہرِ انسانی کو صاف ستھرا کر کے فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کے قابل اور ان سے کونین کے تعلقات چھڑا کر صرف خالق کی طرف رجوع رکھنے کا اہل بنائیں۔ اس لیے کہ رجوع الی اللہ کا جوہر ہر انسانی قلب میں موجود ہے صرف طبع یعنی خواہشاتِ نفسانی کو ہٹانے کی دیر ہے۔ کما قال:

ان الیٰ ربك الرجعٰی۔

ف: مومن و کافر کے اخلاص میں یہی فرق ہے کہ اہلِ ایمان کے اخلاص میں تائیدِ ایزدی کو دخل ہوتا ہے۔ اسی لیے کہ نزول البلاء سے پہلے یعنی راحت وخوشی میں اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو خلوص سے ادا کیا اس کے اس اخلاص کو حق کی تائید نصیب ہوئی۔

چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

حدیث قدسی "اخلاص ایک ایسا راز ہے جو صرف میرے اور بندے تک محدود ہے اس کا علم نہ کسی ملک مقرب کو ہوتا ہے نہ نبی مرسل کو۔"

یہی وجہ ہے کہ مخلص بندے کے اخلاص میں کوئی فرق نہیں پڑتا رنج وراحت اس کے لیے برابر ہوتا ہے لیکن کافر کا اخلاص طبعی ہوتا ہے جو صرف بلاء اور خوف ہلاکت کے وقت ہوتا ہے پھر ختم کیونکہ رنج وبلا کے وقت اسے طبیعت مجبور کرتی ہے کہ وہ اخلاص کرے۔ اسی لیے اس کے اخلاص کو ربانی تائید نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ تعلقات دنیویہ میں ہر وقت گرفتار رہتا ہے صرف اسی وقت اخلاص کا اظہار کرتا ہے جب ضرورت پڑتی ہے جیسے کشتی سواروں کا حال تھا کہ غرقابی کے خطرے سے دعوا اللہ مخلصین لہ الدین مخلص ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور ان کا یہ پکارنا اضطراری تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت وتباہی سے نجات بخشی فلما نجّٰھم الی البر پھر جب ان سے خوف اضطرار زائل ہوا تو وہ اپنی منحوس عادت کی طرف لوٹ آئے اذا ھم یشرکون لیکفروا بما اٰتینٰھم اس وقت پھر وہ شرک میں مبتلا

ہو گئے اور ہماری دی ہوئی نعمت کا کفران کرنے لگے ۔ یعنی وہ نعمتِ ایزدی سے کفر کرکے عذابِ الٰہی کے مستحق ٹھہرے **ولیتمتّعوا** چند روز نفع اٹھائیں **فسوف یعلمون** پھر عنقریب انہیں اپنے انجام اور دائمی عذاب میں مبتلا ہونے کا علم ہو گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ راہ راست باید نہ بالائے راست
که کافر از روئے صورت چو ماست

۲ ترا آنکه چشم و دہاں داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش

۳ مکن گردن از شکر منعم مپیچ
که روز پسیں سر برآرے بہیچ

ترجمہ : (۱) سیدھا راستہ چاہیے نہ کہ بلندی کا، کیونکہ کافر بظاہر ہمارے جیسا ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ نے تجھے آنکھ، منہ اور کان بخشے ہیں اگر سمجھ دار تو اس کے خلاف عمل کی کوشش نہ کر۔
(۳) اس کے خلاف نہ کر شکرِ منعم سے گردن نہ ہٹا ورنہ کل بیکاری اور ذلت اٹھائے گا۔

شرح حزب البحر حضرت شیخ زروق حزب البحر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ دریائی سفر، جیساکہ دورِ حاضرہ کا تقاضا ہے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں اگرچہ اس کی مشقّت کی وجہ سے اختلاف ہے لیکن پانچ عوارض اگر لاحق ہوں تو ممنوع ہے :

(۱) ادائیگی فرض میں رُکاوٹ یا اس میں کوتاہی یا کمی واقع ہوتی ہے۔
(۲) جہاں کشتی وغیرہ کے غرق ہونے کا خطرہ ہو، کیونکہ یہ خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ شمس کا عقرب میں دخول سے لے کر شتا کے آخر تک۔
(۳) جہاں قید ہو جانے یا جان و مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو دشمن سے یا کسی اور وجہ سے ۔ ہاں اگر راستہ پُرامن اور سلطنت اسلامی ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اسلامی سلطنت میں غیروں سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا ۔ ہاں جو ممالک غیر مسلمانوں کی جان کے ضامن ہوں تو وہاں بھی کوئی حرج نہیں ۔
(۴) جس سفر میں غیروں کے تحت چلنا پڑے اور وہ ذلیل و خوار کرنے کے درپے ہوں یا مشاعرِ اسلام کی توہین کرتے ہوں اگر ان سے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت بھی ہو تب بھی سفر کرنا ممنوع ہے۔ آج کے

دور میں مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج ہے کہ وہ غیروں سے مشاعرِ اسلام کی توہین آنکھوں سے دیکھتے ہیں تب بھی ان کے ساتھ نہ صرف میل جول بلکہ ان سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ اگرچہ بعض علماء کرام نے اسے جائز سمجھا ہے اور دلیل میں لکھا ہے کہ دار الحرب میں جب تجارتی لین دین جائز ہے تو پھر سفر کی رکاوٹ کیوں؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جواز کی دلیل غلط ہے کیونکہ دار الحرب میں تجارتی لین دین مکروہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ بوجہ ضرورت جائز ہے۔ اسی جواز کے پیشِ نظر بعض علماء و مشائخ نے حربیوں کے ساتھ دریائی سفر اختیار فرمایا اور اسی سے حج کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دریائی سفر کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی سفری سہولتیں غیروں کے قبضے میں ہیں وہ اگرچہ مکروہ ہے لیکن چونکہ فرض کی ادائیگی کی ضرورت ہے اس کے بالمقابل کراہت کے ارتکاب میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) جہاں عورتوں کو ستر کے معاملہ میں خطرہ ہو جیسے چھوٹی کشتیوں میں عورتوں کو ایسا حرج واقع ہوتا ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے سفر سے روکا ہے اگرچہ حج کی بھی ضرورت ہو۔ ہاں اگر عورتوں کے ستر و حجاب کا اہتمام ہو سکتا ہے، جیسے بڑی کشتیوں اور جہازوں میں ہوتا ہے تو جائز ہے۔

اوراد و وظائف دریائی سفر کرتے وقت پڑھا جائے:
بسم اللہ مجرىٰها و مرسٰها ان ربی لغفور رحیم۔ اور وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعا قبضتہ یوم القیٰمۃ والسمٰوٰت مطویات بیمینہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔

ان آیات کے پڑھنے سے کشتی غرق ہونے سے محفوظ رہے گی۔ اور یہ آیات مسافر کے لیے امان بن جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمۡ یَرَوۡا کیا اہلِ مکہ نے دیکھا نہیں، اور کیا انہیں مشاہدہ نہیں ہوا اَنَّا جَعَلۡنَا بے شک ہم نے ان کے شہر کو بنایا حَرَمًا حرمت والا اٰمِنًا امن والا۔ ہر زیادتی سے امن والا اور ہر تعدی سے سلامتی والا اور اس کے اہل کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھنے والا۔

وَیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ ط

حلِ لغات التخطف بمعنے ربودن اور حول شے کی وہ جانب جسے آسانی سے پھیرا جائے۔ اس وقت یہ حال تھا کہ عرب کے گرد و نواح کے لوگ اس لوٹ مار سے محفوظ تھے کوئی ڈاکو، چور انہیں نہ لوٹتا تھا نہ مارتا تھا۔

اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ یعنی ظہورِ حق (کہ جس کے متعلق ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں) کے بعد باطل پر ایمان لاتے ہیں یعنی کفار باطل پر ایمان رکھتے ہیں اس سے شیطان یا بت مراد ہیں یعنی کفار

باطل پر ایمان رکھتے اور حق سے منہ موڑتے ہیں اور صلہ کی تقدیم میں ان کے فعل کی شناعت و مذمت مطلوب ہے وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ اور وہ نعمت جو شکریہ کی مستوجب تھی، مراد ہے یَکْفُرُوْنَ ۝ سے کفر کرتے ہیں باین طور کہ ذاتِ حق کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ افبالباطل میں باطل سے نفس کے جملہ مشارب ماسوی اللہ مراد ہیں یؤمنون صدق کو غیر اللہ میں صرف کرتے ہیں وبنعمۃ اللہ اس سے مشاہدۂ حق مراد ہے یکفرون کفر کرتے ہیں یعنی مشاہدہ کو طلب نہیں کرتے ۔ ہم نے باطل سے ماسوی اللہ اس لیے مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور مجازی اس کا بطلان ۔ تو ظاہر ہے کہ وہ عدم محض ہے اور مجازی اس لیے کہ وجود اضافی کا آئینہ ہے ۔

ف : اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا بہ نسبت اس کی نعمتوں کے ساتھ کفر کرنے سے سخت تر ہے اس لیے پہلا دوسرے کو لازم ہے بخلاف ثانی کے کہ ضروری نہیں کہ نعمتوں کے کفر سے کفرِ الٰہی لازم آئے ۔ اور کفار نے دونوں کا ارتکاب کیا اس لیے وہ مذموم ترین ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ اَظْلَمُ اور اس سے اور کون زیادہ ظالم ہوگا مِمَّنِ افْتَرٰی جس نے از خود گھڑ لیا عَلَى اللّٰهِ اللہ واحد صمد پر كَذِبًا جھوٹ ۔ مثلاً اس کے لیے گمان کیا کہ اس کا کوئی شریک ہے ۔ یعنی مشرک تمام ظالموں سے بدترین ظالم ہیں اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ یا اس نے حق کو جھٹلایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا قرآن مجید کو لَمَّا جَآءَهٗ جبکہ اس کے پاس آیا تو اس نے بلا تاخیر عناد کے طور پر انکار کر دیا ۔

ف : لفظ لَمَّا میں ان کی سفاہت و حماقت کا اظہار ہے کہ انہوں نے سوچے سمجھے بغیر حق کا انکار کر دیا ، حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جونہی حق آیا تھا اس میں غور و فکر کرتے ۔ اگر خامی دیکھتے تو کہنے کچھ کہنے کے حقدار تھے لیکن انہوں نے تو سنتے ہی فوراً انکار کر دیا ۔ یہ ان کی حماقت و سفاہت ہے ۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ یہ ان کے جہنم میں ٹھہرنے کی تقریر ہے یعنے جہنم میں کافروں ہی نے ٹھہرنا ہے ۔ یہ استفہام انکاری ہے اور اس کا قاعدہ ہے کہ جب نفی پر داخل ہوتا ہے تو ایجاب کا فائدہ دیتا ہے ۔ یعنی کیا اب بھی یہ لوگ جہنم میں داخل ہونے کے مستحق نہیں ہیں جبکہ انہوں نے حق کے انکار و تکذیب میں حماقت و سفاہت کا ثبوت دیا اور افترا علی اللہ کی بھی مثال قائم کر دی ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کافروں کو معلوم نہیں کہ وہ جہنم میں ٹھہریں گے اس لیے کہ انہوں نے تکذیب و افترا علی اللہ جیسے قبیح و شنیع افعال کے ارتکاب کی جرأت کی ۔

تفسیر صوفیانہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اور اس شخص سے اور بڑا ظالم کون ہے جو اپنے ظن فاسد سے سمجھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی حال یا وقت یا کشف یا مشاہدہ کا تعلق ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے تعلقات انسان کے کہاں! اور مزید اللہ تعالیٰ پر یہ افترا کہ برائیوں کے ارتکاب کے بعد کہتے ہیں کہ اسی طرح ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہل صوفی جو کہا کرتے ہیں کہ ہم خلافِ شرع وسنّت جو کچھ کرتے ہیں ہمارے لیے روا ہے اس لیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی حکم ہوا ہے (معاذ اللہ) بلکہ اس سے تجاوز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اپنے مشائخ طریقت کو ایسے ہی دیکھتے چلے آئے ہیں اسی لیے ہماری حرکات وسکنات قربِ الٰہی اور ہماری ولایت کاملہ کی دلیل ہے۔ گناہوں کا ارتکاب ہمارے لیے مضر نہیں اور اعمالِ صالحہ ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔

اوکذب بالحق یا اس نے حق یعنی شریعت اور مشایخ طریقت اور ان کی سیرت کی تکذیب کی جبکہ ان کے ہاں حق آیا **الیس فی جہنم** کیا نہیں جہنم یعنی نفسِ امّارہ میں **مثوی** قیدخانہ **للکفرین** دین اسلام اور شریعت وطریقت کے ساتھ کفر کرنے والوں کا یوجہ اس کے کہ وہ من گھڑت افسانے گھڑتے اور ایسے دعاوی کرتے جن کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی بلکہ وہ اپنے دعاوی کی اپنے منہ سے تکذیب بھی کرتے تھے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مدعی خواست کہ آید بتماشا کہ راز

دستِ غیب آمد و برسینۂ نامحرم زد

ترجمہ: مدعی نے چاہا کہ وہ تماشا دکھاتے لیکن دستِ غیب نے نامحرم کو رسوا و خوار کیا۔

خلاصہ یہ کہ جھوٹا مدعی معنی کے حرم کے داخلہ سے بیگانہ اور اجنبی ہے جیسے اجنبی کو بادشاہ کے حرم میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ ایسے ہی حقیقت سے بے خبر کو حقیقت کے حرم میں داخلہ کی اجازت نہیں ملتی۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

مدعی نیست محرم در یار

خادم کعبہ بُولہب نبود

ترجمہ: محبوب کے حرم کو جھوٹے مدعی کو محرم نہیں بنایا جاتا جیسے ابولہب کو کعبہ کی دربانی نصیب نہ ہوتی۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ خالی دعووں اور جھوٹی باتوں سے اجتناب کرے اور نفس کے جملہ صفات رذیلہ سے دُور رہنے کی جد و جہد کرے اور معنی و صدق کے حصول کی سعی کرے بلکہ اوصاف قلب سے متجلی ہونے میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

حضرت حافظ قدس سرۂ نے فرمایا: ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو و چمن

ترجمہ: صاف قلب سے صدق کے طریق کو سیکھئے سرو چمن کی طرح، سچائی سرو چمن کی طرح آزادی طلب کیجئے۔

حکایت حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو کسی کو علم تک نہ ہوتا اور نہ ہی آپ کسی سے کہتے کہ میں سفر کو جا رہا ہوں۔ بس لوٹا اُٹھایا اور چل پڑتے۔ حضرت حامد الاسوار فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ آپ نے آ کر لوٹا اٹھایا اور چل پڑے۔ میں نے سمجھا کہ آپ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا جب آپ قادسیہ میں پہنچے تو مجھے دیکھ کر فرمایا: اے حامد! تم کہاں؟ میں نے عرض کی: حضرت! میں آپ کے سفر کے کوائف معلوم کرنے کے لیے آپ کے پیچھے ہولیا تھا۔ آپ نے فرمایا: میں تو کعبہ معظمہ کی زیارت کو جا رہا ہوں۔ میں نے عرض کی تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس کے بعد ہم دونوں کعبہ معظمہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ہمیں ایک نوجوان ملا جو وہ بھی کعبہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ وہ شب و روز ہمارا ہم سفر رہا۔ لیکن وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ میں نے اس کی شکایت حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے کی آپ نے اسے فرمایا: بیٹے! تم نماز کیوں نہیں پڑھتے حالانکہ حج کے فریضہ سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے۔ اس نے عرض کی: حضرت! مجھ پر نماز فرض ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر کون ہو؟ کہا: نصرانی ہوں اور اس جنگل میں اس لیے پہنچا کہ میرے نفس نے توکل علی اللہ کا دعویٰ کیا تو میں نے اس کی تصدیق نہیں کی بلکہ اسے آزمانے کے لیے جنگل میں لایا ہوں تاکہ اسے اسبابِ دُنیوی کے تعلقات سے وابستگی نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا امتحان دے۔ حضرت ابراہیم نے اس کی باتیں سنیں اور مجھے فرمایا: چلئے اسے اپنے حال پہ چھوڑ دیئے۔ ہم دونوں چل پڑے اور وہ بھی ہمارے پیچھے ہولیا۔ یہاں تک کہ جب ہم وادی مرو میں پہنچے حضرت ابراہیم یہاں ٹھہرے اور کپڑے دھوئے اور اس نوجوان سے پُوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ کہا: عبد المسیح۔ آپ نے اسے فرمایا: اے عبد المسیح! یہی حرم مکّہ ہے اور تیرے جیسے اس میں داخل

نہیں ہو سکتے اس لیے کہ تو مشرک ہے اور مشرک کو اللہ تعالیٰ نے نجس (پلید) کہا ہے اور اپنی مسجد حرام میں اس کا داخلہ ممنوع فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔

اور جس طرح تُو نے اپنے نفس کا امتحان لینا چاہا تھا وُہ پُورا ہو گیا۔ لیکن کعبہ معظمہ میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر ہم نے آپ کو کہیں دیکھا تو تمہیں سزا دیں گے۔ حضرت حامد نے فرمایا ، ہم نے اسے ڈرا دھمکا کر وہیں چھوڑا اور مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہو گئے اور موقف میں پہنچے۔ ہم عرفات میں بیٹھے تھے اچانک اسی نوجوان کو احرام باندھے ہوئے عرفات میں دیکھا اور وہ ہمیں تلاش کر رہا تھا ، ہمیں دیکھ کر خوش ہو گیا اور آتے ہی حضرت ابراہیم کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے اسے فرمایا : اے عبدالمسیح ! اپنا حال سنائیے۔ اس نے عرض کی ، حضرت ! اب مجھے عبدالمسیح مت کہئے ، میں اس کا عبد ہُوں جس کا عبد مسیح (علیہ السلام) ہے۔ آپ نے فرمایا : اچھا سنائیے ، تجھے یہ دولتِ اسلام کیسے نصیب ہُوئی ؛ اس نے کہا : میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ حجاج کا قافلہ گزرا ، انہیں دیکھ کر اٹھا اور اپنے آپ کو غیر اسلامی لباس میں پایا جو مجھے بُرا لگا۔ پھر اچانک میری نگاہ کعبہ معظمہ پر پڑی تو میرا دل بھر آیا میں نے سوائے اسلام کے باقی جُملہ ادیان کو بُرا محسوس کیا تو فوراً کلمۂ اسلام پڑھا اور غسل کر کے احرام باندھ کر یہاں آ گیا ہُوں۔ آپ کو تلاش کیا۔ الحمد للہ آپ کو پا لیا۔ حضرت ابراہیم نے مجھے دیکھ کر فرمایا : اے حامد ! دیکھ لیجئے ، یہ ہے صدق و سچائی کی برکت ، اور وہ بھی نصرانیت میں۔ اگر کوئی اسلام میں رہ کر سچائی اور صدق کو اپنائے تو اس کی کیا شان ہو گی ! وہ نوجوان ہمارے ساتھ رہا۔ چند دنوں کے بعد فوت ہوا اور اللہ والوں کے ساتھ مدفون ہُوا۔

فوائد الحکایت

فقیر (اسماعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس حکایت سے چند فوائد حاصل ہُوئے :

(۱) کعبہ معظمہ میں شرکت کی غلاظت والا داخل نہیں ہو سکتا ایسے ہی حرم قلب میں بھی جھوٹا مدعی داخل نہیں ہو سکتا جبکہ صرف باتونی ہو اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ولی کے ساتھ ایک نصرانی نے ظاہری صحبت اختیار کی تو اسے دولتِ اسلام سے نوازا گیا تو پھر جو مسلمان صدق و صفا اور عقیدت و خلوص کے ساتھ حاضری دے تو اس کا کیا حال ہو گا !

(ف : وہابی دیوبندی مودودی سوچیں اور اہلسنت والجماعت جھوٹے پیروں فقیروں اور شریعت مطہرہ کے خلاف چلنے والے سجادہ نشینوں سے بچیں)[1]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

(۳) سچائی جب ایک نصرانی کو ایمان کی دولت سے نواز سکتی ہے اور کفر سے دُور کر سکتی ہے تو پھر اسلام کے شیدائیوں کو کیوں نہ معرفت وحقیقت سے نوازے گی!

(۴) جس کی نظر صحیح ہو اسے مشاہداتِ حق سے حصہ نصیب ہوتا ہے پھر اس کی برکت سے حق کو پا لیتا ہے اور آیاتِ ربانی کی تکذیب سے بچ جاتا ہے۔ جیسے نصرانی مذکور کو نصیب ہُوا کہ اس نے جُونہی کعبہ معظمہ کو دیکھا جو کہ سرالذات کی ظاہری صورت ہے ایسے ہی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جبکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو دیکھا تو کہا یہ چہرہ کذاب کا نہیں ہوسکتا ہے اس طرح سے انہیں حقیقت کی راہ نصیب ہُوئی۔

(ہم اللہ تعالیٰ سے حقیقت صدق و اخلاص اور اہلِ اختصاص کے ثمرہ سے نفع حاصل کرنے کی عرض کرتے ہیں)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا ۔ الجهاد والمجاهدہ بمعنی دشمن کے معارضہ میں اپنی جملہ طاقت کو صرف کرنا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ لوگ جنہوں نے ہمارے لیے یعنی ہماری رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جُملہ وسعتوں کو خرچ کیا اور ہم نے مجاہدہ کا عام معنیٰ لیا کہ اعدائے ظاہری و باطنی کے مقابلہ کو شامل ہو۔ ظاہری دشمنوں کا جہاد یہی ہے کہ کفّار سے جنگ و جدال کرنا۔ اور باطنی یہ ہے کہ نفس و شیطان کا مقابلہ کرنا۔

حدیث شریف میں ہے:

جاهدوا اهواءكم كما تجاهدون اعداءكم۔

(اپنی خواہشات نفسانیہ سے ایسے مقابلہ کرو جیسے دشمنوں (کفار) کا مقابلہ کرتے ہو)

جہاد زبان اور ہاتھ دونوں سے کیا جانا چاہیئے۔

مسئلہ: جہاد جیسے ہاتھ سے ہوتا ہے ویسے ہی زبان سے بھی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جاهدوا الكفار بايديكم والسنتكم۔

(کفار کے ساتھ ہاتھ اور زبان سے جہاد کرو)

یعنی زبان سے مقابلہ یوں ہوسکتا ہے کہ انہیں وہ باتیں کہی سنائی جائیں جو انہیں بُری لگیں جیسے ہجو وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: حضرت ابنِ عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ سے عاجزانہ منقطع ہونے کا نام جہاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خدمت کے آداب کو جہاد اس لیے کہا جاتا ہے کہ آدابِ خدمت بجا لانا اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔

الکواشی میں ہے کہ مجاہدہ سے آنکھ بند رکھنے اور زبان کی حفاظت اور خطرات قلب کی نگرانی اور اسے جمع رکھنے اور عادات بشریہ سے فارغ ہونے کا نام ہے۔ اس میں غرض و قصد بھی داخل ہے۔ یعنی انسان اپنے تمام اغراض و مقاصد کو رضائے الٰہی کے تابع کرے۔

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط الھدایۃ بمعنے موصل الی المطلوب کی دلالت۔ السبل، سبیل کی جمع ہے۔ وہ راستہ جس پر عادۃً چلنا سہولت سے ہو۔ امام راغب نے لکھا: السبیل الطریق الذی فیہ سھولۃ۔ اسے جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے مخلوق کی سانسوں کی گنتی کے برابر ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم ان کی اپنے ہاں کے چلنے کی راہوں اور اپنی جناب تک پہنچنے کی رہبری کریں گے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مہاجرین و انصار مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ حضرات جنہوں نے مشرکین کے ساتھ جہاد اور جنگ کی محض ہمارے دین کی خاطر، تو ہم ان کی شہادت و مغفرت و رضوان کی رہبری کریں گے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر ھدایۃ بمعنے ہدایت پر ثابت قدمی اور اس میں اضافہ مراد ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی ہدایت میں اور کفار کی گمراہی میں اضافہ فرماتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم سبل الخیر کی ہدایت میں ان کے لیے اضافہ فرمائیں گے اور ان پر چلنے کی توفیق بخشیں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذین اھتدوا زادھم ھدی۔

حدیث شریف میں ہے:
من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم۔
(جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسے علم کا وارث بناتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہ ہو)

حدیث شریف ۲۰ میں ہے:
من اخلص للہ اربعین صباحا انفجرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔
(جو شخص اللہ تعالیٰ سے چالیس روز مسلسل خلوص رکھے تو اس کے قلب سے زبان پر حکمت کے چشمے اُبلیں گے)

ف: حضرت سعد بن عبد اللہ تستری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اقامتِ سنّت کے متعلق جہاد کرتے ہیں تو ہم

انھیں بہشت کا راستہ دکھائیں گے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ دُنیا میں سنّت کی مثال ایسی ہے جیسے آخرت میں بہشت۔ جو شخص آخرت میں بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جو شخص دنیا میں سنّت کا پابند ہوا وہ نجات پا گیا۔

مختلف تفاسیر

(۱) جو لوگ توبہ کے ساتھ ہمارے لیے جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اخلاص کی دولت سے نوازیں گے۔

(۲) جو لوگ طلبِ علم میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشیں گے۔

(۳) جو شخص ہماری خوشنودی کے لیے مجاہدہ کرتا ہے ہم اسے محل رضوان تک پہنچنے کی رہبری کریں گے۔

(۴) جو شخص ہماری خدمت کے لیے جدوجہد کرتا ہے ہم اس پر مناجات کی راہیں اور اپنے ساتھ انس اور مشاہدہ کی راہیں وا کریں گے۔

(۵) جو شخص ظاہری اوراد و اعمال کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے ہم اُسے اسرار و لطائف تک پہنچائیں گے۔

اُس بندۂ خدا پر تعجب ہے جو ظاہری اعمال سے تو کوتاہی کرتا ہے لیکن باطنی اسرار و رموز کے حصول سے پُرامید ہے۔ جو اپنی زندگی کے اوائل میں مجاہدہ نہیں کرتا اس کا انجام نفسانی خواہشات کے پُورا کرنے پر ہوگا۔ پھر وہ جونہی قُربِ الٰہی کی آرزو کرے گا اُسے بُعد نصیب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ مجاہدہ کی مقدار پر انسان کو مراتب و کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً جو شریعت پر عمل کرتا ہے اُسے بہشت نصیب ہوگی اور جو طریقت کا پابند ہوگا اسے ہدایتِ حق ملے گی۔ اور جو معرفت حاصل کرے گا اور ماسوٰی سے انقطاع پائے گا اسے ذاتِ عین اور بقاؑ سے نوازا جائے گا۔

ف : جو شخص مشاہدہ سے مجاہدہ کو مقدم کرتا ہے جیسے آیت میں اشارہ ہے تو وہ شخص مرید ہوگا تو مراد بن جائے گا اگر مجذوب ہوگا تو سالک بن جائے گا اور وہ مشاہدہ کو مجاہدہ پر مقدم رکھتا ہے اس سے یہی شخص مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے جو مجاہدہ کو مشاہدہ پر مقدم سمجھتا ہے اس کا معاملہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ مثلاً وہ مراد ہوگا تو مرید ہو جائے گا اگر سالک ہوگا تو مجذوب ہو جائے گا اس لیے کہ سلوک کا ہونا عادۃِ الٰہیہ کے موافق ہونا ضروری ہے اس لیے کہ پہلا یعنی مجاہدہ کو مشاہدہ پر مقدم کرنے والا متمکن و ہاضم ہوتا ہے بخلاف دوسرے کے کہ وہ متلون و مغلوب ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو محل کشف کے لیے پہلے تیار نہ ہو تو اچانک کشف الحاد و جنون کا سبب بن جاتا ہے (العیاذ باللہ)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے لنھدینھم سبلنا یعنی ہم انہیں اپنے وجدان کے راستوں کی رہبری کریں گے۔

حدیث قدسی : چنانچہ حدیث قدسی میں ہے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) : جو مجھے طلب کرتا ہے مجھے پاتا ہے

اور جو میرے ہاں ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔
کاشفی نے زبور سے نقل کیا: ؎

انا المطلوب فاطلبنی تجدنی

انا المقصود فاطلبنی تجدنی

اگر در جست وجوے من شتابد

مراد خود بزودے باز یابد

ترجمہ: میں ہی مطلوب ہوں مجھے طلب کرو گے تو مجھے پاؤ گے۔ میں ہی مقصود ہوں، مجھے طلب کرو گے تو مجھے پاؤ گے۔ اگر میری تلاش میں دوڑو گے تو مجھے جلد پا لو گے۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر گران و گر شتابندہ بود

آنکہ جوئندہ است یابندہ بود

در طلب زن دائما تو ہر دو دست

کہ طلب در راہ نیکو رہبر ست

ترجمہ: (۱) اگر آہستہ چل کر یا دوڑ کر تو مجھے تلاش کرے گا تو مجھے ضرور پائے گا۔
(۲) طلب میں تم ہمیشہ ہاتھ پاؤں مارتے رہو کیونکہ نیک راہ میں یہی طلب بہترین راہ ہے۔

روحانی علاج: مشایخ نے فرمایا کہ مجاہدات سے مشاہدہ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔
سوال: براہمہ و فلاسفہ تو بہت بڑے مجاہدے کرتے ہیں بلکہ مجاہدے کا حق ادا کرتے ہیں انھیں تو کوئی مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا۔
جواب: بے شک انہوں نے مجاہدہ تو کیا لیکن شرط ادا نہیں کی۔ یعنی فینا (رضائے الٰہی) سے محروم ہیں اور جہاد کے لیے بہت بڑی شرط رضائے الٰہی ہے اور براہمہ و فلاسفہ نے اسے ترک کردیا بلکہ ان کا مجاہدہ خواہش نفسانی اور خلق خدا کے لیے ریا، سمعۃ و شہرت و طلب ریاست و علو فی الارض اور تکبر علیٰ خلق اللہ کی بنا پر۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ محرمات کو چھوڑے پھر شبہات کو پھر فضلات کو، اس کے بعد تعلقات کو منقطع کرے۔ پھر تزکیۂ نفس کرے پھر شور و غل سے قلب کو جملہ اوقات میں فارغ رکھے اور اوصاف مذمومہ سے قلوب کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ضروری ہے التفات

الی الکونین وطمع عن الدارین سے قطع تعلق کرے تاکہ رُوح کو رونق وروشنی نصیب ہو۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ انقطاع و انفصال عن الاغیار سے قطع تعلق کرلیں تو ہم وصول و وصال الی اللہ کی جانب ان کی راہنمائی کریں گے۔

ف : ہدایت کی دو اقسام ہیں :

۱۔ متعلق بہ مواہب

۲۔ متعلق بہ مکاسب

جو مواہب سے متعلق ہے وہ منجانب اللہ ہے۔ اور یہ ازل میں لکھا ہُوا تھا۔
جو مکاسب سے متعلق ہے اس میں بندے کے کسب کو دخل حاصل ہوتا ہے اس ہدایت کو مسبوق کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں پہلے کسب کا ہونا ضروری ہے۔

اس آیت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم میں ہدایت سے ہدایت موہبۂ الٰہی مراد ہے اور جہد انسانی سے موہبۂ الٰہی کو سبقت ہوتی ہے۔ انسانی جہد بمنزلہ بیج کے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت الٰہی کا بیج انسان کی قلبی زمین میں نہ ڈالا جائے تو انسانی جہد کیا کام کرے گی اور کب اس کے کسب کو طاقت نصیب ہو گی۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

قومے بجد و جہد نہادند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بتقدیر مے کنند

ترجمہ : بعض لوگ وصالِ دوست کے لیے جد وجہد کرتے ہیں اور بعض اسے تقدیرِ الٰہی کے حوالے کرتے ہیں۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ نبوت و رسالت بمنزلہ سلطنت کے ہے کہ عطیۂ الٰہی کے بغیر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس میں بندے کے کسب کو دخل نہیں اور ولایت بمنزلہ وزارت کے ہے کہ اس میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔ یعنی جیسے وزارت بندے کو جد وجہد سے حاصل ہوتی ہے ایسے ہی ولایت انسانی جدوجہد سے ملتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ اللہ تعالیٰ کی معیت محسنین کے لیے ہے یہاں معیت سے دنیا میں نصرت و اعانت وعصمت اور آخرت میں ثواب و مغفرت مراد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر تین منزلیں ہیں :

(۱) جہاد اندر باطن با ہوا و نفس

(۲) جہاد بظاہر اعدائے دین و کفار زمین

(۳) اجتہاد باقامت حجۃ وطلب حق کشف شبہات

اس ظاہری اقامت حجۃ کو اجتہاد سے اور رعایت عہد الٰہی کو جہد سے تعبیر کرتے ہیں ۔ (کشف الاسرار)

جاھدوا فینا میں مذکورہ بالا منازل کا بیان ہے اس لیے کہ جو بظاہر جہاد کرتا ہے اسے رحمت نصیب ہوتی ہے اور جو اجتہاد کرتا ہے اسے عصمت سے بہرۂ وافر حاصل ہوتا ہے اور جو جہد کرتا ہے اسے وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ تینوں منازل میں رضائے الٰہی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے اسی لیے شرط لگائی ہے کہ وان اللہ لمع المحسنین یعنی جب میں بندے کو ہدایت دیتا ہوں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اور وہ میرے ساتھ ہوتا ہے ۔ پھر وہ بندہ زبانِ حال سے عرض کرتا ہے : اے اللہ تعالیٰ ! تُو نے اپنے لُطف و کرم سے مجھے ہدایت بخشی اور اپنی کرم نوازی سے مجھے خدمت کا موقعہ بخشا اور پھر اسے قبول بھی فرمایا اور نظرِ عنایت و میوۂ وفا و محبت سے نوازا ، اب میں چاہتا ہوں کہ مجھے ہر طرح کے مکر وفریب سے بچالے ۔ الٰہی ! تو ضعیفوں کی پناہ اور قصد کرنے والوں کا رہبر اور واصلین کا گواہ ہے ۔ فلہذا مجھ بیکس کو بلند فرما ، گھٹانا نہیں ۔

ﮯ

۱ روضۂ روح من رضائے تو باد
قبلہ گاہم در سرائے تو باد

۲ سرمۂ دیدۂ جہاں بینم
تا بود گرد خاکپائے تو باد

۳ گر ہمہ رائے تو فنائے منست
کار من بر مراد رائے تو باد

۴ شد دلم ذرہ وار در ہوست
دائم ایں ذرہ در ہوائے تو باد

ترجمہ :(۱) میری رُوح کا باغ تیری رضا ہو میرا قبلہ تیری قیام گاہ ہو۔

(۲) میری آنکھ جہاں بین کا سُرمہ تیرے پاؤں کی گرد ہو۔

(۳) اگر تیری رائے مجھے فنا کرنے کے لیے ہے تو میرا کام اور مراد تیری رائے پر ہے۔
(۴) تیری چاہت پر میرا دل ذرہ دار ہے ہمیشہ میرا یہ ذرۂ دل تیری چاہت پر قربان ہو۔

انتھی فی کشف الاسرار لحضرۃ الشیخ رشید الدین الیزدی قدس سرّہٗ۔

یہ جلد ثانی آخری مضمون ہے میں نے تفسیر میں امانتیں رکھی ہیں وہ تفسیر جس کا نام روح البیان ہے اور وہ امانتیں معانی کے موتی ہیں جنھیں میں نے عبارت واشارات والہام ربانی کے فوائد میں پرو دیا ہے۔ اس پر عاقل میری تعریف کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ مالک و بے نیاز کی مدد سے ہوا۔ اس کی لکھائی سے اتوار کی صبح دن چڑھے سن ہجری کے الف ثانی کے عقد ثانی کے عشر اول کے تاسع کے نصف اول کے خامس کے سدس کے ثلث ثانی کے عشر اول کی نویں تاریخ میں فراغت پائی (یعنی ۱۰۱۹ھ میں)

(جیسا کہ خود صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں فرمایا)

ے

۱ چو ز ہجرت گزشت بے کم و کاست
نہ و صد سال یعنی بعد ہزار

۲ آخر فصل خزاں شد موسم
کہ نماند ورقے از گلزار

۳ در جاداے نخستن آخر
بلبل خامہ دم گرفت از زار

۴ بہ نہایت رسید جلد دوم
شد بتاریک روز ایں بازار

۵ جد و جہدے کہ او فتادہ دریں
شد بنوکِ قلم حقی زار

ترجمہ: (۱) جب ہجری سن میں بغیر کسی کمی بیشی کے ایک ہزار کے بعد انیس گزرے (۱۰۱۹ھ)

(۲) موسم خزاں کا آخری دور تھا یہاں تک کہ باغات کے پتے جھڑ چکے تھے۔

(۳) جمادی الاُخریٰ کی آخری تاریخیں تھیں بلبل زار و نزار ہو کر آواز بند کر چکی تھی۔

(۴) تفسیر کی جلد دوم ختم ہوئی اگرچہ اس کا بازار اب تاریکی میں ہے۔

(۵) اس میں بہت محنت کرنا پڑی حقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے قلم کی نوک سے یہ تمام تحریر نکلی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ

نے سورہ عنکبوت کے ترجمہ سے ۲۱ محرم ۱۳۹۰ھ بروز سوموار دس بجے صبح مدرسہ انوار الاسلام کوٹ ادو (ضلع مظفر گڑھ) میں فراغت پائی۔ فقیر یہاں بہ سلسلہ وعظ و تبلیغ حاضر ہوا۔

فللہ الحمد والمنۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ۔ بہاولپور

حال وارد کوٹ ادو، ضلع مظفر گڑھ - پاکستان

○

سُورَةُ الرُّوم

سورة الروم مكية وهي ستون اٰية و ست ركوعات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ○
فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○
بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ○ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ
اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ○ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ○ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا
الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

ترجمہ : سورۂ روم مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے ۔ الٓمّٓ ۔ رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برس میں ۔ حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے ۔ مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی ہے عزت والا مہربان ۔ اللہ کا وعدہ اللہ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ۔ جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں ۔ کیا انہوں نے اپنے جی میں نہ سوچا اللہ نے پیدا نہ کیے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق اور ایک مقرر میعاد سے اور بے شک بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار رکھتے ہیں اور کیا انھوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے کہ ان سے اگلوں کا انجام کیسا ہوا وہ ان سے زیادہ زور آور تھے اور زمین جوتی اور آباد کی ان کی آبادی سے زیادہ اور ان کے رسول ان کے پاس روشن نشانیاں لائے تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا ، ہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے پھر جنھوں نے حد بھر کی برائی کی ان کا انجام یہ ہوا کہ اللہ کی آیتیں جھٹلانے لگے اور ان کے ساتھ تمسخر کرتے ۔

سورہ روم مکیہ ہے سوائے فسبحان اللہ الخ کے اس کی ساٹھ آیتیں ہیں ۔

تفسیر عالمانہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اللہ کے نام سے شروع وہ رحمان ورحیم ہے ۔ الٓمّٓ ○

(۱) ابن الجوزا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حروف مقطعہ آیاتِ ربانیہ ہیں ۔ ہر حرف کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف ہے کہ اس سے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی گئی ہے مثلاً الف الوہیت سے ، لام لطف سے ، میم ملک سے کنایہ ہے ۔

(۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ الف اسم اللہ کی طرف اور لام اسم جبریل علیہ السلام کی طرف اور میم اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل (علیہ السلام) حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی ۔

تفسیر صوفیانہ (۳) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف طبع اہل ایمان کی الفت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الفت کرتے ہیں اور لام کافروں کی طبع لئیمی کی طرف اشارہ ہے اور میم رب العالمین کی مغفرت کی طرف اشارہ ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ چونکہ اہلِ ایمان کی الفت اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اسی لیے یہ آپس میں الفت و محبت کرتے ہیں۔ان کی الفت و محبت اس انتہا تک پہنچی کہ ان کو اور اہلِ کتاب کو، ایک وقت ایمان سے بہرہ ور تھے اگرچہ اب خالی ہیں، آپس میں اُنس اور پیار ہے۔ چونکہ کفار کی لئیمی طبعی اور پیدائشی ہے اس لیے وہ آپس میں بغض و عناد رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ مثلاً اہلِ روم اور اہلِ فارس کہ وہ جنسِ کفر میں ایک ہیں اگرچہ الفت میں مختلف اور عداوت میں متفق ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور چونکہ ربّ العالمین کی مغفرت اس کے فضلِ عمیم اور احسانِ قدیم سے ہے اسی لیے وہ اس انتہا کو پہنچی ہے کہ وُہ دونوں فریق بچ گئے اور ان میں سے سرکش کی توبہ قبول کرتا ہے اور دونوں کو خطاب عام ہے کہ من یغفر الذنوب جمیعا (وہ سب کے گناہ بخشتا ہے)

(۴) کشف الاسرار میں ہے کہ الٓمٓ کا ترجمہ یُوں ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الف بلایانا من عرف کبریانا ولزم بابنا من شھد جمالنا و مکن من قربتنا من اقام علی خدمتنا۔

(جس نے ہماری کبریائی کو پہچانا وہ ہماری بلاؤں سے الفت کرے گا اور ہمارے دروازے کو نہیں چھوڑے گا جس نے ہمارے جمال کا مشاہدہ کیا اور ہمارے قُرب تک پہنچ جائے گا جو ہماری خدمت میں قایم رہے گا)

حکایت زمانۂ سابق میں ایک نوجوان اپنے زمانے کا بادشاہ تھا اس کا نام عامر بن قیس تھا۔کثرتِ نوافل سے اس کے پاؤں میں سیاہ خُون جم گیا تھا۔لوگوں نے کہا کہ اپنا پاؤں کٹوا دے ورنہ بیماری تمام جسم کو گھیر لے گی۔اس نے کہا: میں کون ہُوں کہ اپنا اختیار درمیان میں لاؤں میرے مالک کی جو رضا ہو گی اس پر عمل کروں گا۔لیکن اس بیماری سے اس کے فرائض و نوافل میں خلل واقع ہونے لگا۔اس نے دعا کی؛ الہٰ العالمین! اگرچہ میں بلا کی سختی برداشت کر سکتا ہُوں لیکن تیری خدمت سے محرومی کی تاب مجھ میں نہیں، پاؤں کٹوانا منظور ہے لیکن تیری عبادت سے محرومی منظور نہیں۔یہ کہہ کر فرمایا کہ کسی قرآن پڑھنے والے کو بلائیے تاکہ وہ مجھے کچھ سُنائے۔اور کہا، جب وہ قرآن پڑھے اور مجھے وجد شروع ہو تو میرا پاؤں کاٹ دینا۔ چنانچہ جب اسے قرآن سننے پر وجد شروع ہُوا تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔جب شیخ نے فراغت پائی اور دیکھا کہ پاؤں کٹ چکا ہے۔پُوچھا: یہ کیا حال ہُوا؟ حال سنایا گیا۔کہا کہ میرے اس پاؤں کو خوشبو لگا دیجئے تاکہ اس کی عزت ہو، کیونکہ اس نے کبھی بھی خدمت کے بغیر وقت نہیں گزارا۔

(۵) فقیر (اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ الف میں عالمِ امر کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ امر جمیع تعینات کا مبدا ہے اور لام عالمِ ارواح کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ امر و جودیات کے درمیان ہے اور میم عالمِ ملک کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ تنزلات و استرسالات کا آخری عالم ہے جیسے فعل نحویوں کے نزدیک حروف مخارج ثلاثہ یعنی حلق، وسط اور فم پر مشتمل ہے۔ ایسے ہی اسم اہلِ محو کے نزدیک حروف مراتب ثلاثہ جبروت، ملکوت، ملک پر مشتمل ہے۔ دونوں کلمات لفظیہ و معنویہ میں فرق ہے وہ یہ اہلِ محو کے کلمات مستوی اور مرتب ہیں اور اہلِ نحو کے کلمات ٹیڑھے اور غیر مرتب ہیں۔

عقیدۂ اہلسنّت دربارہ مقطعہ حروف و متشابہات

(الحمد للہ ہم اہلسنت کا وہی عقیدہ ہے جو صدیوں پہلے اہلِ اسلام کا تھا۔ چنانچہ روح البیان ج ۷ ص ۴ پر مرقوم ہے:[1])

ثم اسرار الحروف المقطعة و المتشابهات القرانية مما ينكشف لاهل الله بعد الوصول الى غاية المراتب وان كان بعض لوازمها قد يحصل لاهل الوسط ايضا فلا يطمع فى حقائقها من توغل فى الرسوم واشتغل بالعلوم عن المعلوم ۔[2]

پھر حروفِ مقطعہ و متشابہات القرآنیہ کے اسرار و رموز وہ ہیں جو غایۃ المراتب تک پہنچنے کے بعد اولیاء اللہ کو منکشف ہو جاتے ہیں اگرچہ اس کے بعض لوازم اہلِ وسط کو بھی حاصل ہو سکتے ہیں لیکن وہ ان کے حقائق میں طمع نہ رکھے جو رسوم میں منہمک ہے اور جو صرف علوم کے ظاہر میں مشغول ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان تعلقات وجودیہ کی تاریکیوں سے نجات دے جو امور شہودیہ کے مانع ہیں (آمین)

تفسیرِ عالمانہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ ۔

حلِ لغات: الغلبۃ بمعنے القہر ہے (کذا فی المفردات) لیکن

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] ہمارے دور کے خوارج تو نبی علیہ السلام کے لیے ان کے اسرار و رموز کے منکر ہیں اور صاحبِ روح البیان تو اولیاء اللہ کے لیے ثابت کر رہے ہیں بلکہ ان کے طفیل بہت سے ان کے تابعداروں کو بھی ان کے اسرار و رموز حاصل ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

قرآن میں اس غلبہ کو کہا جاتا ہے جو جنگ میں مقابلہ کے وقت کسی بالمقابل کو حاصل ہو (کذا فی کشف الاسرار)
روم کا لفظ کبھی صنف معروف کے لیے اور کبھی رومی کی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فارسی و فارس۔

روم کا نسب نامہ روم کا نسب نامہ یوں ہے:
روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیٰ نبینا و علیہم السلام۔

اور روم دو ہیں:
ایک یہی جو مذکور ہوا۔
دوسرا روم بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام۔ اسے روم اول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فرس کی تحقیق الفرس (بسکون الراء) وہ مشہور قوم جو فارس بن سام بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اس کا نسب نامہ یوں ہے:

فرس بن سام بن نوح علیہ السلام۔

ادنیٰ کی تحقیق ادنیٰ کا الف واؤ سے منقلب ہے۔ یہ دنا' یدنو سے مشتق ہے اور کئی معانی میں مستعمل ہے۔ کبھی یہ سب سے کم اور سب سے چھوٹے پر آتا ہے۔ اس کا بالمقابل لفظ اکثر و اکبر استعمال ہوتا ہے اور کبھی احقر و اذل کے معنی میں آتا ہے اس کا بالمقابل اعلیٰ و افضل ہے اور کبھی اوّل کے معنی میں آتا ہے اس کا بالمقابل البعد ہے۔ یہاں پر یہی آخری معنی اقرب مراد ہے۔ یعنی روم جو کہ عرب کے علاقوں کو قریب تر ہے کیونکہ جب بھی وہ لفظ روم بولتے تو یہی علاقہ مراد لیتے تھے اور کبھی شام کا اطراف مراد ہوتا ہے یا اس سے ارضِ روم کی قریب ترین زمین مراد ہوتی ہے وہ بھی عرب سے ہے یا الف و لام مضاف کا عوض ہے۔ یعنی دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ جو ایک جزیرہ پر مشتمل ہے۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ رومی لوگ مغلوب ہو گئے اور فارسی لوگ ان پر غالب ہوئے بہ نسبت روم کی زمین کے۔

شاہِ فارس کا تعارف اس غلبہ کے دوران بادشاہِ فارس ابرویز بن ہرمز بن انوشروان بن قباذ (یعنی شیریں کا عاشق جو خسرو کے نام سے مشہور تھا) اور ابرویز، عربی میں مظفر، اور انوشروان بمعنے مجدد الملک، اور فارسیوں کا آخری بادشاہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کیا گیا۔ اس کا نام یزدجرد بن شہریار بن ابرویز تھا اور روم کا بادشاہ ہرقل بروزن سجل و زبرج تھا۔ یہی وہ ہے جس نے سب سے پہلے دراہم و دنانیر پر مہریں لگائیں۔ اور سب سے پہلے اسی نے بیعہ (گرجا) بنایا۔

ف: بعض کے نزدیک فارس و روم عجم کے قریش ہیں۔

حدیث شریف میں ہے :
لوکان الایمان معلقا با لثریا لنالہ اصحاب فارس۔
(اگر ایمان ثریا (کہکشاں) سے لٹکا ہوتا تو بھی اسے فارس والے حاصل کر لیتے)

حضور علیہ السلام کا والانامہ بنام قیصر روم مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قیصر روم کو والا نامہ لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ جب نامہ مبارک قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس نے خط پڑھ کر اسے آنکھوں سے لگایا سر پہ رکھا۔ اس کے بعد مہر لگا کر مضبوط کر کے شیشہ پر رکھ لیا۔[1] پھر جواب لکھا :

انانشھد انك نبی ولکنا لانستطیع ان نترك الدین القدیم الذی اصطفاہ اللّٰہ لعیسٰی علیہ السلام۔
(ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں لیکن ہم سے ممکن نہیں کہ ہم اس قدیم دین کو چھوڑیں جو عیسٰی علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے)

اس بات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متعجب ہوئے اور فرمایا :
لقد ثبت ملکھم الی یوم القیامۃ ابدا۔
(بے شک تمہارا ملک قیامت تک ثابت رہے گا)

اور حضور علیہ السلام نے فارس والوں کو فرمایا :
نطحۃ او نطحتان ثم لا فارس بعدھا۔
(چند لمحات یعنی چند سالوں کے بعد فارس نہ ہوگا (یعنی شاہی نہیں رہے گی)

اور روم صاحب قرون ہے کہ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن شروع ہو گیا ایسے تا قیامت رہے گا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

سوال : یہ تو اذا ھلك قیصر لا قیصر بعدہ کے خلاف ہے کیونکہ پہلی حدیث میں قیصر کی ابدیت ثابت ہے اور اس حدیث میں قیصر کی نفی ہے۔

جواب : اس دوسری حدیث کا مطلب ہے کہ جب اس کا قبضہ شام سے ختم ہو جائے گا تو پھر اس کا

---

[1] اس ادب کی وجہ سے اس کا ملک تادیر سلامت رہا۔ تفصیل فقیر کی کتاب "باادب بانصیب" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

کوئی جانشین نہ ہوگا۔ جیسے فرمایا ویسے ہی ہُوا۔ اور بلادِ روم کے سوا یہ سلسلہ نہیں رہا۔ (کذا فی انسان العیون)

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک والا نامہ فارس کے بادشاہ کسریٰ کو بھی لکھا، اس وقت کا کسریٰ خسرو مذکور تھا اور کسریٰ خسرو کا معرّب ہے۔ اس بدبخت نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا والا نامہ پھاڑ ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن خالی لوٹا دیا۔ حضور علیہ السلام نے اسے بے ادبی کی بات سن کر فرمایا:

ان یمزق کل ممزق فمزق اللہ ملکہم فلا ملک لہم ابدا۔

(اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو پھاڑ ڈالے اور تا ابد اسے ملک نصیب نہ ہو)

وَهُمْ اور وہ رُومی مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ فارس سے مغلوب ہونے کے بعد۔ یہ اضافہ المصدر الی المفعول والفاعل کے قبیل سے ہے۔ دراصل بعد فارس ایاھم تھا اور الغلب والغلبۃ ہر دو مصدر ہیں۔ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ۙ عنقریب فارس پر رومی غالب ہوں گے فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۝ؕ

تحقیق البضع البضع بالفتح بمعنے گوشت کاٹنا اور بالکسر وہ حصہ جو دس سے منقطع کیا جائے اور تین سے دس تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض نے پانچ سے اوپر، دس سے نیچے کو بضع کہا۔ اور قاموس میں ہے کہ تین سے نو تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

کشف الاسرار میں ہے کہ البضع تین اور پانچ اور سات اور نو کا نام ہے۔ اور تفسیر المناسبات میں ہے کہ عدد کا ادنیٰ درجہ ہے کیونکہ وُہ مرتبۂ اُولیٰ میں ہے یعنی مرتبۂ اعاد کے مرتبۂ اُولیٰ میں سے ہے۔

نکتہ: اس میں بندوں کو تعیین ظاہر نہیں فرمائی تاکہ اس قسم سے انہیں جاہل رکھ کر ان کے عجز کا اظہار کیا جا سکے۔ (جیسے یہ جہالتِ عوام رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے منافی نہیں ایسے ہی دوسرے علوم کی نفی از عوام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی نہیں ہوگی جیسے علم الساعۃ والدروح وغیرہ تفصیل فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "احسن التحریر" میں ہے)[1]

ف: مروی ہے کہ فارس کے بادشاہ یعنی خسرو پرویز نے شہر یار اور فرخان (جو دونوں بھائی تھے) کو بڑا بھاری لشکر دے کر روم کی جنگ کے لیے بھیجا۔ جب ہرقل روم کے بادشہ کو معلوم ہُوا کہ میرے لیے ایسے ہوگیا ہے، تو اس نے مقابلہ کے لیے اپنے خفس نامی کو امیرِ لشکر بنا کر لڑائی کے لیے بھیجا۔ دونوں

---

[1] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

لشکروں کا آمنا سامنا اذرعات میں ہُوا۔ یہ عرب و عجم کے علاقوں میں سے شام کو زیادہ قریب ہے۔ اس جنگ میں غلبہ فارس کو حاصل ہوا اور رومی مغلوب ہوئے۔ رومیوں کے چند شہروں پر بھی فارسیوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ خبر اہلِ مکہ کو پہنچی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور مسلمان مغموم۔

شانِ نزول آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ ایک بار روم اور فارس میں مقام اذرعات و بصریٰ کے درمیان لڑائی ہوئی اور رومی مغلوب ہو گئے۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم اور رومی اہلِ کتاب ہو اور ہم اور فارسی غیر اہلِ کتاب۔ پس روم پر فارس کا غالب آنا فال ہے اس کی کہ ہم بھی تم پر غالب رہیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہُوئیں۔ ان میں بتایا گیا کہ اے کافرو! تمہارا خیال پُورا نہ ہوگا۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کافروں کی ڈینگیں سن کر آیت کے نزول کے بعد کفار و مشرکین سے فرمایا:

لا یقرن اللہ اعینکم فواللہ لیظھرن الروم علی فارس بعد بضع سنین۔

(تمہاری آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی بخدا چند سالوں بعد رومی فارسیوں پر غلبہ پا جائیں گے) [1]

لعین ابی بن خلف کافر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا اور کہا:

کذبت اجعل بیننا اجلا اناحبك علیہ والمناحبة المخاطرة فناجد علی عشرة ناقة شابة من کل واحد منھما۔

(تم جھُوٹ بولتے ہو ہمارے اور اپنے درمیان ایک معاہدہ کر لو میں تمہارے ساتھ شرط لگاتا ہوں ہم میں سے جو بھی سچا نکلے اس کو دوسرا دس اونٹنیاں دے گا) [2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی شرط قبول کر لی اور پہلے دس نوجوان اونٹنیوں پر شرط طے پائی کہ تین سال میں اگر یہ بات ظاہر ہو گئی تو بہ مطابق شرط دس نوجوان اونٹنیاں دیں گے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا:

بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوتا ہے۔

(فلہذا شرط کو اسی گنتی کے مطابق کر لو۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا اشارہ قابلِ غور ہے کیونکہ رومیوں کی فتح تین سے اوپر چند سالوں کے بعد ہوئی تھی اس لیے حضور علیہ السلام نے شرط میں اضافے

---

[1] کیونکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی ہے (خزائن العرفان)

[2] اسے قمار کہا جاتا ہے۔ اس وقت قمار کی حرمت نازل نہ ہُوئی تھی۔ اویسی غفرلہٗ

کا فرمایا)[1]

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط اور مدت میں اضافے کا فرمایا تو دونوں سو اونٹنیوں اور نو سال پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد ابی بن خلف لعین کو خطرہ محسوس ہُوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو عنقریب مدینہ طیبہ کو ہجرت کرنے والے ہیں اسی لیے آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اگر نہ ہوں اور میرا دعویٰ صحیح نکلا تو! تو آپ نے فرمایا: میرا لڑکا عبدالرحمٰن ضامن ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سُنا کہ ابی بن خلف اُحد کی طرف جانے والا ہے تو آپ نے اپنے صاحبزادے کو بھیجا کہ اس سے ضمانت لے۔ چنانچہ ابی بن خلف نے اُحد کو جانے سے پہلے ضامن دے دیا۔ جب ابی بن خلف اُحد سے واپس ہُوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر مارنے سے مر گیا۔ اس کے بعد رومیوں کو فارسیوں پر ساتویں سال فتح ہُوئی۔

اس کا قصہ یُوں ہُوا کہ جب شہر یار و فرخان روم کے بعض بلاد پر غلبہ پا گئے تو پرویز ان دونوں بھائیوں پر بعض ارباب غرض کے اُکسانے پر بدظن ہو گیا۔ اسی لیے چاہا کہ کسی طریقہ سے ان کو آپس میں لڑا کر تباہ کر دے۔ جب ان دونوں بھائیوں کو پرویز کے اس منصوبے کا علم ہُوا تو دونوں نے قیصرِ روم سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور بادشاہِ روم کے سپہدار بن گئے۔ اس طرح سے ان کو فارسیوں پر غلبہ حاصل ہو گیا اور ان سے بعض شہر بھی چھین لیے اور عراق میں رومیہ نامی شہر کی بنیاد رکھی۔

ف: یہ واقعہ یوم الحدیبیہ میں ہُوا، اور الوسیط میں ہے کہ جبریل علیہ السلام خوشخبری لائے کہ رومی غالب اور فارسی مغلوب ہو گئے اور یہی بدر کی فتح کا دن تھا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف کے وارثوں سے شرط کے مطابق سو اونٹنیاں لے لیں اور وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: انہیں صدقہ کر دو۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ان سب کو راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ انما الخمر والمیسر الخ کے حکم کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔

مسئلہ: قمار یہ ہے کہ دو بازی کھیلنے والے آپس میں شرط لگائیں کہ جو غالب ہو گا اس کو اتنا مال ملے گا۔ تفصیل فقہ کے ابواب کراہیۃ میں ہے۔

(صاحبِ روح البیان نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:)

ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ والآیۃ من دلائل النبوۃ لانہا اخبار عن الغیب[2]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان پ ۲۱ تحت آیت الٓمّٓ غلبت الروم ۱۲۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ (باقی بر صفحہ ۷۶)

(اورآیت نبوت کے دلائل سے ہے اس لیے کہ یہ غیب کی خبر دینے پر مشتمل ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵) صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ صدیوں پہلے کا ہے۔ فقیر یہاں تبرکاً چند احادیث مبارکہ لکھتا ہے تاکہ ناظرین کو مزید تسکین اور قوتِ ایمانی نصیب ہو :

(۱) عن الزهری قال اخبرنی انس بن مالك ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من احب ان یسأل عن شیٔ فلیسأل عنه فوالله لا تسئلونی عن شیٔ الّا اخبرتکم به ما دمت فی مقامی هذا۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۳)

یعنی آپ نے قیامت کا ذکر فرمایا پھر فرمایا کہ جس کا دل چاہے وہ کسی قسم کا سوال کرلے۔ قسم خدا کی جب تک میں اس مقام پر کھڑا ہوں مجھ سے جو بھی تم کسی چیز کے متعلق سوال کرو گے تو میں تمہیں خبر دوں گا۔

(۲) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما من شیٔ لم ارہ و قد رأیته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار۔ (ایضاً ص ۱۰۸۲)

(کوئی ایسی چیز جس کو میں نے نہیں دیکھا اُس کو میں نے اس مقام پر دیکھ لیا ہے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی)

معلوم ہُوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کُلّی ہے۔

(۳) قال علیه السلام ان الله زوی لی الارض حتی رئیت مشارقها و مغاربها۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۰)

(بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو اکٹھا کیا ہُوا ہے۔ میں نے اُس کے تمام مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ہے)

(۴) عن ابی زید (یعنی عمرو بن اخطب) قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان و بما هو کائن فاعلمنا احفظنا۔

(ایضاً ج ۲ ص ۳۹۰)

(حضرت عمر بن اخطبؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھے تو آپ نے ہمیں ظہر تک خطاب فرمایا۔ پھر منبر سے اترے تو ہمیں نماز پڑھائی

(باقی ص ۷۷ پر)

ف : آیۃ مذکورہ کہ یہی قرآۃ مشہور ہے ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے غلبت بصیغہ معروف پڑھا جائے ۔ اس معنی پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶)

پھر منبر پر تشریف لے گئے تو عصر تک ہمیں خطاب فرمایا ۔ پھر اُترے اور نماز پڑھائی ۔ پھر منبر پر تشریف لے گئے حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا، تو آپ نے جو کچھ بھی پہلے ہو چکا تھا اور جو کچھ بھی آئندہ ہونے والا تھا تمام بیان فرما دیا ۔ جو ہم سے زیادہ حافظے والا تھا وہ ہم سے زیادہ عالم ہوگیا)

اس حدیث پاک سے ثابت ہُوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معجزانہ طاقت پر ایک ہی دن میں غیب کُلّی کو بیان فرما دیا ۔

(۵) عن عمر قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم حفظ ذالك من حفظه و نسیه من نسیه ۔ (بخاری شریف ص ۴۵۳ مشکوٰۃ ص ۷۷)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلس میں کھڑے ہوئے تو آپ نے ابتدائے خلقت سے لے کر جنتیوں کے جنت کے مقامات میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ کے مقامات میں داخل ہونے تک تمام خبریں ہمارے سامنے بیان فرمادیں جس کو یاد رہا رہا، جس کو بھول گیا بھول گیا)

اس حدیث سے بھی جس کے راوی حضرت عمر ہیں ثابت ہُوا کہ آپ کو علم کلّی تھا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا ۔

(۶) عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول ان اتقاکم و اعلمکم باللہ انا ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۷)

(حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تم تمام سے زیادہ متقی اور زیادہ جاننے والا ہوں)

(۷) عن عبد اللہ بن عمرو قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وفی یده کتابان فقال اتدرون ما هذان الکتابان فقلنا لا یا رسول اللہ الا ان تخبرنا فقال الذی فی یده الیمنیٰ هذا کتاب من رب العالمین

(باقی بر صفحہ ۷۸)

کہ ضمیر فارس کی ہے اور الروم اس کا مفعول بہ ہے۔ یعنی فارسی رومیوں پر غالب ہوتے ۔ پھر فارسی رومیوں سے

(بقیہ حاشیہ ص ۷۷)

فیہ اسماء اھل الجنۃ واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علی اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدًا ثم قال للذی فی شمالہ ھذا کتابٌ من رب العٰلمین فیہ اسماء اھل النار واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علی اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدا الخ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۳۶)

(عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں، تو ہم نے عرض کی: نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر یہ کہ آپ ہمیں ارشاد فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ کتاب جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے آباء کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں پھر ان کے اخیر پر میزان لگا دی گئی ہے۔ تو ان میں نہ زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا ہمیشہ تک، پھر فرمایا یہ جو کتاب میرے ہاتھ میں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں تمام دوزخیوں کے نام ہیں اور ان کے آباء کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام۔ پھر ان کے اخیر پر میزان لگا دی گئی ہے نہ ان میں کچھ زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم ہمیشہ کے لیے)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جنتیوں اور تمام دوزخیوں کی فہرستیں اللہ تعالٰے نے عطا کر دی ہوئی ہیں جن میں ان کے اعمال بھی شامل ہیں۔

(۸) عن ابی ھریرۃ قال قلت یا رسول اللہ انی اسمع منک حدیثا کثیرًا انساہ قال ابسط رداءک فبسطتہ فغرف بیدہ ثم قال ضمہ فضممتہ فما نسیت شیئًا بعد۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۲)

(ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے بہت حدیثیں سنتا ہوں تو ان کو بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ۔ تو میں نے چادر پھیلائی۔ آپ نے اپنے دستِ پاک کا ایک چلّو لیا۔ پھر فرمایا: ملا لو اس کو۔

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

مغلوب ہوں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ روم غلبت کا فاعل ہے جبکہ یہ صیغہ فاعل ہے یعنی رومی غالب ہوئے فارسیوں پہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸)

میں نے ملا لیا اس کو، تو میں اس کے بعد کچھ نہیں بھولا)

جن کے چلّو سے نسیان دُور ہو جائے اور قوت حافظہ بڑھ جائے تو ان کی ذات کو کوئی بھُولنے والا کہے تو اس جیسا بدبخت دُنیا میں اور کون ہوگا!

(۹) عن ابی عباس قال ضمّنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللّٰھم علمہ الکتاب۔

(بخاری شریف)

(ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بغلگیر کیا اور فرمایا کہ اے اللہ! اس کو کتاب (قرآن شریف) کا علم سکھا دے)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بغلگیر کر کے استاذ المفسرین بنا دیا۔

(۱۰) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نسیت۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۳۰۵)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کبھی نسیان نہیں ہوا)

(۱۱) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد رفع اسے اظھر وکشف (لی الدنیا) بحیث احطت بجمیع ما فیھا رفانا انظر الیھا والیٰ ما ھو کائن فیھا الیٰ یوم القیامۃ کانما انظر الیٰ کفی ھٰذہٖ (اشارۃ الیٰ انہ نظر حقیقۃً)۔ (زرقانی شریف ج ۷ ص ۲۰۴)

(ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے اللہ تعالےٰ نے تمام دنیا کو ظاہر فرمایا تو جو کچھ اُس تمام دُنیا میں تھا میں نے اس کا احاطہ کر لیا۔ تو میں اُس تمام دنیا کی طرف دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں۔ جیسا کہ اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں (یہ آپ نے حقیقۃً دیکھا)

(۱۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

انی لاعرف اسماءھم واسماء آبائھم والوان خیولھم

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

یعنی رومی مغلوب ہونے کے بعد غالب ہوں گے سیغلبون مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی عنقریب وہ اہل اسلام سے مغلوب ہوں گے۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس میں ہوا۔ یہ ۱۵ھ یا ۱۶ھ تھا اور یہ ملک ۴۷۷ سال تک اہلِ اسلام کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد اس پر فرنگی قابض ہوگیا۔ یہ ماہ شعبان ۴۹۲ھ میں ہوا۔ اور یہ ملک ان کے قبضے میں ۹۱ سال رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کو فتح بخشی۔ وہ جمعہ کا دن ۱۷ رجب ۵۸۳ھ تھا۔ قاضی محی الدین بن البرکی قاضیِ دمشق نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے: ؎

فتوحکم حلبا بالسیف فی صفر

مبشر بفتوح القدس فی رجب

ترجمہ: تم نے تلوار سے صفر میں حلب کو فتح کیا اور قدس کی فتح کی خوشخبری رجب میں سُنائی گئی۔

ف: قاضی مرحوم نے جیسا لکھا ویسا ہوا کہ بیت المقدس رجب میں فتح ہُوا۔ اس سے پُوچھا گیا کہ آپ نے اس فتح کی خوشخبری قبل از وقت کیوں سنادی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ابن مرجان کی تفسیر الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبہم سیغلبون فی بضع سنین سے سمجھا ہے۔

حضرت امام ابوالحکم بن مرجان اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مذکور ۵۲۰ھ میں تصنیف فرمائی۔

اعجوبہ اس وقت بیت المقدس فرنگی ملعون کے قبضہ میں تھا اور شیخ سعد الدین حموی رحمہ اللہ نے مغلوبیتِ روم ۸۰۰ھ کا استخراج ادنی الارض سے کیا۔ اسی سال میں تیمور رومیوں پر غالب ہُوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹)

ھم خیر فوارس علی ظھر الارض یومئذ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۲)

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب دس اسپ سوار نکلیں گے آپ نے مزید فرمایا کہ میں اُن کے ناموں کو بھی جانتا ہُوں اور اُن کے آباء کے ناموں کو بھی۔ اور ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی۔ وہ اس دن تمام زمین کے اسپ اسواروں سے بہتر ہوں گے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ما فی غد اور ما فی الارحام کے علوم قیامت تک بیان فرمادیے۔ مزید مطالعہ علمائے اہلسنت کی تصانیف سے کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

اعجوبہ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اکثر غالبیت و مغلوبیت ہمیشہ کے لیے بضع کے حساب کے اندر رہی ہے اور رہے گی خواہ صدیوں کے لحاظ سے ہو یا باعتبار احاد کے۔ ایسے ہی ایک بار اہلِ اسلام ۸۰۲ھ میں غالب ہوئے۔ جیساکہ چند غلبہ والوں نے اشارات بھی کئے۔ جیساکہ سیغلبون سے بھی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پھر اہلِ اسلام پر ۱۹۰۷ء میں کفار نے غلبہ پایا۔

قاعدہ : ہر حادثہ قرآن مجید میں کسی نہ کسی آیت میں اشارۃً ضرور پایا جاتا ہے۔ یہ علم الحروف کے جاننے والے جانتے ہیں۔ اور یہ اس پر منکشف ہوتا ہے جو اس علم کا ماہر ہے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ؎

العلم بالحروف سر اللہ یدرکہ

من کان بالکشف والتحقیق متصفا

ترجمہ : علم الحروف بھی رازِ الٰہی ہے اسے وہ پا سکتا ہے جسے کشف و تحقیق نصیب ہو۔

لِلّٰہِ اللہ وحدہٗ کے لیے ہے الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ امر پہلے کا ہو یا بعد کا، یعنی دونوں اوقات کا، اوّل و آخر اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مغلوب ہو یا غالب۔

خلاصہ یہ کہ کسی کا غالب و مغلوب ہونا کسی کے بس میں نہیں۔ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وَیَوْمَئِذٍ اور اس دن کہ جب رومی فارسیوں پر غالب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ اہلِ ایمان خوش ہوں گے۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ لذتِ عاجلہ کے حصول پر انشراحِ صدر کا نام فرح ہے اور اس کا اکثر استعمال لذت بدنیۃ الدنیویہ پر ہوتا ہے اور سوائے فبذالك فلیفرحوا[1] کے ہمیں کسی جگہ یہ فرح کی اجازت نہیں دی گئی اور دوسرا مقام فرحت کا یہی مقام و یومئذ یفرح المؤمنون ہے۔

بِنَصْرِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی مدد پر کہ اس نے اہلِ کتاب کو ان لوگوں پر فتح دینی ہے جن کے ہاں کتاب نہیں ہے تاکہ کفارِ مکہ غیظ و غضب میں جلیں کہ وہ رومیوں کے مغلوب ہونے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور تاکہ دلیل بن جائے کہ اہلِ ایمان کافروں پر غالب ہوتے رہیں گے۔

مسئلہ : دراصل فتح و نصرت ایک اعلیٰ منصب ہے جو صرف اہلِ ایمان کے لائق ہے۔

ف : بعض نے کہا اہلِ ایمان کو اس لیے خوشی ہوگی کہ کافر ایک دوسرے کو قتل کریں گے کیونکہ اس طرح سے

---

[1] مکمل آیت قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالك فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔

کفار کی شان و شوکت کم ہوگی - ان کی خوشی اس سے نہیں ہوگی کہ کافروں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر غلبہ پائے گا یہ خوشی ایسے ہے جیسے ایک ظالم گروہ دوسرے گروہ کو قتل کر ڈالے (تو یہ خوشی ظلم و ستم کی طاقت کی کمزوری سے ہوگی)

روحانی نسخے کشف الاسرار میں ہے کہ :
(۱) آج غم ہے تو کل خوشی ۔
(۲) آج عبرت ہے تو راحت ۔
(۳) آج رونا ہے تو کل دیدار نصیب ہوگا ۔

ف : دوستانِ خدا کو آج دنیا میں دُکھ درد اور تکالیف اور پریشانیاں اور حسرت و افسوس ہے لیکن یہ لوگ دکھ درد اور سوز و گداز کے خریدار ہیں بلکہ ہو سکتا ہے اپنا سب کچھ اس درد و غم پر نچھاور کرتے ہوں ۔ چنانچہ ایک نوجوان نے کہا کہ دکھ اور درد نقد سودا ہے کہ درد پر ہزاروں درمان نصیب ہوں گے ۔

حکایت سیدنا داؤد علیہ السلام سے جب خلافِ اولیٰ عمل سرزد ہوا تو تازیست اپنا سر اوپر اٹھا کر نہ دیکھا ، ہر لحظہ تضرع و زاری میں بسر کرتے تھے اور بارہِ ایزدی میں دُعا کرتے : الٰہی ! میرے لیے خوش معجون اور خوش درد یہی ہے ۔

ف : اے مسکین ! اگر ہمیشہ تُو بے درد رہا تو کیا فائدہ ! اگر تو درد و سوز کی نعمت سے محروم ہے تو بے خبر ہے اگر تجھے غم اور گریہ کا علم ہوتا تو رونے میں زندگی گزار دیتا ۔ اگر ہنسنے کا نقصان جانتا تو کبھی نہ ہنستا ؎

من گریہ بخندہ در ہمی پیوندم
پنہاں گریم و بآشکارا خندم
اے دوست گمان مبر کہ من خرسندم
آگاہ نہ کہ من نیاز مندم

ترجمہ : میں رونے اور ہنسنے کو ملاتا رہتا ہوں چپکے چپکے روتا ہوں اور بہ ظاہر ہنستا ہوں ۔ اے دوست ! یہ گمان مت کر کہ میں خوش ہوں ، تجھے کیا خبر کہ میں تو نیاز مند ہوں ۔

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وہ جس کی چاہے مدد کرے ، کمزور ہو یا طاقت ور ۔ جملہ مستانفہ اور للہ الامر من قبل و من بعد کے مضمون کی تقریر کرتا ہے **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** اور وہ بہت بڑے غلبہ و عزت والا ہوا سے کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا جب وہ کسی کی مدد کرنا چاہے **الرَّحِيْمُ ۙ** بہت بڑی رحمت والا ہے ، جس کی وہ مدد کرنا چاہے مدد کرتا ہے یا یہ کہ وہ اسے عزت نہیں دیتا جو اس سے عداوت رکھے اور

اسے ذلیل نہیں کرتا جو اس سے محبت کرے (کذا فی المناسبات) یہ اس پر محمول ہے کہ وہ صرف اہلِ ایمان کو مشرکین پر مدد دیتا ہے۔ جیسے بدر میں ہُوا۔ (کذا فی الوسیط) اور الارشاد میں ہے کہ رحمت سے دنیوی رحمت مراد ہے۔ یہ قراۃ مشہور ہو تو ظاہر ہے اس لیے کہ دونوں گروہ (مسلمان و کافر) رحمتِ دنیویہ کے مستحق ہیں اور قراۃ اخیرہ پر یُوں ہے کہ اہلِ اسلام اگرچہ خصوصی طور پر رحمت کے مستحق ہیں۔ لیکن اس سے مراد یہ ہوگا کہ وُہ دنیوی رحمت کے آثار کے خصوصیت سے مستحق ہیں عزت کی تقدیم اس لیے ہے کہ دنیوی اعتبار سے وہ رحمت سے مقدم ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ مصدر موکد لنفسہ ہے کیونکہ اس کا ماقبل ویومئذ الخ وعدہ کے معنی میں ہے۔

حلِ لغات : الوعد بمعنے وقوع سے پہلے نافع شے کے خبر دینا اور یہی یومئذ یفرح المؤمنین کا مقصد ہے۔ ایسے مصادر کا عامل ہمیشہ محذوف ہوتا ہے دراصل عبارت تھی :

وعد اللّٰہ وعداً۔

یعنی اللّٰہ تعالیٰ کے وعدہ کو دیکھو۔ اس کے بعد جملہ مستانفہ لایا گیا تاکہ وعدہ کی تقریر و تاکید ہو۔

لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اللّٰہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا خواہ روم کا واقعہ ہو یا دنیا کا کوئی اور، یا آخرت کا۔ کیونکہ اس کی ذات سے کذب ناممکن بالکل محال ہے۔ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اور لیکن اکثر مشرکین و اہلِ اضطراب (منافقین) **لَا يَعْلَمُوْنَ** ○ اللّٰہ تعالیٰ کے وعدے کی صحت کو نہیں جانتے اپنی جہالت اور عدم تفکر کی وجہ سے اللّٰہ تعالیٰ کی بے انتہا شانوں کے بارے میں وعدہ کی صحت کو نہیں جانتے **يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** وُہ جانتے ہیں صرف حیٰوۃِ دنیا کے ظاہر کو، یعنی دنیا کے نقش و نگار اور اس کی چمک دمک کو۔ اور ایسے ہی وہ احوال جو ان کی شہوات کے موافق اور ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہیں کیونکہ وُہ دنیا کے معاملات میں نہایت سخت منہمک ہیں بلکہ اس پر ٹوٹ پڑے ہیں ظاھراً کی تنکیر و تحقیر کی وجہ سے ہے یعنی دنیا جو کہ نہایت خسیس و حقیر ہے۔

ف : حضرت حسن بصری رضی اللّٰہ عنہ نے فرمایا، کافر ایک درہم لے کر کہتا ہے کہ اس کا وزن اتنا ہے اور وہ واقعی ٹھیک کہتا اور ایسے ہی وہ کھرے کھوٹے کو جانتا تھا لیکن حقیقت سے ناآشنا تھا۔ جناب ضحاک رحمہ اللّٰہ نے فرمایا : کافر دنیا میں اپنے مکانات کی بلندیوں کو اور نہریں جاری ہونے کو اور بہت اونچے اونچے درختوں کو دیکھتے یا شے کے عدم علم اور صرف دنیا کے علم تک محدود ہونے میں فرق ہے۔

ف : التیسیر میں ہے کہ علم کی نفی امورِ دین کی وجہ سے ہے۔ پھر لیعلمون میں دنیوی امور کا علم ہے۔ فلہذا اس میں کوئی تناقض نہیں اس لیے کہ پہلے لیعلمون میں انتفاع علم کی نفی ہے دوسرے میں علم کو ایسے

امور میں استعمال کرنا ہے جو علم کے شایانِ شان ہے۔

ف : یہ کم علمی کی دلیل ہے کہ انسان سردی کے امور گرمی میں تیار کرے اور گرمی کے امور سردی میں۔ لیکن اسے یہ کب یقین ہے کہ وہ اس تک ضرور پہنچ جائے گا۔ فلہذا اسے اُخروی امور کے لیے تیاری کرنی چاہیے جو اس کے لیے ضروری ہے۔

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ اور وہ آخرت سے، جو کہ اصلی مقصد اور اعلیٰ غرض ہے **هُمْ غٰفِلُوْنَ** ○ غافل ہیں کہ ان کے دل میں کھٹکا نہیں ہوتا۔ اور دنیا سے ایسی باتیں حاصل نہیں کرتے جو اس کی معرفت اور اس کے احوال کی حقیقت تک پہنچائیں، اور اس میں تفکر نہیں کرتے۔

دوسرا هُم پہلے هُم کی تاکید کے لیے ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ آخرت سے غفلت کے مخزن ہیں یا وہ مبتدا ہے۔ اور غٰفلون اس کی خبر ہے اور یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔

ف : آیت میں غافلوں کو جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ آخرت سے غفلت کے ادراکات ظواہر حسیہ پر مقصود ہیں کہ احوال پر جو مبادی علم کے مبادی ہیں اہلِ ایمان کی غفلت از آخرت بوجہ ترک استعداد کے ہے اور کافرین اس کے انکار کرنے سے۔

مسئلہ : جو آخرت سے غافل ہوگا وہ اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ غافل ہو گا۔ اور جو اللہ سے غافل ہے وہ اس کے بندوں کی صف سے گرایا جاتا ہے۔

آخرت میں اہلِ دُنیا کا حال

حدیث شریف میں وارد ہے کہ کل قیامت میں دنیا کو بارگاہِ خداوندی میں لایا جائے گا جس کی شکل بوڑھی عورت سی ہوگی اور آراستہ و پیراستہ ہوکر آئے گی۔ عرض کرے گی: آج مجھے کمتر سے کمتر بندہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تجھے اپنے خسیس سے خسیس تر بندہ کو بھی تجھے نہیں دوں گا۔ پھر اسے فرمائے گا: مٹی ہوجا۔ وہ وہیں پر ایسی مٹی ہو جائے گی کہ اس کا کہیں نام ونشان تک نظر نہ آئے گا۔

عارفین فرماتے ہیں کہ طالبانِ دنیا تین قسم کے ہیں:

طالبانِ دُنیا

(۱) دنیا کو حرام طریقہ سے جیسے بن پڑتا ہے بقہر و جبر و غضب جمع کرتے ہیں۔ انہیں اپنے انجام کی بربادی کا فکر نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ شخص جو کہ دنیا حلال طریق سے اس نیت سے جمع کرتا ہے کہ وہ دوسروں پر فخر و ناز کرے گا جب وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لے گا اور اظہارِ ناراضی فرمائے گا۔" (اس سے اندازہ کیجئے کہ جو حرام طریقے سے دنیا جمع کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا!)

(۲) جو مباح طریقہ سے دنیا جمع کرتا ہے مثلاً تجارت وکسبِ حلال وغیرہ سے ، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے حساب لے یا نہ لے۔

حدیث شریف میں ہے ،

من نوقش فی الحساب عذب -

(جو حساب کے لیے کھڑا کیا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہُوا)

(۳) جو اتنی دنیا کماتا ہے کہ بھُوکوں مرے اور تن ڈھانپے اور قناعت سے زندگی بسر کرے -

حدیث شریف میں ہے :

لیس لابن آدم حق فیما سوی ھذہ الخصال بیت یکنہ و ثوب یواری عورتہ وجوف الخبز والماء

(ابنِ آدم کو سوائے ان تین ضروریات کے، دنیا اس کے لائق نہیں :

۱ - اتنا مکان کہ سر ڈھانپ سکے۔

۲ - اتنا کپڑا کہ ستر پوشی کر سکے -

۳ - روٹی کے چند ٹکڑے اور پانی کا چلّو -

ان پر نہ کوئی حساب ہے نہ عتاب - قبر سے اُٹھتے وقت ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے -

تفسیر صُوفیانہ (۱) بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت میں ان مدعیوں کا بیان ہے جو ظاہری امور اور دنیوی معاملات کے تو ماہر ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے تعلقات سے محجوب ہوتے ہیں بلکہ وہ اس سے بھی غافل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاءِ کرام کے قلوب پر کیسا عرفان مفتوح فرمایا ہے کہ ہر وقت شوقِ الٰہی میں رہتے ہیں اور انہیں حُبِ الٰہی نے عیش دنیا کے امور دل سے بھُلا دئیے ہیں بلکہ نظامِ دنیا کے امور سے یہ لوگ سراسر غافل ہیں - اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انتم اعلم با مور دنیاکم وانا اعلم با مور اٰخرتکم -[1]

(تم مجھ سے زیادہ امورِ دنیا جانتے ہو اور میں تم سے زیادہ امورِ آخرت جانتا ہوں)

---

[1] ایسی روایات سے وہابیوں دیوبندیوں کو غلط فہمی ہُوتی ہے کہ وُہ کہہ دیتے ہیں کہ دنیوی امور میں امت کو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تفسیرِ صُوفیانہ (۲) تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ غلبت الروم میں اشارہ ہے کہ اہل الطلب کے احوال میں تغیر ہوتا رہتا ہے جیسے وقت کا تقاضا ہے۔ ان کا حال متغیر ہو جائے گا کبھی تو ان پر فارس (نفس) ان کے روم (قلب) پر غلبہ پا لیتا ہے اسی لیے طالب صادق کے لیے ضروری ہے کہ وہ صراطِ طلب میں ثابت قدم رہے کہیں اس کا قدم ڈگمگا نہ جائے بلکہ اپنی صداقتِ طلب کو ثبات و دوام بخشے۔ **وھم من بعد غلبھم سیغلبون** اور وہ روم (قلب) بعد مغلوبیت کے فارس (نفس) پر غالب ہوگی اللہ تعالیٰ تائید و مدد سے **فی بضع سنین** چند سالوں میں ایامِ طلب میں **للّٰہ الامر من قبل** غلبۂ فارس (نفس) کے روم (قلب) پر پہلی بار وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے تھا اور اس کی اس میں حکمتِ بلیغہ ہے کہ اصلاحِ حال و مآل میں جس طرح چاہے ورنہ جمیع انبیاء و اولیاء کے نفوس ابتدا میں قلوب پر غالب تھے پھر بعد میں ان کے قلوب نفوس پر غلبہ پا گئے **و من بعد** یعنی بعد کو غلبۂ روم (قلب) کا فارس (نفس) پر، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ اس کا ایسا حکم ہے کہ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں **ویومئذ** اس دن یعنی جب روم غالب ہوئے **یفرح المؤمنون** خوش ہوں گے اہلِ ایمان یعنی رُوح، سرّ، عقل **بنصر اللّٰہ** اللہ کی مدد پر جو اس نے قلب کو نفس پر بخشی ایسے ہی اہلِ ایمان کی مدد کا فروں پر **وھو العزیز** اور وہ عزیز ہے کہ اپنے اولیاء کی مدد اور اپنے اعداء کو ذلیل کرتا ہے **الرحیم** وہ رحمت والا ہے کہ وہ اہلِ محبت یعنی اربابِ قلوب کی مدد فرماتا ہے **وعد اللّٰہ لا یخلف اللّٰہ وعدہ ولکن اکثر الناس** اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر وہ جو اس کے الطاف کو فراموش کرنے والے ہیں **لا یعلمون** اس کے صدقِ وعدہ اور وفائے عہد کو نہیں جانتے کیونکہ **یعلمون ظاھرا من الحیٰوۃ الدنیا** وہ حیاتِ دنیا کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں یعنی جو اس ظاہرہ کے ساتھ شہواتِ دنیا کے شہد کی حلاوت کی لذت پاتے ہیں **وھم**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نبی علیہ السلام سے زیادہ علم ہوتا ہے۔ اسی لیے بُراہین قاطعہ میں لکھا کہ شیطان کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ ہے کیونکہ اس کے علم کو دنیوی امور سے تعلق ہے اور حضور علیہ السلام کو دنیوی امور میں علم کم ہے اور ان کے دلائل میں سے ایک حدیث تلقیح بھی۔ تلقیحِ تمر میں لاعلمی سے نہیں فرمایا بلکہ آپ نے انہیں توکل کا سبق سکھایا جب وہ اس پر پورے نہ اُترے تو آپ نے زجراً فرمایا (شرح شفاء) اور یہاں بھی لاعلمی کا اظہار نہیں بلکہ نبی اور امتی کے درمیان امتیاز بتایا ہے کہ امتی کو دنیوی مشاغل زیادہ ہیں اور نبی علیہ السلام کو امورِ آخرت میں مشغولی ہوتی ہے۔ علم سے مہارت اور مشغولی مراد ہے۔ اویسی غفرلہٗ

عن الاٰخرۃ اور حواس باطنہ کے ساتھ وہ آخرت اور اس کے کمالات اور وجدان شوق شہوات سے، کیونکہ وہ بقائے ابدی کا موجب ہے اور شہوات دنیا کا شہد زہریلا اور مہلک ہے ھم غٰفلون وُہ غافل ہیں کیونکہ وہ بحرِ بشریت میں غرق اور اس کے اوصاف کی موجوں میں غوطہ زن ہیں۔ حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

جہان وجملہ لذاتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیار اوست وزان افزون شرو شورش

ترجمہ: جہانِ دنیا اور اس کی تمام لذات شہد کی مکھی کی طرح ہیں کہ اس میں مٹھاس تو بہت ہے لیکن اس سے بڑھ کر اس کا شر اور شور ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا، واؤ اور اس کا علطف فعل مقدر پر ہے تفکر بمعنے مطلوب تک پہنچنے کے لیے معانی اشیاء کا دل کی طرف متوجہ کرنا۔ یہ عقل کے تصفیہ سے پہلے ہوتا ہے اور تذکر تصفیہ عقل کے بعد۔ اسی لیے قرآن مجید میں عقل کے ساتھ تذکر کا ذکر ہے تفکر کے ساتھ نہیں۔

اعجوبہ لغت بعض ادباء نے کہا کہ فکر در اصل الفرك کا مقلوب ہے۔ اسی لیے کہ اس کا استعمال معانی میں ہوتا ہے یعنی امور میں غور و فکر اور بحث کرنا تاکہ ان کی تہ تک پہنچا جا سکے (اور فرك کا اطلاق غیر معانی میں ہوتا ہے)

فی انفسھم تفکر کے متعلق ہے۔ اس کا ذکر اس لیے ہے کہ اس کا ظہور اس کے غیر میں محال ہے کیونکہ متفکر کا حال بوقت فکر یونہی ہوتا ہے اور یہ قرآن کی وسعت استعمالات سے ہے۔ مثلاً فرمایا:

ویقولون بافواھھم۔
(اور وہ منہ سے بولتے ہیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کفارِ مکہ نے اپنی نظروں کو زندگی کے ظاہر حالات پر جما لیا اور اپنے دلوں میں فکر کو گنجائش نہ دی ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور ہم نے آسمان اور ایسے ہی جمیع اجرام علویہ اور سماوات ارواح اور زمین ایسے ہی جمیع اجرام سفلیہ اور ارض اجسام وَمَا بَیْنَھُمَآ اور جو ان کے درمیان میں مخلوق ہے اور دیگر قوی پیدا نہیں کئے اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق کے ساتھ اور حکمت و مصلحت پر تاکہ ان سے یہ لوگ عبرت پکڑیں اور صانع حقیقی کے وجود اور اس کی وحدت پر استدلال کریں اور جانیں کہ اس کی صفات کی جولانگاہیں اور اس کی قدرت کے مناظر ہیں۔

سوال: ظرف کا متعلق تفکر کیوں؟

جواب : تفکر کے لائق خلق ہے نہ کہ خالق ۔ کیونکہ وہ تو اس سے منزّہ ہے کہ اسے قلب میں کسی صورت سے متصور کر کے لایا جائے ۔

حدیث شریف : اسی لیے حدیث شریف میں ہے :

تفکروا فی آلاء اللہ تعالیٰ ولا تتفکروا فی ذات اللہ ۔

(اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرو لیکن اس کی ذات میں فکر مت کرو)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ عالم خلقست با سُو ستے جہات
بے جہت دان عالم امر و صفات

۲ بے تعلق نیست مخلو قے بدو
آن تعلق ہست بیچون اے عمو

۳ این تعلق را خرد چون پے برد
بستۂ فصلست و وصلت این خرد

۴ زین وصیت کرد ما را مصطفیٰ
بحث کم جوئید در ذاتِ خدا

۵ آنکہ در ذاتش تفکر کرد نیست
در حقیقت آن نظر در ذات نیست

۶ ہست آن پندار او زیرا براہ
صد ھزاران پردہ آمد تا الٰہ

۷ ہر یکے در پردۂ موصول جوست
وہم او آنست کہ آن عین ہوست

۸ پس پیمبر دفع کرد این وہم ازو
تا نباشد در غلط سودا پز او

۹ در عجائب ہاش فکر اندر روید
از عظیمے وز مہابت گم شوید

۱۰ چونکہ صنعش ریش و سبلت کم کند
حد خود داند ز صانع تن زند

۱۱ جز کہ لا احصی نگوید او ز جان
کز شمار و حد برونست آن بیان

ترجمہ: (۱) عالم خلق جہات رکھتا ہے لیکن عالم امر و صفات جہت سے منزّہ ہے۔
(۲) مخلوق کو اس سے تعلق لازمی ہے وہ تعلق ہستی کا ہے اے نابینا!
(۳) اس تعلق کے لیے جب عقل راہ لیتی ہے تو فصل و وصل کا پابند ہوتا ہے۔
(۴) اسی لیے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیّت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بحث نہ کرو۔
(۵) ہاں وہ جو ہم اس کی ذات میں تفکر کرتے ہیں وہ اس کی ذات میں تفکر نہیں۔
(۶) وہ صرف ہمارا اپنا وہم و گمان ہے ورنہ اس کی ذات تو ہزاروں پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔
(۷) ہر ایک اسی پردے والے کا متلاشی ہے پھر اسی پردے کو سمجھنے لگتا ہے کہ شاید یہ وہی ہے۔
(۸) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کا ازالہ فرمایا تاکہ کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائے۔
(۹) ہاں اس کے عجائبات میں فکر کرتے جاؤ۔ لیکن اس کی عظمت وہیبت سے آگے نہ بڑھو۔
(۱۰) چونکہ اس کی صنعت ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ صانع کی حد تک پہنچنا مشکل ہے۔
(۱۱) سوائے لا احصی کہنے کے چارہ نہیں اس لیے کہ یہ بیان شمار اور حد سے باہر ہے۔

نکتہ صوفیانہ در اطلاق اسم حقّ (صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے اپنے اکثر احوال میں اطلاق اسم حق سے شبہ پڑتا تھا کہ اس کی تخصیص کیوں، حالانکہ اس کے اسماء بھی تو ہیں۔ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا:
حق کا معنیٰ ہے وہ ذات ثابت الوجود ہے اور وہ زوال و عدم کو قبول نہیں کرتی اور نہ تغییر کے قابل ہے۔ پھر یہ حضرات ذات حقیقیہ کے ہر وقت تصوّر میں رہتے ہیں یعنی ماسوی اللہ جو سراسر باطل و ہالک ہے کی طرف تھوڑی سی دیر کے لیے بھی دھیان نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کے اطلاقات میں یہی اسم زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اس کا عطف حق پر ہے یعنی ان کی تخلیق ایک میعاد مقرر کے لیے ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے کہ فلاں وقت تک باقی رہیں گے اس کے بعد مٹ جائیں گے یعنی ان کے مٹنے

کے لیے ایک انتہائی سرحد ہے اور وہ ہے قیام الساعۃ ۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اور بہت سے لوگ اہلِ غفلت اور تفکر آخرت کے سمجھنے کی رہبری کرتا ہے، سے اعراض کی وجہ سے بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ اپنے رب کی حاضری سے یعنی اس کے حساب وجزا کے لیے اور مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر ہیں۔

ف : بِاَ لَكٰفِرُوْنَ ۝ کے متعلق ہے ۔ لکافرون بمعنے منکرون جاحدون ہے کیونکہ ان کا گمان ہے کہ دنیا ابدی ہے اور آخرت تو تب ہو جب اس کے لیے ختم ہونا ہو۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا سیر بمعنے زمین پر چلنا ۔ یعنی اہلِ مکّہ نے چل کر نہیں دیکھا فِی الْاَرْضِ زمین پر فَيَنْظُرُوْا کہ دیکھیں یعنی ان سابقہ کافروں کے رہنے سہنے کے مقامات پر چل کر دیکھیں یہ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی تجارات کے وقت زمین کے چپّہ چپّہ کو چھان ڈالتے اور ان مقامات سے گزرتے ۔ اسی لیے حکم ہوا کہ انھیں دیکھو اور پھر سوچو كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط کیسے ہے انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی وہ اُمتیں جو تباہ و برباد ہوئیں جیسے عاد و ثمود ۔

قاعدہ عاقبۃ عاقبۃ کا لفظ علی الاطلاق ہو تو وہاں ثواب مراد ہوگا ، جیسے والعاقبۃ للمتقین۔ اگر اضافت کے ساتھ ہو تو سزا کے معنی میں ہوگا ، جیسے اسی آیت میں ہے۔ اس سے انجام کار مراد ہوتا ہے ۔

ربط : اس کے بعد امم سابقہ کے انجام کار کی تفصیل بتائی ہے وہ یہ کہ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وہ ان سے قوت (طاقت) میں زیادہ طاقتور تھے ۔ یعنی وہ اہلِ مکہ سے زندگی کے حالات کے اعتبار سے عیش و عشرت میں زیادہ قوت رکھتے تھے وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ ۔

حلِ لغات یہ ثار البغار والسحاب سے مشتق ہے یعنی چمک کے غبار اور بادل منتشر ہوا ۔ یعنی کسی شے کو ایسی حرکت دینا یہاں تک کہ غبار اڑے ۔ فارسی میں بر انگیختن گرد و شورانیدن زمین و میغ آوردن باد (گرد کا اڑنا زمین کا شور کرنا اور ہوا کا بادل لانا) کما فی تاج المصادر ۔

الثور اس بیل کو کہتے ہیں جو زمین کو کھودے ۔ گویا وہ اس کام میں لگا رہتا ہے کہ اسے مصدر کے معنیٰ میں مستعمل ہے ۔ جیسے عدل بمعنے عادل مصدر بمعنے اسم فاعل مبالغہ کے لیے ہے ۔

البقر، بقر سے ہے بمعنے شق یعنی چیرا ۔ کیونکہ وہ کھیتی کے لیے زمین کو چیرتا ہے ۔ اسی لیے حضرت محمد بن حسین رضی اللہ عنہ کو باقر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گویا علم کے ماہر و حاذق تھے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے زمین کو کھیتی کے لیے الٹا دیا اور اس پر پانی بہایا اور اس کے خزانے نکالے ۔

وَعَمَرُوْهَا ۔

حلِ لغات العمارۃ خراب وویران کی نقیض۔ یعنی انہوں نے زمین کو مختلف عمارات اور کھیتوں اور باغوں (و دیگر وہ امور جن کا آبادی سے تعلق ہے) سے آباد کیا۔

اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا اس سے زیادہ جو کہ کے مشرکین نے زمین کو آباد کیا ہے اور اہل مکہ کی آبادی سے ان کی مناسبت کیسے ہوسکتی ہے جبکہ یہ اس وادی میں رہتے ہیں جس میں کھیتی وغیرہ نہیں ہوتی اور پھر ان کا گزر اوقات بھی صرف اسی میں ہے وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ اور ان کے پاس ان کے رسل کرام علیہم السلام معجزات اور واضح آیات لائے اور انہوں نے ان کی تکذیب کی اور انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر دیا فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بلا جرم ظلم نہیں کیا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۞ لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ایسے معاصی و جرائم کا ارتکاب کیا جو ان کی تباہی و بربادی کا موجب بنے ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا جنہوں نے برُے عمل کیے یعنی کفر و شرک کیا، ان کا انجام ہوا السُّوْٓاٰى سخت برُا۔

حلِ لغات السوأی تمام سزاؤں سے زیادہ برُی سزا کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ سزا جو دوزخ میں کفار کو دی جائے گی وہی سوأی (سزا) ہے۔ (السوئی) اسوء کی تانیث ہے جیسے حسنیٰ احسن کی تانیث ہے یا بشریٰ کی طرح مصدر ہے مبالغہ کے طور صیغۂ صفت ہے گویا وہ عذاب سزا کا عین ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جہنم کا نام ہے جیسے حسنیٰ بہشت کا نام ہے اور جہنم کو سوئی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آنے والے کو سخت سے سخت تکلیف پہنچاتی ہے (پناہ بخدا)۔

ف: امام راغب نے فرمایا: السوء ہر طرح کی بری تکلیف کو کہا جاتا ہے وہ امورِ دنیویہ سے ہو یا امورِ اُخرویہ سے، وہ احوال النفسیہ سے ہو یا بدنیہ سے۔ اور انسان کو جو خارجی طریق سے تکلیف پہنچے جیسے مال ضائع ہو جائے یا دوست (محبوب) جدا ہو جائے غرضیکہ جو امر ابھی قبیح ہو اسی لیے بالمقابل حسنیٰ کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ثم کان عاقبۃ الذین اساءوا السوأی۔

اور فرمایا:

للذین احسنوا الحسنیٰ۔

ترکیب السوئی مرفوع ہے اس لیے کہ کان کا اسم اور اس کی خبر عاقبۃ ہے۔ اس کے برعکس بھی پڑھا گیا ہے۔ اختصار کے تقاضا پر یہی ترکیب زیادہ موزوں ہے کذا فی الارشاد۔

اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یہ کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی۔ یہ علت ہے اس کی جو کہ انہیں

دنیوی و اُخروی عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ یعنی انہوں نے آیات منزّل علی الرسل اور معجزات باہرہ کی تکذیب کی تو ان پر عذاب ہوگا وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ؁ اس کا عطف کذبوا پر ہے اور علت کے حکم میں داخل ہے استہزاء میں صیغۂ مضارع میں لانے میں اس کے استمرار و تجدّد کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصۂ تفسیر خلاصۂ تفسیر یہ کہ اُمم گزشتہ میں جو تکذیب کرنے والے تھے انھیں دنیا و آخرت میں عذاب دیا گیا ان کی تکذیب و استہزاء و دیگر جرائم و معاصی کی وجہ سے، تو انہیں ان کی قوت و طاقت اور اموال نے نفع نہ دیا، انہیں کوئی شے عذاب و ہلاکت سے بچا نہ سکی۔ پھر اہلِ مکہ تو کچھ بھی نہیں، نہ ان کے پاس مال و دولت اور نہ دیگر قوت و طاقت، اور ہیں بھی گنتی کے، اور جسمانی لحاظ سے بھی کمزور۔

ف: ان کے قلوب پر مُہریں لگ جانا اور کفر پر مرنا ان کی برائیوں کی سزا ہے جیسا کہ ابن عُیَینہ نے فرمایا کہ تکذیبِ رسل کا انجام بُرا ہے۔ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ دھبّہ اس کے دل پر جم جاتا ہے۔ اس کے بعد ایسے لوگوں کی موت کفر پر واقع ہوتی ہے۔

منطق و فلسفہ اور دیگر علوم غیر نافعہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ طالبانِ علم جو غیر نافعہ بلکہ ضرر رساں علوم و فنون جیسے کلام و منطق و معقولات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ علوم ان کے عقائد کو خراب کر ڈالتے ہیں اور عقائدِ اہلسنّت و جماعت سے دُور لے جاتے ہیں اس لیے کہ عقیدۂ اہلسنّت پر معمولی طور شک و شبہ کیا تو کفر پر موت واقع ہوگی ؎

علم بے دیناں رہا کن جہل را حکمت مخوان
از خیالات و ظنون اہل یونان دم مزن

ترجمہ: بے دینوں کے علم کو چھوڑ دے کیونکہ یہ علم نہیں جہل ہے اور جہل کو حکمت مت کہہ۔ اہلِ یونان (فلاسفہ) کے خیالات و ظنون کا دم نہ مار۔

تفسیر صُوفیانہ جیسے سیر و سلوک سے ایمان حقیقی کا نور نصیب ہُوا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اُن سے پہلے جو فلاسفر حکماء گزرے ہیں اُن کا کیا انجام ہُوا حالانکہ وُہ علم القال کی بہت زیادہ قوت رکھتے تھے اور انہوں نے بشریت کی زمین کو ریاضت و مجاہدات سے خُوب الٹ پلٹ کیا اور تبدیلِ اخلاق میں اُسے خوب سنوارا اور براہینِ قاطعہ اور دلائل ساطعہ قائم کئے۔ اور ان کی طرح ان متاخرین کو ذرہ بھر بھی نصیب ہُوا کیونکہ ایک تو ان کی عمریں طویل تھیں دوسرے ان کے دلوں میں شیطان نے وسوسے ڈال رکھے تھے اور انھیں علوم عقلیہ پر اُبھارا اور ان کے ذہنوں میں یہ بات سما گئی تھی کہ انھیں شریعتِ مطہرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی انبیاء علیہم السّلام کی اتباع کے وہ محتاج ہیں پھر ان کے پاس انبیاءُ علیہم السلام معجزات لے کر آئے تو

انہوں نے انہیں جادو اور نیرنج سے تعبیر کیا۔ اسی لیے انہوں نے معجزات پر شک و شبہ کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنی علمی و فنی مہارت سے معجزات کو غلط ثابت کر رہے ہیں حالانکہ وہی علم و فن ان کی تباہی و بربادی کا موجب بنا اور وہ خود ہی شکوک و شبہات کے گڑھے میں جاگرے **فما کان اللّٰہ لیظلمہم** پس نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آفات و بلیات میں مبتلا کرے بایں طور کہ انہیں شیاطین کے وساوس کے سپرد کر دیا اس نے ان کے نفوس کو وساوس کا شکار کر لیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسل کرام علیہم السلام بھیجے نہ کتابیں **ولکن کانوا انفسہم یظلمون** لیکن وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے تھے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور شیطان کی تابعداری اور خواہشاتِ نفسانیہ کی پرستش کی پھر تکذیب انبیا کی شامت سے ان کا انجام برباد ہوا اور بُرے عذاب میں مبتلا ہوئے بایں طور کہ وہ کفر کے سربراہ بنے اور کفر کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں میں انبیاء علیہم السلام کی مخالفت میں اور ان کے لائے ہوئے احکام پر بھرپور حملے کئے اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اپنے اس کارنامے کا نام حکمت رکھا اور خود کو حکما سے تعبیر کرتے تھے۔

انتباہ اب بھی بعض طلبہ ان کے فنون و حکمت کے حصول میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں تاکہ احکام شرع کی تکالیف سے بچ جائیں یا اپنے جوہر کی خباثت پر مجبور رہتے۔ اسی لیے وہ ان فلاسفہ کی کتابوں کے تعلیم و تعلم میں زندگیاں ضائع کر دیتے ہیں پھر ان کی کتابوں سے شکوک و شبہات کی بھرمار شریعت پر کرتے ہیں جس سے وہ کفر کے گڑھے میں گر کر ہلاک و تباہ ہو جاتے ہیں بلکہ بہت سے بدقسمت ایسی کتابوں کے مطالعہ سے اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں[1] اور یہ بیماری متقدمین و متاخرین کے حکما میں عام تھی ان کی کتابوں کی نحوست جس پر پڑتی ہے وہ اسلام سے بیگانہ ہو جاتا ہے بلکہ ان فلاسفہ کفار کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ بیماری حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بھی گھس گئی اور تاقیامت یہ بیماری میں رہے گی[2] اور اس بیماری کی شدت اس قدر وسعت پذیر ہو جائے گی کہ طلبۂ علوم اسلام کا دل تفسیر و حدیث اور فقہ اور دیگر اسلامی فنون سے ہٹ رہا ہے[3] اور فلسفہ و زندیقیت کی طرح شوق بڑھ رہا ہے اور جسے وہ اصول سے تعبیر کرتے ہیں (عوام اسے سائنس کی ترقی

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت عوام کو بار بار تنبیہ کرتے ہیں کہ بدمذاہب کی کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز کرو۔

[2] یہ وہی بیماری ہے جو آج شریعت کے ہر مسئلے کو اجتہاد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کہیں معجزات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ نیچریت، پرویزیت، وہابیت جیسے مذاہب بڑھ رہے ہیں۔

[3] دیکھئے آج ہمارے دینی طلبہ کا حال کچھ اس طرح ہو رہا ہے اور عوام علوم اسلامیہ کے بجائے فنون دنیویہ اور انگریزی تعلیم کے دلدادہ بن گئے ہیں۔ فالی اللّٰہ المشتکی اویسی غفرلہٗ

کہتے ہیں) ؎

علمِ دین فقہست و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: دینی علم تو فقہ و تفسیر و حدیث ہے جو اس کے علاوہ پڑھتا ہے وہ خبیث ہو جائے گا۔

(غور کیجئے کہ اب ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو فقہ و تفسیر و حدیث پڑھتے ہیں اور وہ کتنے ہیں جو ان علوم دینیہ سے رُوگردانی کرکے دوسرے علوم کے حصول کے خبط میں ہیں)[1]

ملفوظ شافعی رحمہ اللہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:
من تکلم تزندق ثم وبال هذه جملة الى قيام الساعة يكتب فى ديوان من سن هٰذه السنة السيئة و من اوزار من عمل بها من غيران ينقص من اوزارهم شئ على ان كذبوا بالقرأن وسموا الانبياء عليهم السلام اصحاب النواميس و سموا الشرائع الناموس الاكبر عليهم لعنات الله تترى۔ كذا فى تاويلات حضرة الشيخ نجم الدين قدس سرهٗ۔[2]

(جو علم کلام نہ پڑھے گا وہ زندیق ہو جائے گا اس کا وبال تا قیامت اس کے سر پر رہے گا اور اس زمرہ میں لکھا جائے گا جس کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو بُرا طریقہ ایجاد کرتا ہے اس کا گناہ اس کے کھاتے میں جائے گا اور ان لوگوں کے گناہ بھی اس کے نام لکھے جائیں گے جو اس بُری ایجاد پر عمل کرتے رہے اور تا قیامت اس کے لیے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ گناہوں کی سزا عمل والوں سے بھی کم نہ ہوگی اور پھر یہ سزا مذکوران کے اعمال نامے میں لکھی جائے گی جنہوں نے قرآن کی تکذیب کی اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلا کر ان کو اصحابِ نوامیس اور ان کی شریعتوں کو ناموسِ اکبر سے موسوم کیا۔ کذا فی تاویلات حضرت الشیخ نجم الدین قدس سرہٗ)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] تفسیر روح البیان، ج ۷، ص ۱۲

اویسی غفرلہٗ

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ
كٰفِرِيْنَ ○ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ○ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ○
فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ○ع

ترجمہ: اللہ پہلے بناتا ہے پھر دوبارہ بنائے گا پھر اس کی طرف پھرو گے اور جس دن قیامت قایم ہو گی مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی اور ان کے شریک، ان کے سفارشی نہ ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس دن قیامت قایم ہو گی اس دن الگ ہو جائیں گے، تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہو گی اور جو کافر ہوئے اور ہماری آیتیں اور آخرت کا ملنا جھٹلایا وہ عذاب میں لا دھرے جائیں گے تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور جب صبح ہو اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں اور کچھ دن رہے اور جب تمہیں دوپہر ہو وہ زندہ کو نکالتا ہے مُردے سے اور مُردے کو نکالتا ہے زندہ سے اور زمین کو جلاتا ہے اس کے مرے پیچھے اور یونہی تم نکالے جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اللہ تعالیٰ ہی دنیا میں ابتداءً پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان مراد ہے جسے نطفہ سے پیدا کیا گیا ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر اسے مرنے کے بعد زندہ کر کے جیسے وہ پہلے تھا، آخرت میں اٹھائے گا بغیر اس کے کہ اس کے گناہوں میں کمی آئے جو اس نے قرآن کی تکذیب کی اور انبیاء علیہم السلام کو اصحاب نوامیس میں رکھا مذکر واحد کی ضمیر خلق کے لفظ کی وجہ سے ہے ثُمَّ اِلَيْهِ پھر اس کی طرف یعنی اس کے حساب اور سزا و جزا کے میدان میں تُرْجَعُوْنَ ○ لوٹائے جاؤ گے ترہیب کی وجہ سے مبالغہ کے طور التفات ہے صیغۂ غائب (یاء) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور جمع کا صیغہ باعتبار خلق کے معنیٰ کی وجہ سے ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اور اس وقت کہ قیامت قائم ہو گی اور

یہی مخلوق (انسان) کے لوٹائے جانے کا وقت ہے کہ اس میں جا کر حساب دیں گے اور جزا و سزا پائیں گے۔

ف: ساعۃ بمعنے وقت کا ایک حصہ۔ قیامت کو ساعۃ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہاں بہت ہی تھوڑی دیر میں بندوں کا حساب و کتاب ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وهو اسرع الحاسبين۔

(اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے)

یا اس لیے کہ جس کی تنبیہ خود فرمائی:

كانهم يوم يرونها لم يلبثوا الا ساعة من نهار۔

گویا وہ اسے یوں محسوس کریں گے کہ نہیں ٹھہرے مگر پل بھر۔

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ نا امید ہو جائیں گے مجرم یعنی اس شخص کی طرح ہو جائیں گے جو اپنی تمام حجتیں ختم کر کے نا امید ہو کر حیران و سرگردان ہو جائے کہ اب کے بعد تو کوئی حجت ہی نہیں جسے میں پیش کروں یا یہ کہ وہ ہر بھلائی سے نا امید ہو جائیں گے۔

حلِ لغات امام راغب نے فرمایا کہ ابلاس بمعنے وہ حزن جو انسان کو نا امیدی کے بعد لاحق ہو۔ اسی سے ابلیس مشتق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کوئی اپنے ایسے دلائل قائم کرے جو جواب ملنے پر اسے ساکت کر دیں پھر اسے کوئی ایسی دلیل نہ سوجھے جو اس کو مفید ہو۔ ابلس فلان یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حجت باقی نہ رہے تو خاموش ہو بیٹھے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ اور نہیں ہوں گے ان کے شرکا یعنی بت جن کی عبادت سے شفاعت کی امید کرتے تھے **شُفَعٰٓؤُا** ان کے سفارشی جو انہیں عذابِ الٰہی سے چھڑا سکیں۔

نکتہ صیغۂ ماضی اس لیے ہے کہ وہ علمِ الٰہی میں محقق ہو چکا اور جمع کا صیغہ، صیغۂ جمع کے بالمقابل کی وجہ سے ہے یعنی نہیں ہوگا ان ہر ایک کے لیے کوئی سفارشی۔

ف: مصحف میں شفعٰٓؤا لکھا ہے۔ یعنی الف سے پہلے واؤ۔ جیسے سورۂ شعراء میں علمٰٓؤا بنی اسرائیل پڑھا جاتا ہے اور السوأی میں یا سے پہلے ہمزہ کے لیے الف اور بصورت اس حرف کے کہ جس سے اس کی حرکت ہے۔

وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ اور ہوں گے اپنے شرکا یعنی بتوں کے ساتھ کفر کرنے والے بوجہ نا امیدی کے۔ یعنی جب وہ اپنے مطلب کو نہ پا سکیں گے تو پھر وہ اپنے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ** اور اس وقت قیامت قایم ہوگی اس کی ہولناکی کی وجہ سے۔ اسے

دوبارہ لایا گیا ہے یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ○ اس وقت متفرق ہو جائیں گے ۔ چونکہ اس وقت انہیں سخت سے سخت ہولناکی پیش آئے گی ۔ اسی لیے بار بار ایسے مضامین پیش کیے جا رہے ہیں نیز یہ تفرق ان کے بعض سے ہوگا اور جمع کی ضمیر تمام مخلوق کے لیے ہوگی جیسا کہ ماتقدم یدل و اعادۃ رجوع دلالت کرتا ہے ۔ یہ صرف مجرمین سے خاص نہیں بلکہ عام ہے ۔ یعنی حساب کے بعد مومن و کافر متفرق ہو کر بہشت کی طرف جائیں گے پھر وہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے ایسے جدا ہو جائیں گے کہ پھر کبھی بھی ان کا اجتماع نہ ہو سکے گا ۔

ف : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مومن و کافر دنیا میں تو اکٹھے رہے لیکن آخرت میں جدا جدا ہو کر گزاریں گے کیونکہ اہلِ ایمان اعلیٰ علیین میں اور کفار سجین میں ہوں گے ۔ ایک کو وصال کے مزے ایک فرقت کے عذاب میں ۔ یا یوں کہو کہ ایک محبت کے تخت پر آرام فرما ہوگا ایک دکھ کی چٹائی پر عذاب میں مبتلا ۔ ایک کو طرح طرح کی نعمتیں و راحتیں دوسرے کو طرح طرح کا عذاب ۔ کیا نہیں دیکھتے ہو ایک دولتِ ملاقات پر نازاں ایک آتشِ فراق میں جل رہا ہوتا ہے ؎

یکے خنداں بعد عشرت
یکے نالاں بعد عسرت
یکے دو راحت وصلت
یکے در شدت ہجرت

ترجمہ : ایک ہزاروں عیش و عشرت میں شاداں ، ایک ہزاروں دکھ درد میں نالاں ۔ ایک وصال کی راحت میں ایک شدتِ فراق میں گریاں ۔

[1] ؎

فرقست میان آنکہ یارش در بر
وان دگر دو چشم انتظار بر در

ترجمہ : ان دو کا فرق ظاہر ہے کہ ایک کا محبوب بغل میں اور دوسرا غریب دروازے پر آنکھیں لگائے بیٹھا ہے کہ نہ معلوم محبوب کب آئے ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

تفسیر صوفیانہ حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر ایک اپنے مقدر کی طرف متفرق ہوجائے گا۔ اہلِ سعادت اپنی سعادت کی منزل کی طرف اور اہلِ شقاوت اپنی شقاوت کی طرف، اور اس کا تفرقہ جمع کی طرف ہے وہ سِرّ (راز) کا مجمع ہے کہ اسے مخلوق سے کبھی الفت نہ ہو سکے گی بلکہ وہ اہلِ سعادت کی منازل کی طرف لوٹے گا۔

تفسیر عالمانہ ربط: ان آیات میں ان دونوں کے احوال اور ان کے تفرق کی کیفیت بیان فرمائی جائے گی۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ بہرحال اہلِ ایمان اور نیک اعمال والے بڑے بڑے باغات میں ہوں گے۔

ف: روضۃ وہ زمین جس میں کھیتیاں اور پانی اور رونق اور خوش منظر ہو۔ اس سے بہشت مراد ہے۔

حلِ لغات الروض صاف شفاف پانی والی اور سرسبز جگہ۔ اور یہاں پر روضہ سے جنت کے باغات، ان کے محاسن اور رہنے سہنے اعلیٰ مقامات مراد ہیں۔

نکتہ روضۃ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اہلِ عرب کے ہاں سب سے اعلیٰ منظر اور اطیب شے یہی ہے اور ان کے فہم و فکر کو قریب لانے کے لیے بھی اس کا ذکر کیا گیا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ایسے باغات میں جن میں بہترین خوشبودار پھول اور نہریں ہوں گی یُحْبَرُوْنَ جس میں وہ ایسے مفرور و مفروح ہوں گے کہ ان کے چہرے چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔ یعنی وہ اس میں ایسے خوش ہوں گے کہ ان کے چہرے سے رونق محسوس ہوگی۔

حلِ لغات الحبور بمعنے سرور ہے۔ حبرہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خوشی محسوس کرے اور خوشی سے اس کا چہرہ چمک اُٹھے۔ المفردات میں ہے کہ وہ ایسے خوش ہوں گے کہ ان کے چہروں سے نعمت کے آثار ہویدا ہوں گے۔ اہلِ عرب حبر فلاں اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے جسم پر زخم کے کچھ نشانات باقی رہ جائیں۔ الحبر اس عالمِ دین کو کہتے ہیں جس کے علوم کے آثار لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہو کر عرصہ تک باقی رہیں اور لوگ اس کے آثار کی اقتدا اور اس کے افعال و اقوال کی اتباع کریں۔ اسی طرف امیرالمومنین کا اشارہ ہے۔

امیرالمومنین کا ملفوظ امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

العلماء باقون ما بقی الدھر اعیانھم مفقودۃ و آثارھم فی القلوب موجودۃ۔

(علماء رہتی دنیا تک موجود ہیں اگرچہ ان کے اجسام اب ہمارے سامنے نہیں بلکہ ان کے آثار لوگوں کے دلوں میں موجود رہتے ہیں)

اور عالمِ دین کو حبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے اخلاقِ حسنہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور سیاہی کو بھی حبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے اوراق کے حسن وجمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حبرۃ ہر اچھی نعمت کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اس میں مختلف اقوال اس کے مختلف وجوہ کے سبب ہیں۔

یُحبرُون کی تفاسیر (۱) حضرت ابن عباس ومجاہد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یحبرون بمعنے مکرمون۔ (یعنی بہشت میں ان کی تعظیم وتکریم کی جائے گی)

(۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یحبرون بمعنے ینعمون (یعنی بہشت ان لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا)

(۳) حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یحبرون بمعنے یتوجّون (یعنی بہشت میں وہ لوگ تاج پہنائے جائیں گے)

(۴) حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یحبرون بمعنے یسرون بالسماع یعنی بہشت میں انہیں سماع سے خوش کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ سماع کے برابر کی اور کوئی لذت نہیں ہے۔

ف: مذکور ہے کہ باکرہ لڑکیاں بہشت میں ترنّم سے کچھ گائیں گی اس جیسی خوش آواز کبھی نہیں سنی گئی ہوگی، اور یہ بہشت کی بہترین لذات میں سے ہے۔

ف: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ بہشت میں وہ لڑکیاں کیا گائیں گی؟ فرمایا: تسبیحِ خداوندی۔ حضرت یحییٰ بن رازی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون سی نعمت پسند ہے؟ فرمایا: وہ مزامیرِ انس جو محلاتِ قدس میں الحان تحمید وریاض تمجید میں سنائے جائیں۔

بہشتی سماع مروی ہے کہ بہشت میں چند ایسے درخت ہیں جن پر سونے کی گھنٹیاں ہیں۔ جب اہلِ بہشت سماع کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ عرش سے ہوا چلائے گا جو ان درختوں کو متحرک کر دے گی جس سے وہ گھنٹیاں ایسی خوش الحانی سے بجیں گی کہ اگر اسے اہلِ دنیا سُن لیں تو خوشی سے مرجائیں۔

حدیث شریف میں ہے: الجنة مائة درجة ما بين كل درجتين منها كما بين السماء و

الارض والفردوس اعلاها سموا واوسطها محلا و منها یتفجر انہار الجنۃ وعلیها یوضع العرش یوم القیامۃ۔

(بہشت کے ایک سو درجات ہیں ہر درجہ کی درمیانی مسافرت اتنی ہے جیسے آسمان و زمین کا درمیانی حصہ۔ اور تمام بہشتوں سے بلند فردوس ہے جس کے محلات متوسط ہیں۔ اسی سے ہی تمام بہشتوں میں نہریں آتی ہیں۔ قیامت میں عرشِ الٰہی اس کے اوپر رکھا جائے گا)

یہ سن کر ایک شخص نے اُٹھ کر عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں خوش الحانی سننے کا شوقین ہوں کیا بہشت میں خوش الحانی بھی ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

ای نعم والذی نفسی بیدہ ان اللہ سبحانہ لیوحی الی شجرۃ فی الجنۃ ان اسمعی عبادی الذین اشتغلوا بعبادتی و ذکری عن عزف البرابط والمزامیر فترفع صوتا لم یسمع الخلائق مثلہ قط من تسبیح الرب وتقدیسہ۔

(ہاں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ بہشت میں ایک درخت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو سارنگی اور مزامیر سنا جو دنیا میں میری عبادت و ذکر میں مشغول رہے۔ وہ درخت ایسی خوش الحانی سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرے گا کہ اس جیسی آواز کبھی کسی نے سُنی نہ ہوگی)

ف: کل بہشت میں بندگانِ خدا سماع کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کو حکم فرمائے گا کہ اے داؤد! وہ الحان جو میں نے عطا فرمایا اس لحن سے زبور پڑھیے۔ اور اے موسیٰ! آپ تورات پڑھیے۔ اے عیسیٰ! تم انجیل کی تلاوت کرو، اور اے طوبیٰ! تم اپنی آوازِ دلکشا سے میری تسبیح پڑھو۔ اے اسرافیل! تم قرآن پڑھو۔ (ان آوازوں سے اہلِ بہشت کو سرور و مستی حاصل ہوگی)

اسرافیل کی آواز حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی آواز ایسی دلکش ہے کہ جب وہ کچھ پڑھتے ہیں تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے ان کی آواز سن کر مست ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں تسبیح و تقدیس کا ہوش تک نہیں رہتا۔

پھر فردوس نشینوں کو حکم ہوگا کہ اے چاند کے چہرے والو! اٹھو میرے دوستوں کا استقبال کرو اور مشک خالص اور کافور عنبری میرے مشتاقوں اور عاشقوں پر نچھاور کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرمائے گا اے درویشو! جو تم نے دُنیا میں غم کے کانٹے کھائے اب تمہارے غم کی گھڑیاں ختم ہوگئیں اور تمہاری خوشی کے درخت کا پھل پک چکا ہے اٹھو اور حظیرۂ قدس میں خوشیاں مناؤ اور خلوتگاہِ انس میں ناز کرو۔

اے مستانِ مجلسِ مشاہدہ! اے مخمورانِ شرابِ عشق!! اے عاشقانِ سوختہ! بوقتِ سحر اٹھ کر رکوع و سجود میں رہنے والو! گریۂ سحر گاہی سے مجلس گرم رکھنے والو! میرے وصال کے دلوں کو گرمانے والو! مبارک گھڑی آگئی ہے کہ میرے مشاہدے کے مزے لوٹو گے اور اپنے درد و آلام کی گرد و غبار دُور کر دو گے۔ اب خوشیاں مناؤ۔ اے میری طلب میں زندگیاں بسر کرنے والو! تسلی رکھو اور سکون و اطمینان سے رہو۔ ادھار کا وقت ختم ہو گیا اور اب نقد ہی نقد ہے۔ اب رات ڈھلنے کو ہے وصل کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اے میرے مشتاقو! تمہیں مژدہ بہار سُناتا ہُوں کہ اب دیدارِ یار ہونے والا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے حجابات ہٹا دے گا اور بندگانِ خدا کو بہشت کے کسی باغیچے میں دیدارِ الٰہی کا شرف نصیب ہو گا اور فرمائے گا کہ میں وُہ ہُوں جو وعدے کا ایفا کر رہا ہوں اور اپنی نعمتیں تمہارے لیے عنایت فرما رہا ہُوں۔ یہی میری عزت افزائی سمجھو اب جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔

؎

روزے کہ سرا پردہ بروں خواہی کرد
دانم کہ زمانہ را زبوں خواہی کرد
گر زیب و جمال ازیں فزوں خواہی کرد
یا رب چہ جگر ہست کہ خوں خواہی کرد

ترجمہ: اس دن کہ تُو پردے کو ہٹائے گا مجھے علم ہے کہ دُنیا کو برباد کرے گا۔ اگر زیب و جمال میں اور اضافہ کرو گے تو وہ کون سا جگر ہے جسے تُو ختم کر ڈالے گا۔

خلاصہ یہ کہ دیدارِ الٰہی کے بعد بہشت میں سب سے بڑی نعمت سماع ہو گا۔ اسی لیے اہلِ دل کہتے ہیں کہ شرح مثنوی میں لکھا ہے کہ دنیا میں بیابانِ محنت کے تھکے ماندے لوگوں کا منادی سماع ہے جو انہیں آخرت کے نورانی عیش و عشرت کی آگاہی بخشتا ہے ؎

۱ مومناں گویند کآثارِ بہشت
نغز گردانید ہر آواز زشت

۲ ما ہمہ اجزاء آدم بودہ ایم
در بہشت آں لحن راشنودہ ایم

۳ گرچہ برما ریخت آب و گل شکے
یاد ما آید ازانہا اندکے

---

۴ پس نے و چنگ و رباب و سازہا

چیز کے ماند بداں آوزھا

۵ عاشقاں کیں نغمہا را بشنوند

جزؤ بگزارند و سوے کل روند

ترجمہ: (۱) اہل ایمان کہتے ہیں کہ یہ بہشت کے آثار ہیں ہر آوازِ زشت انہی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(۲) ہم سب آدم علیہ السلام کے اجزا تھے بہشت میں یہ آواز سُنا کرتے تھے

(۳) اگرچہ ہم کو آب و گِل نے شک میں ڈال دیا ہے لیکن وہاں کچھ نہ کچھ یاد آ ہی جاتا ہے۔

---

(۴) پس یہ نے اور چنگ اور رباب اور دوسرے ساز ان آوازوں سے معمولی سی مشابہت رکھتے ہیں۔

(۵) عشاق یہ جو آواز سُنتے ہیں وہ جُز کو چھوڑ کر کُل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جُود و فضل سے اپنے عشاق کے اوقات کو ہر زبان کے ذریعے سے دنیا میں خوش فرمایا اور آخرت میں ہر اچھی آواز سے خوش فرمائے گا۔ بہت سے دنیا کے باغات میں عارف حق کے جلوے دیکھتا ہے بلکہ بلا واسطہ ان سے اس کی آواز سنتا ہے۔ کبھی عارف کو بالواسطہ آوازِ حق سُنائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک مختلف آوازوں سے قدوسیہ سبوحیہ آواز سناتا ہے۔

سبق: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے سالک! تُو ہر صبح کا آغاز اور ہر شام کا اختتام تسبیح سے کر۔ کیونکہ جس کی ابتدا و انتہا تسبیح ہوگی وہ اس کے درمیانی اوقات میں کبھی شقاوت کا شکار نہ ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت البقلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جود کو ایمان اور عمل صالح سے موصوف فرمایا ہے تو ان کے ایمان کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے ارواح نے مشاہدہ ازل کا عدم سے ظہور اول کے وقت مشاہدہ کیا اور ان کے اعمال صالحہ کا مطلب عشق و محبت و شوق ہے ان کے منازل وصال کا آخری درجہ مشاہدۂ الٰہی سے فرحت و سرور پانا ہے کہ وہ اس کے قرب سے مشرف ہوں گے اور ان کا بہترین عیش سماع سے ہوگا جو اس کا کلام سنیں گے جبکہ حق تعالیٰ انہیں اپنی ہم کلامی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شرف بخشے گا۔ اسی کو وصال کہا جاتا ہے اسی وقت ہی اس کے جمال کے پردے اُٹھیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اور بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب کی، منجملہ ان کے چند یہ بھی ہیں جن کی تفصیل فرمائی وَلِقَآئِ الْاٰخِرَۃِ اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا۔

ف: اگرچہ یہ مذکورہ آیات میں مندرج تھی لیکن اس کی اہمیت کے مدِّنظر اسے صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

فَاُولٰٓئِکَ یہی لوگ جو کفر و تکذیب سے موصوف ہیں فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ○ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔ یعنی عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ احضار کا اطلاق اس حاضری پر ہوتا ہے جو بالجبر والاکراہ ہو۔ یعنی انہیں مجبور کرکے عذاب کے لیے لایا جائے گا۔ جبکہ اہلِ ایمان کو اس وقت سرور و فرحت سے نوازا جائے گا اور انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ پھر کافر تو ہر وقت عذاب و تکالیف و تباہی میں مبتلا رہیں گے اور اہلِ ایمان ثواب و سماع اور انعامات میں مسرور و مفرح ہوں گے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ قیل و قال سے بچ کر وجد و حال کی زندگی بسر کرے اور اعمالِ صالحہ میں ہر وقت مشغول رہے۔ اسی لیے ہر عملِ صالح کو اثر اور ہر ورع و تقویٰ کو ثمر ہے۔ پس جس نے اپنے آپ کو عبادت و طاعت میں مشغول رکھا اور ذکر و فکر کی مجالس گرم رکھیں وہ باغ جناں میں خوش زندگی بسر کرے گا اور اسے دنیا کی تکلیفیں اور مشقتیں بھول جائیں گی اور جس نے لہو و لعب سے اپنے آپ کو دور رکھا اور دنیوی گیت گانوں سے اپنے کانوں پر مُہر لگائی اسے اللہ تعالیٰ بہشت میں اپنے کلام کی خوش آوازوں سے نوازے گا۔ ورنہ اس لذت سے محروم رہے گا ؎

به از روے زیباست آواز خوش
کہ آں حظ نفس ست و ایں قوتِ روح

ترجمہ: حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ وہ نفس کی حظ اور یہ روح کی غذا ہے۔

مسئلہ: جو دنیا میں شراب پیئے گا اسے آخرت کے شرابِ طہور سے ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوگا۔

جیل خانۂ خداوندی الاحضار میں اشارہ ہے کہ آخرت میں مجرموں کا ایک جیل خانہ ہے۔ جیسے ہم دنیا میں قیدیوں کے لیے جیل خانے بناتے ہیں۔ تو پھر جیسے دنیا میں قیدیوں کو جیل خانہ کی طرف کھینچ کر لے جایا جاتا ہے ایسے ہی آخرت میں مجرموں کو جہنم کے جیل خانہ میں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔ اور وہاں کا گھسیٹنا یوں ہوگا کہ مجرم کے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں لوہے کی زنجیر پہنائی جائے گی۔

اُس وقت کافر کو کفر اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور مجرم کو جرائم و معاصی کے وبال کا پتہ چلے گا (پناہ بخدا)

ف: بعض لوگ جرائم و معاصی کے مرتکب تو نہیں ہوں گے لیکن ان کے جرائم و معاصی کے مرتکبین سے مشابہت رکھتے ہوں گے۔ ان کو بھی ان کے ساتھ ملا کر عذاب دیا جائے گا اور جیل خانے میں اسی طرح گھسیٹ لائے جائیں گے جیسے اصلی مجرم۔ کیونکہ ان میں اگرچہ جرائم و معاصی نہیں ہوں گے لیکن ان کی جھلک تو پائی جائے گی بنابریں وُہ بھی ان کے ساتھ عذاب میں شریک ہوں گے لیکن ان کو دائمی عذاب نہ ہوگا۔ سزا کے بعد انہیں معافی ملے گی اور وُہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔

مسئلہ: معاصی و جرائم پر اصرار کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

سبق اے شریعت والو! عذاب کے موجب اعمال کو چھوڑ دو۔ اے طریقت والو! ان فضول امور کو ترک کر دو جو تنزلات کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے ہمعصر مجرموں کی جرأت ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر مجبور نہ کر دے۔ خبردار کسی کے دھوکا و فریب میں نہ آ جانا۔

نام نہاد جاہل صُوفیوں کا رَدّ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے جاہل صوفیہ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی مجالس کو دیکھو تو غیر شرعی امور سے مزیّن۔ ان کے مشاغل دیکھو تو لہو و لعب سے بھرپور۔ یُوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں آخرت کی حاضری کا خیال تک نہیں گزرتا اسی لیے ان کے مشاغل امور ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ طلب عشق کے منافی ایسے اعمال کر گزرتے ہیں جن سے انہیں عشق کی بُو تک نصیب ہونا درکنار الٹا عشقِ الٰہی کو مٹانے والے ہیں جیسے ان کا سرود گانوں میں منہمک رہنا اور ذکرِ الٰہی سے روگردانی کرنا، کبھی تم نے ان کی ذکر کی مجالس نہیں دیکھی ہوں گی، توحید کی بات ان میں ذرہ بھر نہیں حالانکہ ذکرِ الٰہی اور توحید کا مشغلہ ایسی لذّت ہے کہ زندگی بھر صفحہ ہستی سے مٹنے والی نہیں۔ بخدا جو بھی رتی بھر عقل رکھتا ہے وہ ان نام نہاد جہال صوفیوں کے طریقے کو اپنانا تو درکنار ان کی مجالس میں جانے تک گوارا نہیں کرے گا اس خوف سے کہ کہیں وُہ بھی ان کے ساتھ تباہ و برباد نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

(ظالموں کی طرف میلان نہ رکھو ورنہ تم بھی ان کی طرح جہنم کے عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے)۔

اور سب سے بڑا عذاب ہجر و فراق کی آگ کا ہے کیونکہ یہ وہ آتش ہے کہ جو ہر وقت جان و جگر کو جلاتی رہتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق بخشے جو دین میں خلل ڈالنے سے روکیں اور غافل لوگوں کی غلطیوں سے روگردانی پر مدد کریں اور ہمیں اُن لوگوں میں رکھے جو شریعت کی رسّی کو مضبوط پکڑتے

اور طریقت کی راہ پر گامزن ہیں اور ہمیں وہ زندگی بخشے جو نیک لوگوں کے طریقے پر گزارنے کی ہے اور ہمیں مرنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ اٹھائے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں۔ اور ہمیں ان لوگوں سے دُور رکھے جو بُرے اعمال کے مرتکب ہو کر شفاعت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وُہ کریم اور بلند قدر رب ہے (ہم اُمید کرتے ہیں کہ وُہ ہماری اِس دُعا کو ضرور قبول فرمائے گا)

تفسیر عالمانہ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ فاء مابعد کو ماقبل کی ترتیب کے لیے ہے۔

حلِ لغات: التسبیح بمعنے پانی میں تیزی سے گزرنا یعنی تیرنا یا ہوا میں اڑنا۔ اور تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ۔ در اصل تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیز رفتاری۔ پھر عام طور پر ہر عبادت کے لیے مستعمل ہے، وہ عبادت قولی ہو یا فعلی، اس کا تعلق نیّت سے ہو۔

ف: سبّوح و قدّوس اللہ تعالیٰ کے اسمآ ہیں۔

اعجوبہ: کلامِ عرب میں فُعُول کے وزن پر ان دو اسموں کے سوا اور کوئی کلمہ نہیں۔

تحقیق لفظ سُبحٰان سبحان در اصل غفران کی طرح مصدر ہے جیسے فضرب الرقاب کی طرح امر کے قایم مقام ہے۔ اور لفظ تسبیح اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر بُرائی سے منزّہ اور ہر خیر و بھلائی سے موصوف سمجھنا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے عقل و تمیز والو! جب تمہیں یقین ہے کہ ثواب و نعمتیں اہلِ ایمان اور صالحین کے لیے، اور عذاب اور جہنم کفار اور تکذیب کرنے والوں کے لیے ہے تو پھر اللہ کی تسبیح کرو۔ اسے ہر اس امر سے منزّہ سمجھو جو اس کی شان کے لائق نہیں۔

حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ شام اور صبح کو۔

حلِ لغات الحین بالکسر، وہ وقتِ مبہم جس میں جمیع ازمان کی گنجائش ہو، تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی تخصیص اس کے مضاف الیہ سے ہوگی جیسے اسی مقام پر الامساء بمعنے وقت کا شام میں داخل ہو۔ جیسے الاصباح بمعنے وقت کا صباح (صبح) میں داخل ہونا۔

ف: صبح و مساء آپس میں ضدین ہیں۔

اوقات کے اسماء دن کے پہلے وقت کو فجر، اس کے بعد صباح، اس کے بعد غداۃ، اس کے بعد بکرۃ، اس کے بعد ضحی، اس کے بعد ضحوۃ، اس کے بعد ہجیر، اس کے بعد ظہر، اس کے بعد رواح، اس کے بعد عصر، اس کے بعد مساء، اس کے بعد اصیل، اس کے بعد عشآءِ اولیٰ، اس کے بعد عشآءِ اخیرہ، اس کے بعد شفق کے غائب ہونے تک (عشاء ہی عشاء) کہا جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو جب تمہارا شام کے وقت میں دخول ہو۔ جب تم صبح کے وقت میں داخل ہو وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں والے بالخصوص اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ یعنی اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں پر ہر آن اور ہر گھڑی حمد کرو۔

سوال : جملہ اسمیہ سے امر کا معنیٰ تم نے کہاں سے نکال لیا؟

جواب : حمد کی یُوں خبر دینا کہ پیدا کرنے والے کی حمد سماوات وارض کے اہلِ تمیز ہی کر سکتے ہیں تو پھر یہ امر کے صیغے سے زیادہ بلیغ ہے کہ اہلِ فہم خود ہی اس کے وجوب سے واقف ہو کر اپنے اوپر حمدِ الٰہی بجالانا ضروری اور لازمی سمجھے گا۔

نکتہ : تسبیح کی تقدیم تحمید پر اس لیے ہے کہ تخلیہ (بالخاء المعجمہ) صفائی کرنے کے بعد ہی تحلیہ (بالحاء المهملہ، سنگارنا) ہوتا ہے جیسے بیمار کو پہلے مسہل (جلاب) دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دیگر مناسب ادویہ مثلاً شربت وغیرہ۔ یا یُوں سمجھو مکان کے لیے پہلے بنیاد کھودی جاتی ہے پھر دیواریں کھڑی کی جاتی ہیں پھر نقش ونگاری ہوتی ہے۔

وَعَشِيًّا اور شام کے وقت یعنی دن کے آخری لمحات میں۔

حلِ لغات : یہ عشی العین سے ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آنکھ کی روشنی کم ہو جاتے۔ اسی سے ہے اعشیٰ بمعنے کمزور بینائی والا۔ اس کا عطف حین تمسون پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح شام کے وقت کرو۔

سوال : اس کی حین تظہرون پر تقدیم کیوں؟

جواب : آیات کے فواصل کی رعایت کرتے ہوئے۔

وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ اس کی حمد کرو جب تم ظہیرہ میں داخل ہوا اور الظہیرہ بمعنے دن کا درمیانی حصّہ۔

سوال : عشیاً کے بعد پھر طریقہ استعمال کیوں تبدیل کیا گیا۔ یعنی جس طرح عشیاً کہا گیا۔ اس کے بعد کوئی مصدر وغیرہ لایا جاتا نہ کہ جملہ فعلیہ۔

جواب : تظہرون کے لیے دخول فی الظہر کا استعمال اس کے کسی فعل میں نہیں ہوتا، جیسے المساء یعنی الدخول فی المساء، اور الصباح بمعنے الدخول فی الصباح۔ اور الظہیرۃ بمعنے الظہیرہ میں ہوتا ہے۔

ف : اوقاتِ تسبیح میں حمد کو درمیان میں لانے میں راز یہ ہے کہ ان کے لیے حق یہی ہے کہ یہ کلمات ہر جگہ

ساتھ ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فسبّح بحمد ربّكَ۔

(اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجئے)

حدیث شریف ۱ : اور ارشادِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

من قال حین یصبح و حین یمسی سبحان اللہ و بحمدہ مائۃ مرۃ غفرت لہ خطایاہ و ان کانت مثل زبد البحر۔

(جو شخص صبح و شام سبحان اللہ کے ساتھ الحمد للہ ملا کر سو بار پڑھا کرے گا اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں)

حدیث شریف ۲ : اور فرمایا:

کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

(دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر خفیف اور میزان میں بوجھل ہیں وہ یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

ف : ان اوقات میں تسبیح و تحمید کی تخصیص اس لیے ہے کہ معلوم ہو کہ ہر نئے وقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات اور اس کی رحمت و نعمت کے احکام کے شواہد موجود ہوتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ تنزیہ صرف اسی کو ہے اور حمد کا مستحق صرف وہی ہے۔ پھر ان ہی امور سے یقین ہوگا کہ حمد و تسبیح صرف اسی کو لائق ہے۔

حدیث شریف ۳ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سرہ ان یکال لہ بالقفیز الاوفی فلیقل فسبحان اللہ حین تمسون۔

(جو چاہتا ہے کہ اس کے اعمال بوریوں سے بھرے جائیں یعنی بہت زیادہ ہوں) تو اسے چاہیے کہ فسبحان اللہ حین تمسون الخ زیادہ سے زیادہ پڑھے)

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہاں پر تسبیح و تحمید سے نماز کی ادائیگی مراد ہے کیونکہ نماز میں یہی افعال ہوتے ہیں۔

السبحۃ بمعنے الصلوٰۃ آیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: سبحۃ الضحیٰ (نماز چاشت)۔ اور قرآن مجید میں السبحۃ کا صلوٰۃ پر اطلاق ہوتا ہے، جیسے: فلولا کان من المسبحین.

(اگر نہ ہوتے وُہ نماز ادا کرنے والوں سے)

ف : القرطبی (جو بہت جلیل القدر مفسرین سے ہیں) نے فرمایا : المسبحین بمعنے المصبحین یعنی نماز پڑھنے والوں سے۔

پرویزی ٹولے کا رد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : آیت میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کا ذکر ہے۔ مثلاً تمسون سے صلوٰۃ المغرب والعشاء، اور تصبحون سے صلوٰۃ الفجر، اور عشیا سے صلوٰۃ العصر، اور تظہرون سے نمازِ ظہر مراد ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ان اوقات میں نماز ادا کرو۔

مسئلہ : جملہ ائمہ کرام متفق ہیں کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور اس میں بھی ان کا اتفاق ہے کہ نمازوں کی کل سترہ رکعات ہیں۔

۱۔ ظہر چار رکعت

۲۔ عصر چار رکعت

۳۔ مغرب تین رکعت

۴۔ عشاءُ چار رکعت

۵۔ فجر دو رکعت

ف : شبِ معراج پانچوں نمازیں چار چار رکعت فرض ہُوئیں سوائے مغرب کے کہ بعد کو تین۔ اور سوائے فجر کے کہ بعد کو دو رکعات مقرر ہوئیں۔ ایسے ہی نمازِ جمعہ کہ وہ بھی بعد میں دو رکعات ہوئیں۔ ایسے ہی سفر میں بھی دو رکعات کی تخفیف ملی۔

مسئلہ : غیر معذور کو اول وقت میں ایسے ہی آخر وقت میں ان نمازوں کو ادا کرنا جائز ہے۔ (اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے)

مسئلہ : امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صبح کے وقت کے خروج کے بعد نماز باطل ہوجاتی ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ اگر انھیں وقت میں شروع کیا جائے پھر وقت نکل جائے نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ : قدر واجب پر زاید ادائیگی نفل میں شمار ہو گی۔ مثلاً قیام وغیرہ یعنی قرأۃ و دیگر فرائض بقدر ضرورت سے زاید عمل سے نفل کا ثواب ملے گا۔ کذا فی فتح الرحمٰن

فضائلِ نماز (۱) حدیث شریف میں ہے :

ما افترض اللہ علی خلقہ بعد التوحید احب الیہ من الصلاۃ

ولوکان شیٔ احب الیہ من الصلاۃ لتعبد بہ ملائکتہ فمنھم راکع وساجد وقائم وقاعد ۔

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک توحید کے بعد محبوب تر عبادت نماز ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر محبوب اور کوئی عبادت نہیں ۔ ملائکہ اسی کام پر مامور ہیں بعض رکوع میں ہیں بعض سجود میں بعض قیام میں اور بعض قعود میں)

(۲) حدیث شریف میں ہے :

من حافظ علی الصلوات الخمس باکمال طھورھا ومواقیتھا کانت لہ نورا وبرھانا یوم القیامۃ ومن ضیعھا حشر مع فرعون وھامان ۔

(جو شخص مکمل طہارت اور وقت کی پابندی کے ساتھ پانچوں نمازوں کی حفاظت کرتا ہے قیامت میں اس کے لیے نور اور بُرہان ہوگی اور جو انہیں ضائع کرتا ہے اس کا حشر فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا)

مسئلہ : نماز باجماعت سنّتِ مؤکدہ قریب بہ واجب ہے ۔ یعنی دلیل کی قوت کی وجہ سے واجب کے مشابہ ہے ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

الجماعۃ من سنن الھدی لا یتخلف عنھا الا منافق ۔

(نماز باجماعت سنن ہدیٰ سے ہے اس سے رہ جانے والا منافق ہی ہوسکتا ہے)

مسئلہ : اکثر مشائخ کے نزدیک یہ واجب ہے ۔ اسے سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے ۔ ہاں اگر اپنی مسجد میں جماعت نہ مل سکی تو دوسری مسجد میں اس کی تلاش ضروری نہیں ۔ کذا فی الفقہ ۔

حکایت حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے بیس سال تک احتلام نہ ہُوا ، ایک دفعہ مکہ معظمہ میں مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوئی جس کی نحوست سے مجھے احتلام ہوگیا ۔ وہ نحوست یہ تھی کہ میں عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم
آن ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تجھ سے ظلماتِ غم وارد ہوتے ہیں وہ تیری بے شرمی اور گستاخی کی وجہ سے ہے ۔

کیونکہ ہر عمل کا کوئی اثر اور اس کی جزا و اجر ہوا کرتا ہے ؎

در آنکہ شاکر را زیادت وعدہ ست
آنچنانکہ قرب مزد سجدہ است
گفت واسجد واقترب یزدان ما
قرب جان شد سجدۂ ابدان ما

ترجمہ: جبکہ شکر گزار کو زیادتی کا وعدہ ہے جیسا کہ سجدہ کا اجر قربِ الٰہی ہے، اسی لیے ہمارے معبود نے فرمایا کہ سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ ابدان کا سجدہ روح کے قرب کا سبب ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وہ زندہ کو مُردے سے نکالتا ہے جیسے انسان کو نطفے سے اور پرندے کو انڈے سے۔ ایسے ہی مومن کو کافر سے، مصلح کو مفسد سے اور عالم کو جاہل سے۔ ایسے ہی وُہ قلب جو نورِ الٰہی سے منوّر ہے نفس مردار کے صفات اور اخلاق ذمیمہ سے تاکہ اس کی رحمت و عزّت کا اظہار ہو **وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا** اور زمین کو بارش اور انگوری سے آباد کرتا ہے بعد اس کے ویران ہو جانے کے۔ یعنی خشک اور بیکار ہو جانے کے بعد۔ **وَكَذَٰلِكَ** ایسے اخراج کی طرح **تُخْرَجُونَ** تم نکالے جاؤ گے قبور سے زندہ کر کے میدانِ حساب کی طرف۔ کیونکہ یہ بھی مرنے کے بعد زندہ اٹھنا ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ابتداً نئی تخلیق اور اعادہ اس کی قدرت کے آگے برابر ہیں۔

ف: جناب مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دو نفخوں کے درمیان ساتویں آسمان کے بحرِ مسجور سے آبِ حیات نازل فرمائے گا جس سے مردہ ہڈیاں زندہ ہو کر اُٹھیں گی۔ چنانچہ فرمایا: **وكذالك تخرجون۔** یہ ایسے ہوگا جیسے بارش کے پانی سے زمین کے اندر سے انگوری اُگتی ہے ایسے ہی انسان قبروں سے اٹھیں گے اور آبِ حیات انسان کی منی کی طرح ہے جو بحرِ مسجور سے نکلا مردہ ہڈیوں پر پڑے گا تو مُردے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو ان کے مرنے کے بعد زندہ کرے گا جیسے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے عدم سے وجود دیا۔

سُبحان اللہ پڑھنے کے فضائل حدیث شریف میں ہے: من قال حین یصبح فسبحان اللہ حین

(باقی ص ۱۱۲ پر)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۞ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّلْعٰلِمِيْنَ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ
طَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ
ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۞ وَلَهٗ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۞ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَ
هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ ع

ترجمہ : اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر جبھی تم انسان ہو دُنیا میں پھیلے ہُوئے اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبّت اور رحمت رکھی بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف، بیشک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں میں ہے رات اور دن میں تمہارا سونا، اور اس کا فضل تلاش کرنا بیشک اس میں نشانیاں ہیں سُننے والوں کے لیے، اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے ڈراتی اور امید دلاتی اور آسمان سے پانی اتارتا ہے تو اس سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے، بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے، اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں پھر جب تمہیں زمین سے ایک ندا فرمائے گا جبھی تم نکل پڑو گے، اور اسی کے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب اس کے زیرِ حکم ہیں اور وہی ہے کہ اوّل بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا، اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر

زیادہ آسان ہونا چاہیے اور اسی کے لیے ہے سب سے برتر شان آسمانوں اور زمین میں، اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔

(بقیہ ص ۱۱۰)

تمسون الی قولہ وکذالک تخرجون ادرک مافات من لیلتہ و من قالہا حین یمسی ادرک مافاتہ فی یومہ۔

(جو شخص صبح کو فسبحان اللہ حین تمسون (الآیۃ) پڑھتا ہے تو اس سے وہ اوراد جو رات کو فوت ہو گئے اس آیت پاک کے پڑھنے کی برکت سے ان کا ثواب پائے گا، ایسے ہی جو اس آیت کو شام کو پڑھ لیتا ہے تو دن کے فوت شدہ اعمال کا ثواب حاصل کر لے گا۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال سبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون۔

یعنی جو شخص تینوں آیات سورہ روم اور سورہ صافات کی آخری ہر نماز کے بعد پڑھ لیتا ہے تو اس کے عملنامے میں آسمان کے ستاروں اور بارش کے قطرات اور درختوں کے پتوں اور مٹی کے ذرات کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی جب وہ مرے گا تو اسے قبر میں ایک نیکی کے عوض دس نیکیاں ملیں گی۔

وظیفۂ ابراہیمی: حضرت ابراہیم علیہ السلام آیاتِ مذکورہ کو دن میں سات بار روزانہ پڑھتے تھے۔

سوال: اس وقت تو عربی زبان کا وجود ہی نہ تھا تو پھر وہ آیات کیسے پڑھتے تھے؟

جواب: ان آیات کا مضمون سریانی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اور اللہ تعالیٰ کی وہ آیات جو مرنے کے بعد اُٹھنے پر دلالت کرتی ہیں۔ کاشفی مرحوم نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بعض نشانیاں یہ ہیں کہ اَنْ خَلَقَكُمْ تمہیں اس نے پیدا فرمایا یعنی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ان کی ذریات کو بھی اجمالاً پیدا فرمایا۔ الخلق بمعنے ترکیب الاجزاء و تسویۃ الاجسام۔ اجزاء کو مرکب

کرنا اور اجسام کو برابر بنانا مِّنۡ تُرَابٍ مٹی سے، جس نے کبھی بھی حیات کی بُو نہ سُونگھی تھی اور نہ ہی اسے تمہاری اس کیفیت سے کوئی مناسبت تھی، کہاں تمہاری ذات وصفات اور کہاں مٹی!

ف : انسان کو مٹی سے اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ متواضع ومتخاشع ہو اور مٹی کی طرح دُوسروں کا بوجھ اُٹھانے والا ہو۔ کیونکہ زمین اور اس کے حقائق کا یہی طریقہ ہے کہ وُہ ہمیشہ مطمئن اور اپنے وجود سے دوسروں کے ساتھ احسان کرے اسی لیے یہ ہمیشہ ساکن وساکت رہتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اپنے مطلوب میں کامیاب ہے اس معنیٰ پر مرتبہ میں اعلیٰ ہے اگرچہ سفل میں ہے لیکن مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے کیونکہ اسے رضا وتسلیم نصیب ہے۔

ثُمَّ اِذَآ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ پس اب تم بشر یعنی آدمی ہو گوشت پوست اور خون سے، اور عقلاً وناطق۔

بشر کا معنی المفردات میں امام راغب نے فرمایا کہ البشرہ ظاہر چمڑے کو کہا جاتا ہے اور انسان کو اس لیے بشر کہتے ہیں کہ اس کا چمڑہ بالوں سے صاف ہوتا ہے بخلاف دیگر حیوانات کے کہ ان پر یا اُون ہوتی ہے یا بال ہوتے ہیں وغیرہ۔ اور لفظ بشر کا اطلاق واحد وجمع کے لئے برابر ہوتا ہے۔

قاعدہ لفظ بشر : قرآن میں ہر جگہ لفظ بشر کا اطلاق انسان کے جُثہ اور اس کے ظاہر پر ہوتا ہے۔

تَنۡتَشِرُوۡنَ ۝ (الانتشار)

حلِ لغات : الانتشار یعنی پراگندہ ہونا۔ امام راغب نے فرمایا : انسان کے پراگندہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ حاجات میں تصرف کرنا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسے بنو آدم! اس کے بعد اچانک تم بشر ہو کر اپنی حاجات کے لیے منتشر ہوئے۔ تمہاری یہ ابتداء دلالت کرتی ہے کہ تم پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے یہ اس کا اجمال ہے جسے سورہ حج کے اوّل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ :

یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنا کم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم۔

(اسے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد اُٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو سنو ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر نطفے سے پھر علقہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے کہ اس وقت تمہارا کچھ

حصّہ منقّش تھا اور کچھ غیر منقش، تاکہ ہم تم پر واضح کریں)
یعنی اگر تمہیں مرنے کے بعد اُٹھنے میں شک ہے تو تم اپنی ابتدائی تخلیق کو دیکھو کہ تمہیں ہم نے مختلف اطوار سے بنایا تاکہ ہم تمہیں اپنی قدرت دکھائیں کہ ہم تمہیں مرنے کے بعد کیسے اٹھائیں گے یہ صرف اس لیے کہ تم ایمان لاؤ۔ کسی شاعر نے اسے یُوں ادا کیا ہے، سے

خلقت من التراب فصرت شخصا

بصیرا بالسؤال و بالجواب

وعدت الی التراب فصرت فیه

کانی ما برحت من التراب

ترجمہ: میں مٹّی سے پیدا کیا گیا تو ایک شخص بنا ایسے کہ جسے سوال وجواب کی پوری سمجھ ہے پھر مٹّی میں لَوٹ جاؤں گا اس میں ایسا ہو جاؤں گا کہ گویا میں ہمیشہ مٹّی ہی تھا۔
شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا،

بامرش وجود از عدم نقش بست

کہ داند جز او کردن از نیست ہست

دگرہ بکتم عـدم در برد

واز آنجا بصحرائے محشر برد

ترجمہ: اس کے حکم سے وجود نے عدم سے نقش باندھا ہے اس کے سوا کون جانتا ہے نیست سے ہست کرنا۔ دوبارہ پھر عدم کے جنگل میں لے جائے گا وہاں سے پھر محشر کے جنگل میں لے جائے گا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مٹّی سے پیدا کرنے میں اشارہ ہے کہ موجودات میں حضرت حق سے بعید تر یہی مٹّی اور قریب تر عالمِ ارواح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ارواح کو پھر عرش کو پیدا فرمایا کیونکہ یہی استوائے صفت رحمانیہ کا محل ہے اس کے بعد کرسی اس کے بعد ساتواں آسمان اس کے بعد تمام آسمان اس کے بعد فلک الاثیر اس کے بعد فلک زمہریر یعنی کرۂ ہوا اس کے بعد پانی اس کے بعد مٹّی کو پیدا فرمایا۔ یہی وُہ جماد ہے کہ اس میں نہ حس ہے نہ حرکت، اور اسے ذات وصفات کی تغییر پر قدرت ہے جب ہم نے اسے اس کی ذات کو وصف ترابیہ سے صورتاً ومعناً متغیر پایا مثلاً اس کی صورت بشری شکل میں دیکھی اور

اس کے صفات بشری صفات میں متغیر پائے تو اس سے ہمیں یقین ہو گیا کہ اس کا کوئی مغیّر و مبدّل ہے تو وہ ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ۔ جیسا کہ ثُمَّ اِذَآ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ میں اس کا اشارہ ہے کہ تم مٹی اور جمادِ محض اور لاشئی تھے اور حق تعالیٰ کے حضور سے تمام موجودات میں حضرت حق سے بالکل بعید تر تھے تو ہم نے تمہیں بشر بنایا اور اس میں وہ رُوح پھُونکی جسے ہماری طرف منسوب ہونے کا شرف ہے اور وہ موجودات میں حضرتِ حق کو قریب تر ہے پھر یہ قدرتِ کاملہ نہیں کہ اس نے ابعد الابعدین کو اقرب الاقربین کے ساتھ ملا دیا اور اس میں حکمتِ بالغہ بھی ہے کہ ایسا کام کر دکھایا کہ جس کا تصوّر تک بھی نہیں ہو سکتا تھا پھر ہم نے تمہیں مقربین ملائکہ کا مسجود بلکہ جمیع صفاتِ جلالی وجمالی کا مظہر بنایا۔ اسی راز پر ہم نے تمہیں ہی زمین پر اپنا جانشین بنایا۔

صاحبِ روح البیان کی بہترین تقریر فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خلیفہ وُہ ہوتا ہے جو ایک وطن سے دوسرے وطن کو احکامِ اسلامیہ کے اجراُ کے لیے بھیجا جائے اور اس کا دنیوی وطن اسم ظاہر کے آثار سے ہے پھر اس کا برزخ میں جانا اسمِ باطن کے احکام سے ہے جبکہ ابتدائے ظہور اور اس کے اوّل دَور میں بہ نسبت وطن اول غیب شہادت ہو گیا ہے۔ اسی طرح انتہائے ظہور اور اس کے دورِ ثانی میں بہ نسبت وطن اوّل غیب شہادت ہو جائے گا یعنی جب بعث و حشر ہوگا تو دنیا غیب ہو جائے گی اور اس کا رجوع اسمِ باطن کی طرف ہو جائے گا اور دوسرا وطن اس کے بعد اس کے بعد شہادت ہو جائے گا حالانکہ وہ اس سے قبل غائب تھا اب وہ بمنزلہ قلب کے ہے۔ لیکن جب معاملہ اُلٹا تو قلب قالب ہو جائے گا اور قالب قلب۔ ہم اللہ تعالیٰ سے کمال تام کا انتقال اور نشاۃ آخرت کا ظہور وجود محیط عالم کے ساتھ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ اور اس کے بعض آیات سے جو بعث اور اس کے مابعد کی جزا پر دلالت کرتے ہیں تمہاری خاطر پیدا کیے مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ تمہارے نفسوں سے ہی، یعنی تمہارے اجسام سے اَزۡوَاجًا عورتیں۔

سوال: نفسِ واحد سے بی بی حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ اب یہ خطاب عام کیوں؟

جواب: بی بی حوّا کے تضمن میں تمام عورتوں کی تخلیق ہے۔ اسی بنا پر عام خطاب کیا گیا۔

حلِ لغات ازواج، زوج کی جمع ہے وہ فرد واحد جو دوسرے کے ساتھ ہو اور مرد و عورت سے ایک دُوسرے کے قرین۔ اور زوجہ لغت ردیّۃ سے ہے اس کی جمع

ازواجات ہے کما فی المفردات - اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من انفسکم بمعنے من جنسکم ہو۔ یعنی تمہاری عورتیں تمہاری جنس سے ہیں وہ کوئی دوسری جنس نہیں۔ یہی لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا کو زیادہ موافق ہے تاکہ تم ان عورتوں سے سکون پاؤ اور ان سے مانوس ہو کیونکہ ہم جنس ہونا ایک دوسرے کے میل ملاپ اور تعارف کو موزوں ہے جیسا کہ مخالف جنس ہونا تفرق و تنافر کا موجب ہے ؎

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ
ندارد ہیچکس از جنس خود ننگ
بجنس خویش دارد میل ہر جنس
فرشتہ با فرشتہ انس با انس

ترجمہ ؛ ہر ہم جنس اپنے ہم جنس سے ہم آہنگ ہوتا ہے اپنی جنس سے کسی کو ننگ و عار نہیں ہوتی۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے ۔ فرشتہ فرشتہ کی طرف ، انسان انسان کی طرف ۔

ازالۂ وہم بعض علماء و فقہاء و غیرہم کا مذہب ہے کہ انسان کا جنیہ سے نکاح جائز ہے اور اس میں انسان کے نطفہ ٹھہرنے کا بھی جواز ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ جنس کا غیر جنس سے تعلق ہوتا ہے ۔ فقیر (صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ نوادر سے ہے اور نوادرات کا کوئی اعتبار نہیں اور پھر اگر انسان کا جنیہ سے نکاح ہو بھی تو ان کی آپس میں اُنس و محبت نہیں ہوتی جو مرد کو عورت سے ہوتی ہے اگرچہ وہ بھی انسانی صورت میں متمثل ہوتی ہے ۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ اور بنائی تمہارے اور تمہاری ازداج کے درمیان مؤدت و محبت و شفقت ، باوجودیکہ اس سے قبل تمہیں عموماً ان سے سابقہ واسطہ اور رابطہ اور تعارف وغیرہ نہ تھا اور عموماً تمہاری ان سے قرابت و رشتہ داری نہ تھی اب ہر طرح کی رشتہ داری اور قرابت ہو گئی۔

ف ؛ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا :

مودۃ سے جماع کی طرف اور رحمۃ سے اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ پر عیسٰی علیہ السلام کے متعلق فرمایا :

ورحمۃ منّا۔

(اور یہ (عیسٰی علیہ السلام) ہماری طرف سے رحمت ہیں)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ المودّۃ بڑی اولاد کے لیے اور الرحمۃ چھوٹی کے لئے ہوتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک مذکورہ بالا بیان مثلاً مٹی سے پیدا کرنا اور ان کی ازواج کو ان کے نفوس سے بنانا اور ان کا آپس میں محبّت و مودت کا القا کرنا لَاٰیٰتٍ بہت بڑی نشانیاں ہیں لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کے افعال میں غور و فکر کیا کرتے ہیں تو پھر وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ ان میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

نکتہ: مضمون کو یتفکرون پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ فکر ان معانی مذکورہ کی واقفیت حاصل کراتا ہے۔ کما فی برہان القرآن۔

نکتہ: فقیر (علامہ اسمٰعیل حقّی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان مذکورہ بالا آیات کا ادراک علماء سے خاص نہیں بلکہ جسے بھی فکر کی دولت نصیب ہے وہ ان امور کا ادراک کر لیتا ہے۔ تفکر تدبر سے مرتبہ میں کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں تذکر آیا ہے تو اولوا الالباب کے لیے، اور تفکر عام ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ رُوح کو نفس کے ساتھ بیاہا گیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس اور رُوح کو پیدا کر کے ان کا نکاح کر دیا تاکہ ارواح نفوس سے سکون پائیں جیسے آدم علیہ السلام نے بی بی حوّا سے سکون پایا۔ اگر بی بی حوّا نہ ہوتیں تو آدم علیہ السلام بہشت میں اقامت رکھنے کے باوجود وحشت میں رہتے اور انھیں کبھی بھی سکون نہ ملتا اور پھر روح و نفس کے درمیان الفت و اُنس پیدا فرمایا تاکہ دونوں جسم میں مِل جُل کر رہ سکیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکرِ سلیم کے ساتھ سوچتے ہیں کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے راز و نیاز کی معرفت کیسے امانت رکھی جبکہ دُوسری تمام مخلوق اس کی اتباع میں معرفت پاتی ہے کما فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی بعض وُہ آیات جو مذکورہ بالا بیان پر دلالت کرتی ہیں کہ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا ان کی عظمت اور کثافت اور کثرت اجزا بلا مادہ کے بتاتے ہیں کہ انہیں کسی بڑی قدرت والے نے بنایا ہے اور یہ اس کی قدرت پر بہت بڑی اور واضح دلیلیں ہیں کہ جب وُہ اتنی بڑی چیزوں کو بنا سکتا ہے تو پھر انسان کو قیامت کے میدان میں لوٹانا اس کے لیے کون سا مشکل ہے۔

ربط: یہ آیات آفاقیہ ہیں اب آیات النفسیہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ اور تمہاری مختلف بولیوں کا ہونا مثلاً عربی، فارسی، ہندی، ترکی وغیرہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر صنف کی الگ زبان بنائی۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ زبانوں کے مختلف ہونے میں اختلاف اللغات واختلاف التغمات کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ہر زبان کا اپنا نغمہ ہے جس کا امتیاز کان کرتا ہے، جیسے ہر انسان کی اپنی صورت ہے جس کا فرق آنکھ کرتی ہے۔ تم نے کبھی ایسا نہیں پایا کہ دو بولنے والے ایک طرح بولیں کہ جن کی کیفیت ہر طرح سے برابر ہو بلندی و پستی میں، فصاحت ولکنت وغیرہ میں۔

ف : حضرت وہب نے فرمایا کہ کُل بہتر زبانیں ہیں۔ سام کی اولاد کو انیس (۱۹)، حام کی اولاد کو سترہ (۱۷) اور یافث کی اولاد کو چھتیس (۳۶) لغات ملیں۔

وَاَلْوَانِكُمْ اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا کہ کوئی سفید ہیں تو کوئی سیاہ، اور کوئی گندمی رنگ کے ہیں تو کوئی سرخ وغیرہ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الوان کے اختلاف میں ہر انسان کی ہیئت کذائیہ کے مختلف ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ہر انسان کی ہیئت کذائیہ ہر دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے باوجود کثیر ہونے کے ایک دوسرے کی ہیئت کذائیہ میں یک جہتی نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت کی تنبیہ ہے۔ یعنی انسانوں کے مختلف رنگوں میں اشارہ ہے کہ دیکھیے ان کے اعضاء کو کیسے جوڑا گیا ہے پھر ان کی ہیئات کیسی عجیب ہیں اور ان کو ایسا سنگارا گیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مثلاً جُڑواں بچوں کو دیکھیے باوجودیکہ ان کے مواد واسباب اور امورِ ملاقیہ فی التخلیق میں توافق ہے مگر پھر بھی ان کے کسی نہ کسی معاملہ میں تخالف ضرور ہے اگرچہ ایک دوسرے کے بہت متشابہ ہیں۔ اگر ایسے نہ ہوتے تو اشخاص کا امتیاز مشکل ہو جاتا اور بہت سے امور میں مشکلات پیش آتیں اور اس طرح سے دنیوی معاملات تعطل کا شکار ہو جاتے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ چونکہ سیّدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام مختلف مٹیوں سے تیار ہوئے اسی لیے آپ کی اولاد کے مختلف رنگ ہیں کوئی کالے ہیں تو کوئی سُرخ ہیں اور کوئی سفید۔ جس طرح کی مٹی سے پیدا ہوئے اسی طرح کے رنگ کو اختیار کیا۔ ہر قوم کو اس کے اجداد کی صورت پر بنایا گیا یہاں تک کہ ان کا تعلق آدم علیہ السلام کے ذرّات سے جا ملا اور ان کی تصویر کسی رحم کے اندر ہی بنائی جاتی ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: "فی ایّ صورة ما شاء رکّبک" سے استدلال کیا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک اس میں جو مذکور ہوا یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا **لَاٰیٰتٍ** البتہ بہت بڑی آیات اور بے شمار ہیں **لِّلْعٰلِمِیْنَ** ○ (بکسر اللام) وہ لوگ جو علم سے موصوف ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

وما یعقلھا الا العالمون۔

(اور اسے نہیں سمجھتے مگر علم والے)

نکتہ: اہلِ علم کی تخصیص اس لیے کہ وہی اہلِ نظر و استدلال ہوتے ہیں بخلاف جاہلوں کے کہ وُہ اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ وُہ دنیا کے مشاغل میں نہ صرف مشغول بلکہ منہمک ہوتے ہیں اور اس کی رنگینیوں میں پھنسے رہتے ہیں اور پھر چونکہ مذکورہ بالا امور کی معرفت علم سے ہی ہوسکتی ہے اسی لیے آیت کو العالمین پر ختم کیا ہے۔

ف: بعض قرأتوں میں بفتح اللام آیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ آیات اتنی واضح اور روشن ہیں کہ جن میں کسی قسم کا خفا نہیں انہیں ہر ایک جان سکتا ہے نہ وہ فرشتوں سے پوشیدہ ہیں نہ انسانوں سے اور نہ جنّوں سے۔

تفسیر صُوفیانہ ۱ اس میں اشارہ ہے کہ السنۂ قلوب و السنۂ نفوس آپس میں مختلف ہیں کیونکہ قلوب کی زبانیں علویات کی طرف میلان رکھتی ہیں اسی لیے وہاں کی بولی بولتی ہیں اور نفوس کی زبانیں سفلیات سے متعلق ہیں۔ اسی لیے یہ سفلیات کی طلب میں رہ کر یہاں کی باتیں کرتی ہیں جیسا کہ اہلِ دُنیا و آخرت کی محفلوں سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ کے ارشادات سے ہے: ؎

ما را چہ ازیں قصّہ کہ گاؤ آمد و خر رفت
ایں وقت عزیز ست ازیں عربدہ باز آے

ترجمہ: ہمیں اس سے کیا کہ گائے آئی اور گدھا گیا، یہ وقت عزیز ہے ایسے جھگڑوں کو چھوڑ دے۔

تفسیر صُوفیانہ ۲ اختلافِ الوان میں اشارہ ہے کہ انسان کے طبائع مختلف ہیں بعض ان میں وُہ ہیں جو دنیا کے خواہشمند ہیں اور بعض آخرت کے اور اللہ تعالیٰ کے۔ اس میں ان عارفین کی نشانیاں ہیں جو نفوس کی حقیقتوں اور ان کی کمالیت کو جانتے ہیں انہیں اللہ تعالےٰ کا عرفان ہے اور وُہ آیاتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے دکھانے پر دیکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق و انفسھم۔

(ہم انہیں آفاق کی اور ان کے نفوس کی آیات دکھائیں گے)

سوال: اللہ تعالیٰ کی آیات مذکورہ اتنی واضح اور روشن ہیں کہ کسی احمق اور پاگل کو ان کے وجود و

وضوح کا انکار ہوسکتا ہے ورنہ صاحبِ سمجھ انہیں جانتا ہے۔ پھر بار بار ان کی نشان دہی کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ ناظرین کو تنبیہ، جاہلوں کو تعلیم اور اہلِ عرفان کی تکمیل ہو۔ آنکھ والا آنکھ سے دیکھے گا اور دل والا دل سے سمجھے گا۔

ف: تمام ادیان متفق ہیں اور ہر زمانہ اس پر یکساں متفق رہا ہے کہ چار عادات قابلِ ستائش ہیں،

۱۔ علم

۲۔ زہد

۳۔ احسان

۴۔ امانت

یاد رہے کہ علم کے بغیر عبادت ایسے ہے کہ جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا رہے کہ وہ جتنا گھومتا رہے گا سفر طے نہ کر سکے گا جہاں پہلے تھا وہیں رہ جائے گا۔

علم کے فضائل علمِ حقیقی وہ ہے جو عرفانِ الٰہی سے مزین ہو۔ ایسا علم ملکوت کی سیر کراتا ہے۔ یہی علم آیاتِ کبریٰ میں شمار ہوتا ہے۔ جسے یہ علم نصیب ہوتا ہے وہ شواہدِ عظمیٰ کا روشن تر بصیرت سے مشاہدہ کرتا ہے بلکہ وہ آنے والے واقعات کو قبل از وقت جانتا اور باقاعدہ ان کے متعلق حالات سناتا اور بتاتا ہے۔

جاہل صوفیوں کا رد ہمارے دور (علامہ اسمٰعیل حقی نور اللہ مرقدہ کا زمانہ) میں بعض ایسے جاہل صوفی بھی ہیں کہ ان بیوقوفوں کا حلقہ بھی وسیع ہے (جیسے فقیر اویسی غفرلہٗ کے دور میں ایسے جاہلوں کی کمی نہیں بلکہ وہ بہت عروج پر ہیں، اچھے برے میں تمیز کرنا خاصا مشکل ہو گیا ہے)[۱] ان پر جہل کا اتنا غلبہ ہے کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ علم حجاب اکبر ہے یعنی علم و عرفان کے آگے ایک آڑ ہے یہ نہ ہو تو عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ ان کی خواہشاتِ نفسانیہ کا شکار ہو جانے کی واضح دلیل ہے[۲]

نکتہ: علم حجاب بھی لیکن غفلت اور معصیت سے ہے کہ قلب پر غفلت کو نہیں آنے دیتا اور نفس کو معصیت کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا (العلم الحجاب الاکبر کا یہی معنیٰ لیا جائے تو موزوں ہے اور جو بعض جاہل صوفیوں نے سمجھ رکھا ہے وہ بالکل غلط ہے)[۳]

کون کس کے لیے رحمت حضرت عبداللہ بن سہل تستری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آسمان زمین

[۱ و ۳] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[۲] تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "پیری مریدی" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

کے لیے اور زمین کا اندر باہر کے لیے اور آخرت دُنیا کے لیے اور علماً جاہلوں کے لیے اور بڑے چھوٹوں کے لیے اور نبی علیہ السلام مخلوق کے لیے اور اللہ تعالیٰ جملہ کائنات کے لیے رحمت ہے ۔

علوم کی اقسام

علم کی اجناس کا تو کوئی شمار نہیں ہو سکتا ہے مثلاً علم النظر، علم الخبر، علم النبات، علم الحیوان، علم الرصد وغیرہ ۔ پھر ان میں ہر ایک پر فصول ہیں جو ان کے مقوم و مقسم ہیں ہم ان علوم پر غور کریں گے کہ کون سے علوم ہمارے لیے مفید اور سعادت ابدیہ کا موجب ہیں تاکہ ہم انہیں حاصل کریں اور فضول علوم کو چھوڑ دیں تاکہ زندگی برباد نہ ہو۔ یاد رہے کہ جملہ علوم کی اجناس سے ہمیں دو قسم کے فصل چاہئیں :

ایک تو وہ جو نظر سے تعلق رکھتا ہے ، جیسے علم الکلام ۔

دوسرا وہ جو خبر سے متعلق ہے ، جیسے علم الشرع ۔

اور وہ علوم جو ان کے ماتحت ہیں کہ ان کے حاصل کرنے میں سعادت ہے وہ آٹھ ہیں :

۱ ۔ علم الواجب
۲ ۔ علم الجائز
۳ ۔ علم المستحیل
۴ ۔ علم الذات
۵ ۔ علم الصفات
۶ ۔ علم الافعال
۷ ۔ علم السعادۃ
۸ ۔ علم الشقاوۃ

ان آٹھ علوم کا حاصل کرنا ہر انسان پر واجب ہے تاکہ نجاتِ ابدی اور سعادتِ دائمی نصیب ہو لیکن یاد رہے کہ سعادت و شقاوت ذیل کی معرفت پر موقوف ہے :

۱ ۔ واجب
۲ ۔ محظور
۳ ۔ مندوب
۴ ۔ مکروہ
۵ ۔ مباح

یاد رہے کہ ان امور کے اصول تین ہیں ؛

(۱) کتاب اللہ

(۲) احادیث متواترہ

(۳) اجماعِ اُمت

کذا فی مواقع النجوم للشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر۔

دعا : اللہ تعالیٰ ہم سب کو علومِ نافعہ کے حاصل کرنے کی توفیق بخشے اور فیوض واسرار سے ہمارے سینے کھول دے اور ان لوگوں سے بنائے جن کے علوم کی روشنی زندگی بھر بلکہ تا قیامت روشن رہے گی۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ان نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قیامت میں اپنے بندوں کو ان کے اعمال کی جزا وسزا دے گا مَنَامُکُمْ منام بروزن مفعل نوم سے ہے۔ یعنی تمہاری وہ موت جس سے تم اپنے ابدان کی راحت پاتے ہو اور اس کی وجہ سے اپنے اشغال کو ختم کرتے ہو تاکہ اس کی وجہ سے تم اپنی طبعی عمر پاسکو بِالَّیْلِ رات کے وقت جیسا کہ عام عادت ہے وَالنَّهَارِ اور دن کے وقت جبکہ ضرورت ہو، جیسے قیلولہ وغیرہ ۔

وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا۔ فضل سے معاش مراد ہے یعنی تم ان دن اور رات میں معاش تلاش کرتے ہو۔ دونوں کو دو کاموں پر منقسم فرمایا بہ بنائے اکثریت ہے ورنہ عموماً نیند رات کو اور معاش کی تلاش اور کاروبار دن کو ہوتا ہے۔

نکتہ : نیند و بیداری کو حیات بعد الممات سے مشابہت ہے کہ وہاں بھی گویا یُونہی ہے کہ بندے بیداری کے بیداری کے بعد معاش کی تلاش میں ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

نوم ما چون شد اخ [illegible]وت ای فلان

زین برادر آن برادر را [illegible]بدان

ترجمہ : ہماری نیند موت کے جھٹکے کی طرح ہے اسے اس کا بھائی ہی سمجھئے۔

نکتہ : الَّیْل کی تقدیم اس لیے ہے کہ رات مولیٰ کی خدمت کے لیے اور دن مخلوق کی خدمت کے لیے۔ مخلوق سے مولیٰ کی تقدیم ضروری ہے۔ دُوسرا یہ کہ عموماً حضرات انبیاء علیہم السلام کو معراج راتوں کو ہُوئی۔ اسی لیے امام نیشاپوری نے فرمایا : رات دن سے افضل ہے۔

نکتہ : فقیر (صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ رات محلِ سکون ہے اور یہ اصل ہے اور دن محل الحرکۃ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف :

حدیث شریف کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ۔

(میں مخفی خزانہ تھا تو چاہا کہ پہچانا جاؤں، اسی لیے مخلوق کو پیدا کیا)

میں اشارہ ہے کہ خلق حرکۃ معنویہ کی مقتضی ہے اور تخلیق سے پہلے سکون ہی سکون تھا یعنی عالم ذات بحت تھا، اس بنا پر لیل کو آیت میں مقدم کیا گیا ۔

سوال : النہار حرف پر جارہ کیوں نہ داخل کیا گیا، جیسے باللیل میں ہے ایسے ہی بالنہار ہوتا۔

جواب : بعض مشایخ نے اس کا جواب دیا کہ یہ ثابت ہو کہ ہم جاگ رہے ہیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیند میں ہیں۔ گویا یوں فرمایا : اے میرے بندو! تم اس دنیا میں خواب میں ہو اگرچہ بیدار رہتے ہو تب بھی میرے نزدیک نیند میں ہو۔ اگر اس میں حرفِ جارہ داخل ہوتا تو معنیٰ مذکور متعین نہ ہوتا کیونکہ حرفِ جارہ کے وقت یہ احتمال بھی ہوتا کہ جار مجرور محذوف کے متعلق ہے اور اس کا عطف مبتدا پر ہے ۔

دراصل عبارت یوں ہوگی :

ویقظتکم بالنہار (اور دن میں تمہارا بیدار ہونا)

اس کے بعد متعلق کو محذوف کیا گیا جب کہ اس کا معمول اس پر دلالت کرے گا یا اس کا مقابل اس کے متعلق خبر دے گا ۔ جیسے کہا جاتا ہے :

علفتہا تبنا وماء باردا ۔

اصل میں یوں ہے :

علفتہا تبنا وسقیتہا ماء باردا ۔

(میں نے گھاس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا)

سقیتہا کو حذف کیا گیا کہ اس کا بالمقابل علفتہا دلالت کرتا ہے ۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک اس امرِ عظیم میں، جو بہت بڑے مرتبے والا ہے یعنی بیداری کے بعد خواب اور خواب کے بعد بیداری جو کہ نیند بمنزلہ چھوٹی موت کے ہے اور رات و دن کا آنا جانا، اور اسی طرح شب و روز میں طلبِ معاش، اگرچہ ان دونوں کی تحصیل میں فرق ہے لیکن ہیں دونوں امر عظیم ۔ لَاٰیٰتٍ بے شمار قدرتوں اور حکمتوں بالخصوص مرنے کے بعد اُٹھنے کی نشانیاں ہیں لِقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ ایسے لوگوں کے لیے جو سُنتے ہیں، یعنی اُن کی شان یہ ہے کہ وہ ناصح کی بات سُنتے ہیں اُس شخص کی طرح جو نیند سے جاگے تو اس کا جسم ہلکا پھلکا اور راحت سے بھرپور اور ہر طرح کی

سستی و کاہلی سے فارغ ہوتا ہے ایسے ہی اس کو نصیحت سُننے سے کوئی شے منع نہیں کرتی نہایت غور و فکر سے نصیحت کو سُنتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو ان آیات میں غور و فکر نہیں کرتا وہ نیند والے کی طرح ہے۔ وُہ ایسی آیات سُننے کا اہل نہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ کسے را کہ پندار در سر بود
میپندار ہرگز کہ حق بشنود

۲ ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقایق بباران نروید بسنگ

۳ گرت در دریائے فضلست خیز
بتذکیر در پاے درویش ریز

۴ نہ بینی کہ در پاے افتادہ خار
بروید گل و بشگفد نو بہار

ترجمہ: (۱) کسی کے دل میں غلط تصوّرات ہوں تو وہ گمان نہ کر کہ وہ حق سُن سکے۔
(۲) اسے علم سے ملال آتا ہے اور وعظ سے ننگ۔ پتھریلی زمین میں گُلِ گلاب پیدا نہیں ہوتے۔
(۳) اگر تجھے فضل کا دریا میسر ہے تو اُٹھ اور درویش کی نصیحت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاؤں پکڑ۔
(۴) کیا نہیں دیکھا کہ کانٹا گُل کے پاؤں کو چمٹا ہُوا ہے۔ اسی سے ہی گُلِ گلاب پھُوٹتے ہیں اور اسی سے بہار ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را
سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

ترجمہ: رند کو صلاح و تقویٰ سے کیا نسبت! وعظ کا سُننا کہاں اور طبلہ کی آواز کہاں!

نکتہ: برہان القرآن میں لکھا ہے کہ آیت کو یسمعون پر ختم کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ جو سمجھے گا کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی صنعت سے ہے تو وہ اس کی تحصیل میں جد و جہد نہ کرے گا جبکہ اس کی آنکھوں سے

نیند اُڑ جائے اور نہ ہی اُسے روکے گا جب اس پر اس کا حملہ ہوگا کیونکہ جب اُسے یقین ہے کہ اس کے لانے والے کا اسے اس طرح کا حکم ہے۔

ف : الخطیب نے فرمایا کہ یہاں یسمعون بمعنے یستجیبون ہے یعنی وُہ لوگ قرآن مجید سُن کر اس پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

سبق : جب معلوم ہُوا کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے تو بندوں پر لازم ہے کہ بلا ضرورت نہ سوئیں صرف اتنا سوئیں کہ صحت بحال رہے اور عبادت میں رکاوٹ نہ ہو ؎

سر آنکہ ببالین نہد ہوشمند
کہ خوابش بقہر آورد در کمند

ترجمہ : دانا اس وقت اپنا سر تکیے پر رکھتا ہے جب نیند اسے جبراً سُلا دیتی ہے۔

ف : اہلِ بطلان کی مذمت میں کسی نے کہا ہے : ؎

ز سنّت نہ بینی در ایشاں اثر
مگر خواب پیشین و نان سحر

ترجمہ : ان میں سنّت کا کوئی نشان نہیں ملتا سوائے اس کے کہ وہ رات کو سو جاتے ہیں اور دن کو کھا لیتے ہیں۔

مسئلہ : سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف من بات طاهرا بات فی شعاره ملك لا یستیقظ ساعة من اللیل الا قال الملك اللهم اغفر لعبدك فلان فانه بات طاهرا۔

(جو بھی رات کو باوضو سوتا ہے تو اس کے بستر پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جب بھی وُہ کسی وقت نیند سے جاگتا ہے تو فرشتہ اس کے لیے دُعائیں دیتا ہوا کہتا ہے : اللهم اغفر لعبدك فلان فانه بات طاهرا۔ (اے اللہ! اپنے فلاں بندے کو بخش دے اس لیے کہ وُہ باوضو ہو کر سویا ہے)

مسئلہ : جس سے ہو سکتا ہے وہ ہمیشہ باوضو رہے اس لیے کہ باوضو انسان مرتا ہے تو شہیدوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : پہلی بار قبلہ رُخ دائیں کروٹ پر سوئے پھر بیدار ہونے پر معلوم ہو کہ کروٹ بدل گئی ہے

تو بھی دائیں کروٹ بدل جائے اور لیٹتے وقت پڑھے :

بسم اللّٰہ الذی لا یضر مع اسمہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم ۔

(اللہ تعالیٰ کے نام پر سوتا ہوں وہ اللہ جس کے نام کے ساتھ کوئی نقصان نہیں ہو سکتا نہ زمینوں کا نہ آسمانوں کا، وہی سمیع و علیم ہے)

حدیث شریف اور سوتے وقت کی دعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت پڑھا کرتے تھے :

باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمھا وان ارسلتہا فاحفظہا ۔

(تیرے نام پر اے میرے پروردگار! میں نے اپنی کروٹ زمین پر رکھی اور تیرے نام پر اسے زمین سے اٹھاؤں گا اگر تو میری رُوح کو روک لے تو اس پر رحم فرمانا اگر اسے چھوڑ دے تو پھر اس کی حفاظت فرمانا)

نیند سے اُٹھنے کی دعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے اُٹھنے کے بعد یہ دُعا پڑھا کرتے تھے :

الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا ورد الینا ارواحنا والیہ البعث والنشور ۔

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں مرنے کے بعد اُٹھایا اور پھر ہماری روحیں ہمیں واپس کر دیں اور اسی طرح اُٹھنا ہے)

صُوفی کا سونا اور جاگنا اور وضو کرنا اور نماز پڑھنا نرالا ہے نیند اور بیداری غفلت اور قلب کی بیداری کی طرف اشارہ ہے ۔ جاگنا ایسے ہے جیسے قلب غفلت سے بیدار ہو پھر وضو کی طرف جانا ایسے ہے جیسے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہو ۔ وضو کے بعد نماز میں داخل ہونے کے لیے تکبیرِ اُولیٰ ایسے ہے جیسے توجہ الٰہی نصیب ہُوئی کہ گویا بندہ عالمِ ناسُوت کو عبور کر کے عالمِ ملکوت میں پہنچ گیا ہے ۔ پھر رکوع میں جانا ایسے ہے جیسے انسان عالمِ ملکوت سے عالمِ جبروت میں پہنچ جائے اور سجدے میں جانا ایسے ہے جیسے بندے کو عالمِ لاہوت میں حاضری نصیب ہُوئی ہو ۔ اور یہی فنائے کُلی کا مقام ہے یہاں سے ہی

بندہ وطن اصلی کے لیے اُوپر کی منزلیں طے کرتا ہے پھر سجدے سے قیام کی طرف جانے میں فنا کے بعد بقا کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس حالت میں رجوع الی الوریٰ ہی ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ صورۃ نزول عروج ہوتا ہے جیسے عروج میں نزول۔ یاد رہے کہ رکوع مقام قاب قوسین کا نام ہے یہی ذات واحد کا مقام ہے اور سجدہ اَو ادنیٰ کا مقام ہے اور یہی ذات احدیت کا مقام ہے۔

ف : حرکاتِ ستہ :

(۱) قیام سے رکوع کی طرف
(۲) رکوع سے قومہ کی طرف
(۳) قومہ سے سجدۂ اُولیٰ کی طرف
(۴) سجدۂ اولیٰ سے جلسہ کی طرف
(۵) جلسہ سے سجدہ ثانیہ کی طرف
(۶) سجدہ ثانیہ سے قیام کی طرف اشارہ ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں چھ دنوں میں بنائی گئیں۔

نکتہ : اس سے ثابت ہُوا کہ نمازی کی پہلی رکعت میں ہی سارے کا سارا سلوک طے ہو جاتا ہے نمازی کو صور و حقایق دنیوی و اُخروی اور حقایق علمی و عینی و کونی و الٰہی سب کے سب پہلی رکعت میں ہی نصیب ہو جاتے ہیں۔

ف : رات و دن کے آنے جانے میں نیکی و بدی کے واردات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جیسے دنیا کا بقا نہ صرف دن پر ہے نہ رات پر بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایسے ہی انسان سے نیکی کا صدور ہوتا ہے تو گویا اسے نور مل گیا لیکن خطا بھی سرزد ہو جاتی ہے جو کہ بمنزلہ رات کے ہے۔

اعجوبہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دن کو بہشت میں اور رات کو جہنم میں داخل کرے گا اسی لیے بہشت میں دن ہی دن ہوگا اور جہنم میں رات ہی رات۔

مومن کامل کی شان

درحقیقت بہشت میں جو نور ہوگا وہ مومن کامل کے ایمان کی روشنی ہو گی پھر جس کے جتنے اعمالِ صالح ہوں گے اسی قدر اس کے لیے بہشت میں روشنی ہو گی۔ ایسے کفر کے مطابق جہنم میں اندھیرا ہوگا اور عمل فاسد کی نحوست سے بھی تاریکی ہو گی۔

ف : جیسے دن کا رات ہونا ناممکن ہے ایسے ہی رات کا دن ہونا ناممکن ہے۔ تو پھر یُوں سمجھیے کہ ایمان کبھی کفر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کفر ایمان ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جس پر جو صفت غالب ہو گی

وہ اسی کے مطابق بہشت اور دوزخ میں رہے گا اگر ایمان کی صفت غالب ہے تو بہشت ورنہ دوزخ۔

صوفیانہ تقریر مومن کے قلب کا نور تجلیاتِ حق کے مطابق ہوتا ہے لیکن اس کے غلبۂ حال کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے کہ اس کے نہارِ معنوی پر لیل کا ورود نہیں ہوتا اگر بعض اوقات ان تجلیات کے آگے کوئی پردہ حائل ہو جاتا ہے تو وہ عارضی ہوتا ہے۔ اس کے لیے محجوبین کی طرح وہ زحمت نہیں بلکہ رحمت ہی رحمت ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس کے قلب کا حال ہے کہ وہ صرف ایک امر کو نہیں بلکہ موسٰی علیہ السلام کی طرح شجرہ موجودات کے ہر ذرّے سے سنا کرتے ہیں درحقیقت یہی لوگ سامع ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ اور اللہ تعالٰی کی آیات سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے۔ یہ دراصل ان یریکم تھا ان حذف کر دیا گیا۔ اس کے حذف کرنے پر یاء کو ساکن کیا گیا تاکہ اَن محذوفہ پر دلالت کرے کذافی برہان القرآن۔ اس کے علاوہ تفاسیر میں اور بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

حلِ لغات : البرق بادل کا چمکنا بمعنے حاصل مصدر، یعنی بادل کی چمک۔ اور اخوان الصفاء میں ہے برق نار و ہوا کا مجموعہ ہے۔

خَوۡفًا مفعول لہ ہے بمعنے اخافۃ۔ جیسے کہا جاتا ہے :

فعلتہ رغما للشیطان ای ارغا مالہ۔ یعنی میں نے اسے اس لیے کیا تاکہ شیطان کو ذلّت و رسوائی ہو۔

اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ تمہیں چمک اس لیے دکھاتا ہے تاکہ تمہیں کڑک سے ڈرائے بالخصوص وہ مسافر جو جنگلوں وغیرہ میں ہوں۔

ف : صاعقہ وہ ہولناک آواز کہ جس میں آگ تو ہو لیکن اس میں دھواں اور انگارے نہ ہوں جہاں پہنچے جلا کر راکھ کر دے۔

وَّطَمَعًا اور بارش کی طمع دلانے کے لیئے بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو گھروں میں مقیم ہیں۔

سوال : ہم نے مانا کہ مقیم کو اس کا طمع ہوتا ہے کہ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ بارش ہوگی تو کھیتیاں اور باغ باغیچے سرسبز ہوں گے اور مسافر کو اس میں داخل نہ کیا جائے تو کیا حرج ہے اگرچہ عمومی تقاضا پر اس کا دخول ہونا چاہیے۔

جواب : مسافر کو بھی اس کا یُوں طمع ہوتا ہے کہ ویران زمین آباد ہوگی اور اس کا سفر خوشگوار ہوگا۔ اس معنیٰ پر آیت کے عموم میں مسافر داخل رہے گا۔

وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ اور آسمان سے نازل فرماتا ہے بادل کے ذریعے مَآءً پانی کو۔

ف : اخوان الصفا میں ہے کہ المطر اجزائے مائیہ کو کہا جاتا ہے جبکہ وُہ ایک دوسرے سے چمٹ کر سرد و ثقیل ہو کر زمین کی طرف آئیں۔

فَيُحْيِ بِهِ پھر اسی پانی یعنی بارش کے سبب سے آباد کرتا ہے الْاَرْضَ زمین کو کھیتی سے بَعْدَ مَوْتِهَا ط بعد اس کے ویران (خشک) ہونے کے۔

زمین کیا ہے زمین ایک غلیظ سے غلیظ تر (گاڑھا) جسم ہے۔ تمام گاڑھے اجسام سے زیادہ گاڑھا جسم زمین کا ہے۔ مرکز عالم میں اس جیسا گاڑھا جسم کسی شے کا نہیں۔ اس کی چھ جہتیں ہیں :

۱ - مشرق ، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔

۲ - مغرب ، جہاں سورج غروب ہوتا ہے :

۳ - شمال ، جہاں جدّی ستارے کا مدار ہے۔

۴ - جنوب ، جہاں سہیل ستارے کا مدار ہے۔

۵ - فوق ، جو محیط کو متصل ہے۔

۶ - اسفل ، جو مرکز ارض کو متصل ہے۔

انگوری کیا ہے وہ شے جس پر مادہ مائیہ غالب ہو۔ اہلِ فارس کہتے ہیں : وادیوں میں پانی کی کثرت ہوگی تو ثمرات کی بہتات ہوگی اور جب ہوائیں خُوب چلیں گی تو اناج بہت ہوگا۔

ف : یاد رہے کہ ثمرات اور درخت بارش کے فیض سے ہیں اور یہ سب کے سب زمین پر اللہ تعالیٰ کی شانوں کے آثار ہیں۔

حکایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں ایک کھجور بوئی۔ یہ آپ کی خلافت کا آخری دور تھا۔ فرمایا : اسے بونے پر مجھے یہ طمع نہیں کہ میں اس کا پھل کھاؤں گا بلکہ مجھے اسے بونے پر اسدی کا قول یاد آ گیا ہے : ؎

لیس الفتی بفتی لایستضاء بہ ولا تکون لہ فی الارض آثار

ترجمہ : وہ جواں مرد نہیں جس سے کوئی روشنی نہ پھیلے اور نہ زمانے میں اس کی کوئی یادگار ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک ان امور مذکورہ بالا میں لَاٰیٰتٍ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی علامات ہیں لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی دلیلیں اور حجتیں سمجھتے ہیں ۔

ف : جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو جملہ حادثات کے حق میں عقل کو استعمال کرتے ہیں جس سے انہیں ہر حادثہ میں صانع کی صنعت کے کمالات معلوم ہوتے ہیں تو جیسے اللہ تعالیٰ ویران زمین کو آباد کرنے کی قدرت رکھتا ہے ایسے ہی قبور سے مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے ۔

نکتہ : برہان القرآن میں ہے کہ آیت میں یعقلون پر ختم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان جملہ معاملات میں عقل موقوف علیہ ہے پھر وہی علم تک پہنچاتا ہے۔

ف : بعض علماء و مشائخ نے فرمایا کہ عاقل وہ ہے جو پہلی بار دیکھتے ہی شے کی کُنہ تک پہنچ جائے اور اس کی حقیقت اور اس کے انجام کو معلوم کرلے اور اس سے جملہ تاریکیاں اور پردے ہٹا لے اور دقائق القلوب کا مطالعہ کرلے اور غیوب کے جملہ ودائع سے آگاہ ہو جائے ۔

ف : کسی دانشور نے فرمایا کہ عقل وتجربہ انسان کے لیے ایسے ہیں جیسے انگوری اُگانے کے لیے پانی اور زمین دونوں درکار ہیں ۔ پانی اور زمین جب تک دونوں نہ ہوں انگوری نہیں اُگے گی ۔ یہ خود بھی ایک دوسرے کے محتاج ہیں ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ پس نکو گفت آں رسول خوش جواز
ذرۂ عقلت بہ از صوم و نماز

۲ زانکہ عقلت جوہرست ایں دو عرض
ایں دو در تکمیل آں شد مفترض

۳ تا جلا باشد مراں آئینہ را
کہ صفا آید ز طاعت سینہ را

۴ لیک گر آئینہ ازیں فاسد ست
صیقل اُو را دیر باز آرد بدست

۵ ایں تفاوت عقلہا را نیک داں
در مراتب از زمیں تا آسماں

۶ ہست عقلے ہمچو قرص آفتاب
ہست عقلے کمتر از زہرہ شہاب

۷ ہست عقلے چوں چراغ سرخوشی
ہست عقلے چوں ستارہ آتشی

۸ عقل جزوی عقل را بدنام کرد
کام دنیا مرد را بے کام کرد

ترجمہ: (۱) کیا خوب فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تھوڑی سی عقل نماز و روزے سے بہتر ہے۔
(۲) اس لیے کہ عقل جوہر اور یہ دونوں عرض ہیں۔ یہ دونوں تکمیل میں عقل کے محتاج ہیں۔
(۳) جب تک اس آئینے میں روشنی رہے گی تب تک سینے میں طاعت سے روشنی پہنچے گی۔
(۴) اگر آئینہ ابتدا ً سے ہی خراب ہو تو وہ مصقلہ سے بڑی دیر کے بعد روشن ہو سکے گا۔
(۵) یہ جو انسانوں میں فرق ہے یہ عقل کی وجہ سے ہے۔
(۶) بعض تو اتنے روشن ہیں جیسے سُورج اور بعض زہرہ ستارے کی روشنی سے بھی کم۔
(۷) عقل ایک روشن چراغ ہے۔ عقل ایک آتشی ستارہ ہے۔
(۸) دراصل عقل جزوی نے عقل کو بدنام کیا ہے اور انسان دنیوی خرابیوں سے ناکام ہو جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ومن اٰیٰتہٖ یریکم البرق خوفاً وطمعاً یعنی شواہدِ حق کی بجلی چمکتی ہے جب حجاباتِ بشریت کے بادل چلتے ہیں اور انوارِ روحانیت کی چمک ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں پہلی کا نام بروق ہے، دوسری کا لوامع اور تیسری کا طوالع۔ چوتھی کا نام اشراق ہے اور پانچویں کا تجلی۔ انسان نورِ برق سے شہواتِ دنیا کو دیکھ لیتا ہے کہ وہ آگ ہی آگ ہیں۔ ان سے انسان کو بچنا چاہیے بلکہ ان کے چھوڑنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہیے۔ ایسے آدمی کو محسوس ہوتا ہے کہ جن تکالیف شرعیہ سے نفس کراہت کرتا ہے وہ تو بہشت باغیچے ہیں اسی لیے وہ ان کی تحصیل میں جد وجہد کرتا ہے وینزل من السمآء اور نازل کرتا ہے آسمان یعنی روح سے مآء رحمت فیحیی بہ الارض تو اس سے زندہ کرتا ہے زمین یعنی قلوب کو بعد موتہا بعد ان کے ویران ہو جانے کے معاصی و ذنوب اور بحرِ دنیا میں مستغرق ہونے اور خذلان کی ہواؤں سے شہوات کے چکر سے انّ فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یعقلون بیشک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہی لوگ ہیں

جو آخرت کو دنیا سے نہیں بیچتے اور نہ ہی مولیٰ کے دیدار کو جنّت کی نعمتوں کے عوض بیچتے ہیں۔

دُعا: اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ہر وقت تیرے ذکر اور حسنِ طاعت میں لگے رہتے ہیں، اور ہمیں اپنے ماسوا کے خیالات سے پھیر دے اس لیے کہ تُو ہی دلوں کو زندہ کرنے والا ہے اپنے غیوب کے فیوض سے۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہیں آسمانوں اور زمینوں کا قیام و استمرار، جن ہیئتوں پر ایک میعادِ مقررہ تک کھڑے ہیں یعنی تا قیامِ قیامت بِاَمْرِہٖ اس کے حکم و ارادے پر۔

سوال: ارادے کو امر سے کیوں تعبیر کیا ہے؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ وُہ بہت بڑی قدرت والا ہے اور اسے مبادی و اسباب کی محتاجی نہیں ہے۔

ف: امر عام ہے اقوال کو اور افعال کو۔ کذا فی المفردات۔

ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمْ دَعْوَۃً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ۔

ترکیب: من الارض کا تعلق دعاکم سے ہے کیونکہ مدعو فیہ ہونے میں یہ کفایت کرتی ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

دعوتہ من اسفل الوادی فطلع الیّ۔

(میں نے اسے وادی کے نچلے حصّے سے بُلایا تو اس نے جھانک کر دیکھا)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ پھر جب میعادِ مقرر آئے گی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ہی بار میں بلائے گا، اور کہے گا: ایھا الموتیٰ اخرجوا (اے مردے! نکلو) یعنی قبور سے باہر آجاؤ۔

ف: حقیقی داعی اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اپنا نام لیا ورنہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام خلقِ خدا کو بُلائیں گے جب کہ آپ صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہوں گے اور دوسرا صور پھُونکیں گے۔

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ اس وقت تم نکلوگے۔ یہ اذا مفاجاتیہ ہے اسی لیے اس کے جواب میں فاء آتی ہے۔ یہ دونوں افادۂ تعقیب میں مشترک ہیں یعنی پھر تمہارا اچانک قبور سے نکلنا ہوگا جس میں کسی قسم کی تاخیر بھی نہیں ہوگی اور نہ ہی انکار کی گنجائش۔ اسی لیے فرمایا:

یومئذ یتبعون الداعی۔

(اس دن یہ لوگ داعی کا اتباع کریں گے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آسمان سے قلب اور ارض سے نفس مراد ہے اور وہ رُوح سے قائم ہیں کیونکہ وُہ عالمِ امر کی شے ہے۔ اور بُلانے سے اپنے خطاب ارجعی کا جذبہ مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ کریم جب نفس و قلب و روح کو اسی جذبہ (خطاب ارجعی) سے بلاتا ہے تو وہ انانیت الوجود کی قبر سے نکل کر عرصۂ وجود و شہود میں پہنچ جاتے ہیں اور یہی اخص الخواص میدانِ محشر ہے۔ یاد رہے کہ محشر کے کئی مراتب ہیں:

(۱) مرتبۂ عام —— قیامت میں اجسام کا قبور سے میدانِ محشر کی طرف نکلنا۔

(۲) مرتبۂ خاص —— دنیوی زندگی میں سیر و سلوک کے ذریعہ سے قبور اجسام دنیویہ سے ارواح اخرویہ کا عالمِ روحانیت کی طرف نکلنا، اس لیے کہ وُہ اپنے ارادے سے ہی حیوانی صورت کی موت سے پہلے ہی اپنے ارادے سے صفاتِ حیوانیہ نفسانیہ سے مر چکے ہیں۔

(۳) مرتبۂ اخص —— قبور انانیہ روحانیہ سے ہویتِ ربانیہ کی طرف نکلنا اور یہ وہ محبوبانہ مقام ہے کہ جہاں محبوبِ خدا کے ساتھ بلاھو بقا پاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہین کہ اسرافیل وقتند اولیا
مردہ را زیشان حیاتست و نما

۲ جان ہر یک مردہ اندر گور تن
می جہد ز آوازشان اندر کفن

۳ گوید ایں آواز ز آوازہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست

۴ ما بمردیم و بکلے کاستیم
بانگِ حق آمد ہمہ برخاستیم

۵ بانگ حق اندر حجاب و بے حجیب
آں دہد کو داد مریم را ز جیب

۶ اے فناتان نیست کردہ زیر پوست
باز گردید از عدم ز آواز دوست

۷ مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

۸ گفتہ او را من زبان چشم و تو
من حواس و من رضا و خشم تو

ترجمہ: (۱) خبردار! یہ اولیاء اپنے وقت کے اسرافیل ہیں۔ مردے کو انہی سے حیاتِ نما نصیب ہوتی ہے۔
(۲) ہر مُردے کا جسم قبر میں پڑا ہوتا ہے جب ان کی آواز گونجتی ہے تو وہ اپنے کفن میں متحرک ہوتا ہے۔
(۳) کہتا ہے یہ آواز دوسری آوازوں سے جُدا ہے اور مُردے کو زندہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کی آواز کا کام ہے۔
(۴) ہم مر گئے اور بالکل ختم ہو گئے تھے جونہی اللہ تعالیٰ کی آواز پہنچی تو ہم اُٹھ بیٹھے۔
(۵) آوازِ حق حجاب میں ہو یا بلا حجاب، وہی ہے جس نے مریم کو گریبان کی طرف سے بچّہ دیا۔
(۶) اے فنا ہونے والو! تمہیں تمہارے جسموں میں فنا کیا گیا اب زندہ ہو جاؤ اور دوست کی آواز سے عدم سے وجود میں آجاؤ۔
(۷) یہ مطلق آواز درحقیقت بادشاہِ حقیقی کی ہے اگرچہ بظاہر بندۂ خدا کے حلقوم سے ہے۔
(۸) اس لیے کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ اے میرے محبوب! میں تیری زبان اور آنکھ ہوں میں تیرے حواس ہوں اور تیری رضا اور ناراضگی میں ہوں۔[1]

تفسیر عالمانہ وَلَهٗ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وُہ جو آسمانوں میں ہیں یعنی ملائکہ کرام وَالْاَرْضِ اور وہ جو زمینوں میں ہیں یعنی انسان اور جن۔ کیونکہ یہ سب اسی کی تخلیق سے ہیں اور اسی کی مِلک ہیں ان پر اسی کا تصرف ہے اس میں کسی کا کسی قسم کا حصہ نہیں كُلٌّ تمام کے تمام جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں لَهٗ یہ قٰنِتُوْنَ ۝ کے متعلق ہے۔ یعنی اسی کے لیے ہیں فرمانبردار۔ یہ القنوت سے ہے بمعنے فرمانبرداری۔ اس سے طاعۃ الارادہ مراد ہے نہ کہ طاعۃ العبادۃ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں جیسے وہ ان کے لیے ارادہ کرتا ہے موت کا یا حیات کا اور مرنے کے بعد اُٹھنے کا اور صحت کا اور بیماری کا وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ہر حال میں یہ اس کے تابع حکم ہیں۔

---

[1] حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے۔ اویسی غفرلہٗ

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وُہ جو آسمان روحانیت ہیں ارباب قلوب ہیں اور بشریت کی زمین میں اصحاب نفوس ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں بایں طور کہ پہلے گروہ کو صفات اللطف کا مظہر بنایا دوسرے گروہ کو صفات قہر کا مظہر بنایا اور اسی لیے ہی انہیں پیدا فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اور وُہ اللہ تعالیٰ جو مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے یعنی دنیا میں ابتداءً انہیں پیدا کیا جیسے آدم علیہ السلام اور بی بی حوا علیہا السلام کو کہ ان سے بہت سے مرد وعورت پیدا ہوتے۔ پھر انہیں مارے گا جب ان کے آجال ختم ہوں گے۔ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر انہیں لوٹائیں گے۔ واحد کی ضمیر لفظِ خلق کی وجہ سے ہے یعنی نفخ صورِ اسرافیل سے انہیں آخرت کی طرف لوٹائے گا پھر وُہ پہلے کی طرح زندہ ہوجائیں گے۔ وَهُوَ یعنی اعادہ (لوٹانا) ضمیر واحد کی ہے اس لیے کہ یعید بتاویل (ان یعید وا) مصدر کے معنیٰ میں ہے اَهْوَنُ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ پر بہ نسبت پیدا کرنے کے آسان تر ہے۔ یعنی تمہارا اصول ہے اے انسانو! کہ تم تخلیق کو بہ نسبت لوٹانے کے مشکل سمجھتے ہو لیکن اس کے نزدیک دونوں پہلو برابر ہیں اور تم ایک کو مشکل سمجھتے ہو اور دوسرے کو آسان۔ لیکن اُس کے لیے یہ کچھ بھی نہیں کیونکہ جب وُہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے کہتا ہے: ہوجا۔ تووہ ہوجاتی ہے۔ اسے مادّہ کی بھی ضرورت نہیں۔ اس تقریر پر یہ آیت مخلوق کے اعتقاد کے مطابق لائی گئی ہے کہ وہ کسی کام کو مشکل جانتی ہے اور کسی کو آسان۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے کاہے کا مشکل اور کاہے کا آسان! اسی لیے کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اے انسانو! تمہارے لیے اعادہ آسان ہے اور تخلیق ابتدائی مشکل۔ لیکن مشکل کو تو اس کے لیے مانتے ہو پھر آسان کے لیے کیوں نہیں مانتے، جبکہ اس کی قدرت دونوں کے لیے یکساں ہے ؎

۱ چوں قدرت او منزّہ از نقصانست
آوردن خلق و بردنش یکسانست

۲ نسبت بمن و تو ہر چہ دشوار بود
در قدرت پر کمال او آسانست

ترجمہ: (۱) جب اس کی قدرت ہر نقصان سے منزّہ ہے تو پھر اسے مخلوق کا پیدا کرنا اور پھر لوٹانا دونوں برابر ہیں۔

(۲) ہمارے لیے جو شے مشکل ہے وہ اس کی قدرتِ باکمال کے آگے آسان سے آسان تر ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ یہاں افعل بمعنے فعیل ہے۔ یعنی اھون بمعنے ھیّن ہے۔ جیسے اللہ اکبر میں اکبر بمعنے کبیر ہے۔ فرزدق نے کہا : ؎

ان الذی سمك السّماء بنی لنا

بیتا دعائمة اعز و اطول

ترجمہ : وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لیے ایک گھر بنادیا ہے جس کے ستون عزیز و طویل ہیں۔

ف : (مذکورہ بالا) شعر میں اعز بمعنے عزیزہ اور اطول بمعنے طویلۃ (دعائمۃ) ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اعادہ بہ نسبت بدأۃ کے اس کے لیے بایں معنی آسان ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ جو کام خود کرے وہ مشکل ہوتا ہے اور جو دوسرا کرے وہ آسان۔ تو انسان کے تصوّر کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ بدأۃ الخلق میں نے خود کی اور اعادہ اسرافیل کے نفخ سے ہوگا، تو تمہارے تصوّر و خیال کے مطابق دُوسرا کام پہلے کی بہ نسبت آسان ہے اور میرے لیے دونوں برابر۔ اور اسرافیل کا فعل بھی میری تخلیق ہے۔ پھر تمہیں اعادہ یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے میں اشکال کیوں!

دُوسری تقریر

اس تقریر میں دقّت و لطافت ہے۔ یعنی اعادہ آسان تر ہے اور ابتداءً تخلیق مشکل، بایں معنی کہ ابتدا میں تم لوث حدوث سے ملوث تھے اور وجود کی گرد و غبار کی تمہیں معمولی سی خوبُو نہ تھی اس سے شرکت کا احتمال بھی نہ تھا اسی لیے اس فعل کو بلاواسطہ کیا۔ اب جبکہ تم دنیا میں آئے اور وجود پایا اور وجود میری صفت ہے اس میں اشتراک کا احتمال پایا گیا اگرچہ لفظی سہی، اسی لیے اس کا اعادہ اسرافیل کے ذمّہ لگایا۔

حلِ لغات : قاموس میں ہے ھان، ھونا (بالضم) و ھوانا و مھانۃ بمعنے ذلّ، و ھونا بمعنے سھل فھو ھیّن (بالتشدید و التخفیف و اھون)

تفسیر عالمانہ

وَلَهُ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے الْمَثَلُ الْاَعْلٰی صفت بلند مرتبہ۔ مثل بمعنے صفت ہے جیسے مثل الجنة التی یعنی جنت کی صفت، اور و مثلهم فی التوراة (یعنی ان کی صفت توراۃ میں) یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت اعلیٰ اور عجیب الشان ہے۔ مثلاً اس کی قدرت کو دیکھو تو باکمال اور عام ہے اور حکمت کو دیکھو تو تام ہے ایسے ہی اس کی جملہ صفات کا حال ہے کہ کوئی بھی اس کے مثل نہیں ہوتا چہ جائیکہ کوئی اس کی برابری کا دم بھرے۔

ف : بعض نے کہا اس سے لا الٰہ الا اللہ مراد ہے تو ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت وحدانیت

میں بے مثال ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ اس جیسا کوئی پروردگار ہے فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں میں - یہ جملہ سابقہ کے مضمون کے متعلق ہے بایں معنیٰ کہ اس کی صفاتِ کمالیہ کا ذکر اور بیان جملہ مخلوق کی زبانوں پر ہے اور دلائل کی زبانیں واضح طور پر بول رہی ہیں کہ وہ صفاتِ کمالیہ کا مالک ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اور وہ قادر ہے کہ اسے ممکن کے ابتداءً پیدا کرنے کی طاقت ہے تو اعادہ کی بھی - الحکیم یعنی وہ حکیم ہے کہ اس کے جملہ امور حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتے -

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آسمان و زمین سب کے سب شواہد سے پُر ہیں اور ببانگِ دہل کہہ رہے ہیں کہ وہی واحد لاشریک ہے اور ان میں روشن دلائل موجود ہیں جو اس کی قدرت کمالیہ پر دال ہیں ؎

ز ہر ذرّہ بدو روے و راہیست
بر اثبات وجود او گواہیست

ترجمہ: ہر ذرّہ اس کی طرف رہنما ہے اور ہر ذرّہ اس کا راستہ بتاتا ہے اور ہر ذرہ اس کے وجود کے اثبات پر گواہ ہے -

تفسیر صوفیانہ

اہلِ بصیرت ہر وقت اس کے انوار کے جمال کے مطالعہ کناں ہیں اور ہر وقت اس کے اسرار کی حقیقت ان کے سامنے منکشف ہے اسے کوئی نہیں مانتا تو اسے کہا جائے گا کہ اے بیوقوف! تو جب کسی امیر کے محل میں داخل ہوتا ہے تو پھر اس کے نقش و نگار دیکھتا ہے تو پھر تیری زبان اس محل کی تعریف و توصیف میں بند نہیں ہوتی - سُن لے کہ اب تو اللہ تعالیٰ کے رنگین اور مزیّن محل میں گزار رہا ہے کہ اس کے اسماء و صفات و آثار جو کہ قدرت کاملہ کی نقش و نگاری سے مزیّن اور اس کے عجیب آثار کی آرائش سے سنگارے گئے ہیں - اس کے باوجود تو ان کا مشاہدہ نہیں کرتا، تو پھر تیرا دل اندھا ہے اسی اندھے پن کے باعث تُو اپنے قلب کے بیت میں داخل نہیں ہو سکتا کہ جس سے تجھے غور و فکر کا موقعہ نصیب ہوتا جبکہ دل میں حقائق موجود ہیں جن کو عمل میں لا کر انسان کو غور و فکر کی توفیق ملتی ہے اور اسی سے اسے شہود نصیب ہوتا ہے جس سے وُہ آیات کو دیکھتا اور بیّنات کو پاتا ہے، اگر ہدایتِ حق نصیب نہ ہو تو بندہ ہمیشہ گمراہی کے اندھیروں میں اور پردۂ جلال کے باہر بھٹکتا پھرے -

حکایتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ میں بستر پر سو رہا تھا کہ میں نے پرندوں سے تسبیح کی آواز سنی تو اس سے ہی مجھے توبہ کا

موقعہ میسر آیا۔ آواز سُنتے ہی میں دُنیا سے کنارہ کش ہوگیا اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا ۔ مجھے ابو العباس حضرت خضر علیہ السلام ملے اور فرمایا : تو شیخ عبد القادر (جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ) کے پاس چلا جا۔ میں ابھی ان کی مجلس میں ہی تھا اور آپ فرما رہے تھے : ایک بندۂ خدا کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا بنا لیا ہے اور مجھے فرمایا کہ تمہیں وہ مل جائے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔ فرماتے ہیں حضرت خضر علیہ السلام سے پیام سُن کر میں حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گیا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا ، مرحبا ! تو وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی تسبیح سے ہدایت کا موقعہ بخشا اور تیرے لیے خیر کثیر جمع فرمائی۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ جملہ عالم کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی روشن دلیل ہے اس سے بندہ مولیٰ کو مل سکتا ہے۔ اے سالک ! تم پر لازم ہے کہ توحید کا دامن تھامے، رات دن اسی مشغلہ میں زندگی بسر کرے۔ تمام اوراد و وظائف سے بہتر و برتر یہی وظیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولذکر اللہ اکبر۔

اور ذکر الٰہی ہی حضورِ الٰہی کا اعلیٰ سبب ہے بلکہ اس کے مشاہدہ کا بہترین عمل۔ لیکن یہ سب کچھ اس کی مہربانی پر موقوف ہے ورنہ جسے اس کی عنایت حاصل نہ ہو وہ محروم ہی محروم ہے

یاذا الذی انس الفؤاد بذکرہ
انت الذی ما ان سواك ارید
تفنی اللیالی و الزمان باسرہ
وھواك غض فی الفؤاد جدید

ترجمہ : اے وُہ ذات جس کے ذکر سے دل بہلتا ہے تو وہ ہے کہ میں تیرے سوا کسی کو نہیں چاہتا ہُوں، تمام راتیں اور زمانے مٹ جائیں گے اور تیری ہی محبت میرے دل میں ہے اور تُو ہی باقی رہنے والا ہے۔

حکایت ذوالنون مصری قدس سرّہٗ

سیّدنا ذوالنون مصری قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ میں نے جبلِ لکام پر ایک حسین و جمیل اور شیریں زبان نوجوان کو دیکھا جو محبّت اور عشق سے جل کر سُوکھ گیا تھا۔ میں نے اسے السلامُ علیکم کہا۔ وہ سلام کا جواب دے کر مجھے جھانک کر کہنے لگا :

۱ اعمیت عینی عن الدنیا و زینتھا
فانت والروح شئی غیر مفترق

(باقی برصفحہ ۱۴۰)

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ
فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۖ فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ○ فَأَقِمْ وَجْهَكَ
لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ
ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَ
اتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا
دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ
ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُم مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ
مِّنْهُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ○ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ
تَعْلَمُونَ ○ أَمْ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ○ وَإِذَا
أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ
إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ○ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ
السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَمَا
آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن
زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ○ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ
رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَفْعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن
شَيْءٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ع

ترجمہ: تمہارے لیے ایک کہاوت بیان فرماتا ہے خود تمہارے اپنے حال سے، کیا تمہارے لیے
تمہارے ہاتھ کے مال غلاموں میں سے کچھ شریک ہیں اس میں جو ہم نے تمہیں روزی دی تو تم سب
اس میں برابر ہو تم ان سے ڈرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو ہم ایسی مفصّل نشانیاں
بیان فرماتے ہیں عقل والوں کے لیئے بلکہ ظالم اپنی خواہشوں کے پیچھے ہو لیئے بے جانے تو اسے
کون ہدایت کرے جسے خدا نے گمراہ کیا اور ان کا کوئی مددگار نہیں، تو اپنا منہ سیدھا کرو اللہ کی

اطاعت کے لیے ایک اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی چیز نہ بدلنا یہی سیدھا دین ہے مگر بہت لوگ نہیں جانتے اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو ان میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہو گئے گروہ گروہ۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے، تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے پھر جب وہ انہیں اپنے پاس سے رحمت کا مزہ دیتا ہے جبھی ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے کہ ہمارے دئے کی ناشکری کریں تو برت لو اب قریب جاننا چاہتے ہو یا ہم نے ان پر کوئی سند اتاری کہ وہ انہیں ہمارے شریک بتا رہی ہے اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچے بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے بھیجا جبھی وہ نا امید ہو جاتے ہیں اور کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ اللہ رزق وسیع فرماتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے بیشک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے تو رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور انہیں کا کام بنا اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو کر دینے والے کے مال بڑھیں تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو انہیں کے دونے ہیں اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرے پاکی اور برتری ہے اسے ان کے شرک سے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۸)

۲ اذا ذکرتك وانی مقلتی ارق
من اول اللیل حتی مطلع الفلق

۳ وما تطابقت الاحداق عن سنة
الا ورأیتك بین الجفن والحدق

ترجمہ: (۱) میری آنکھیں دنیا اور اس کی زینت سے اندھی ہو گئیں، بس تو اور میری رُوح مجھ سے جُدا ہونے والے نہیں۔

(۲) جب میں تجھے یاد کرتا ہُوں تو میری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں جو لگاتار اول رات سے

صبح تک جاری رہتی ہیں۔

(۳) اور نہ ہی میری آنکھیں نیند سے بند ہوتی ہیں اس طرح میں گویا تجھے اپنی آنکھوں میں بٹھا کر دیکھتا رہتا ہوں۔

حضرت ذوالنون قدس سرہٗ نے فرمایا، میں نے اس سے پوچھا: وہ کون ہے جس کی محبت میں تُو دنیا سے علیحدہ ہوگیا اور دوستوں سے دُور جنگلوں اور ویرانوں میں حیران پھرتا ہے اور پہاڑوں میں بسیرا کر لیا۔ جواب دیا کہ میرا وہی محبوب ہے جس نے مجھے حیران کر ڈالا اور اس کے شوق نے مجھے اس طرح بنا دیا اور اس کے عشق نے مجھے تنہا کر ڈالا۔ اس کے بعد کہا، اے ذوالنون! تمہیں پاگلوں کی باتیں بھلی لگتی ہیں۔ میں نے کہا: بخدا آپ کی باتوں نے مجھے نڈھال کر دیا۔ اس کے بعد وہ غائب ہوگیا، نجانے کہاں گیا! اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو، اور ہمیں بھی اس کے حال سے کچھ حصہ نصیب فرمائے اور اس کا طریقہ ہم کو بھی حاصل ہو، وہی عزیز وحکیم جواد و رؤف بالعباد، اور قیامت کے دن ان پہ رحیم، دارین کی مرادوں تک پہنچانے والا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۱۳۹)

تفسیر عالمانہ ضَرَبَ لَكُمْ اے مشرکو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیان فرمائی ہے مَّثَلًا کہاوت جس سے شرک کا بطلان واضح فرمایا ہے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں سے۔ مِن ابتدائیہ ہے یعنی یہ کہاوت تمہارے نفوس کو باقی امور و احوال سے قریب تر جسے تم بھی خوب جانتے ہو ضرب المثل، ضرب الدرھم سے ہے جیسے درہم پر مہر کا اثر دیرپا ہے ایسے ہی مثال کا اثر قلب پر دیرپا رہتا ہے یا جیسے درہم پر مہر کا اثر دوسرے کو اپنے نشان کی خبر دیتا ہے ایسے ہی کہاوت دوسروں کو عبرت دلاتی ہے۔ اور کہاوت ہر وہ قول جو دوسرے کے مشابہ ہو کہ ایک کے ذکر سے دوسرے کو ظاہر کیا جاسکے۔

شانِ نزول حضرت ابواللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت اُن کفار کے متعلق نازل ہوئی جو بتوں کی پرستش کے باوجود حج پڑھتے اور احرام باندھ کر کہتے:

لبيك لا شريك لك الّا شريك هولك تملكه وما ملك۔

(میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جو وہ تیرا ہے اور تو اس کا مالک ہے اور اس کے دیگر امور کا بھی تو مالک ہے)

ربط: مثل مذکور کی مزید وضاحت فرمائی کہ هَلْ لَّكُمْ کیا تمہارا کوئی ہے مِّنْ مَّا مَلَكَتْ

اَيْمَانُكُمْ جن کے تم مالک ہو اپنے غلاموں اور کنیزوں کے مِّنْ شُرَكَآءَ شریکوں میں سے ۔ من زائدہ ہے اس نفی کی تاکید کرتا ہے جو استفہام میں ہے فِىْ مَا رَزَقْنٰكُمْ ان امور میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمائے ہیں اموال و اسباب میں سے تو بتاؤ تم اپنے معاملات میں کسی دوسرے کی شرکت پہ راضی ہو۔ اب شرکت کی تحقیق فرمائی فَاَنْتُمْ فِيْهِ بتاؤ کیا وہ اور تم اپنے مملوکہ امور میں جو ہمارے عطا کردہ ہیں سَوَآءٌ برابر ہو سکتے ہیں کہ جیسے تم ان میں تصرف کرتے ہو ویسے وہ بھی کرتے ہیں ۔

ترکیب : الکواشی میں ہے کہ یہ جملہ محلاً منصوب استفہام کا جواب ہے ۔

تَخَافُوْنَهُمْ یہ انتم کی دوسری خبر ہے اور یہ بھی استفہام انکاری میں داخل ہے ۔ یعنی تم مملوکہ امور کے متعلق خوفزدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں وہ تصرف کر کے مستقل طور پر مالک نہ بن جائیں كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ یہاں انفسکم بمعنے امثالکم ہے یعنی وہ جو تمہارے جیسے امور و اشیاء کے مالک ہیں ۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم اپنے جیسے لوگوں سے خوفزدہ ہوتے ہو جبکہ وہ تمہارے امور و اشیاء مذکورہ کے تمہارے ساجھی ہو جائیں ۔ یہ ایسے ہے جیسے لا تلمزوا انفسکم (ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ) یہاں یہ جملہ مذکورہ کے مضمون کی نفی مراد ہے ۔

خلاصۂ تفسیر تم اپنے مملوکہ اموال و اسباب (جو تمہارا چندروزہ عاریت کے طور ہے اور تمہارا پیدا کردہ بھی نہیں) میں اپنے جیسے انسانوں کی شرکت پسند نہیں کرتے تو پھر تم اپنے معبود حقیقی کی معبودیت (جو اس کی ذاتی خصوصیت ہے) میں انہیں کیوں اس کا شریک ٹھہراتے ہو جو اس کی پیدا کردہ بلکہ وہ ایسی اشیاء ہیں جنہیں تم خود اپنے ہاتھ سے بناتے ہو پھر انہیں پوجتے ہو۔

توضیحِ کاشفی مرحوم مُلا کاشفی مرحوم بعض تفاسیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کلا و اللہ لا یکون ذٰلک ابدا ۔

یعنی ہرگز ایسا نہ ہوگا ۔ پھر کفارِ قریش کو فرمایا :

جب تم اپنے جیسے بندوں کو اپنے مال میں شریک کرنا گوارا نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو !

۵

۱ خلق چوں بندگان سر در پیش

ماندہ در بند حکم خالق خویش

۲ جملہ ہم بندہ اند و ہم بندی
نرسد بندہ را خداوندی

ترجمہ: (۱) مخلوق اپنے خالق کے حکم کے آگے بندوں کی طرح سر جھکائے ہوئے ہے۔
(۲) تمام بندے اسی کی قید میں ہیں کسی بندے کو خداوندی لائق نہیں۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے کیونکہ بتایا گیا ہے کہ بندوں کو اس کے ساتھ کوئی مشارکت نہیں اس نے ہمیں جو مال و اسباب عطا فرمایا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر اپنے کمال و جمال کے انوار کی تجلی ڈالتا ہے حتیٰ کہ بندے کے ظلمانی اوصاف مٹ جاتے ہیں۔ اس معنیٰ پر اس کی ذات و صفات کے کمال میں اس کا کوئی شریک نہ ہوگا کیونکہ درحقیقت تمام کمالات اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ تجلی میں حلول کرتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کا جُزو بن جاتا ہے یا بندہ خدا یا خدا بندہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کی شانِ کبریائی کے خلاف ہے کہ وہ کسی کا جز یا مثل ہو۔ اس کی شان عظیم ہے کوئی شے اس کا جز یا مثل نہیں، وہ سمیع بصیر ہے۔

تفسیر عالمانہ كَذٰلِكَ اسی تفصیل واضح کی طرح نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ہم توحید کے ایسے دلائل بیان کرتے ہیں کہ اس جیسی اور کوئی تفصیل نہ ہو گی کیونکہ تمثیل محض معانی معقولہ کو صورتِ محسوسہ سے مثال دے کر سمجھنا آسان ہو جاتا ہے لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں یعنی وہ لوگ جو امور و امثال کے تدبر میں عقول کو عمل میں لاتے ہیں اور جاہل ظالم ایسی باتوں کی حقیقت سے بےخبر ہیں۔

ربط: اب ان کے خطاب سے اعراض کر کے ان کی حق کی اتباع کا محال ہونا بتایا کہ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا بلکہ انھوں نے کچھ نہ سمجھ کر اتباع کیا اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات کا۔

ف: الھویٰ بمعنے شہوت کی طرف نفس کا میلان۔

سوال: ضمیر کی بجائے الذین اسمِ موصول کیوں لایا گیا؟

جواب: تاکہ مہر ثبت ہو کہ وہ صرف اتباع خواہشات کی وجہ سے ہی ظالم ہیں بِغَيْرِ عِلْمٍ ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کرتوت میں ایسے جاہل ہیں کہ انہیں اس بُری عادت سے کوئی شے نہیں روک سکتی اس لیے کہ عالم جب خواہش انسانی کی اتباع کرتا ہے تو اسے علم اس سے روک لیتا ہے۔

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو پھر اسے کون ہدایت دے سکتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ بندے کے اپنے اختیار پر گمراہی پیدا کرتا ہے تو اس کا کوئی ہادی

نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا **وَمَا لَهُمْ** اور جنہیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے ان کے لیے کوئی نہیں ۔ هُم ۔ مَن کے جمع کے معنیٰ کی وجہ سے ہے ۔ اس سے مشرکین مراد ہیں **مِنْ نّٰصِرِيْنَ** ۝ کوئی مددگار جو انہیں گمراہی سے نجات دلائیں یا آفات و عذابِ الٰہی سے نجات دلائے یا آفات و عذابِ الٰہی سے حفاظت کرے ۔ یعنی ان کا کوئی ایک مددگار بھی نہیں ۔ جیسے قاعدہ ہے کہ جمع کے مقابلے میں جمع کا صیغہ ہو تو ہر ایک فرد اپنے دوسرے ہر فرد کے بالمقابل آتا ہے ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ آیت ہیں اضلال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور دوسری آیت قد ضلوا میں بندوں کی طرف منسوب ہے ۔ قدریہ اس کے منکر ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضلال کی نسبت کے منکر ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ گمراہی بندوں کی اپنی پیدا کردہ ہے ۔ اور جبریہ اس کے منکر ہیں کہ گمراہی بندے کی طرف منسوب ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ بندے کو کسی قسم کا اختیار نہیں کیونکہ ہر فعل اللہ تعالےٰ کا ہے ۔ لیکن مذہبِ حق اہلسنّت میں یہ ہے کہ اضلال یعنی تخلیق ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہے اور ضلال (کسبِ گمراہی) بندے کی ۔ اور اسی طرح دونوں قرآن مجید میں واقع ہیں اور اس کا قاعدہ ہم نے بیان بھی کر دیا ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ در ہر آں کارے کہ میلستت بداں
قدرتِ خود را ہمی بینی عیاں

۲ در ہر آں کارے کہ میلت نیست خواست
اندراں جبری شدی کیں از خداست

۳ انبیا در کارِ دنیا جبریند
کافراں در کارِ عقبیٰ جبریند

۴ انبیا را در کارِ عقبا اختیار
جاہلاں را کارِ دنیا اختیار

ترجمہ :(۱) جس کام کا تجھے میلان ہے اپنی طاقت اس میں ظاہر دیکھتا ہے ۔
(۲) جس میں تیرا میلان نہیں اس میں تو جبری بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے ۔
(۳) انبیا دنیا کے کاموں میں جبری ہیں اور کافر آخرت کے امور میں جبری ہیں ۔
(۴) انبیا کو آخرت کے امور پسند ہیں اور جاہلوں کو دنیا کے کام مرغوب ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ عمل اگر عقلِ سلیم کے مطابق ہو تو وہ ہدایت ہے اور تقلید جہالت سے ہو تو ہوا (خواہشِ نفسانی) ہے جیسے اہلِ ہدایت ہمیشہ منصور (فتحیاب) ہیں تو ایسے ہی اہلِ ہوا دائماً مخذول (رسوا) ہیں اور خذلان اور اتباع ہوا دنیا میں معنوی عذابِ الٰہی ہے۔ اسی لیے توبہ سے عفو کا دروازہ کھٹکھٹانا اور طریق تحقیق کی راہ چلنا اور ہوا و بدعت سیئۂ سے اعراض ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں بُرے رفیق ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ غبارِ ہوٰی چشمِ غفلت بدوخت
سمومِ ہوس کشتِ عمرت بسوخت

۲ وجودِ تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان دستور دانا خرد

۳ ہوا و ہوس را نماند ستیز
چو بینند سرپنجۂ عقل تیز

ترجمہ: (۱) غبارِ خواہشات نے تیری عقل کو سی دیا ہے۔ ہوس کی لُو نے تیری عمر کی کھیتی جلا دی ہے۔

(۲) تیرا وجود نیک اور بُروں سے پُر ایک شہر ہے تو خود بادشہ ہے اور تیری عقل وزیر ہے۔

(۳) ہوا و ہوس کو جنگ کی طاقت نہیں رکھیں گے جب دیکھیں گے کہ عقل کا سرپنجہ تیز ہے۔

ف: وہ خواہشِ نفسانی مذموم ہے جس میں دُنیاوی خواہشات یا ماسوی اللہ کا میلان شامل ہو اور وہ خواہش ممدوح ہے جس میں عقبیٰ اور اس کے درجات بلکہ ماسوی اللہ سے قلب خالی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف میلان ہو۔

کرامت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے ایک صاحبِ حال نوجوان کو چند پیسے دئے اس نے لینے سے انکار کیا۔ میں نے بہت الحاح وزاری کی اس نے ریت کی مٹھی بھر کر اپنے تھیلے میں ڈال کر دیکھا تو وہ پانی سے پُر تھا۔ پھر میں نے کہا، کھانے کو جی چاہے تو کھا لو۔ میں نے غور سے دیکھا تو بہت میٹھی سویاں تھیں۔ پھر فرمایا: جس کا یہ حال ہو وہ چند ٹکوں کا کیا کرے گا! اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

بحق الھوی یا اھل ودی تفھموا
لسان وجود بالوجود غریب

۲ . حرام علی قلب تعرض للھوی
یکون لغیر الحق فیہ نصیب

ترجمہ :(۱) محبت کے صدقے محبت والو سمجھو وجود کی زبان وجود سے غریب ہے۔
(۲) وہ دل جو خواہش کے درپے ہے اسے غیرِ حق سے حصہ نصیب ہوگا۔

سبق سالک پر لازم ہے محبّت وعشق کی ہدایت اور مقصد صدق میں منزلِ ذوق پر پہنچنے کا سوال کرے اس لیے کہ ماسوی اللہ وبال اور وہم وخیال ہے جو حقیقت کا خواہشمند ہے تو اسے چاہیے کہ وہ لفظ کو چھوڑ کر معنیٰ کا طلب گار رہو۔

تفسیر عالمانہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ تو اپنے چہرے کو دین کی طرف سیدھا رکھے۔

حلِ لغات : الاقامۃ بمعنے برپا اور سیدھا کرنا ، کما فی تاج المصادر ، الوجہ بمعنے عضو مخصوص ۔ کبھی اس سے ذات مراد ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
ومن یسلم وجہہ ۔
(اور جو اس کی ذات کی طرف جھک جائے)
الدین در اصل طاعت کو کہا جاتا ہے اور جزا کو بھی دین کہتے ہیں ۔ اور شریعت کے لیے استعارہ کے طور پر بولتے ہیں اور دین وملّت کے درمیان اعتباری فرق ہے ۔ شریعت بایں معنیٰ ہے کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ لکھی جاتی ہے وہ ملّت ہے اور املال بمعنے املاء (کہنے والے کی بات کو لکھنا) اور اقامۃ الوجہ للدین بمعنیٰ دین کی طرف متوجہ ہونا ، اس پر استقامت اور اس کے اسباب کی ترتیب کے اہتمام کی تمثیل ہے اس لیے کہ جو بھی کسی محسوس بالبصر شے کا اہتمام کرتا ہے تو اسے ٹکٹکی لگا کر دیکھنا اور چہرے کو اس طرف پھیر لینا اور اس کی طرف مکمل طور متوجہ ہو جاتا ہے ۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ! جب مشرکین کا یہ حال ہو کہ وہ خواہشات نفسانی میں منہمک ہوں اور ہدایت سے رُوگردانی کریں تو آپ دینِ حق (جو کہ دین اسلام ہے) کی طرف متوجہ ہو جائیے بلکہ دائیں بائیں جانب توجہ کیے بغیر دین کی اشاعت میں ہمہ تن مشغول ہو جائیے ۔

حَنِيْفًا درانحالیکہ آپ تمام ادیانِ باطلہ سے منہ موڑ کر دینِ حق کی طرف اپنے چہرے کو پھیر دیئے۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حنیفاً ، دین سے حال ہو ۔ حنیف وہ ہوتا ہے جو اسلام کی طرف صحیح طور پر میلان رکھے اور اس پر ثابت قدم ہو ۔

حلِ لغات : قاموس میں ہے کہ الحنف بمعنے گمراہی سے راہِ حق کی طرف مائل ہونا۔
مفردات میں ہے :

الحنف میل عن الضلال الی الاستقامت و تحنف فلان تحری طریق الاستقامۃ و سمت العرب کل من اختتن او حج حنیفا تنبیھا علی انہ علیٰ دین ابراھیم علیہ السلام۔

(حنف گمراہی سے دور رہنا اور ثابت قدم رہنا۔ فلاں نے طریق استقامت کی سعی کی اور اہلِ عرب ختنہ اور حج کرنے والے کو حنیف کہتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے)

زمخشری کی بلاغات سے ہے کہ الجود والحلم حاتمی واحنفی اور دین وعلم حنیفی وحنفی ہیں اس لیے کہ جُود حاتم طائی کی طرف اور علم احنف بن قیس کی طرف اور دینِ ابراہیم علیہ السلام حنیف کی طرف اور علم ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب ہیں۔

ف : آیت میں الوجہ واقع ہے بمعنے وُہ شے جس کی طرف توجہ کی جاتے۔ اور عمل اور دین بھی وُہ ہیں کہ جن کی طرف انسان کی توجہ ہوتی ہے کہ اس میں سیدھا جانا اور قائم ہونا پڑتا ہے۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اپنے دین میں خلوص کیجئے اور عمل کو صحیح رکھئے درانحالیکہ آپ منسوخہ اور باطلہ و تحریف شدہ ادیان سے مکمل طور پر مُنہ پھیر لیجئے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ

حلِ لغات : فطرۃ بروزن وبمعنے الخلقۃ ہے۔ فطرہ کے صدقہ کو اس لیے فطرہ کہا جاتا ہے کہ وہ انسان مفطور بمعنے مخلوق کا صدقہ ہے اس لیے اس کا انجام یہی ہے کہ وہ صدقہ انسان کے سر کی زکوٰۃ ہے اور یہاں پر فطرۃ بمعنے توحید اور دین اسلام کی قابلیت جس میں کسی قسم کا انکار نہ ہو۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ کی فطرۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے نئی ایجاد فرمائی اور انسان کی قوتِ فعلی کو معرفتِ ایمان پر مرکوز فرمایا جس کا اشارہ آیتِ ذیل میں ہے :

ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللہ۔

(ان سے پُوچھو کہ انہیں کس نے پیدا فرمایا تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے)

ترکیب : فطرۃ اللہ کا منصوب ہونا فعلِ محذوف کی وجہ سے ہے جو کہ الزموا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی

فطرت کولازم پکڑو، اور یہ خطاب سب کو ہے جیسا کہ اس کے بعد منیبین کی تصریح بتاتی ہے۔
سوال: اگر یہ خطاب سب کو ہے تو پھر اس کے بعد اَقِمْ واحد کا صیغہ کیوں؟
جواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام اُمّت کے امام ہیں اس لیے آپ کا یہ خطاب گویا تمام کو ہے۔ اور اس پر التزام کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام کے مطابق عمل کرنا اور اس میں کسی قسم کا خلل نہ ڈالنا۔ ایسا نہ ہو کہ دعویٰ تو اسلام کا ہو لیکن اس کے خلاف اتباعِ نفس اور شیطان کے زیرِ فرمان ہو۔

الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا۔ یہ فطرۃ اللہ کی صفت اور اس کے امر محذوف کی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا اس لیے کہ اس کے بندے حق کو قبول کریں اور اس پر پورے طور استقامت اور مضبوطی رکھیں یا اس لیے کہ بندے ملّتِ اسلام کے تمام موجبات پر عمل کریں اور قطعی طور انھیں مضبوطی سے تھامے رکھیں اس لیے کہ اگر وہ اسلام پہ مضبوط رہیں گے تو وہ اس کے لوازمات پر عمل کر سکیں گے پھر وہ اس ملّتِ اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب نہیں کریں گے اگر کوئی اس سے منہ پھیریں گے تو انہیں شیاطین (جن و انس) گمراہ کردیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
حدیثِ قدسی کل عبادی خلقت حنفاء فاجتالتهم الشیاطین عن دینهم و امروهم ان یشرکوا بی غیری۔
(تمام بندے حنیف (سیدھے راہ والے ہوکر) پیدا ہوتے ہیں پھر انہیں شیاطین (جن و انسان) انہیں سچے دین سے گمراہ کرتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے (اللہ کے) ساتھ غیر کو شریک کریں)

حلِ لغات: الاجتیال جیم کے ساتھ، الجول سے مشتق ہے۔ یعنی شیطان انہیں جھٹکا مارتا تو وہ اس کے قابو میں آجاتے ہیں۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:
اجتال الرجل الشیٔ بمعنے ذھب به و ساقه۔
یعنی وہ شخص اسے لے گیا۔ کذا فی تاج المصادر۔
ابن الکمال اپنی کتاب نگارستان میں یوں رقمطراز ہیں: ؎

پُر سلامت زاید از مادر پسر
آں سقامت را پذیرد از پدر

۲ صدق محض است این کہ گفتم شاہدش
در خبر وارد شد از خیر البشرؐ

ترجمہ :(۱) بچہ تو ماں سے سلامتی پر پیدا ہوتا ہے پھر وُہ باپ کے طریقے پر چلتا ہے۔
(۲) یہ بات سچی ہے اس پر میں گواہ پیش کرتا ہوں وہ یہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ما من مولود الا وقد یولد علیٰ فطرۃ الاسلام ثم ابواہ یہودانہ و ینصرانہ و یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ ھل تحسون فیھا من جدعاء۔

(ہر بچّہ فطرۃ الاسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔ اس کی مثال اس جانور کے بچے کی طرح ہے کہ وہ صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وُہ بڑا ہوتا ہے تو پھر تم خود ہی اس کا کان اور ناک کاٹتے ہو)

شرح الحدیث اس حدیث کا معنیٰ یہ ہُوا کہ انسان ابتدائے تخلیق میں فطرۃِ سلیمہ پر ہوتا ہے اس میں ایسی طبیعت رکھی گئی ہے کہ وہ دین کو قبول کرے۔ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑا جاتا تو وُہ کبھی اصل سے جُدا نہ ہوتا اس لیے کہ دین کا اصل حسین وجمیل ہے لیکن وُہ جب آفاتِ بشریہ اور تقلیدِ سوء کا شکار ہوتا ہے تو پھر دینِ حق سے رُوگردانی کرتا ہے۔

۵

۱ با بداں یار گشت ہمسر لوط
خاندان نبوتش گم شد

۲ سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت و مردم شد

ترجمہ :(۱) لُوط علیہ السلام کی زوجہ بُروں کے ساتھ ہُوئی تو نبوت کے خاندان سے دفع ہوگئی۔
(۲) اصحابِ کہف کے ساتھ کُتّے نے چند روز نیک لوگوں کے ساتھ گزارے تو وہ آدمی بن گیا۔

سوال : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان الغلام الذی قتلہ الخضر طبع کافرا۔
(بے شک وُہ بچہ جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس کی طبیعت میں کفر تھا)

جواب :(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا:
کل مولود یولد علی الفطرت۔
(سب مولود فطرت پر پیدا ہوتے ہیں)

یہاں پر فطرت سے مراد قبولِ اسلام کی استعداد ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں جو جبلۃً بدبخت ہو جائے۔

(۲) آیت میں فطرۃ سے الست بربکم کا جواب لفظ بلیٰ مراد ہے۔

(۳) امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:
چونکہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اس لیے وُہ لڑکا بھی مومن تھا۔ لیکن اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ اگر وُہ لڑکا زندہ رہتا تو کافر ہو جاتا۔

سوال : اگر فطرۃً اسلام حاصل ہوتا ہے تو اصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ عوارض کا، کیونکہ عوارض بالآخر عوارض ہیں۔

جواب :(۱) دنیا کے احکام انہی عوارض پر مرتّب ہوتے ہیں اس لیے یہاں عوارض کا اعتبار ہوگا نہ کہ فطرت اسلام کا۔ اسی لیے اس ایمان کا اعتبار ہے جو اسے اپنے ارادہ کے طور حاصل ہوتا ہے۔

(۲) حدیث شریف میں اس کا جواب موجود ہے وہ یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فابواہ یہودانہ۔
(اسے اس کے والدین یہودی بنا دیتے ہیں)

اس میں اس کے پاس ایمان فطری ہے تو اس کے والدین اسے یہودی وغیرہ بنا رہے ہیں۔ کما فی کشف الاسرار۔

۳ مذہب ہر انسان کی زندگی میں تین مذاہب ہوتے ہیں:
(۱) مذہب مادر پدر اور عوام شہر جسے ما من مولود الخ میں ذکر کیا گیا ہے۔
(۲) مذہب بادشہ، اگر ولایت کا بادشاہ عادل ہوگا تو اس کے اکثر افسران عادل ہوتے ہیں اگر وُہ ظالم ہوگا تو اس کے اکثر افسران ظالم ہوتے ہیں اگر وُہ زاہد ہوگا تو وہ بھی زاہد ہوگا اگر دانا ہوگا تو وہ دانا ہوں گے۔ اگر وُہ حنفی مذہب ہوگا تو وُہ بھی حنفی۔ اگر وُہ شافعی ہوگا تو وُہ بھی شافعی ہوں گے۔

یہ ان کا حال ہے جو بادشہ کا قُرب حاصل کرنا چاہتا ہے اور اکثریت بادشاہوں کے قُرب کی خواہاں ہوتی ہے یہی الناس علی دین ملوکہم کا معنیٰ ہے۔

(۳) مذہبِ یار، اس لیے کہ دوست کے مذہب کا اثر دوست پر پڑتا ہے۔ لیکن یہاں پر دوستی سے وُہ مراد ہے جو ظاہری و باطنی طور اپنے دوست سے مشابہت رکھتا ہو۔ المرءُ علیٰ دین خلیلہ سے یہی مراد ہے؎

عن المرء لا تسأل و ابصر قرینہ

فکل قرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کو سمجھنا ہے تو اس کے دوست کو دیکھ لے۔ کیونکہ دوست دوست کی اقتداء کرتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:؎

نفس از ہم نفس بگیرد خوے

بر حذر باش از لقاے خبیث

باد چوں بر فضاے بد گزرد

بُوے بد گیرد از ہواے خبیث

ترجمہ: (۱) انسان کو انسان کی عادت لے جاتی ہے فلہذا خبیث انسان کا دیکھنا بھی گوارا نہ کرنا۔

(۲) ہوا جب گندی جگہ سے گزرتی ہے تو وہ بھی بدبودار ہوجاتی ہے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ لزوم فطرت کے امر کی تعلیل ہے یعنی کوئی پُوچھے کہ لزومِ فطرت کیوں؟ تو جواب میں فرمایا: لا تبدیل لخلق اللہ۔ یعنی اسلام کی صحت و استقامت میں کسی قسم کا خلل نہیں آئے گا اور جیسے اس کے تقاضے ہیں اسی طرح ہوگا۔ نہ اس میں خواہشات کی اتباع ہوتی ہے نہ اس میں وسوسہ کو دخل ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے لا تبدیل لخلق اللہ اللہ تعالیٰ کی وہ تخلیق جو اس نے فطرت کے طور پیدا فرمائی اس میں تبدیلی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو توحید پر پیدا فرمایا ہے جس کے لیے چاہا کہ اس کا قلب صحیح ہو تو اس کا دل سیدھا رکھا۔ اور جو دل کھوٹا ہوتا ہے اس پر الحاد شقاوت سوار ہوجاتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان قدس سرّہٗ کی تقریر فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ عالم الشہادۃ لوحِ محفوظ کا شیشہ ہے۔

اور لوح محفوظ کی صورتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور رحم الام، عالم الغیب کا آئینہ ہے اور حقیقت میں ان کی صورتوں میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے :

السعید سعید فی بطن امہ و الشقی شقی فی بطن امہ ۔

(سعید وُہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں سعید ہے اور بدبخت وُہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہے)

۱ مشکل آید خلق را تغییر خلق
آنکہ بالذات است کے زائل شود

۲ اصل طبعست و ہمہ اخلاق فرع
فرع لابد اصل را مائل شود

ترجمہ :(۱) خلق کو تبدیلی مشکل ہے وہ جو کسی میں ذاتی ہے کبھی زائل نہیں ہوتی ۔
(۲) طبیعت انسانی اصل ہے اور اخلاق فرع ہے اور فرع کو اصل کی طرف میلان ہوتا ہے ۔

دُعا : اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو بیمار دل کا علاج کرتے ہیں اور ان سے نہ بنائے کہ جن کے دل کو وعظ و تذکیر تکلیف پہنچاتے ۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہ اشارہ دین قویم کی طرف ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ سیدھا رکھنے کا حکم ہے یا فطرۃ اللہ کی طرف ہے جس کے لیے ترغیب دی جا رہی ہے، یا اس فطرت کی طرف ہے جس کی ملت سے تعبیر کی گئی ہے۔

سوال : اگر ملت مراد ہو تو پھر مذکر اشارہ کیوں ؟

جواب : اسے مذکور یا خبر کا اعتبار کر کے تاویل کی گئی ہے۔

ف : دین قیّم سے مراد ہے وہ سیدھا راستہ جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو، جسے مستقیم و مستوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ ۔ النّاس سے کفارِ مکہ مراد ہیں یعنی ان کے اکثر دین کی استقامت کو لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ نہیں جانتے ۔ اسی لیے اس سے منحرف ہو رہے ہیں اور وہ اس لیے کہ وُہ تدبر کرتے ہیں نہ تفکر مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ۔ فطرۃ اللہ کے فعل مقدر کی ضمیر سے حال ہے یا اقم سے جبکہ اس سے امت

مراد ہو۔ اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے ۔ منیبؔ وہ ہے جو بار بار رجوع کرے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ فطرۃ پر التزام کرو یا یہ کہ اپنا رُخ دین کی طرف رکھو درانحالیکہ تمہارا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور صرف طاعتِ الٰہی کی طرف دھیان رکھو۔

ف : شیخ ابوسعید خراز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ انابت بمعنے خلق سے منہ موڑ کر حق کی طرف رجوع ہو ۔ اب منیب کا معنیٰ یہ ہوا کہ سوائے حق کے کسی طرف توجہ نہ کرو ؎

تو مرجعی ہمہ را من رجوع با کہ کنم
گرم تو در نپذیری کجا روم چہ کنم

ترجمہ : تیرا رُخ تو دوسرے کی طرف ہے پھر میں کس طرف توجہ کروں اگر تُو مجھے قبول نہیں کرتا تو پھر بتائیے میں کہاں جاؤں اور کیا کروں !

ف : حضرت ابن عطا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر ایک سے منہ موڑ کر صرف حق کی طرف متوجہ ہو جاؤ بالخصوص یہ وہ لوگ ہیں جو ظلمات نفوس سے منہ موڑ کر آدابِ عبودیت کی حد میں رہ کر حق کی بارگاہ میں ایسے حاضر باش ہیں کہ کسی وقت بھی لمحہ بھر اس سے جُدا نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے ماسوا سے ڈرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : جب بندہ خلوص سے توبہ کرتا ہے تو وہ منیب کہلاتا ہے اس لیے توبہ کے بعد دوسرا درجہ انابت کا ہے ۔

وَاتَّقُوْهُ اور صرف اسی کے حکم کی پاسداری کرو۔ اس کا الزموا محذوف پر عطف ہے **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** اور نماز قایم کرو یعنی نماز کو شرائط و آداب بجا لا کر مقررہ اوقات پر ادا کرو۔

ف : امام راغب نے فرمایا اقامۃ بمعنے شے کا حق ادا کرنا۔

نکتہ : نماز کا بیان جہاں بھی ہُوا ہے اس کی سب سے بڑی مدح اقامت کے ساتھ فرمائی ہے ۔ وہ بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت نماز ہے بھی وہی جسے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کیا جائے نہ یہ کہ صرف ظاہری طور پر پڑھی جائے ۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ اور مشرکین سے نہ ہو جاؤ ۔ یعنی فطرتِ الٰہی کو تبدیل نہ کرو۔

ف : جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اسے (نماز کو) عمداً ترک کر کے مشرک نہ ہو جاؤ ۔ یہ خطاب امت کو ہے۔

حکایت : تفسیر تیسیر میں ہے کہ شیخ محمد اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تہیّہ کر لیا تھا

کہ جو حدیث شریف قرآنی مضمون کے مطابق ہوگی اسے روایت کروں گا ورنہ نہیں۔ جب سے میں نے **حدیث شریف:** من ترك الصلوٰة متعمداً فقد کفر (جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہے[1]) سُنی تو اس کی تحقیق پر میں نے تیس سال گزار دئے۔ بالآخر جب آیت ہذا مجھے ملی تو میں نے روایت مذکور کو روایت کیا۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ یہ ولا تکونوا من المشرکین سے بدل ہے اور حرف جارہ کو دوبارہ تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ اور ان لوگوں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ان کا وہ اختلاف ہے جو عبادت کے طریقوں میں آپس میں انہوں نے کیا۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے خواہشاتِ نفسانی کے تحت کیا۔

نکتہ: ان دونوں جملوں کو بدل مبدل منہ بنانے میں اشارہ ہے کہ مشرکین اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے گمراہی میں برابر ہیں۔

وَكَانُوْا شِيَعًا وہ مختلف فرقے ہو گئے اور ہر ایک اپنے سربراہ کی اتباع میں سرمست تھا۔

كُلُّ حِزْبٍ حزب بمعنے گروہ۔

ف: قاموس میں ہے، حزب، لوگوں کی ایک جماعت۔

بِمَا لَدَيْهِمْ ہر گروہ اس دین پر بڑے پر مضبوطی سے قایم تھا جس کی بنیاد انہوں نے باطل اور کھوٹ پر رکھی تھی فَرِحُوْنَ ○ مسرور اس بات پر کہ وہ حق پر تھے۔ حق و باطل کا فرق سب کو معلوم ہے۔

ے

ہر کسے را در خور مقدار خویش

ہست نوعے خوشدلی در کار خویش

میکند اثبات خویش و نفی غیر

چہ امام صومعہ چہ پیر دَیر

ترجمہ: ہر ایک کو اپنی قدر پہچاننی چاہیے لیکن ہر ایک کو اپنے کارناموں سے خوشی ہوتی ہے اپنا اثبات دُوسروں کی نفی کرتا ہے وہ گرجا کا پیشوا ہو یا دَیر کا مقتدا۔

---

[1] کافر بمعنے ناشکرہ ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بے نماز کافر نہیں فاسق ہے۔ کافر اس وقت ہوگا جب نماز کی فرضیت کا منکر ہوگا۔ اویسی غفرلہٗ

ف : حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے زمانے تک ایک ہی دین چلا آ رہا ہے اسے دینِ اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ امم و اعصار میں چند مسائل و احکام رہے لیکن انہیں اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جاتا جب سے یہود و نصارٰی اور مجوس اور بُت پرست اور ستارہ پرست اور ملائکہ کے پجاری وغیرہ پیدا ہوئے تو اختلاف برپا ہُوا اور لوگ ٹولیوں میں بٹ گئے۔

ابراہیمی تہتّر فرقے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کی امت کے تہتّر[۷۳] فرقے ہو گئے۔ ان میں سے بہتّر جہنم میں جائیں گے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور وہ ایک فرقہ وہی تھا جو ابراہیم علیہ السلام کے اصول و فروع (عقاید و مسائل) پر کاربند تھے۔

مُوسوی اکہتّر فرقے حضرت مُوسٰی علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی امت کے اکہتّر[۷۱] فرقے ہو گئے ان میں سے صرف ایک فرقہ بہشت میں جائے گا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ اور بہشت میں جانے والا فرقہ وُہ ہوگا جو موسٰی علیہ السلام کے عقاید و مسائل کے مطابق تھا۔

عیسوی بہتّر فرقے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی امت بہتّر[۷۲] فرقوں میں بٹ گئی سب جہنم میں جائیں گے سوائے ان کے جو عیسٰی علیہ السلام کے عقاید و مسائل کے مطابق تھے۔

اُمّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے تہتّر فرقے ہوں گے۔ بہتّر جہنم میں جائیں گے ایک فرقہ بہشت میں جائے گا۔ یہ وُہ فرقہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عقاید و مسائل کے مطابق ہوگا۔ اسے فرقہ ناجیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ازالہ وہم ان فرقوں سے اصولی فرقے مراد ہیں ورنہ ان کے جزئیات لا تعد و لا تحصٰی ہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے فارس کے ایک علاقے میں پورے ایک سَو مذاہب دیکھے ہیں جنہیں بظاہر ان تہتّر فرقوں سے بال برابر بھی تعلق نہ تھا۔ یہ صرف ایک علاقے کا حال ہے اندازہ کیجئے باقی ممالک کا حال کیا ہوگا!

قاعدہ ان بہتّر جہنمی فرقوں کے اصولی فرقے چھ[۶] ہیں:

(۱) تشبیہ

(۲) تعطیل

لے اس مسئلہ کی تفصیل فقیر کی کتاب "فرقے ہی فرقے" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(۳) جبر
(۴) قدر
(۵) رفض (رافضی)
(۶) نصب (ناصبی)

(۱) تشبیہ وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو غیر متعلق صفات سے موصوف کر کے مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔

(۲) اہلِ تعطیل وُہ ہیں جو خدا کو مانتے ہیں نہ اس کے صفات کو۔

(۳) اہلِ جبر وُہ ہیں جو بندوں کے فعل و اختیار کا انکار کرتے ہیں اور اپنی بندگی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بندگی کرنے میں بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

(۴) اہلِ قدر، وہ خدائی کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

(۵) اہلِ رفض (شیعہ) وہ ہیں جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلا فصل بیعت کی وہ خلافت کا حقدار نہیں، بلکہ بیعت لینے دینے والے سب دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

(۶) اہلِ نصب (ناصبی) صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطعون ٹھہراتے ہیں بلکہ وُہ کہتے ہیں کہ جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی وُہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

قاعدہ چھ مذکورہ فرقوں سے بارہ بارہ فرقے نکلے جن کا مجموعہ بہتّر ہوا - یہ اب تک موجود ہیں - ہر ایک کا دعویٰ قرآن و حدیث سے ہے اور ہر ایک کہتا ہے کہ قرآن کا ایک ایک کلمہ ہمارے مذہب کا مؤید ہے لیکن ہمارے مخالفین کو سمجھ نہیں۔

ف: یہ فرقے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے پیدا ہوئے جبکہ آپ نے فرمایا کہ ہمارا معبود موجود ہے اور وہ صفات سے موصوف بھی ہے۔ یہ سُن کر ہر فرقہ اپنے وہم و گمان پر بول اٹھا اور دلائل کے انبار لگا دئے۔ لیکن وُہ جملہ فرقے اس غلط خیالی سے سراسر غلط و باطل تھے اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ عقل کا طریق ایک ہی ہے تو جب صرف عقل کا طریق ایک سے دو نہیں ہو سکتا تو پھر دین میں متعدد مذاہب کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ ایک حکایت سے واضح ہو سکتا ہے۔

حکایت نابینایان منقول ہے کہ کسی شہر کے تمام شہری اندھے تھے انہیں خیال ہُوا کہ ہاتھی دیکھا جائے کہ وہ کیسا ہوتا ہے ۔ اسی آرزو میں تھے کہ اچانک کہیں سے قافلہ آیا ان کے پاس ہاتھی تھا اندھوں کو اطلاع ہُوئی ۔ اندھوں نے اپنے میں سے دانشوروں کا انتخاب کرکے انھیں ہاتھی دیکھنے کے لیے بھیجا ۔ جب وہ ہاتھی کے قریب پہنچے ایک کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑا وہ سمجھا کہ ہاتھی ڈھال کی طرح ہے ۔ دوسرے کا ہاتھ سونڈ پر پڑا اس نے سمجھا کہ ہاتھی ستون جیسا ہے ۔ تیسرے کا ہاتھ پیٹھ پر پڑا وہ سمجھا کہ وہ تختے جیسا ہے ۔ چوتھے کا ہاتھ پاؤں پر پڑا وہ سمجھا کہ یہ تو پایۂ تخت کی طرح ہے ۔ سارے خوشی خوشی اپنے شہر کو لوٹے ۔ دوسرے اندھوں کو حال سنانے لگے ۔ ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا ۔ اس پر تمام شہر میں اختلاف پیدا ہوگیا ۔ جس نے کان دیکھا اس سے سننے والے ہاتھی کو ڈھال کی طرح ماننے لگے اور دوسروں کے خیالات کی تکذیب کرتے اِس طرح دوسرے دوسروں کی تکذیب کرتے ۔ یوں اختلاف پیدا ہوگیا ۔ ہر ایک نابینا اور اس کی جماعت اپنے اپنے عقلی دلائل قائم کرتے ۔ مثلاً ایک نے کہا ہاتھی ڈھال کی طرح ہے وہ کہتا کہ ہاتھی کو جنگ میں لاؤ وہ ڈھال کی طرح کام نہ دے تو ۔ جس نے کہا ہاتھی ستون کی طرح ہے وہ کہتا کہ اسے جنگ میں لاؤ دشمن کا حملہ نہ روکے تو ۔ جس نے کہا ہاتھی پایۂ تخت کی طرح ہے اس کی دلیل یہ تھی کہ جس طرح پایۂ تخت بوجھ اٹھاتا ہے ایسے ہی ہاتھی ہے کہ جس پر بوجھ رکھو وہ بھی اٹھاتا ہے ۔ جس نے کہا کہ یہ تخت کی طرح ہے اس نے دلیل یہ دی کہ جیسے تخت پر بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اس پر بھی بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اسی لیے ہاتھی تخت کی طرح ہے وغیرہ وغیرہ ۔

انتباہ اس حکایت سے نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ اندھے اپنے دلائل میں سچے تھے لیکن ہاتھی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے ۔ اگر ان کے تمام مقدمات کو یکجا کرکے مان لیا جائے تب بھی ہاتھی کی حقیقت سے بے خبری ہی رہے گی بلکہ ایسے لوگ اگر ہاتھی کی حقیقت سمجھانے کے لیے بکثرت دلائل دیتے جائیں تب بھی مقصد حاصل نہ ہوگا اور اختلاف بڑھے گا ۔

ہاں اگر ان میں کوئی بینا ہو جائے یا انہیں کوئی آنکھ والا مل جائے اور وہ ہاتھی کی شکل وصورت دیکھ کر کہے بھائیو (اندھو) ! تم جو کچھ ہاتھی کی حقیقت سمجھے ہو غلط ہے اس کی حقیقت اب مجھے معلوم ہے کہ میں اسے آنکھوں سے دیکھ رہا ہُوں کہ ہاتھی کیسا ہے ۔ تم جو کچھ کہتے ہو تمہاری دماغی اختراع ہے اور تمہیں پاگل کہا جائے تو بجا ہے مختصر یہ کہ جو اس نابینا کی طرح بات نہ مانے وہ اسی طرح اختلاف میں رہے گا اور جو قبول کرے گا وہ اختلاف سے بچ جائے گا ۔ (اندھوں کے ہاں صرف خبر کی حیثیت تھی اور بینا نے معائنہ کیا ۔ فرق بیست از کجا تا کجا)

اختلاف مذاہب کا حال جب ہم نے سُنا کہ جُملہ کائنات کا ایک خدا ہے اور وُہ ذات و صفات والا ہے۔ ہر مذہب والے نے اس کی ذات وصفات کو قرآن و حدیث سے سمجھا اسی لیے کوئی اللہ تعالیٰ کی صفات کسی طرح کرتا ہے کوئی کسی طرح (تشبیہ، تعطیل، جبر و قدر میں مبتلا ہوگئے) اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلائل نہ عقلاً صحیح ہیں نہ نقلاً۔ کیونکہ عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ عقیدہ میں اختلاف نہ ہو اور ان کے عقاید میں ہزاروں اختلاف ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اُنھوں نے نہ ذاتِ باری تعالیٰ کو سمجھا ہے نہ اس کی صفات کو۔ واضح ہُوا کہ یہ اپنے بڑوں کے پھندے میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے اندھی تقلید۔ یہی اندھی تقلید مجبور کرتی ہے کہ ایک دُوسرے کو کافر اور بے ایمان کہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس اندھی تقلید کے اعتبار سے سب برابر ہیں[1]

عقایدِ صحابہ کا نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقاید یہ ہیں:

(۱) اللہ ایک ہے۔

(۲) ان صفات سے موصوف ہے جو اس کے لائق ہیں۔

(۳) اس کی ذات و صفات قدیم ہیں۔

(۴) اس کی صفات اس کی غیر بھی نہیں جیسے ایک دس کا غیر نہیں۔

(۵) اس کی ضد و ند اور مثل و شریک اور زن و فرزند اور حیز و مکان نہیں۔ (اور نہ یہ امور اس کے لیے ممکن ہیں)

(۶) وہ کسی چیز سے نہیں اور نہ وہ کسی چیز پر ہے اور نہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز کے ساتھ ہے بلکہ تمام اشیاء اسی سے ہیں اور اس کے ساتھ قائم و باقی ہیں۔

(۷) وہ چشمِ سر سے نہیں دیکھتا اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔

(۸) اس کا دیدار دنیا میں جائز نہیں۔

(۹) آخرت میں ہر ایمان دار کو بہشت میں اس کا دیدار نصیب ہوگا۔

(۱۰) اس کا کلام قدیم ہے۔

(۱۱) وہ خود مختار ہے۔

(۱۲) وہی خیر و شر اور کفر و ایمان کا خالق ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔

---

[1] جیسے ہمارے دَور میں ہو رہا ہے کہ دیوبندی مودودی آپس میں ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر کہنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں دونوں سچے ہیں۔ اس کی تحقیق فقیر نے تفسیر اویسی میں لکھ دی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(۱۳) بندگان اور ان کے افعال کا خالق وہی اللہ ہے نہ کہ بندے (خلافاً للمعتزلہ)۔ ہاں بندے اپنے افعال میں مختار ہیں۔

(۱۴) کوئی صفت بھی مخلوق کی صفات میں سے اس کی صفت سے مشابہ نہیں۔

(۱۵) جو خیال اور تصور کسی کے ذہن میں آتا ہے کہ وہ ایسے ہوگا وہ اس سے منزہ ہے۔ نہ وہ اس طرح ہوسکتا ہے۔

(۱۶) وہ سب کا خالق ہے [1]

---

[1] فقیر اپنی کتاب "الاصابہ" سے صحابۂ کرام کے عقائد و معمولات سے ایک آدھ اقتباس مشتے از خروارے کے طور پر ہدیۂ ناظرین کرتا ہے ؏

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

مذکورہ عقائد و معمولاتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو مومنانہ دل سے پڑھ کر فیصلہ فرمائیے کہ مذکورہ بالا عقائد و معمولات دورِ حاضرہ میں کس جماعت میں پائے جاتے ہیں بعدہٗ اپنے لیے فیصلہ فرمائیے کہ آپ ان عقاید و معمولات کو عین اسلام سمجھتے ہیں یا شرک و بدعت کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

نماز میں تصوّرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیوبندیوں وہابیوں کے نزدیک نماز میں تصوّرِ رسول شرک ہے، ہمارے نزدیک عین اسلام۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام صلح کرانے قبا تشریف لے گئے۔ بعد میں آپ کی جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امام بن کر نماز شروع کرائی تو آپ بھی تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ نماز میں شامل صحابہ نے دائیں ہاتھ کو بائیں کی پشت پر مار کر تصفیح فرمائی۔ اس پر صدیق اکبر کو آپ کی آمد کا احساس ہُوا تو آپ مصلّے سے ہٹ کر پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے اور حضور نے مصلّے پر تشریف لے جا کر نماز پوری کرائی اور نماز کے بعد صحابہ کو فرمایا کہ جب نماز میں امام کو توجہ دلانے کی ضرورت ہو تو تصفیح کی بجائے سبحان اللہ کہیں۔ پھر صدیقِ اکبر کو فرمایا: اے ابوبکر! میرے اشارہ کرنے کے باوجود آپ نے نماز کیوں نہیں پڑھائی؟ عرض کی "ابی قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) کو لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے۔" (بخاری شریف، جزو اوّل)

معلوم ہُوا کہ صدیق اکبر اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مسلک میں بحالتِ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نماز کے منافی نہیں۔ جب تصفیح کر کے اور مصلّے سے پیچھے ہٹ کر عملاً تعظیمی مظاہرہ نماز کے خشوع و خضوع کے خلاف نہیں۔ تو محض تعظیم کے ساتھ خیال مبارک میں تو بدرجۂ اولیٰ کوئی حرج نہیں۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "تصورِ رسول" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

لیس کمثلہ شئی اس کی مثل کوئی شے نہیں اور اس کا فعل علت و غرض سے منزّہ اور پاکیزہ ہے۔ اس پر کوئی شے نہیں اور انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا اس کا فضل و کرم ہے۔

معتقداتِ اہلسنت انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ ان کے سوا انسانوں میں کوئی معصوم نہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد خلیفہ برحق اور امام برحق سیدنا ابوبکر، ان کے بعد حضرت عمر، ان کے بعد حضرت عثمان، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، ان پر امامت ختم ہوئی۔ اجماعِ صحابہ حق ہے ان کے بعد علماء کا اجماع بھی حق اور حجت ہے اور اجتہاد و قیاس از علماء بھی شرعاً درست ہے۔ یہ جو کچھ کہا گیا ہے ان معتقدات پر امام ابوحنیفہ و امام شافعی رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔

ائمۂ اہلسنّت کا تعارف شیخین کاملین اہلِ حق سے ہیں۔ ایک کا اسم گرامی شیخ ابو الحسن اشعری ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری صحابی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ جو ان کے عقاید کی پیروی کرے اسے اشعری کہا جاتا ہے۔

دوسرے کا اسم گرامی شیخ ابومنصور ماتری ہے (رحمہ اللہ)۔ جو ان کے عقاید کے موافق ہے اسے ماتریدی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقاید انہی کے موافق ہیں اگرچہ یہ امام صاحب سے بعد پیدا ہوئے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے معتقدات امام ابوالحسن اشعری کے مطابق ہیں اگرچہ یہ بھی امام شافعی کے بعد پیدا ہوئے اور ماتریدی فروع میں امام ابوحنیفہ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، اور اشعری امام شافعی کی فقہ پر۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

تقلید شخصی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر التزام (تقلید) واجب ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

(اللہ اور اس کے رسول (علیہ السلام) اور اولی الامر کی اطاعت کرو)

اور ان میں سے انحراف کا ترک بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا۔

(اور وہ جو تمہیں رسول (علیہ السلام) دیں وہ لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ)

بدمذاہب کی صحبت سے بچو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمذاہب کے ساتھ نشست و برخاست سے منع فرمایا ہے اور بیزاری کا

اظہار فرمایا ہے۔

حدیث شریف یجیئ قوم یمیتون السنۃ ویل غلون فی الدین فعلی اولئک لعنۃ اللہ ولعنۃ الاعنین والملائکۃ والناس اجمعین۔

(عنقریب ایک گروہ پیدا ہوگا جو سنّت کو مٹائے گا اور دین میں رخنہ اندازی کرے گا۔ وہ یہی ہے جس پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں اور جملہ ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے)

صُوفیہ کے گروہ اہلِ تصوّف کے بھی بارہ گروہ ہوگئے ان میں سے ایک اہلسنّت کا گروہ ہے اس کے عقائد علمأ کے موافق ہیں۔ باقی گیارہ بدعتی ہیں؛

۱۔ حلولیہ	۷۔ اباحیہ
۲۔ حالیہ	۸۔ متکاسلہ
۳۔ اولیائیہ	۹۔ متجاہلہ
۴۔ شمراخیہ	۱۰۔ واقفیہ
۵۔ حبیبہ	۱۱۔ الہامیہ
۶۔ حوریہ	

مسئلہ؛ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اہلِ جذبہ تھے ان سے یہ جذبہ مشایخ کرام (اہلسنّت) کو نصیب ہُوا جو مختلف سلاسل طیبہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سُہروردیہ، اویسیہ) میں پھیلا، پھُولا پھلا یہاں تک کہ بعد میں کچھ کمزور پڑ گیا اور سوائے چند محبوبانِ خدا کے یہ نعمت منقطع ہوگئی (پھر رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی) ایسے رسمی مجیب مقبّب پیر بہت پھر رہے ہیں جن کو تصوّف کی بُو تک بھی نصیب نہیں اور وہ اپنے آپ کو یا تو قلندر کہتے ہیں یا حیدر کے مرید اور بعض اپنے آپ کو شیخ ادھم سے منسوب کرتے ہیں وغیرہ۔ ہمارے دَور میں ایسے پیروں کی تو بہتات ہے لیکن حقیقت شناسوں کا کال ہے[1]۔ ہاں ان کو پانا ہے تو دو گواہوں کی شہادت لیں؛

۱۔ ظاہر

۲۔ باطن

ظاہر یہی کہ وہ شریعتِ مطہرہ پر استحکام رکھتے ہوں۔

---

[1] اور آج ۱۴۰۴ھ میں اس سے بھی بُرا حال ہے۔ اویسی غفرلہٗ

باطن یہ کہ سلوک علی البصیرۃ کے مالک ہوں۔ اور ان میں اقتدائے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح جھلکتی ہو۔[1]

ایسے مشایخؒ اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاں پہنچنے کا بہترین وسیلہ ہیں۔ ورنہ اگر وہ خود اندھے ہیں تو دوسروں کو خاک راہ دکھائیں گے!

تصوّف و سلوک کے بارہ گُر[2] مشایخ نے فرمایا جب دیکھو کہ اعتقادات و اختلافات کی بھرمار ہے اور تمام علاقے سچّے مشایخ سے محروم ہوں تو پھر مندرجہ ذیل بارہ گُر عمل میں لائیے کہ یہ تمام اہل اللہ کے بتائے ہُوئے اور ہدایت کے مینار ہیں:

۱۔ صحبتِ نیکاںؒ
۲۔ ان کی فرماں برداری کرنا
۳۔ راضی بہ رضائے خدا رہنا[3]
۴۔ خلقِ خدا سے صُلح وصفائی رکھنا
۵۔ کسی کو دُکھ اور رنج نہ دینا
۶۔ حتی المقدور خلقِ خدا کو راحت پہنچانا

یہ چھ گر التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ کی تفسیر ہیں۔

۷۔ متقی و پرہیزگار اور حلال خور ہونا
۸۔ ترکِ طمع و حرص
۹۔ کسی کی بلاضرورت بدگوئی نہ کرنا اور اپنے آپ کو نیک نہ سمجھنا
۱۰۔ ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنا
۱۱۔ نیک اخلاق کے حصول کی جدوجہد کرنا
۱۲۔ غلط دعووں سے بچنا بلکہ ہمیشہ ہر ایک کا نیازمند رہنا

---

[1] اور آج (۱۴۰۴ھ) کے اکثر مدعیانِ مشیخت شریعت مطہرہ پر پھبتیاں کستے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ۔

[2] ان کے حالات و ملفوظات پڑھنا سُننا بھی یہی اثر رکھتے ہیں۔

[3] ان کے احوال و اعمال کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا بھی یہی اثر رکھتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

دراصل یہی گُر تمام سعادتوں کا اصل اور جملہ درجات عُلیا کا بیج ہیں۔ جس میں یہ بارہ گُر ہوں اسے مردانِ خدا سے سمجھنا۔ بلکہ یہی سالکِ راہِ ہُدیٰ ہے۔ جس میں یہ گُر نہ ہوں وہ چاہے عوام کی نظروں میں کتنا ہی بلند مرتبت ہو اور جبہ و قبہ و دستار سے مزیّن ہو وہ شیطان بصورتِ انسان ہے۔ یعنی یہی وہ خناس ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس۔

(وہ خناس جو جنوں اور انسانوں سے لوگوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا ہے)

تفسیر صُوفیانہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں سے جو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہیں مِنَ الَّذِيْنَ فرقوا دینھم وہ جو اس دن جُدا ہو گئے۔ جو فطرت الٰہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تفرید و تجرید و توحید اور مراقبہ فی مجلس الانس اور ملازمۃ للمکالمۃ مع الحق پہ پیدا فرمایا و کانوا شیعا اور وُہ ہو گئے مختلف گروہ، بعض ان میں نعیم جنان کو مائل ہُوئے اور بعض نعیم دُنیا کو چلے گئے انہیں رُسوائی کے سوا کچھ نصیب نہ ہُوا اور ان کا ایک گروہ شیطان کے پنجے میں پھنس گیا اس نے انہیں جب شہوات کے سبز باغ دکھا کر جہنم کے درکات میں لے گیا کل حزبٍ بما لدیھم یہ تمام فرقے اپنی خواہشاتِ نفسانی اور مقتضائے طبع شہوانی میں خوش ہیں فرحون اسی لیے وہ غفلت کے میدانوں میں بھٹک رہے ہیں اور شہوات کے دریاؤں میں ڈبکیاں کھا رہے ہیں اور جھوٹے اور غلط خیالوں میں بھٹک رہے ہیں حتیٰ کہ جب انھیں سعادت نے جھٹکا دیا، ان کی آنکھ کھلی تو انہیں پتہ چلا کہ ان کی تمام خوشی تو سراسر غم و حُزن تھا اور انہیں یقین ہوا کہ وُہ تو گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ وُہ جہالت کے گڑھے میں دب چکے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا: ؎

سوف تری اذا انجلی الغبار

افرس تحتك ام حمار

ترجمہ: عنقریب جب گرد و غبار ہٹ جائے گی تو تجھے معلوم ہو گا کہ تم گھوڑ سوار ہو یا گدھے کے سوار۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ اور جب مشرکینِ مکّہ کو پہنچتا ہے ضُرٌّ نقصان یعنی بھوک اور بارش کی بندش اور بیماری اور فقر و فاقہ، اور دیگر طرح طرح کی آفات و بلیات۔

المفردات میں ہے المس بمعنے ہر وُہ ایذا جو انسان کو پہنچے ۔

دَعَوْا رَبَّهُمْ تو اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ درانحالیکہ وُہ اس کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں کبھی دعاؤں سے کبھی زاریوں سے ۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ ان کا دُکھ درد اس کے سوا کوئی نہیں ٹالتا اور نہ ہی ان کے بُت ۔ اس کی کوئی قدرت اور طاقت رکھتے ہیں ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ اور جب وہ انہیں چکھاتا ہے مِّنْهُ اپنی طرف سے رَحْمَةً رحمت ، یعنی دُکھ اور درد سے نجات اور انہیں رزق کی وسعت اور تونگری اور تندرستی وغیرہ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اس وقت ایک گروہ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ۙ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے ۔ یعنی اس کے بعد اچانک ان کا گروہ اس پروردگار کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے جس نے انہیں تندرستی وغیرہ بخشی حالانکہ ان کا پختہ یقین تھا کہ اس بلائے عظیم سے صرف اسی نے چھٹکارا بخشا ہے ۔

سوال : یہاں ایک گروہ کی تخصیص کیوں ؟

جواب : مذکورہ بالا طریقہ صرف ایک گروہ سے ہوا ، سب کے سب ایسے نہ تھے ۔ جیسا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پر فرمایا :

فلما نجاهم الى البر فمنهم مقتصد ۔

(جب اللّٰہ نے انہیں نجات دی تو ان کا ایک گروہ میانہ رو ہوا)

یعنی صحیح راہ پر چلنے والا یعنی کفر میں معتدل ، اس لیے کہ اس نے بیماری وغیرہ کی زجر و توبیخ سے اعتدال کو پسند کیا ۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ تاکہ اس کے ساتھ کفر کریں جو ہم نے انہیں عافیت اور تندرستی دی ہے ۔ لام عاقبت کی اور موصول سے نعمت خلاص و عافیت ہے فَتَمَتَّعُوْا تو اپنے اوقاتِ مقررہ تک تم اپنے کفر سے نفع حاصل کر لو ۔ یہاں پر غیب سے خطاب کی طرف التفات ہے ۔ یعنی زندگی کا پھل کھا لو پھر موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے ۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اے کافرو ! چند روز دنیوی نعمتوں سے نفع اٹھا لو فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ عنقریب جان لو گے کہ تمہیں آخرت میں اس دنیوی نفع اٹھانے پر کتنی سزا ملتی ہے !

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں انسان کی طبیعت کی طرف اشارہ ہے کہ وُہ ہدایتِ روح اور اطاعتِ الٰہی اور ضلالتِ نفس اور اس کی گمراہی و سرکشی کی دونوں عادتیں رکھتی ہے کہ جب اس پر اسے محنت و مشقت اور آفت پہنچے تو نہایت متواضع و

منکسر ہو جاتی ہے اور رُوح ظلمانی شہوات سے نکل کر اپنی اصلی فطرت کی طرف رجوع کر کے حضرت حق کے دربار کی حاضری کے لائق ہو جاتی ہے اور نفوس ارواح کے موافق اور طبائع کے مخالف ہو کر دفع بلیات کے لیے راجع الی اللہ ہو جاتے ہیں اور اس کے لطف کے چاہنے اور محنت و مشقت سے پناہ مانگنے اور اسی سے دکھ درد ٹلنے کی التجا کرنے والے ہو جاتے ہیں۔ جب ان سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور حق تعالیٰ انہیں نظرِ عنایت سے نوازتا ہے اذا فریق منھم تو ان کا ایک گروہ، اس سے نفوس متمردہ مراد ہیں یعنی پھر وُہ اپنی عادتِ مذمومہ اور طبیعت ذلیل اور کفرانِ نعمت پر اُتر آتے ہیں لیکفروا بما اٰتینٰھم تاکہ وُہ ہماری دی ہُوئی نعمت و رحمت سے ناشکری کریں۔ پھر ان کی تہدید فرمائی کہ فتمتّعوا فسوف تعلمون نفع اٹھالو عنقریب تمہیں اس کی سزا ملے گی جو تم اپنی خواہشات نفسانی کی اتباع میں طبائع کے موافق عمل کیے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری ہے۔ سلطان سے حجتِ واضحہ مراد ہے جیسے کتاب وغیرہ فَهُوَ يَتَكَلَّمُ تو وُہ ان سے بولتی ہے۔ اس سے دلالت مراد ہے۔ جیسے دوسری جگہ پر فرمایا:

ھٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق۔

(یہ ہماری کتاب تمہارے ساتھ حق بولتی ہے)

بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝ ان کے شرک کرنے کی صحت پر۔ اس معنیٰ پر یہ ما مصدریہ ہے یا اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ الوہیت میں شریک ٹھہرائیں۔ اس معنیٰ پر یہ ما موصولہ ہے اور استفہام سے نفی و انکار مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے مشرکین پر کچھ نہیں اتارا۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بندوں کے اعمال اگر منزل من اللہ کی حجت سے ثابت ہوں تو وہ ان کے لیے مفید ہیں اگر وہ ان کی طبائع خبیثہ کے نتائج ہوں تو پھر وہی اعمال ان کے لیے وبال ہوں گے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جو عمل خواہشِ نفسانی پر ہو وُہ سزا ہے اور اگر حجت حق کے مطابق ہوں تو وہ ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس قاعدہ سے انسان عمل صالح و فاسد کا اندازہ خود لگائے اگر وہ اس سے بے خبر ہو تو بہت سے اعمال خبیثہ کو طیبہ سمجھنے لگ جائیں گے جبکہ ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہ ہو جو اسے بتائے کہ یہ عمل طیب ہے یا نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے باطل کے خوض سے اور ایسے عقیدے سے کہ جس سے فائدہ نہ ہو، پناہ مانگتے ہیں ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کین رہ کہ تو میروی بترکستانست

ترجمہ : مجھے ڈر ہے اے اعرابی! کہ تُو کعبہ شریف نہ پہنچ سکے گا اس لیے کہ جس راہ پر تُو چل رہا ہے وہ تو ترکستان کو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں یعنی نعمت و صحت اور تونگری عطا فرماتے ہیں فَرِحُوْا بِهَا ؕ تو اس سے خوش ہوتے ہیں یعنی اِتراتے اور اکڑتے ہیں حالانکہ انھیں چاہیے تھا کہ وہ اس پر حمد و شکر کرتے۔ یہ صرف اس لیے کہ انھیں دنیوی زندگی نے دھوکا دیا ہے اسی لیے عبودیتِ مولیٰ سے رُوگرداں ہیں وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ اور اگر انہیں تکلیف پہنچتی ہے بلا اور تنگی سے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ان کے برے اعمال کی شامت سے اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝ تو وہ اچانک ناامید ہوجاتے ہیں۔

حلِ لغات : القنوط و الیاس بمعنے رحمتِ باری تعالیٰ سے ناامیدی۔ یعنی ایسے موقعہ پر اچانک وہ ناامید ہو کر جزع و فزع کرنے لگ جاتے ہیں نعمتوں پر شکر اور تکالیف پر صبر نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے غافل و محجوب لوگوں کا کام ہے۔ اور اہلِ محبت تو وہ ہیں کہ ان کے نزدیک رحمت و زحمت برابر ہے نہ انھیں نعمت کے ملنے پر خوشی اور نہ نہ ہونے کا غم۔ چنانچہ فرمایا :

لکیلا تأسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم۔

(تاکہ وہ فوت شدہ نعمت سے غم نہ کھائیں اور نہ ہی دی ہُوئی نعمت سے خوش ہوں)

جب انہیں قوۃ اعتماد علی اللہ نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہری و باطنی سے ناامید نہیں ہوتے بلکہ وہ تنزلات کو تلوینات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ ہر وقت اپنے حالات کی تصحیح کے لیے ریاضات و مجاہدات سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور ظہورِ تمکینات و ترقیات پر صبر کرتے رہتے ہیں ؎

بصبر کوش دلا روز ہجر فائدہ نیست
طبیب شربت تلخ از برائے فائدہ ساخت

ترجمہ : ہجر پر اے دل! صبر کیجئے ورنہ اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں۔ طبیب نے کڑوا شربت کسی فائدہ کے لیے ہی تیار کیا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا اور ان کو مشاہدہ نہیں ہوا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق بڑھاتا ہے، جس میں صلاحیت دیکھتا ہے

اسے رزق کی وسعت عطا فرماتا ہے پھر اس کا امتحان لیتا ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا نہیں وَیَقْدِرُ اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق گھٹا دیتا ہے یوں بھی اس کا امتحان لیتا ہے کہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بندوں سے صبر و شکر دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ نعمت ملنے پر شکر کرتا ہے یا نہیں، ایسے ہی دکھ درد اور فاقہ پر صبر کرتا ہے یا جزع فزع۔ یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اہلِ ایمان کی طرح نعمتوں پر شکر نہیں کرتے۔ کیا انہیں شکر پر ثواب کی امید نہیں یا تکالیف پر صبر کریں تو انہیں اجرِ عظیم نصیب ہو۔

نکتہ: حضرت شقیق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تو اپنی تخلیق و حیات کے متعلق کوئی اضافہ نہیں کر سکتا ایسے ہی رزق کو بھی نہیں بڑھا سکتا۔ اس لیے طلبِ رزق میں کیوں مارا مارا پھر رہا ہے ؎

رزق اگر بر آدمی عاشق نمی باشد چرا
از زمین گندم گریباں چاک می آید چرا

ترجمہ: اگر آدمی پر رزق عاشق نہیں تو بتائیے یہ گندم کا دانہ زمین کا دامن چاک کر کے کیوں باہر آتا ہے!

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک رزق گھٹانے بڑھانے میں لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ اہلِ ایمان کے لیے آیات ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت پر استدلال کریں۔

حضرت ابوبکر محمد بن سابق مرحوم نے فرمایا: ؎

۱ فکم قوی قوی فی تقلبه
مهذب الرای عنه الرزق ینحرف

۲ وکم ضعیف ضعیف فی تقلبه
کانه من خلیج البحر یغترف

۳ هذا دلیل علیٰ ان الاله له
فی الخلق سر خفی لیس ینکشف

ترجمہ: (۱) بڑے طاقتور اپنی طاقت کے بل بوتے زمین پر چل پھر رہے ہیں اور رائے و فکر میں اعلیٰ ہیں لیکن رزق ان کے ہاتھ نہیں آتا۔

(۲) بہت زیادہ کمزور جو اپنی کمزوری سے چلنے سے عاری ہیں ان کی وسعتِ رزق کا یہ حال ہے کہ مال و دولت کے دریا سے اپنے گھر بھر رہے ہیں۔

(۳) یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ معبودِ حقیقی کا کوئی مخفی راز ہے جو کسی پر منکشف نہیں ہو رہا۔

وجودِ باری تعالیٰ کسی بزرگ سے پُوچھا گیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہُوا کہ عالم کا صانع ایک ہے؟ انہوں نے فرمایا: تین اشیاء سے:

ذل اللبیب و فقر الادیب و سقم الطبیب۔

(دانا کا ذلت کی زندگی گزارنا اور دانشور کا فقر و فاقہ اور طبیب کا بیمار رہنا)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندوں پر لازم ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے دل نہ لگائیں اس لیے کہ ہر دُکھ درد کا ٹالنے والا اور راحت و سرور بخشنے والا صرف وہی ہے۔ اگر کسی کو رزق میں کشادگی عطا فرماتا ہے تو وہی' اور اگر رزق میں تنگی کرتا ہے تو وہی۔ اسی لیے واجب ہے کہ اس کے در پر پڑے رہو اور اغیار سے تصوّرات و خیالات کو توڑ دو۔ کیونکہ اپنے جیسے عاجز و ذلیل سے طلبِ مراد بیوقوفی ہے۔ طلبِ مراد ایسی ذات سے ہو جو قادرِ مطلق ہو۔ اور وہ ہے ذاتِ حق تعالیٰ۔

صُوفیانہ چٹکلہ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے فقر و فاقہ طلب کیا تو تونگری نے ہمارے قدم چُومے لیکن لوگوں نے تونگری کو چاہا تو انہیں فقر و فاقہ ملا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ سکونِ قلب اور فنا عن الارادات کے حصول کی جد و جہد کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

انما یخشی المؤمن الفقر مخافۃ الآفات علیٰ دینہ۔

(مومن فقر سے صرف اس لیے خوفزدہ ہوتا ہے کہ کہیں دین کا نقصان نہ ہو)

سبق ۱: انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت دین کی تحقیق کی فکر میں رہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ ادامرِ حق کی فرماں برداری کو مدِنظر رکھے۔ یہ بھی اس کا حکم ہے کہ صرف اسی پر توکّل کرو اور رزق کے بارے میں اسی پر یقین رکھو۔

سبق ۲: انسان پر لازم ہے کہ ہر وقت فرمانبردار رہے اور دل سے اغیار کے افکار بالکل نکال دے کیونکہ جسے اس کی رزاقیت پر شک ہے وہ اس کی خالقیت پر بھی شک رکھتا ہے۔

معروف کرخی نے نماز لوٹائی حضرت معروف کرخی قدس سرہٗ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی، فراغت کے بعد امام نے پُوچھا: تم رزق کہاں سے کھاتے ہو؟ حضرت معروف نے فرمایا: ٹھہریئے، میں نماز لوٹاؤں پھر بتاؤں گا۔ فراغت کے بعد فرمایا: جسے رزاق کی

رزاقیت پر شک ہے اسے اس کی خالقیت پر شک ہے۔ اور جو امام اپنے خالق پر ایمان نہیں رکھتا اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے کیونکہ وہ امام اپنے عقیدے میں متردد و متزلزل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لقوم یؤمنون۔ اس لیے کہ غیر مسلم آیات کو نہیں جانتا اور نہ ہی وہ اس کی دلالات سے استدلال کر سکتا ہے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ شک و تردد و ظلمات میں رہے گا۔

سیّدنا اویس و ہرم رضی اللہ عنہما حضرت ہرم نے حضرت اویس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے فرمائیے کہ میں کس علاقے میں رہوں؟ آپ نے فرمایا: شام کے ملک میں۔ عرض کی: وہاں رزق کا کیا بنے گا؟ آپ نے فرمایا: ایسے قلوب پر افسوس جن پر شک و شبہ کا داغ ہے۔ جب تمہارا یہ حال ہے تو پھر وعظ و نصیحت بے سود ہے۔ اس لیے کہ وعظ ایک شکاری باز ہے اور وہ صرف زندہ جانور کو پکڑتا ہے، جس دل میں شک ہے وہ مردہ ہے اسے وعظ و نصیحت کوئی فائدہ نہ دے گی۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیداری نصیب فرمائے اور ان لوگوں سے نہ بنائے جنہیں جہالت کے عذاب میں مبتلا کیا۔ (وہ کریم ہے، رؤف ہے، رحیم ہے)

تفسیر عالمانہ فَاٰتِ اے صاحب باوسعت رزق دے ذَا الْقُرْبٰى رشتہ داروں کو حَقَّهٗ اس کا حق، صلہ رحمی کے طور صدقہ اور میراث سے جو اس کا حق بنتا ہے۔

استدلالِ احناف اس آیت سے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا ہے کہ ذی رحم کا نفقہ واجب ہے جب انہیں ضرورت ہو۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اس مسئلہ کو ابن العم پر قیاس کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک نفقہ صرف اولاد اور والدین کا واجب ہے اور بس۔

وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسکین اور مسافر کو جو وہ صدقات کا حق رکھتے ہیں اور بطور اعانت و ضیافت بھی۔ کیونکہ مسافر بھی مہمان ہے۔ کما فی کشف الاسرار۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ قرابت دو قسم ہیں:

۱ - قرابتِ نسبی
۲ - قرابتِ دینی

قرابتِ دینی ضرورت کے لحاظ سے اہم اور رعایت کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ یہ اللہ کے عطا کردہ برادر ہیں اور مریدین جنہوں نے مرشدین کاملین کا دامن تھاما ہے وہ بھی ان کی معنوی اولاد ہے کیونکہ وہ اب طلبِ الٰہی میں مسافر اور دنیا سے فارغ اور معیشت کے حصول سے عاری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معنوی غنا سے سرفراز فرمایا ہے ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ایسی اولاد کے حقوق ادا کریں تاکہ وہ فارغ البال

ہو کر طلبِ الٰہی کے اسباب حاصل کر سکیں ۔ اور مسکین وُہ ہے جو طلب صادق سے محروم ہے یہ بھی اہلِ طاعت سے ۔ فلہذا ان کی مدد بھی ضروری ہے اور طالبانِ علوم اسلامیہ کی حتی المقدور مدد کرنی چاہیے ' ان کے حسبِ حال مدد ضروری ہے ۔ اور ابن السبیل سے مسافر اور مہمان مراد ہیں ان کی وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر مدد کرنی چاہیے جو طلب حق میں بلند ہمت ہو وُہ مدد کے لحاظ سے مقدم ہے ۔ یہی رشتہ داروں میں اقرب ہے، ایسوں پر وقت کی قربانی ضروری ہے ۔ ان کا حق سب سے فائق ہے اور ایسوں کا ہر طرح سے خیال رکھنا ضروری ہے ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ دینی رشتہ داروں کی خبرگیری نسبی رشتہ داروں کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے کیونکہ نسبی رشتہ داروں سے تو انقطاع ہو سکتا ہے لیکن دینی قرابت والوں سے انقطاع ممکن نہیں ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کل نسب و سبب ینقطع الا نسبی و سببی

(قیامت میں تمام نسب و سبب منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے نسب و سبب کے)

ف : قرابتِ دینی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ بحکم آیت ہذا دینداروں اور اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے گِنا ہے جو بھی اپنا منہ عبادت کی طرف رکھتا ہے اور وظائف طاعات پر مواظبت اور نعمتِ الٰہی میں خیال رکھتا ہے اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں لگا رہتا ہے ۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو تجارت و کسبِ معیشت حائل نہیں ہوتی ۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

رجال لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللّٰہ ۔

(وہ ایسے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ بیع وشرا)

ایسے حضرات کی مدد لوگوں پر واجب ہے ان کی ہر طرح کی رعایت ضروری ہے تاکہ ان کے دل عبادتِ الٰہی کے لیے فارغ ہوں ۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صُفّہ کے ساتھ کیا کرتے تھے اور وہ حضرات بھی صفّہ مبارک کو اپنا وطن سمجھتے تھے ۔

تعارف صُفّہ مبارک صُفّہ مبارک مدینہ پاک میں ایک جگہ ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں وہ قبا شریف میں ہے جو مدینہ منورہ سے دو[1] فرسنگ ہے ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ

---

[1] صحیح یہ ہے کہ وہ تین میل ہے اور صفّہ شریف گنبدِ خضرا کے متصل بجانبِ شمال اب بھی موجود ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ماحضر اپنے پاس رکھتے ان کو بھجوا دیتے اور اپنے گھر والوں سے فرماتے :

لا اعطیکم وادع اصحاب الصفه تطوی بطونهم من الجوع -

(میں تمہیں کچھ نہیں دیتا کیونکہ میں اصحابِ صُفّہ کو اس حال میں کیسے چھوڑ دُوں جبکہ وہ خالی پیٹ ہوں)

اصحابِ صفّہ چالیس[1] افراد تھے۔ دنیا سے یکسر منہ پھیر چکے تھے۔ طلبِ معیشت کو چھوڑ کر صرف عبادت

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا ہوا تھا۔ اصحابِ صُفّہ کبھی بسبب خروج یا اختیارِ مسافرت کے کم اور کبھی زیادہ بھی ہوجاتے تھے۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں اصحابِ صفّہ کے سَو سے زیادہ نام شمار کیے ہیں۔ یہ حضرات رات کو بھی اسی مسجد مبارک میں سوتے تھے کیونکہ مسجد مبارک کے سوا ان کے لیے اور کوئی جگہ نہ تھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمطابق حکمِ الٰہی :

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم الخ

یعنی محبوب! اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ شامل رکھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

آپ ان سے مجلسِ خاص اور محبت مخصوص رکھتے تھے ؎

دلا خوش باش کاں سلطان دیں را
بدرویشاں و مسکیناں سرے ہست

بسا اوقات یہ حضرات شدّتِ بھوک کی وجہ سے درِ اطہرِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ جاتے۔ آتے جاتے لوگ انہیں دیوانے سمجھتے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاکر انہیں تسلّی و تشفی دیتے اور فرماتے :

تم لوگ میرے ساتھ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت کو پہچانتے کہ تمہاری کتنی قدر ہے تو تم ضرور فقر و فاقہ کو دوست رکھتے۔

آپ کبھی کبھار اصحابِ صفّہ میں سے ایک دو کو غنی صحابہ کے سپرد فرما دیتے تاکہ وہ ان کے مہمان ہوں، جو باقی بچتے ان کو اپنے ساتھ شریک فرما لیتے اور صدقات سے جو کچھ حاصل ہوتا ان کے حوالے فرما دیتے اور ہدیوں سے بھی ان کا حصّہ نکالا جاتا تھا۔ ان کو 'مسلمانوں کے مہمان' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، 'اصحابِ صفّہ سے ہیں' روایت کرتے ہیں کہ میں نے ستّر آدمی اصحابِ صفّہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور اطاعت میں لگے رہتے تھے۔ فتوحات سے غنیمت حاصل کرتے یا فارغ رہتے۔ ان میں سے اکثر لباس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے دیکھے کہ ان میں سے کسی کے پاس سوائے ایک ازار کے، وہ بھی نصف پنڈلی تک پہنچتی تھی، کچھ بھی پہننے کو نہ تھا۔ سجدہ کرتے وقت وہ اس کو سمیٹتے تاکہ کشفِ برہنگی نہ ہو۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ شدتِ بھوک کی وجہ سے مجھے پیٹ پر پتھر بھی باندھنا پڑتا اور جگر کو زمین پر ٹیکنا پڑتا، یہاں تک کہ ایک دن میں راستہ میں بیٹھا ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ اس راہ سے گزرے میں نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی تاکہ وہ توجہ فرمائیں۔ انہوں نے التفات نہ فرمائی اور چل دئے۔ اس کے ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے۔ جب آپ نے مجھے اس حال میں دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا: اِدھر آ۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے پیچھے حجرہ شریف تک گیا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں دودھ کا ایک پیالہ ہدیہ کے طور پر لایا گیا، آپ نے فرمایا، جا اور اصحابِ صُفّہ کو بُلا لا۔ میں دل میں کہتا تھا کہ یہ دودھ زیادہ تو ہے نہیں کہ اصحابِ صفّہ کو مدعو کیا جا رہا ہے۔ یہ تو اگر مجھے ہی دے دیا جائے تو میں ہی پی لوں تاکہ کچھ وقت تو سکون سے گزرتا۔ بہر اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چارہ نہ تھا، میں اصحابِ صُفّہ کے پاس گیا اُن کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ بیتِ نبوی میں جہاں جہاں کسی کو جگہ ملی سب کے سب بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمایا: شِیر کا پیالہ اٹھا کر دودھ کو تقسیم کرو۔ میں نے پیالہ اٹھایا اور اصحابِ صُفّہ کو دیا سب نے سیر ہو کر پیا اور دودھ بھی کچھ کم نہ ہوا۔ اس کے بعد پیالہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اب ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں اور بس۔ میں نے عرض کیا:

صدقت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

فرمایا: بیٹھ، جتنی بھوک ہے کھا۔ میں جتنا پی سکتا تھا اتنا دودھ پیا اور باقی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس دے دیا۔ آپ نے خطبۂ شکر پڑھا اور باقی پیالے والا دودھ نوش فرمایا۔

واقعۂ تکثیرِ طعام بھی اصحابِ صُفّہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں واقع ہوا جس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں، اور بھی کئی روایات میں آیا ہے ہر ایک انصاری اپنے درختِ خرما سے ایک ایک خوشہ لاتا تھا۔ آپ نے سب خوشوں کو ایک رسّی سے باندھ کر دو ستونوں (باقی بر صفحہ ۱۷۳)

تک بھی نہیں رکھتے تھے۔ نماز کے وقت دوسروں سے لباس لے کر نماز ادا کرتے تھے۔ اہلِ تصوف نے ان سے مذہب کی بنیاد رکھی۔ دُنیا سے رُوگردانی کرنا، کسی سے نہ جھگڑنا، توکّل پر گزر اوقات کرنا، قناعت کرنا اور حرص و ہوا کو چھوڑنا ان سے سیکھا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بر اوجِ فلک چوں پرد چرہ باز
که بر شہپرش بستہ سنگ آز

۲ ندارند تن پروراں آگہی
که پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ: (۱) باز کا آسمان کی طرف اڑنا کیسے ہو اگر اس کے پروں پر حرص کا پتھر بندھا ہو۔

(۲) پیٹ کے پجاری اس راز کی کب آگاہی حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ معدہ جس کا پُر ہو وہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ یہ اشارہ ادائیگی حق اور مال راہِ خدا کے لیے نکالنے کی طرف ہے خَيْرٌ روکنے سے بہتر ہے لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ان لوگوں کے لیے جو رضائے الٰہی کے طالب ہیں یعنی صرف رضائے الٰہی کی طلب پر نیکی کرتے ہیں۔ یہاں پر وجہ بمعنے ذات یا اس کا تقرب مراد ہے۔ یعنی عبادت میں ان کی کوئی دنیوی غرض مطلوب نہیں اور نہ ہی اس کے عوض وہ کوئی شے حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اس معنی پر وجہ بمعنے جہت ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ مرید وہ ہے جو حقوق اللہ کو خواہشاتِ نفسانی پر ترجیح دیتا ہے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں کو وصیت فرماتے کہ خلقِ خدا کے لیے رحمت اور اپنے لیے مصیبت بن جاؤ اس لیے کہ اہلِ ایمان اور دوستانِ خدا خلقِ خدا کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔ ایسے ہو جاؤ کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲) کے درمیان لٹکوا دئے، ان کے نیچے اصحابِ صفّہ کو بٹھا کر خوشوں کو ایک لکڑی سے جھاڑتے تھے تاکہ بے تکلف ہو کر کھائیں۔ ایک روز ایک آدمی نے ایک خراب خوشہ لا کر لٹکا دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس صدقے کا مالک اس سے اچھے خوشے لاتا تو لا بھی سکتا تھا۔ لیکن اس نے قیامت کے دن اچھے میوے کھانے پسند نہ کیے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

اویسی غفرلہٗ

سایہ میں بیٹھنا چاہو لیکن دوسروں کو سائے کی ضرورت ہو تو خود دھوپ میں بیٹھو اور خلقِ خدا کو سایہ میں بٹھاؤ۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ سے پُوچھا گیا، مرید کون ہے اور مراد کون؟ آپ نے فرمایا؛

المرید یطلب والمراد یھرب۔

(مرید طلب کرے مراد بھاگے)

یعنی مرید وہ ہے جو ہر وقت طلب میں اور ہزاروں طرح کی نیاز میں ہو اور مراد وہ ہے جو اس سے بھاگے اور ہزاروں ناز رکھے۔ اور مرید کو دل سوز ہونا ضروری ہے اور مراد وہ ہے جو مقصد میں کامیاب اور فرحاں و خنداں ہو اور مرید ہمیشہ خبروں کی طرف کان لگائے رکھے اور مراد وہ ہے جو ہمیشہ معائنہ و مشاہدہ سے سرفراز ہو۔

کسی بزرگ سے پُوچھا گیا کہ حقیقتِ تفرید میں مرید بہتر ہے یا مراد؟

انہوں نے فرمایا: نہ کوئی مرید ہے نہ مراد، نہ ہی کوئی خبر ہے نہ استخبار۔ یہاں نہ حد ہے نہ رسم۔ وہی کُل بہ کُل ہے۔ اسے کسی نے یوں ادا کیا ہے: ؎

این جاے نہ عشقست نہ شوق نہ یار
خود جملہ توئی خصومت از رہ بردار

ترجمہ: یہاں نہ عشق ہے نہ شوق یا رُسب کچھ تو ہے بس تمام جھگڑے چھوڑ دے۔

وَاُولٰٓئِكَ اور وہی خرچ کرنے والے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی کامیاب ہیں یعنی آخرت میں اپنے مطلوب پر فائز ہیں کیونکہ انہیں دائمی نعمتیں نصیب ہوگئیں اور دنیا میں بھی انہیں خیر و بھلائی حاصل ہوئی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مال میں برکت ہوتی ہے ؎

زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلۂ رز را
چو باغباں ببرد بیشتر دہد انگور

ترجمہ: مال کی زکوٰۃ ادا کر کیونکہ جب باغباں انگور کے پودے کو جونہی صاف کرتا ہے تو وہ پودا بہت زیادہ پھل دیتا ہے۔

اُور آخرت میں زکوٰۃ ادا کرنے والا طاعتِ الٰہی بجالانے کی وجہ سے جنّت میں فائز ہوگا ؎

توانگرا چو دل و دست کامرانت ہست
بخور ببخش کہ دنیا و آخرت بردی

ترجمہ : اے دولت مند! جب تیرا دل و ہاتھ کامیاب ہے تو کھا اور دوسروں کو بھی دے تاکہ دُنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔

ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

ان المال حرث الدنیا والعمل الصالح حرث الاٰخرة وقد یجمعهما اللہ لاقوام ۔

(مال دنیا کی کھیتی ہے اور عمل صالح آخرت کی ۔ یہ دونوں دولتیں اللہ تعالیٰ کسی خاص بندے میں جمع کرتا ہے)

لقمان حکیم کا مقولہ حضرت لقمان رحمہ اللہ جب دولتمندوں سے گزرتے تو فرماتے :

اے دولتمندو ! سب سے بڑی نعمت کو نہ بھلاؤ ۔

اور جب تنگدستوں سے گزرتے تو انہیں فرماتے :

اے تنگدستو ! غبن کرنے سے بچنا ۔

فرمانِ علی کرم اللہ وجہہٗ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں :

فرض فی اموال الاغنیاء اقوات الفقراء فما جاع فقیر الا بما منع غنی واللہ یسألهم عن ذٰلك ۔

(اغنیاؑ کے اموال میں فقراؑ کا خرچ فرض ہے اگر کوئی غنی کسی فقیر کو کچھ نہیں دیتا تو اس کے متعلق غنی سے سوال ہوگا)

روزے کی فرضیت کا آغاز کسی بزرگ نے فرمایا : سب سے پہلے فقراؑ کے لیے اغنیاؑ پر روزے رکھنے کا حکم بادشاہ طہمورث کے زمانے میں ہوا ۔ یہی آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تیسرا بادشاہ تھا ۔ ایک دفعہ اس کے زمانے میں قحط پڑا تو دولتمندوں کو فرمایا کہ صرف رات کو کھانا کھایا کرو ، دن کا کھانا فقراؑ کو دے دیا کرو ۔ یہ ان کی فقراؑ پر شفقت اور بطور عبادت اور رضائے الٰہی کے ارادہ پر ہوا ۔

۱ توانگراں را وقفست و بذل و مہمانی
زکاۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی

۲ تو کے بدولت ایشاں رسی کہ نتوانی
جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

۳ شرفِ نفس بجود ست وکرامت بسجود
ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ: (۱) اغنیاء کے لیے وبذل ومہمانی اور زکوٰۃ وفطرانہ اور اعتاق وہدی اور حج کی قربانی وغیرہ وقعت ہے۔

(۲) تم ایسی دولت تک کب پہنچ سکتے ہو، تمہارا حال تو یہ ہے کہ دوگانہ پڑھتے ہو اور وہ بھی رو رو کر۔

(۳) انسان کی شرافت جود سے اور کرامت سمود سے ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہیں رکھتا تو ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ اور وہ جو تم دیتے ہو مِّنْ رِّبًا سُود سے۔

ف: ربٰو کو واؤ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ اس لغت سے ہے جس میں ایسے مواقع پر واؤ تفخیم کے طور پر لکھا جاتا ہے، جیسے صلوٰۃ وزکوٰۃ۔ یا اس میں تنبیہ ہے کہ یہ واؤ ہی ہے۔ ربا بمعنے زاد، اور الف زاید آخر میں ہے۔ وہ بھی اسی لیے ہے کہ وہ جمع کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

سُود کی تعریف اصل مقدار سے زیادہ لینا، جیسے کوئی کھانے کی شے یا نقد کے اصل کو اس جنس سے زاید وصول کیا جائے۔ زاید کو سود کہا جاتا ہے۔ یا میعاد میں مہلت کی وجہ سے زاید رقم وصول کی جائے۔ اسے عربی میں نسا (ادھار) کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں شرعاً حرام ہیں۔ معنیٰ یہ ہے کہ معاملہ میں عوض کے علاوہ زاید شے وصول کی جائے۔

لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ تاکہ وہ لوگوں کے مال سے اپنا مال بڑھائے۔ یعنی اگرچہ وہ بظاہر اپنے مال بڑھا رہا ہے لیکن درحقیقت وہ مال گھٹا رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور اس میں برکت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یمحق اللّٰہ الربٰو۔
(اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے)

جائز سُود کا حیلہ کسی کو اصل مال کی ادائیگی پر ہدیۃً کچھ بڑھا کر دے دے یا اس سے افضل و اعلیٰ شے دے دے تو یہ جائز ہے لیکن قیامت میں اس کا ثواب نہ ملے گا۔ کیونکہ اس سے اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں دیا۔ اسی لیے یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حرام تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا تمنن تستکثر (اور نہ منت لگائیے اور نہ ہی زاید لیجئے)

ایسی شے کسی کو نہ دو کہ جس سے تم اپنے دئے گئے مال سے زاید طلب کرو (کشف الاسرار)

فیصلہ از صاحبِ روح البیان اور سُود دینے کا حیلہ

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "من ربٰو" میں اشارہ ہے کہ کوئی کسی کو عوض کا زاید مال دے کر کہے کہ میں تجھے حلال طریقے سے دے رہا ہوں' تو اس کا ایسا کہنا اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہیں کر سکتا، نہ ہی یہ حرمت حلت سے تبدیل ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ یہ خالص سُود ہے۔ اس میں دینے اور لینے والا دونوں وعید (جرم) میں برابر کے شریک ہیں۔ ہاں جب شدید ضرورت ہو اور سُود کے بغیر کوئی قرضہ نہیں دیتا تو اب بوجہ ضرورت اور بقدرِ ضرورت سود پر قرضہ حاصل کرنا جائز ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ اور وہ جو تم زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ سے فرض مراد ہے یا صدقہ۔ اور زکوٰۃ کو اس لیے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ وہ مال کو صاف اور بابرکت کرتی ہے تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہو۔ وجہ سے ثواب اور رضا مراد ہے یعنی تم خالص رضائے الٰہی کی طلب میں زکوٰۃ ادا کرتے ہو۔ نہ اس میں ریا کو دخل ہوتا ہے اور نہ شہرت مقصود ہوتی ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ وہی لوگ ہیں جنہیں کئی گنا ثواب ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

ویربی الصدقات۔

(اور صدقات کو برکت بخشتا ہے)

اس کی نوی قوت نظیر ہے جسے مقوی کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی الیسار' جسے موسر کہتے ہیں۔ یا وہ لوگ جنہوں نے اپنے ثواب و اموال کو زکوٰۃ کی برکت سے بڑھایا۔

سوال: خطاب کے صیغے کے بعد ھم المضعفون غائب کا صیغہ کیوں؟

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ اس ثواب کے مستحق صرف مخاطب نہیں بلکہ عام ہے جو قیامت تک تمام مکلفین کو شامل ہے۔

ف: حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تضعیف رضائے الٰہی اور خلوص کی وجہ سے ہے نہ صرف ادائیگیِ زکوٰۃ کی وجہ سے۔ بدن کی زکوٰۃ، اسے گناہوں سے پاک رکھنے کا نام ہے اور مال کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے شبہات سے پاک رکھا جائے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انفاق المال فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو حبِ دنیا سے فارغ رکھا جائے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کا طریقہ کار تھا کہ وہ مالِ دنیا سے بالکل فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے۔ خود اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا:

وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ۔

(عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے اس بڑے متقی بندے کو جہنم سے دُور رکھے گا جو وہ اپنے مال خرچ کرتا کہ ستھرا ہو کسی پر اس کا کچھ احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے)

ف: وجہ ربہ سے اس کے دیدار کا شوق مراد ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ وہی کئی گنا ثواب دئے جائیں گے جس کی انہیں امید ہے اور وہ اس کی آرزو رکھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ہمت اور بحسب نظر اُمید رکھتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے اتنا عطا فرمائے گا جس کا کوئی حساب نہیں۔

سبق: مال چندروزہ ہے پھر چھین لیا جائے گا۔ وہ انسان بہت بیوقوف ہے جو دائمی عذاب سے بچنے کی جدوجہد نہیں کرتا، حالانکہ وُہ کریم اس مال کے خرچ کرنے پر بہت بڑا معاوضہ دینے کا وعدہ فرما رہا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتہ خوش منادی میکنند

---

۲ کاے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشانرا عوض دہ صد ہزار

۳ اے خدایا ممسکانرا در جہان
تو مدہ الا زیان اندر زیان

۴ گر نماند از جود در دست تو مال
کے کند فضل الٰہت پایمال

۵ ہر کہ کارد کردد انبارش تہی
لیکنش اندر مزرعہ باشد بہی

۶ وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
اشپش و موش وحوادثہاش خورد

ترجمہ :(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصیحت کے لیے دائماً دو فرشتے ندا دیا کرتے ہیں۔

(۲) اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو بہت دے، ایک درم کے بدلے ہزاروں درم عطا فرما۔

(۳) اے اللہ! بخیلوں کو جہان میں کچھ نہ دے۔ اگر دینا ہے تو نقصان در نقصان دے۔

(۴) اگر سخاوت سے مال نہ رہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل کہیں نہیں جائے گا۔

(۵) جو بھی کاشت کرتا ہے پہلے تو اس کا اناج ختم ہو جاتا ہے لیکن بعد کو اسے بہت سا اناج حاصل ہو جاتا ہے۔

(۶) اور جس نے اناج کو کھیتی میں خرچ نہ کیا تو اسے چوہے، کیڑے مکوڑے اور گھر کے جانور کھا جائیں گے۔

اور بوستان میں ہے: ؎

۱ پریشان کن امروز گنجینۂ چست
که فردا کلیدش نه در دست تست

۲ تو با خود ببر توشۂ خویشتن
که شفقت نیاید ز فرزند و زن

۳ کنوں بر کف و دست نه هرچه هست
که فردا بدندان گزی پشت دست

۴ بحال دل خستگاں در نگر
که روزے دلت خسته باشد مگر

۵ فرو ماندگاں را دروں شاد کن
ز روز فرو ماندگی یاد کن

۶ نه خواهندۂ بر در دیگراں
بشکرانه خواهنده از در مراں

ترجمہ :(۱) آج ہی جلدی سے خزانہ لٹا دے کہ کل مرنے کے بعد چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہوگی۔

(۲) قبر کا سامان تُو خود لے جا اس لیے کہ تجھ پر تیری عورت اور بیٹے رحم نہ کھائیں گے۔

(۳) جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے آج ہی اسے خرچ کر ڈال ورنہ مرنے کے بعد افسوس کے ہاتھ ملوگے۔

(۴) عاجزوں کا حال غور سے دیکھ، ممکن ہے تیرا حال اسی طرح ہو جائے۔
(۵) عاجزوں کا دل خوش کر، اپنے عاجزی کے دن یاد کر۔
(۶) تُو تو کسی کے در کا بھکاری نہیں۔ بھکاریوں کو شکرانہ کے ساتھ اپنے دروازے سے نہ لوٹا۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وُہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا یعنی تم کچھ نہ تھے، تمہیں عدم سے وجود بخشا ثُمَّ رَزَقَكُمْ پھر تمہیں روزی دی۔ یعنی جب تک تم دنیا میں زندہ رہے تمہیں رزق بخشا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ کسی کی روزی کا رزاق ہے اور کسی کے شہود کا رزاق۔ عوام روزی کی فکر میں ہیں جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو کھانا پینا چاہتے ہیں۔ اور خواص دل کی روزی مانگتے ہیں۔ یعنی طاعات کی توفیق اور عبادات میں اخلاص چاہتے ہیں۔ جو کم ہمت ہے وُہ کھانا پینا مانگتا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ایسی شے مانگتا ہے جو کھانے کے بعد گندگی بن کر باہر نکلتی ہے۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

۱ اے توانگر بگنج خرسندی
زیں بخیلاں کنارہ گیر و کنار

۲ ایں بخیلاں عہد ما ہمہ بار
راح خوردند و مستراح انبار

ترجمہ: (۱) اے تونگر! تُو اپنے گوشۂ تنہائی میں خوش ہے لیکن ان بخیلوں سے دُور رہنا۔
(۲) ہمارے زمانے کے بخیل بہت کچھ کھا کر گندگی کے ڈھیر نکالتے ہیں۔

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ پھر اجل کے اختتام پر تمہیں مارے گا ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر نفخۂ اخیرہ میں تمہیں زندہ اٹھائے گا تاکہ تمہیں دنیا کے اعمال پر جزا و سزا دے کیونکہ یہ جزا و سزا کے لیے ہے هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ کیا تمہارے شریک ہیں جن کے لیے تمہارا گمان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ یہ تخلیق و ترزیق اور اماتت و احیا کون کر سکتا ہے مِّنْ شَيْءٍ ۭ یعنی یہ امور سوائے اس کے اور کوئی نہیں کر سکتا تو پھر بتوں کو اس کا شریک بنانے کا کیا معنیٰ!

ف: پہلا اور دوسرا مِنْ جنس شرکاء و افعال میں تنویع احکام کا فائدہ دیتے ہیں اور تیسرا زائد تعمیم منفی کے لیے ہے ویسے سب کے سب شرکاء کی تعجیز کے لیے تاکید کرتے ہیں سُبْحٰنَهٗ اس کو پاکی ہے وَتَعٰلٰی اور وُہ بلند ہے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اس سے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے جائیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ الّذی خلقکم وُہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا یعنی تمہیں عدم سے عالمِ ارواح کی طرف نکالا ثمّ رزقکم پھر تمہیں الست بربکم کے خطاب سے بلا واسطہ اپنا کلام سنایا یہ تمہارے کانوں کا اور تمہاری آنکھوں کا رزق شواہدِ ربوبیت کا مشاہدہ ہے اور تمہارے قلوب کا رزق اس کے خطاب کا فہم اور مراد کو پہنچنا ہے اور زبانوں کا رزق اس کے سوال کی اجابت اور توحید کی شہادت ہے ثم یمیتکم پھر وہ تمہیں نورِ ایمان و ایقان و عرفان سے موت دیتا ہے ھل من شرکائکم کیا تمہارے بتوں اور دوستوں میں سے من یفعل من ذالکم من شیٔ کوئی ایسا ہے جو مذکورہ بالا امور سے کسی ایک کو کر سکے سبحٰنہٗ اس کی ذات و صفات منزّہ ہے عمّا یشرکون اس سے جو اس کے اعداء اس کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے ہیں اور جو اس کے بناوٹی اولیاء خواہشِ نفسانی کی ملاوٹ سے عبادت کرتے ہیں۔

حدیثِ قدسی میں ہے:
انا اغنی الشرکاء عن الشرك۔

(میں شرکاء سے غنی ہُوں)

یعنی میں اس سے بے پرواہ ہُوں کہ امور میں کوئی میری مدد کرے بخلاف تمہارے کہ تم اپنے امور میں دوسروں کے تعاون کے محتاج ہو۔

اس سے ثابت ہُوا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ افعل کا صیغہ مضاف کر کے اپنے لیے استعمال فرمائے وہاں مطلق زیادتی مراد ہوتی ہے کہ وہاں مضاف الیہ کا مضاف کے ساتھ مقابلہ مطلوب نہیں ہوتا اور افعل کو اپنے معنے میں رہنے دینا بھی جائز ہوتا کیونکہ اس وقت مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی وقت بھی کسی کی کوئی ضرورت نہیں بخلاف اس کے مضاف الیہ کے کہ وہ کسی نہ کسی وقت اسے محتاجی ضرور ہوتی ہے۔

اور فرمایا:

من عمل عملا اشرك فیہ معی غیری ترکتہ وشرکہ۔

شرکہ کے کاف کو فتح سے بمعنے مع شرکہ اور ترکتہ کی ضمیر من کی طرف راجع ہے

شرح مع ترجمہ یعنی وُہ بندہ جو ایسا عمل کرتا ہے جس میں وہ میرے ساتھ دوسرے کو شریک کرتا ہے میں اس کے شرک کے ساتھ اسے چھوڑ دُوں گا یعنی ریاکار کو اس کے عمل کا کوئی ثواب عطا نہ ہو گا۔

شرک کے اقسام (۱) سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات میں شریک سمجھنا۔
(۲) اس کے افعال میں کسی کو شریک ماننا، جیسے ایک فرقہ کہتا ہے کہ بندے اپنے افعالِ اختیاریہ کے خود خالق ہیں۔
(۳) اس کی عبادت میں کسی دوسرے کی مدح و تعریف کا تصوّر کرنا، جسے ریاء کہا جاتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں یہی مراد ہے۔

مسئلہ: شیخ ابومحامد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ریأ کے ساتھ ثواب کی امید غالب ہو تو ہمارا گمان یہ ہے کہ ثواب ضائع نہ ہوگا (واللہ اعلم) اگرچہ ثواب کامل نہ سہی لیکن کچھ اجر ملے گا ضرور۔ ہاں حدیث قدسی میں وہ ریأ مراد ہے جو عمل میں بندوں کی تعریف کا خیال غالب ہو۔

مسئلہ: شیخ کلاباذی رحمہ اللہ نے فرمایا، جب عمل کی ابتدا میں ثواب کی نیت ہو تو بعد کا ریاکار مضر نہیں، نہ ہی اس عمل کو کوئی شے ضائع کرسکتی ہے کیونکہ ریأ وُہ ہے جو عبادت کے شروع میں کسی دوسرے کی تعریف کرنے کے ارادہ پر ہو۔ اہلِ سنّت کے نزدیک اس آیت خلطوا عملاصالحا و اٰخر سیئا (انہوں نے عمل صالح میں برائی کو ملا دیا) سے یہی مراد ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ برائیوں سے اعمال صالح ضائع ہو جاتے ہیں ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر ایسے ہو تو پھر کسی بھی بندۂ خدا کے اعمال صالحہ دنیا سے بچ کر نہیں جاسکتے کذا فی مشارق الانوار لابن الملک۔

مسئلہ: اشباہ میں تاتارخانیہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے شروع میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے ارادے پر نماز کا آغاز کیا پھر دل میں ریاء کا خیال آیا تو اس کا دارومدار اسی شروع کی نیت پر ہوگا۔ اس لیے کہ ریأ یہ ہے کہ اگر لوگ ہیں تو نماز پڑھتا ہے ورنہ نہیں یا لوگوں میں تو نہایت خشوع و خضوع سے عبادت کرتا ہے اور تنہائی میں ایسا نہیں کرتا اگرچہ اسے نماز کا ثواب ملے گا لیکن رُوحِ صلوٰۃ سے محروم رہے گا۔

مسئلہ: روزہ میں ریاء کو دخل نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ: ایسے ہی درود شریف پڑھنے میں بھی ریاء کو دخل نہیں ہوتا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے وہ کشف و عیان میں جد و جہد کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب ہو۔ اور یہ اسے ہر فعل ماموربہ کے عمل پر ہو۔ اعمال کی ادائیگی میں مخلوق میں سے کسی کا بھی خیال تک دل میں نہ ہو۔ تم نے کسی اللہ والے کو نماز پڑھتے دیکھا ہوگا کہ وہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ سے لَو لگا لیتا ہے اسے کسی شے کا تصوّر نہیں رہتا اس وقت اس کے لیے ہر شے کا وجود و عدم برابر ہوتا ہے۔ بہرحال ریا ایک وہم و خیال ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بند کر کے ان میں قدرت علی الحرکۃ پیدا فرمائی اور رزق اپنے ذمۂ کرم لگایا

(باقی ص ۱۸۴ پر)

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ؕ
كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ○ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا
مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ○ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ○ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ؕ إِنَّهُ
لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ○ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ
وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ؕ وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ○ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ
فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ج فَإِذَا أَصَابَ
بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ○ ج وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ
عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ○ فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ؕ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ج وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا
فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ○ فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ
الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ○ وَمَا أَنْتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ؕ
إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ○ ع

ترجمہ: چمکی خرابی خشکی اور تری میں ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائیں تاکہ انھیں
ان کے بعض کوتکوں کا مزہ چکھائے کہیں وہ باز آئیں تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا
اگلوں کا ان میں بہت مشرک تھے تو اپنا منہ سیدھا کر عبادت کے لیے قبل اس کے کہ وہ دن
آئے جسے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں اس دن الگ پھٹ جائیں گے، جو کفر کرے اس کے کفر کا
وبال اسی پر اور جو اچھا کام کریں وہ اپنے ہی لیے تیاری کر رہے ہیں تاکہ صلہ دے انھیں جو
ایمان لائے اور اچھے کام کئے اپنے فضل سے، بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا اور اس
کی نشانیوں سے ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے مژدہ سناتی اور اس لیے کہ تمہیں اپنی رحمت کا ذائقہ
دے اور اس لیے کہ اس کا فضل تلاش کرو اور اس لیے کہ تم حق مانو اور بیشک ہم نے تم سے

پہلے کتنے رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے تو وُہ ان کے پاس کُھلی نشانیاں لائے، پھر ہم نے مجرموں سے بدلہ لیا اور ہمارے ذمۂ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں کہ ابھارتی ہیں بادل پھر اسے پھیلا دیتا ہے آسمان میں جیسا چاہے اور اسے پارہ پارہ کرتا ہے تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکل رہا ہے، پھر جب اُسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جس کی طرف چاہے جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں اگرچہ اس کے اتارنے سے پہلے آس توڑے ہوئے تھے تو اللہ کی رحمت کے اثر دیکھو کیونکر زمین کو جلاتا ہے اس کے مرے پیچھے، بے شک وہ مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے اور اگر ہم کوئی ہوا بھیجیں جس سے وہ کھیتی کو زرد دیکھیں تو ضرور اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں اس لیے کہ تم مُردوں کو نہیں سُناتے اور نہ بہروں کو پکارنا سُناؤ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لاؤ تو تم اسی کو سناتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تو وہ گردن رکھے ہُوئے ہیں۔

(بقیہ ص ۱۸۲) تو پھر شرک اور ریا، کیوں ؎

اگر جز بحق میرود جادہ است
در آتش فشانند سجادہ ات

ترجمہ: اگر تیرا طریقہ عمل غیر حق کے لیے ہے تو تیرے مصلّے کو آگ میں پھینک ماریں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے خلاص عن الاغیار اور ملاحظات و افکار قلب سے نکالنے کی دعا کرتے ہیں کہ ہم سوائے اس کی طرف توجہ اور اس کے غیر کے حضور سے پناہ مانگتے ہیں ؎

ترا بکو ہر دل کردہ اند امانتدار
ز دزد امانت حق را نگاہ دار مخسب

ترجمہ: تجھے دل کے امور کا پہرے دار مقرر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی امانت کے چور پر نگاہ رکھ، سو نہ جا (یعنی غافل نہ ہو)

تفسیر عالمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فساد پھیل گیا فِی الْبَرِّ جنگلوں میں، جیسے قحط اور کھیتوں کی کمی اور تجارت میں منافع کی قلت اور کثرتِ اموات اور کھیتوں میں کیڑے پڑجانے اور حیوانات میں دودھ اور نسل کی کمی اور ہر شے سے برکات کے اٹھ جانے کے۔

ف : اور وقوع الموتان بضم المیم کبطلان الموت الشائع فی الماشیہ (وہ موت جو جانوروں میں پھیل جاتے) اور لوگوں میں وبا اور طاعون کا ظہور ہونا ۔ ایسے ہی آگ کے شعلے بھڑک اٹھنا بھی فساد فی الارض ہے ۔ وکثرۃ الحرق بفتحتین ۔ احراق کا اسم ہے ایسے ہی دشمنوں کا غلبہ اور جنگیں و دیگر حوادث (جیسے آجکل ایکسیڈنٹ ہورہے ہیں اور دیگر عوارض جیسے مہنگائی، جھگڑے، فسادات وغیرہ) بھی فساد فی الارض کا نتیجہ ہے ۔

وَالْبَحْرِ اور دریا کا فساد ۔ جیسے ڈوب کر مرنا ۔ الغرق بفتحتین ۔ اغراق کا اسم ہے ۔ اور بارش کے انقطاع سے دریائی جانوروں کا اندھا ہونا کیونکہ ایسے جانوروں کے لیے بارش ایسے ہے جیسے انسانی آنکھوں کے لیے سُرمہ ۔ ایسے ہی دریائی شکاریوں کا موتیوں سے محروم ہونا ، اس لیے کہ یہ موتی بہار کی بارش سے پیدا ہوتے ہیں اگر اس موسم میں بارش نہ ہو تو موتی نہیں بنتے ۔

موتیوں کی تحقیق

بہار کے موسم میں ہوائیں چلتی ہیں تو دریاؤں میں موجیں اٹھتی ہیں اور دریا خود بڑی موج میں ہوتا ہے ۔ چیت کی اٹھارھویں تاریخ کو صدف منہ کھولتا ہے یہ زیادہ تر بحر الہند والفارس میں ہوتے ہیں ۔ ان کی عجیب سی آواز ہوتی ہے ان کے پیٹ میں ایک چھوٹا سا کیڑا ہوتا ہے اور صدف کے دونوں کناروں پہ دو پر ہوتے ہیں جو انہیں دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کے دشمن سرطان البحر ہیں جو انہیں کھانے کے درپے رہتے ہیں ۔ وہ انہیں پکڑنے کے لیے عجیب وغریب طریقے اپناتے ہیں کبھی وہ ان کے قریب ہوکر ان کے پر کھولتے وقت اپنے پنجے ان کے پروں کے درمیان ڈال کر انہیں کھا جاتے ہیں کبھی اپنے پنجے میں مٹی کا ایک گول ڈھیلا رکھتے ہیں جب وہ پر کھولتے ہیں تو وہ ڈھیلا ان کے پروں کے درمیان رکھ دیتے ہیں جس سے ان کے پر کمزور ہو جاتے ہیں تو یہ انہیں لقمہ بنا لیتے ہیں اٹھارہ چیت کو تمام اصداف جن میں موتی حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے دریا کی گہرائی سے نکل کر دریا کے اُوپر آجاتے ہیں یہاں تک کہ دریا کا وہ حصہ موتیوں کی طرح سفید نظر آتا ہے ان پر ایک بادل چھا جاتا ہے اور بارش برساتا ہے ان میں جس کی قسمت میں موتی ہوتا ہے وہ منہ کھولتا ہے ، بارش کے قطرات اس کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں ۔ کسی میں ایک کسی میں دو کسی میں تین یہاں تک کہ دو سو قطرات تک بھی ایک صدف کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ بھی ۔ یہ اصداف منہ بند کرتے ہیں ۔ لیکن زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے ۔ بلکہ جن کے پیٹ میں قطرے پہنچتے ہیں وہ فوراً مرجاتے ہیں اور دریا کی گہرائی میں چلے جاتے ہیں جہاں پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں ۔ دریا کا پانی انہیں اِدھر اُدھر نہیں لے جا سکتا یہاں تک کہ موتی کے اردگرد کا حصہ خود بخود گل جاتا ہے لیکن پانی موتی کے اندر نہیں جا سکتا ۔ یہاں تک کہ تمام اصداف کا گوشت پوست پانی

میں حل ہو جاتا ہے اور صرف موتی باقی رہتے ہیں۔

بہترین اور ردّی موتی ان سب میں بہترین اور قیمتی موتی وہ ہوتا ہے جو صدف کے بطن میں اکیلا ہوتا ہے اس کے بعد دو، پھر تین، اسی طرح جتنے زیادہ ہوتے جاتے ہیں اتنے ہی ردّی ہوتے جاتے ہیں۔ وہ اکیلا موتی موٹا اور سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ جتنے قطرات صدف میں زیادہ ہوں گے اُتنے ہی وُہ چھوٹے اور قیمت میں کم ہوں گے۔ درِّ یتیم وہی ہے جو تنہا ہے۔ اس کی قیمت کا کیا کہنا۔ اس کے بعد نمبر ان کا ہے جو دو ٹھہرے، پھر تین کا الخ

شعر

۱ ز بر افگند قطرۂ سوئے یم
ز صلب او افگند نطفۂ در شکم

۲ ازاں قطرۂ لؤلؤ لالا کند
و زیں صورتے سرو بالا کند

ترجمہ: (۱) آسمان سے دریا کی طرف پانی کا قطرہ گراتا ہے۔ انسان کی پیٹھ سے نطفہ عورت کے شکم میں گراتا ہے۔

(۲) اُس قطرے سے چمکدار موتی بناتا ہے اور اس نطفے سے حسین شکل سرو کی طرح بناتا ہے۔

صدف کے اطوار صدف تین اطوار سے تبدیل ہوتا ہے:

(۱) حیوانیت میں جب وہ بارش کا قطرہ پیٹ میں لیتا ہے تو مرکر پتھر ہو جاتا ہے اسی لیے دریا کی تہہ میں جاکر قرار پکڑتا ہے۔

(۲) اس کا پتھر میں تبدیل ہونا ہی دوسرا طور ہے۔

(۳) درخت کے طور پر بدلتا ہے جب کہ پتھر سے پھٹ کر دریا میں درخت کی طرح پھیلتا ہے۔ یعنی اس کی جڑیں دریا میں ادھر ادھر پھیل جاتی ہیں۔ یہ عزیز علیم کی قدرت ہے وہ جس طرح چاہے کرے۔

موتی نکالنے کا موسم ان موتیوں کا اصداف کے پیٹ میں جانے اور پھر ان کے پختہ ہونے کی مدّت کو غوّاص ہی جانتے ہیں اسی لیے موسمِ خاص میں وہ دریا پر جمع ہو کر قسمت آزمائی کرتے ہیں جن کی قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے وہ غوطہ لگا کر نکال لیتا ہے۔ اس موسم میں تجار بھی آتے ہیں جو حسبِ قدر و منزلت قیمت دے کر موتی لے جاتے ہیں۔

جنگل کے موتی اٹھارھویں حبیت کوان سانپوں کے بچّے زمین پر ظاہر ہوتے ہیں جو اسی سال اپنی ماؤں کے پیٹ میں تھے۔ پھر وہ بچّے دریا کے اصداف کی طرح زمین پر کھلے میدان میں منہ کھولتے ہیں ان کے منہ میں بارش کے قطرات پہنچتے ہیں۔ یہ قطرات لے کر زمین کی تہہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر جب دریا کے اصداف کے حمل کی مدّت مکمل ہوتی ہے اور وُہ صاف موتی ہوتے ہیں تو ان سانپوں کی زہر اور بیماری بنتی ہے۔

سبق قدرتِ ایزدی پہ قربان کہ پانی ایک ہے لیکن برتن مختلف۔ ایک میں موتی بن گئے دُوسرے میں زہراور بیماری۔ اسی قدرت کی شان کو دیکھ کر کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

ادی الاحسان عند الحرّ دینا

وعند الندل منقصۃ و ذمّا

کقطر الماء فی الاصداف درّا

وفی جوف الافاعی صار سما

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے احسان کو مخلص کے ہاں دین دیکھتا ہوں۔ لیکن بدبخت کے نزدیک وہی احسان نقص اور مذمّت بن جاتا ہے جیسے پانی کے قطرات اصداف میں موتی بنتے ہیں لیکن سانپوں کے جوف میں زہر قاتل۔

کذا فی خریدۃ العجائب و فریدۃ الغرائب للشیخ العلامہ ابی حفص الوردی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں بر (جنگل) سے نفس اور بحر (دریا) سے قلب مراد ہے اور فسادِ نفس سے اکلِ حرام وارتکابِ ممنوعات واتباعِ شہوات مراد ہے اور قلب کے فساد سے بُرے عقاید اور لزوم اشتبہات اور خواہشاتِ نفسانیہ کا تمسک اور بدعات سیّئہ کا اتباع اور اوصافِ مذمومہ سے موصوف ہونا اور حُبِّ دنیا اور اس کی زینت پہ فریفتہ ہونا اور طلبِ شہوات اور دنیاوی منافع کا عشق مراد ہے اور قلب کا سب سے بڑا فساد مخالفاتِ احکامِ الٰہیہ پہ کمربستہ ہونا ہے جیسے اس کے بہت بڑے خیرو خیرات سے توجہ الی الحق واعراض عن الباطل ہے۔

ف: علمائے ظواہر کی زبان بڑا فساد ہے جب وہ تاویلاتِ فاسدہ کے درپے ہوں۔ اور علمائے باطن کا فساد یہ ہے کہ وہ باطل اور غلط دعاوی کا اظہار کریں ؎

ماہ نادیدہ نشانہا می دہند

ترجمہ: وہ نادیدہ چاند کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ بسبب نحوست ان معاصی کے، جن کا بحر و بر میں لوگ ارتکاب کرتے ہیں۔

ف: ایدی کی تخصیص اس لیے کہ عموماً اعمال ان کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔

مسئلہ: اس میں اہلسنّت کے مذہب کی تائید ہے کہ کسب بندے کا کام ہے اور خلق و تقدیر اللہ سے۔

تفسیر صوفیانہ طاعت سورج کی مانند ہے کہ جس طرح اس کے انوار سے آفاق روشن ہے ایسے ہی طاعات کی برکات سے عالم دنیا پھلتا پھولتا ہے کیونکہ طاعات اللہ تعالےٰ کا لطفِ خاص ہے اور معصیت اندھیری رات کی طرح ہے جیسے رات کی تاریکی ہر سمت پھیل جاتی ہے ایسے ہی نحوست اقارب و غیر اقارب کو گھیر لیتی ہے۔ یہ قہر الٰہی کی تاثیرات سے ہے۔

زمین پر پہلا فساد زمین پر جو سب سے پہلا فساد ہُوا وہ قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا ہے۔

دریا میں پہلا فساد بادشاہ جلندی کا کشتیاں چھیننا دریا کا پہلا فساد ہے۔ اسی لیے مثال مشہور ہے: اظلم من ابن الجلندی۔

(فلاں ابن الجلندی سے زیادہ ظالم ہے)

ف: مثال میں ابن کا لفظ زائد ہے۔ کما فی انسان العیون

اعجوبہ: یہ ظالم حجاج بن یوسف کے اجداد سے ہے۔ درمیان ستر پشتوں کا فاصلہ ہے۔

بے ادبی کی نحوست پہلے تمام زمین سرسبز اور شاداب تھی۔ ہر درخت صاحب ثمر تھا۔ ابنائے آدم جس درخت سے چاہتے پھل حاصل کر لیتے۔ دریا کا پانی میٹھا تھا اور شیر بکری گائے اکھٹے چرتے تھے۔ لیکن جب سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا زمین پر تغیّر آگیا اور درخت کانٹے دار بن گئے اور دریا کا پانی نمکین اور کڑوا ہوگیا۔ اور بعض جانور بعض دوسروں کی جان کے دشمن بن گئے۔

حکایت کسی نبی علیہ السلام کو کانٹا چُبھا تو انھوں نے اس پر لعنت کی۔ تو کانٹے نے کہا: یہ میرا قصور نہیں۔ میں تو ابنائے آدم کے گناہوں کی شامت ہُوں۔

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے:

؎

چوں عمل نیکو بود گلہا دمد
چونکہ زشت آید بروید خار زار

گر بد و گر نیک باشد کار تو

ہر چہ کاری بدروی انجام کار

ترجمہ: جب عمل نیک ہوں تو گل پیدا ہوتے ہیں اگر بُرے ہوں تو کانٹے۔

تیرا کام نیک ہو یا بُرا۔ اگر بُرائی کرے گا تو انجام بُرا ہوگا۔

لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا تاکہ انھیں بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔ لام علّت کی ہے۔ الذوق منہ کا مزہ کڑوا یا میٹھا۔ لیکن اس کا اکثر استعمال میٹھے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیوی اسباب فاسد بنا دئے بسبب ان کے بُرے اعمال کے، تاکہ انہیں بُرے اعمال اور اعراض عن الحق کی سزا کا مزہ چکھائے اور خوف و رنج اور مصائب کے ذریعے انہیں عذاب دے۔ اور یہ بھی بعض گناہوں کی سزا ہے ورنہ ان کے تمام جرائم کی سزا تو انھیں قیامت میں ملے گی۔ یا لام عاقبت کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ان کے بُرے اعمال کی سزا انجام بد ہے (نعوذ باللہ) لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ○ تاکہ اس سے لوٹ آئیں جو ان سے شرک معاصی، غفلتیں، اتباعِ شہوات اور تضییعِ اوقات جیسی بُرائیاں سرزد ہورہی ہیں اور توحید و طاعت وطلبِ حق اور جہد فی العبودیت و تعظیم الشرع اور فوت شدہ نیک اعمال پر تاسّف جیسی نیکیوں میں لگ جائیں۔ اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشادِ گرامی ہے

ولقد اخذ نا آل فرعون بالسنین ونقص من الثمرات لعلهم یذکرون۔

(اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی اور ثمرات کی کمی کرکے پکڑا تاکہ وہ لوٹ آئیں) یعنی نصیحت حاصل کریں۔ لیکن نہ لوٹے یعنی نصیحت حاصل نہ کی۔

سبق: اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قحط اور نقص ثمرات و بنات میں مبتلا کرنا اس کا لطف و کرم ہے تاکہ بندے برائی سے بچ کر نیکیوں کی طرف متوجہ ہوں ؎

۱ بارہا پوشد پے اظہار فضل

بازگیرد از پے اظہار عدل

۲ تا پشیمان مے شوی از کار بد

تا حیا داری ز اللہ الصمد

ترجمہ: (۱) کئی بار اپنے فضل سے بندے کی عیب پوشی کرتا ہے لیکن اسے بطور عدل پکڑ بھی لیتا ہے۔

(۲) تاکہ تم گناہوں سے پشیمان ہوکر چھوڑ دو تاکہ تمہیں اللہ بے نیاز سے حیا آئے۔

نہ تنہا خود را داشت بد اللہ تعالیٰ نے معاصی کی نحوست سے اشیائے کثیرہ کو بدلا :
(۱) ابلیس کی صورت اور نام کو بدلا، اس کا نام حارث اور عزازیل تھا۔
(۲) حام بن نوح علیہ السلام کو سیاہ حبشی بنا دیا جب اس نے نوح علیہ السلام کو نیند کی حالت میں ننگا دیکھا اور ہنس دیا۔ پھر والدِ گرامی کو بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کالا سیاہ بنا دیا۔ اس سے ہندی و حبشی پیدا ہوئے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بندر بنا دیا۔
(۴) عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو خنزیر بنا دیا۔
(۵) قبطیوں کے پانی اور مال کو خون اور پتھر سے بدل دیا۔
(۶) امیہ بن ابی الصلت باوجودیکہ فصیح و بلیغ تھا، نیند میں تھا، پرندے نے اس کے منہ میں چونچ ڈال کر تمام علم چھین لیا، جاگا تو جاہلِ مطلق تھا۔
(۷) ایک شخص کو ماں نے بلایا تو جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے گونگا بنا دیا۔
(۸) برصیصا کی ولایت اور ایمان چھین لیا جب اس نے شراب پی اور زنا کیا، حالانکہ یہ دو سو بیس سالہ عابد تھا۔

گندم کا دانہ شتر مرغ کے انڈے کے برابر تھا جب آدم علیہ السلام زمین پہ تشریف لائے تو میکائیل علیہ السلام آپ کے ہاں شتر مرغ کے انڈے کے برابر گندم کا ایک دانہ لائے اور عرض کی: یہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق ہے اسے زمین میں بوئیے۔ پھر اس وقت سے ادریس علیہ السلام کے زمانے تک شتر مرغ کے انڈے کے برابر رہا۔ پھر ابنائے آدم کے معاصی کی نحوست سے گھٹتا ہوا مرغی کے انڈے کے برابر رہ گیا، پھر کبوتر کے انڈے کے برابر، پھر پستہ کے برابر ہو گیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں چنے کے برابر تھا کذا قال کعب الاحبار۔

بعض جرائم کی سزا احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے،
(۱) ان ظہور الفاحشۃ فی قوم و اعلانہا سبب لفشوّ الطاعون والاوجاع۔

(۲) ونقص المیزان والمکیال سبب للقحط وشدۃ المؤنۃ وجور السلطان۔

(۳) ومنع الزکاۃ سبب لانقطاع المطر ولولا البہائم لم یمطروا۔

(۴) ونقض عہد اللہ وعہد رسولہ سبب لتسلط العدو۔

(۵) واخذ الاموال من ایدی الناس وعدم حکم الائمۃ بکتاب اللہ سبب لوقوع السیف والقتال بین الناس۔

(۶) واکل الربا سبب للزلزلۃ والخسف فضرر البعض یسری الی الجمیع۔

(ترجمہ: (۱) فاحشہ کا ظہور واعلان قوم میں طاعون اور درد والم کا سبب بنتا ہے۔

(۲) اور بھرتول کی کمی سے قحط اور عیال کی پریشانی اور جورِ سلطان پیدا ہوتا ہے۔

(۳) اور زکوٰۃ نہ دینے سے بارش کی بندش ہوتی ہے اگر جانور نہ ہوتے تو کبھی بارش نہ ہوتی۔

(۴) عہد اللہ وعہدِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو توڑنا دشمن کے تسلط کا سبب بنتا ہے۔

(۵) اور لوگوں کا ناحق مال چھیننا اور حکام کا کتاب اللہ وسنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل نہ کرنا جنگ وجدال اور قتل وخون کا موجب ہے۔

(۶) اور سود سے زلزلہ وخسف ہوتا ہے بعض کرداروں کے اثرات سب پر پڑتے ہیں۔

خشک وتر تمام برابر بُروں کی برائی سب لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے قیامت میں تمام مخلوق انسان، جانور اور وحوش وطیور اور چیونٹیاں اس کے مدعی ہوں گے۔

سبق: لازم ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے۔ اسی میں اس کی فوز وفلاح ہے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے ایک عابد کو دیکھا کہ اس کا ایک پاؤں عبادت خانہ سے باہر پڑا ہے اور اس سے پیپ بہہ رہی ہے۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ایک دفعہ میرے ہاں ایک عورت زیارت کے لیے آئی اور میری عبادتگاہ کے قریب باہر سو گئی میرا اس کے ساتھ زنا کا ارادہ ہوا۔ اس ارادے سے میں نے یہ پاؤں باہر نکالا تو مجھ پر خوفِ خدا طاری ہو گیا۔ میں نے قسم کھائی کہ اب اس فاجر پاؤں کو اپنے ساتھ نہ ملاؤں گا۔

سبق: اسے کہتے ہیں حقیقی توبہ!

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو وعافیت اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں نصوح کی توبہ کا مقولہ اس شعر میں بند کیا گیا ہے: ؎

توبہ کردم حقیقت با خدا
نشکنم تا جان شدن از تن جدا

تفسیر عالمانہ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ اے مشرکو! زمین میں گزشتہ اقوام کے انجام دیکھنے کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کرو فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ پھر دیکھو ان کا انجام جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

سوال: فانظروا فیہ اور الیہ کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے احوال و مشاہدات و آثار دکھانے مطلوب ہیں نہ کہ صرف علاقے۔

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝ جو لوگ پہلے گزرے ہیں ان میں سے اکثر مشرک تھے اور تباہ و برباد ہوئے۔ تو بھی شرک اور کفر کی نحوست سے یہ جملہ مستانفہ ہے تاکہ دلالت ہو کہ انھیں یہ سزا محض شرک کے ارتکاب سے ملی۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ ان میں شرک کی برائی بہت تھی بخلاف دیگر معاصی کے کہ ان میں بہ نسبت شرک کے کم تھے۔ فلہٰذا اے قریش مکہ! تم بھی شرک سے بچو تاکہ تمہارا انجام برباد نہ ہو فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا چہرہ اس دین کے لیے سیدھا کیجئے جو نہایت درجے کا مستقیم ہے اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں۔ اس سے دین اسلام مراد ہے مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ يَوْمٌ اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آئے لَّا مَرَدَّ لَهٗ جسے کوئی رکاوٹ نہیں یعنی کسی کو ایسی ہمت نہیں کہ اسے روک سکے اور نہ ہی اس وقت کا ایمان لانا نفع نہ دے گا مِنَ اللّٰهِ یہ یاتی کے متعلق ہے یا مردّ کے، کیونکہ وہ مصدر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اسے اللہ تعالیٰ کبھی رد نہ کرے گا اس لیے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہو چکا ہے اور اس کے وعدے میں کبھی خلاف نہیں ہوتا يَوْمَئِذٍ اہل المواقف کے حساب کے بعد قیامت میں يَّصَّدَّعُوْنَ ۝ دراصل یہ یتصدعون تھا، تاء کو صاد میں مدغم کر کے مشدد کیا گیا ہے۔ الصدع بمعنے سخت اشیاء، ذی اجسام اشیاء کا پھٹنا جیسے شیشہ، لوہا وغیرہ اسی سے استعارہ ہے صدع الامر بمعنے جدا ہو گیا۔ یعنی فیصلہ ہو گیا الصداع بمعنے سر کا درد سے پھٹنا اور الفجر کو الصدیع کہتے ہیں کیونکہ وہ رات سے پھٹ کر باہر آتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں دو گروہ ہو جائیں گے، ایک بہشت میں جائے گا اور دوسرا جہنم میں۔ چنانچہ فرمایا مَنْ كَفَرَ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے فَعَلَيْهِ تو صرف اسی پر ہو گا كُفْرُهٗ اس کے کفر کا وبال اور اس کی جزا دائمی جہنم ہو گی وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا اور جو عمل صالح کرتا ہے یعنی توحید کے بعد طاعتِ خالص فَلِاَنْفُسِهِمْ تو وہ صرف اپنے لیے يَمْهَدُوْنَ ۝ المهد دراصل بچے کے لیٹنے کی جگہ کی اصلاح کو کہا جاتا ہے۔ پھر بطور استعارہ ہر چھوٹے بڑے کے لیے استعمال

ہوتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وُہ اپنی بہتر جگہ بہشت میں بناتے ہیں۔ یعنی اعلیٰ بستر بہشت کے تیار کر رہے ہیں۔ یا یہ تمہید سے ہے۔ یعنی یہ نیک عمل ان کے لیے قبر میں لیٹنے کی بہتر جگہ کی تمہید ہیں کیونکہ اعمال صالحہ قبر اور جنت کے بہتر اور اعلیٰ منزل و ماوٰی ہیں۔

قبور کے مقیم کا حال مروی ہے کہ برزخ میں بہترین بستر جن میں عطر و کستوری اور اعلیٰ سرہانے جن کے اندر باہر کے حصے سندس و استبرق کے ہیں جو قیامت تک اہل عمل صالح کو نصیب ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے :
ان عمل الانسان یدفن معه فی قبره فان کان العمل کریما اکرم صاحبه وان کان لئیما اسلمه۔

(عمل انسان کی قبر میں اس کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔ اگر نیک عمل ہے تو اہلِ عمل کی عزّت افزائی ہوگی اگر بُرا ہے تو وہ حُزن و ملال میں مبتلا ہوگا)

شرح الحدیث اگر نیک عمل ہے تو اہلِ عمل سے مانوس ہوگا اور اسے خوشخبری دے گا اور اس کی قبر کو فراخ اور منور کر دے گا اور ہر درد اور دُکھ سے اس کی حفاظت کرے گا۔ اگر بُرا عمل ہے تو اس کے اہل کو ڈرائے گا اور اس کی قبر کو تاریک و تنگ بنا دے گا اور ہر قسم کے دُکھ درد میں مبتلا رکھے گا اور وبال و عذاب اس کے سواہے

برگ عیشے بگور خویش فرست
کس نیارد زپس ز پیش فرست

ترجمہ ، عیش وعشرت کے سامان اپنی قبر میں خود بھیج تیرے پیچھے کوئی نہیں لائے گا۔ اپنے جانے سے پہلے خود ہی بھیج۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ دُنیا میں ایمان لانے والوں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل والوں کو جزا دے۔ اس سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو صرف رضائے الٰہی پر ہوں مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل وکرم سے۔ اس کا تعلق یجزی سے ہے یعنی تاکہ ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے۔

تائیدِ اہلسنّت ؛ چونکہ اہلِ ایمان کی جزا مقصود بالذات ہے اسی لیے اس کا ذکر کرکے اسے فضل سے

متعلق فرمایا۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے کہ اعمالِ صالحہ پر جزائے خیر عطا فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال کی جزاء دینا اس پر واجب ہے۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ○ وہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ دوسرے فریق (کفار) کی سزا کا بیان ہے اس لیے کہ ان سے محبت نہ کرنا ان سے بغض کرنے کا اشارہ ہے اور اس کا بغض لامحالہ غضب کا داعی ہے اور یہی اس کی سزا و عذاب کی علامت ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں سے یہ سلوک ہوگا کہ اہلِ ایمان سے جدا کر کے انہیں دوزخ میں بھیجا جائے گا۔

وحیِ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: میرا دوزخ کا پیدا کرنا بخل کی علامت نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے محبوب و مبغوض یکجا ہوں۔ اس لیے اپنے دشمنوں کو دوزخ میں بھیجوں گا اور دوستوں کو بہشت میں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے دوستوں کی رہائش گاہ کا اور دشمنوں کی رہائش گاہ سے پناہ کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

آیات میں چند اشارات ہیں:

(۱) نظرِ عبرت سے دیکھنا طریقِ حق میں ترقیِ اسباب سے ہے۔

(۲) اس لیے کہ بعض سالکین بعض احوال میں پہنچ کر سکون پاتے ہیں اور بعض ان کے بعض مقامات کو طے کر کے غیر اللہ کی طرف التفات کر کے شرک کا ارتکاب کر جاتے ہیں جو کامل استعداد کے مالک ہیں وہ ان مقامات کو طے کرتے وقت شریعت و طریقت کے ذریعے آگے بڑھنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے نہ وہ ڈگمگاتے ہیں اور نہ ہی گر کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں جیسا کہ بہت سے اس راہ پر چلنے والے تباہ و برباد دیکھے گئے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کجا کہ می رسی باللہ مائیست

---

[۱] اسی کو امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

رضاؔ نفس دشمن ہے دم میں نہ آیا
کہاں ہم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

(اویسی غفرلہ)

ترجمہ : اے بھائی! یہ درگاہ غیر ملتہا ہے جہاں تک پہنچو بخدا ٹھہرنا نہیں (بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرنا)

(۲) سالک پر استقامت و سچی توجہ ضروری ہے اور یہ شریعت کی اتباع سے ہوگا۔ اپنی رائے و قیاس کو دخیل بنانے اور بدعت سیئہ کی اقتدا ئسے برباد ی ہوگی جو شیخ کامل کا دامن نہ تھا ، وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا۔ اور شیخ سے کامل ولی مراد ہے جو خدارسیدہ ہو۔ ورنہ نفع کے بجائے نقصان ہوگا ؎

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر و روشن نتابد

ترجمہ : میرے بھائی! مجھ سے صرف ایک نصیحت یاد رکھ، وہ یہ کہ کسی صاحبِ دل کا دامن تھام۔ جیسے پانی کا قطرہ جب تک صدف کے منہ میں نہیں جاتا وہ گوہر اور روشن نہیں ہوتا۔

(۳) جو کسی اہلِ دل پر انکار کرتا ہے اس کا وبال خود اٹھائے گا، وہ یہ کہ ایمان کے حقائق سے محروم رہے گا اور اللہ تعالیٰ منکرینِ اولیاء کو پسند نہیں کرتا۔ اگر ان سے محبت کرتا تو ان کو صدق و طلب عطا فرماتا اور نہ ہی ہمیشہ کی محرومی اور رسوائی اور نقصان کا طوق ان کے گلے میں ڈالتا ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تاکہ ریحان یابد از گلزار یار

ترجمہ : مغز کو انکارِ یار سے خالی کر تاکہ تجھے بھی محبوب کے باغ سے پھول نصیب ہو۔

حدیث شریف میں ہے :

الاصل لا یخطیٔ۔

(اصل کبھی خطا نہیں کرتا)

یعنی اہلِ اقرار صفاتِ لطف سے نوازے جاتے ہیں اور اہلِ انکار صفاتِ قہر میں مبتلا ہوتے ہیں اس لیے کہ پہلے کی تخلیق پہلے یعنی اقرار سے اور دوسرے کی دوسرے یعنی انکار سے ہے ؎

شراب داد خدا مرمرا و سرکہ ترا
چو قسمت است چہ جنگ است مرمرا و ترا

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرابِ حقیقت سے نوازا اور تمہیں سرکہ سے۔ جب یہ تقسیم ازلی ہے تو پھر ہماری اور تمہاری جنگ کیوں!

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے عشق و اشتیاق اور سلوک الی طریقۃ العشاق کا سوال کرتے ہیں اور ہر حال میں زیغ و ضلال سے پناہ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی وحدت و قدرت سے ہے اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ یہ کہ چھوڑتا ہے ہواؤں کو شمال و جنوب و صبا سے، اس لیے کہ رحمت بھری ہوائیں ہیں۔ اور ریح دبور عذاب کی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی :

اللّٰھم اجعلھا ریاحا ولا تجعلھا ریحا۔

(اے اللہ! اسے ریاح بنا ریح نہ بنا)

ہواؤں کی تحقیق قاموس میں ہے، الشمال بالفتح و بالکسر۔ وُہ جو مطلع الشمس و نبات النعش کے درمیان سے یا مطلع الشمس سے مسقط النسر الطائر تک چلے یہ رات کو بہت کم چلتی ہے اور جنوب کی ہوا شمال کی ہوا کی مخالف سمت سے چلتی ہے۔ یہ مطلع سہیل سے مطلع ثریا کے درمیان چلتی ہے اور صبا مطلع شمس سے اس وقت چلتی ہے جب دن رات برابر ہوں۔ اس کے بالمقابل دبور ہے۔ اور صبا طیب و رُوح سے موصوف ہوتی ہے کیونکہ شمال کی ٹھنڈک سے کم اور جنوب کی گرمی سے زائد ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

الریح من روح اللہ تأتی بالرحمۃ وتأتی بالعذاب فلا تسبوھا وسلوا اللہ خیرھا واستعیذوا باللہ من شرھا۔

(ریح، رُوح اللہ سے ہے یہ رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی۔ فلہٰذا اسے گالی نہ دو بلکہ اس کی رحمت مانگو اور اس کے شر سے پناہ طلب کرو)

حکایت متوکل خلیفہ کا ایک مکان تھا جسے بیت الشمال کے نام سے موسوم کرتا تھا۔ جب شمال کی ہوا چلتی تو وہ اس وقت ایک ہزار درہم خیرات کرتا۔

دریائے نیل کا اعجوبہ دریائے نیل کی درازی کا ایک راز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ باد شمالی چلاتا ہے تو دریا کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ہمہ گیر ہو کر تمام شہروں میں پھیل جاتا ہے جب وُہ اپنی طغیانی پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنوب کی ہوا چلاتا ہے تو پھر وہ پیچھے کو ہٹتا ہے یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں اس جیسا کوئی ایسا دریا نہیں جو شمالاً جنوباً لمبا ہو بالخصوص گرمیوں میں جبکہ دُوسرے دریا موسم کے لحاظ سے گھٹتے بڑھتے ہیں سوائے نیل کے، یہ وہ مبارک دریا ہے کہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار۔ شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں اس کی مٹھاس یا بُو میں تبدیلی ہو۔

ف : حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، اگر ہوائیں اور مکھیاں نہ ہوں تو زمین پر بدبو پھیل جائے۔
ف : بعض نے کہا کہ ہواؤں کا چلنا بہ تاثیر کواکب ہے کہ جونہی وہ مختلف سمتوں کو آتے جاتے ہیں ہوا میں مختلف اطوار پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اہل شرع کے نزدیک صحیح وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ہوائیں روح اللہ سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رجاء کی ہوائیں عوام کے قلوب پر چلاتا ہے جس سے ان کے قلوب جرائم و معاصی سے دھل جاتے ہیں اور ان سے ناامیدی منقطع ہو جاتی ہے اور انہیں ان کے قلوب میں نور ایمان کی خوشخبری سناتا ہے اور بسط کی ہوائیں خواص کے ارواح پر چلاتا ہے جو انہیں قبض کے وحشت سے دھوتی ہیں اور ملاحظات الی الغیر کی گرد و غبار سے صاف کرتی ہیں۔ پھر انہیں درک وصال کی خوشخبری سناتا ہے۔

تفسیر عالمانہ چنانچہ فرمایا مُبَشِّرٰتٍ درانحالیکہ مخلوق کو بارش وغیرہ کی خوشخبری سناتی ہیں وَّلِيُذِيْقَكُمْ اور تاکہ تمہیں چکھائے مِّنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت سے۔ اس سے وہ منافع مراد ہیں جو ہواؤں سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کا معنیٰ مبشرات پر عطف ہے۔ گویا دراصل عبارت یہ تھی :

لیبشرکم بہا ولیذیقکم۔

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ اور تاکہ کشتیاں دریاؤں میں ہواؤں کے ذریعے چلیں بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے۔
اب مطلب یہ ہوا کہ کشتیاں ہواؤں سے اور ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں جو درحقیقت کشتیاں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسرار محمدیہ میں ہے کہ کشتیوں کے چلنے میں ہواؤں پر سہارا نہ ہو کیونکہ یہ بھی توحید افعال اور حقایق الامور میں شرک ہے جیسے عالم امر کا انکشاف ہوتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ہوا خود بخود نہیں چلتی بلکہ وہ کسی دوسرے سے متحرک ہوتی ہے ایسے ہی اس کا بھی حرکت دینے والا ہے۔ یہاں تک کہ ان سب کا وہ متحرک ہے جسے کسی کی حرکت کی ضرورت نہیں بلکہ وہ حرکت و اوصاف سے منزّہ ہے بلکہ ان جملہ اوصاف سے جو مخلوق کے مشابہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اور تاکہ اس کا فضل تلاش کریں۔ اس سے دریائی تجارت مراد ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ تجارت کے لیے دریا کا سفر جائز ہے۔ اس کی شرائط جلد ثانی میں بیان ہو چکی ہیں۔

؎

سود دریا نیک بودے گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدی گر نیستی تشویش خار

ترجمہ: دریا میں منافع بہت ہیں اگر اس کی موج کا خطرہ نہ ہو۔ گُل کی صحبت بہتر ہے اگر کانٹا چُبھنے کا خوف نہ ہو۔

حضرت عطارؒ رحمہ اللہ کے اشعار سے ایک مشہور شعر ہے: ؎

بدریا در منافع بے شمار ست
اگر خواہی سلامت در کنار ست

ترجمہ: دریا میں منافع بے شمار ہیں۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو کنارے پر رہو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر کرو جن کا ابھی ذکر ہوا۔ اور اس کی اطاعت کرو۔ اور اسے واحد لا شریک لہ مانو ؎

مکن گردن لاز شکر منعم مپیچ
کہ روز پسیں سر برآرے بہیچ

ترجمہ: غلطی نہ کر اور نہ ہی اس کے شکر سے گردن پھیر، اس لیے کہ آخر دم میں تیرا سر کُوئے عدم کو جائے گا۔

ربط: اگلی آیات میں ان لوگوں کا بیان ہے جو موجب شکر میں خلل انداز ہُوئے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ اور بے شک ہم نے تم سے پہلے پیغمبرانِ عظام علیہم السّلام کو ان کی اپنی قوموں میں بھیجا جیسے تمہیں اپنی قوم کا رسول بنا کر بھیجا فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ باد تعدیہ کی بھی ہو سکتی ہے اور ملابست کی بھی۔ یعنی ہر رسول علیہ السلام اپنی قوم کے ہاں اس کے لائق براہین و دلائل لایا۔ جیسے تم اپنی قوم کے ہاں روشن دلائل و براہین دلائل لائے ہو فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا النقمہ بمعنے العقوبۃ، اس سے انتقام بمعنے کینہ کھینچنا۔ اور فا فصیحہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا۔ اجرموا کا مادہ الجرم ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور پھر اس کا اصرار مراد ہے۔ یعنی ہم نے سزا دی اور تباہ و برباد کیا۔

---

[1] یہ شعر گلستان میں سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ خدا جانے دونوں میں سے کس کا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

سوال : منهم کے بجائے الذین اجرموا کیوں لایا گیا؟
جواب : تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ محذوف کے قائم مقام ہے اور معلوم ہوا کہ ان کے عذاب کی علت کیا ہے - وہ یہی جرائم و معاصی ہیں۔
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا اور ہمارے لائق شان ہے۔
ف : اللہ تعالیٰ پر کوئی شے لازم نہیں۔ ایسے مقام پر یہی معنیٰ ہو گا کہ اس کے ذمہ کرم اور لائق شان ہے۔ الوسیط میں ہے کہ یہ ایجاب از غیر نہیں بلکہ اس نے اپنے طور اپنے لیے لازم فرمایا ہوا ہے۔ اور کشف الاسرار میں ہے کہ یہ اس محاورے سے ہے :
کما یقال علی قصد هذا الامر ای انا افعله۔
(جیسے کوئی کہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ کام کر کے چھوڑوں گا یعنی ضرور کروں گا)
اور حقا ' کان کی خبر ہے اور اس کا اسم ہے۔
نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اہل ایمان کو دشمنوں اور مصیبتوں کے عذاب سے عظیم نجات دینا۔
ف : اس میں اشارہ ہے کہ اہل اللہ نے اہل ایمان کی نصرت اپنے لیے واجب قرار دے کر ان کی عزت افزائی اور ان کی کرامت و شرافت کا اظہار فرما رہا ہے۔
حدیث شریف میں ہے :
ما من امرئ مسلم یرد عن عرض اخیه الا کان حقا علی الله ان یرد عنه نار جهنم۔
(جب بھی کوئی اپنے بھائی کے احترام کے پیش نظر اس کی عزت بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم ہے کہ اس کی مدد فرمائے اسے جہنم کی آگ سے بچائے)
یہ فرما کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا :
وکان حقا علینا نصر المؤمنین۔

محبوبانِ خدا کی خدمت کا صلہ حضرت الشیخ ابوعلی رودباری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں چند فقرا تشریف لائے ان میں سے ایک بیمار ہو گیا اور اس کی بیماری کے ایام خاصے طویل ہو گئے۔ اس کے ساتھی اس سے تنگدل ہو گئے اور شیخ سے شکایت کی اور شیخ کے لائق نہ تھا کہ اتنے بڑے منصب کے برعکس ایک معمولی درویش کی خدمت کرے۔ لیکن انھوں نے اپنے نفس کے خلاف کر کے اس درویش کی خدمت اپنے ذمے لگائی۔ چند دنوں کے بعد وہ درویش جاں بحق ہو گیا تو شیخ نے اپنی نگرانی میں غسل اور کفن و دفن کا انتظام کیا۔ جب قبر میں لٹایا تو اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا تو اس درویش

کی آنکھیں کھلی نظر آئیں اور وہ شیخ ابو علی سے کہہ رہا ہے :

یا ابا علی لانصرنك بجاهي يوم القيامة كما نصرتني في مخالفتك نفسك ۔

(اے ابو علی! قیامت میں میں اپنی وجاہت کے مطابق آپ کی مدد کروں گا جیسے آپ نے اپنی نفسانیت پر زور دے کر میری مدد فرمائی)

ف : حکایت سے چند فوائد حاصل ہوئے :

(۱) محبوبانِ خدا اپنی قبروں میں زندہ ہیں اگرچہ وہ ہماری نظروں میں مُردہ ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں ۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اتخذوا الايادي عند الفقراء قبل ان تجيئ دولتهم فاذا كان يوم القيامة يجمع الله الفقراء والمساكين فيقال تصفحوا الوجوه فكل من اطعمكم لقمة او سقاكم شربة اوكساكم خرقة او دفع عنكم غيبة فخذوا بيده وادخلوا الجنة ۔

(فقراء کی مدد کرو اس سے پہلے کہ انہیں دولت سے نوازا جائے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالےٰ فقراء و مساکین کو جمع کر کے حکم دے گا کہ ان لوگوں میں انہیں تلاش کرو جنہوں نے تمہیں ایک لقمہ دیا یا پانی کا ایک گھونٹ پلایا یا تمہیں کپڑا پہنایا یا تم سے تمہاری غیبت کا دفعیہ کیا تو انہیں بہشت میں لے جاؤ)

(۳) شفاعت بھی نصرۃ الٰہیہ کا ایک باب ہے ۔

(۴) آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشخبری ہے کہ بالآخر فتح آپ کی ہے اور ان کی مدد میرے ذمّۂ کرم ہے جو آپ کی تصدیق کرتے ہیں ۔ اور جو تکذیب کرتا اسے ہلاک کروں گا ۔

(۵) اس میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ ان کا انجام بخیر ہوگا کیونکہ یہی اہلِ تقویٰ ہیں ۔ اور فرمایا :

والعاقبة للمتقين ۔

(اور نیک انجام متقین کو نصیب ہوگا) ؎

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ بگیتی دژم نخواہد ماند

ترجمہ : کل مجھے فرشتہ غیبی خوشخبری سُنا رہا تھا کہ اس ویران گیتی میں کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولقد ارسلنا من قبلك رسلا الی قومھم یعنی تم سے پہلے بھی بہت سے مشائخ گزرے ہیں جو مریدین کی تربیت کرتے رہے فجاء وھم بالبیّنٰت وہ اہلِ تصدیق کے لیے بیانِ طریق میں لسانِ تحقیق کے ذریعے دلائل لائے جوان کی تصدیق کرتا وہ خلاصۂ تحقیق تک پہنچ جاتا اور جو ان کی تکذیب وانکار کرتا وہ دائمی عذاب وعید وجمود میں مبتلا کیا جاتا۔ چنانچہ فرمایا: فانتقمنا من الذین اجرموا یعنی جنہوں نے انکار کیا توہم نے ان سے بدلہ لیا اور فرمایا وکان حقّا علی المؤمنین اور جو ہمارے مقرب ہیں ہم نے ان کی اپنی قربت کے لیے مدد فرمائی۔

دُعا: اے اللہ! ہمیں منصورین سے بنا اور ہمیں اپنے دروازے کی طرف متوجہ فرما اور ہمیں یقین ہے کہ تُو ناصرین ومعین اور یقین کی جانب دلوں کو پھیرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ وہ اللہ جو ریاح رحمت جیسے صبا وغیرہ کو چلاتا ہے فَتُثِیْرُ سَحَابًا اثارۃ ثار الغبار والسحاب سے ہے بمعنے چمک کر پھیلا اور اور کہتے ہیں اثرتہ (میں نے اسے پھیلایا ہے)

اور تاج المصادر میں ہے: الاثارۃ بمعنے گرد پھیلا، زمین کا شور کرنا اور ہوا کا بادل لانا۔ اور السحاب اسم جنس ہے اس کا ایک بادل اور اس سے زاید پر اطلاق ہوتا ہے۔

المفردات میں ہے: السحب بمعنے کھینچنا۔ اسی سے السحاب ہے بمعنے اسے ہوا کھینچ کر لاتی ہے یا وہ بارش لاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وُہ ہوائیں بادل کو پھیلاتی، انہیں اُبھارتی اور اپنی جگہوں سے نکالتی ہیں۔

ف: درحقیقت بادلوں کو لانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن چونکہ یہ ہوائیں سبب ہیں اسی لیے فعل کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔ کیونکہ کبھی افعال اپنے اسباب کی طرف منسوب ہوتے ہیں[1] فَیَبْسُطُهٗ تو پھر اللہ تعالیٰ بادل کو پھیلاتا ہے یعنی کبھی کو ان کو ایک دوسرے کے متصل کرتا ہے فِی السَّمَآءِ آسمان کی سمت میں کَیْفَ یَشَآءُ جیسے چاہتا ہے کہ وُہ چلتے ہیں کبھی ایک دن کی مسافت میں کبھی دو دنوں کی راہ میں کبھی اس سے کم وبیش، کبھی شمال کو کبھی جنوب کو، کبھی صبا کی جانب کبھی دبور کی طرف وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] اسی معنیٰ پر ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی مشکلکشائی اور دافع البلائی۔ و لکن الوہابیۃ قوم لایعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

اور کبھی اسی طرح ٹھہرے رہتے ہیں۔
وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا اور کبھی بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے وہ بھی اسی طرح کہ کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر۔
كِسَفًا، كِسْفَةٌ کی جمع ہے بمعنے بادل اور رُوئی کے ٹکڑے۔ ایسے ہی ان اشیاء کے ٹکڑے جو کھوکھلے اجسام
والی ہوں کما فی المفردات۔ فَتَرَى الْوَدْقَ تو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر وُہ شخص جس میں دیکھنے
کی صلاحیت ہے! دیکھتے ہو بارش کے قطرات کو۔
حلِ لغات: الودق دراصل بارش کے قطرات کی درمیانی شے کو کہا جاتا ہے جو غبار کی طرح محسوس
ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پر بارش کے قطرات مراد ہیں۔
يَخْرُجُ وُہ امرِ الٰہی سے نکلتا ہے مِنْ خِلٰلِهٖ بادل میں سے۔
حلِ لغات: خلال بمعنے دونوں حالتوں (یعنی بوقتِ اتصال و افتراق) میں بادل کے سوراخ۔
امام راغب نے فرمایا: الخلل بمعنے دو سوراخوں کے درمیان سوراخ۔ جیسے دار اور بادل کے سوراخ۔
اس کی جمع خلال آتی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا کہ بادل چھلنی کی مانند ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو بارش زمین
کو تباہ و برباد کر ڈالتی۔

قطرات کی صورت میں بارش کے آنے کی ابتدا

مروی ہے کہ ایامِ طوفانِ نوح میں باری تعالیٰ نے بارش بلا حساب یکبارگی بھیجی تو وہ
اُس کا غضب بن کر زمین پر اُتری تو زمین کا چہرہ چھل گیا اور اس میں دراڑیں پڑ گئیں۔ تو زمین نے بارگاہِ
الٰہی میں شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آئندہ بادل کو چھلنی بنا دُوں گا تجھے بارش سے کوئی تکلیف
نہ پہنچے گی۔ اسی روز سے اللہ تعالیٰ نے بادل کو چھلنی کی طرح بنا دیا اور بارش قطرات کی صورت میں اترنے لگی۔
فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ باء تعدیہ کی اور ہ کا مرجع الودق ہے۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بارش نازل فرماتا ہے اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝
اس وقت وُہ بندے خوش ہوتے ہیں یعنی اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں کہ اس سے انہیں خوشحالی
نصیب ہوگی اور قحط سالی دُور ہوگی وَاِنْ اور ان کا حال یہ تھا كَانُوْا اس وقت وہ تھے
مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ بارش کے نزول سے پہلے لَمُبْلِسِيْنَ ۝
نا اُمید ـــــ یہ کانوا کی خبر ہے قبل کا تکرار تاکید اور بارش کے نہ ہونے پر بہت عرصہ گزر جانے
اور مایوس ہو جانے کی وجہ سے۔ اور لام فارقہ کی ہے اور ابلاس کا معنیٰ اوائل سُورۃ میں گزر چکا ہے۔
فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ تو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو۔ یہ خطاب اگرچہ حضورِ سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ لیکن اس سے مراد تمام مکلفین ہیں۔ اور رحمت اللّٰہ سے بارش مراد ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نازل فرماتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دیکھو انگوریوں اور درختوں اور مختلف پھلوں اور پھولوں پر بارش کے آثار۔ اور فاؔ ان اشیاءٔ کی تنزیل مطر کے ترتّب پر دلالت کرنے کے لیے ہے کَیْفَ یُحْیِ اللہ تعالیٰ کیسے آباد کرے گا الْاَرْضَ زمین کو بارش کے آثار سے بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ بعد اس کے ویران ہوجانے کے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ کیفؔ منصوب ہے۔ اس سے حرفِ جر حذف کر دیا گیا ہے اور کیف انظر سے متعلق ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ زمین کی ویرانی کے بعد اس کے آباد ہونے کے عجیب عجیب طریقے دیکھو اور نظر سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور وسیع رحمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس میں امر لبعث کی تمہید ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ بیشک وہ عظیم الشان قدرت والا ہے جو زمین کو ویران ہونے کے بعد آباد کرتا ہے لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ آخرت میں مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ یعنی وہ ان کے ابدان کے مواد یعنی قوائے حیوانیہ پیدا کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے وُہ زمین کے اندر قوائے نباتیہ پیدا کرتا ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور وہ ہر شے پر قادر ہے یعنی کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں منجملہ اس کے مرنے کے بعد حشر میں انسان کے جسم کو زندہ کرنا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں مُردے دل کو زندہ کرتا ہے کیونکہ قدرت کا تعلق ممکنات سے ہے یعنی ہر ممکن اسی کی قدرت کے تحت ہے کہ کوئی شے بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں ہوسکتی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے بخلاف انسان کے کہ اس کی قدرت ناقص ہے اور وہ قدرت ایزدی سے استفادہ کے بعد ؎

تعالی اللہ زہے قیوم و دانا
توانائی دِہ ھمہ ناتوانا

ترجمہ : وُہ قیوم ودانا ہر عاجز کو قدرت عطا کرنے والا ہے۔

ف : ابھی اس کا بیان آتا ہے کہ انسان ضعف سے پیدا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہی اسے قدرت و قوت بخشتا ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے زمین کو آثارِ قدرت اور انوارِ فعل وحکمت سے سنگارا ہے کہ سبزی اُگائی اور پھولوں سے رونق بخشی۔ اس سے عارفین کی آنکھوں میں جلوۂ حقانی نظر آتا ہے۔ اسی لیے وُہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مغربی زاں میکند میلے بگلشن کا ندر او
ہرچہ را رنگے و بُوئے ہست رنگ و بوئے اوست

ترجمہ: مغربی کو گلشن سے اس لیے محبّت ہے کہ اس کے ہر رنگ و بُو میں اللہ تعالےٰ کا جلوہ نظر آتا ہے۔

بنی اسرائیل کا سوال اور موسیٰ علیہ السلام کا جواب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے پُوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کوئی رنگ بھی بنا سکتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے پھلوں اور پھُولوں کو نہیں دیکھا کہ ان میں سُرخ بھی ہیں اور زرد بھی اور سفید بھی۔ رنگریز تو صرف سفید کو سیاہ بنا سکتا ہے لیکن وُہ بڑی قدرت والا ہے کہ سیاہ کو سپید بناتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جوانی کے سیاہ بال بڑھاپے میں سپید ہو جاتے ہیں۔ تو یہ اسی کی قدرت ہے۔ ایسے ہی دل کی سیاہی کو بھی سفیدی میں وہی بدلتا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر احسن اور کون ہو سکتا ہے!

مجوسیوں کو دولتِ اسلام نصیب ہُوئی حضرت ابُو حفص قدس سرہٗ بحکم فانظر الی آثار رحمۃ اللّٰہ، باغ میں تشریف لے گئے اور وہ باغ کسی مجوسی کا تھا۔ آپ کے مریدین باغ کی بہار سے متاثر ہُوئے تو آپ نے فرمایا: پڑھو:

کم ترکوا من جنات وعیون الآیۃ

(کتنے لوگ ہیں جنہوں نے باغ اور چشمے چھوڑے)

آپ باغ سے باہر نکلے ہی تھے تو مجوس نے کہا:

کنبے سمیت ہمیں کلمۂ اسلام پڑھاتے جائیے۔

اس وقت آپ کے ہاتھوں اٹھارہ افراد مسلمان ہُوئے۔ حضرت ابوحفص رحمہ اللّٰہ نے فرمایا: جب تم باغ کی سیر کو جاؤ تو یُوں جاؤ کہ خواہش نفسانی کو دخل نہ ہو۔ ورنہ اس کا اچھا اثر نہ ہوگا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ آنکھ سے دُنیا کی رونق کو دیکھے لیکن دل سے اس کے فنا ہونے کو۔ اور بہار کے موسم کو عبرت سے دیکھے کہ ویرانی کے بعد کیسے شادمانی حاصل ہُوئی۔ ایسے ہی قبور سے اٹھنے کا سبق حاصل کرے۔

حدیث شریف (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)
جب تم بہار کو دیکھو تو قبور سے اُٹھنے کو یاد کرو یعنی مُردوں کا قبور سے اُٹھنا

ایسے ہوگا جیسے بہار میں انگوریوں کا سرسبز ہونا اور یہ ربیع یعنی بہار کے موسم میں ہوگا۔ گرمی کی شدت سے قیامت کی گرمی کو یاد کرو۔ جب گرمی کی شدت میں انسان کہے :

لا الٰہ الا اللہ ما اشد برد ھذا الیوم اللھم اجرنی من زمھریر جہنّم۔

(آج کیسی غضب کی سردی ہے اللہ ہمیں جہنم کی سردی سے بچا)

تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے جہنّم کی سردی سے پناہ مانگی فلھذا اے جہنم! گواہ ہو جا، میں نے اسے پناہ دی۔" لوگوں نے پوچھا کہ جہنم کی سردی کا کیا مطلب؟ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ ایک جگہ ہے جہاں کافر کو ڈالا جائے گا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔"

سبق : بارش کے قطرات کو دیکھتے ہوئے لوگوں کی پل صراط کی گریہ و زاری اور ان کے آنسو بہانے کو یاد کیا جائے۔

رابعہ کی باتیں

بی بی رابعہ قیسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں، جب اذان سنتی ہوں تو مجھے قیامت کے دن منادی کی پکار آجاتی ہے۔ اور جب ژالہ باری دیکھتی ہوں تو مجھے قیامت کے عملنامے بکھرنے یاد آجاتے ہیں اور جب ٹڈیوں کو پھیلا ہوا دیکھتی ہوں تو مجھے میدانِ حشر کا پھیلاؤ یاد آجاتا ہے۔

دیگر عجیب باتیں

ریحان احمر کو دیکھ کر عشاق کے چہروں کی سُرخی کو یاد کر لیا کرو اور ریحان اصفر سے عاصیوں کے چہرے کی زردی سے عبرت پکڑو اور ریحان ابیض سے اہلِ ایمان کے چہرے کی سفیدی کو یاد کرو اور خاکستری ریحان سے نوجوان اور حسین عورتوں کے وہ چہرے یاد کرو جو قبروں میں ساتویں دن ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ وہ گرد آلود ہو کر خاکستری ریحان کی طرح ہو جاتے ہیں۔

اعجوبے

(۱) گلِ زرد بیماروں کی شفا ہے لیکن خود بیمار رہتا ہے۔

(۲) گلِ سُرخ سے دماغ کو ہشیاری نصیب ہوتی ہے لیکن خود مخمور اور مست وار ہے۔

(۳) گلِ سفید گویا زمانے کا ستم رسیدہ اور جوانی برباد کردہ اور بڑھاپے کی حد تک پہنچ گیا ہے۔

مومن کا دل گویا بلبل کا گُل ہے

سالِ اعتدال میں دو آفتابِ غیب سے طلوع ہوتے ہیں :

(۱) جمالِ فلکی کا آفتاب

(۲) جمالِ ملکی کا آفتاب

خورشید جمالِ فلکی گلاب پر چمکتا ہے تو وہ پھولتا ہے۔ جمالِ ملکی کا آفتاب دل پر چمکتا ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے جب گلاب پھولتا ہے تو اس پر بلبل عاشق ہو جاتی ہے اور جب دل چمکتا ہے تو اس میں خود خالق جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ گل تو مٹ جاتا ہے جس وجہ سے بلبل اس کے فراق سے ماتم کرتی رہتی ہے دل اگر مرجھائے تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اُسے نوازتا ہے۔ اس لیے مومن کا دل کبھی نہیں مرتا۔

۵

چشمے کہ ترا دید شد از درد معاف
جانے کہ ترا یافت شد از مرگ مسلم

ترجمہ: وہ آنکھ جو تجھے درد سے صحیح و سالم نصیب ہوئی۔ وہ جان جو تو نے مرگ سے پائی۔

حکایت ۱ ابن السماک رحمہ اللہ موسمِ بہار میں حجرے سے باہر نکلے تو ان کی نگاہ پھولوں پر پڑی۔ ان کی چیخ نکل گئی اور کہا: اے درختوں پر پھولوں کو سجانے والے پروردگار! میرا دل بھی اپنے ذکر و طاعت سے منور فرما۔

حکایت ۲ ایک بزرگ موسم بہار میں اللہ تعالیٰ کے شوق میں آنسو بہاتے رہتے تھے اور ایک دوسرے بزرگ فراقِ الٰہی سے آہ و فغان میں وقت بسر کرتے۔

شیخ شبلی کی کہانی حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ کو آپ کے مریدوں نے ایک درخت کے نیچے روتا پا کر سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں اس درخت کے پاس سے گزرا تو اچانک اس کی ٹہنی کٹ کر نیچے گر پڑی لیکن وہ اسی طرح ہرا بھرا ہے۔ اسے خبر بھی نہیں کہ اسے کاٹا گیا ہے۔ ایسے ہی ہماری حالت ہے کہ ہم نے اپنے نفس سے گویہ کیا کہ اسے بھی حق سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ جس کا اسے علم نہ ہو تو پھر آپ کے مریدوں نے آپ کی تقریر سُنی تو وہ بھی آپ کے ساتھ رونے لگے۔

بہارِ جنّت کی یادگار مشایخ فرماتے ہیں کہ بہار بہشت اور اس کی نعمتیں یاد دلاتی ہے اسی لیے انسانِ کامل بہار میں افسوس وحیرت سے ہاتھ ملتا ہے۔ لیکن بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اسے خبر نہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ بہشت میں تمام ارواح صلبِ آدم علیہ السلام میں تھے۔ جب وہ زمین پر تشریف لائے اور ارواح بٹ کر اپنے آباء کی پشتوں میں چلے گئے اور جب وہ بہار کی رونقیں اور مختلف پھول دیکھتے ہیں تو ان کو جنت کی نعمتیں، اس کے پھول اور رونقیں یاد آتی ہیں۔ اسی لیے کفِ افسوس ملتا ہے اور بہشت سے نکلنے پر جزع فزع کرتا ہے۔

مُردے کی کہانی ایک عالمِ دین گلاب کو دیکھ کر رو پڑا۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ مُردہ قبر میں روتا رہتا ہے، اور اس کی آنکھ کی سفیدی کھلی رہتی ہے۔ جب بہار آتی ہے اور گلاب کا پھول شگوفے سے باہر آتا ہے تو اس کی آنکھ پھٹتی ہے۔ اسی طرح جب مُردے کی زوجہ کا کسی سے نکاح ہوتا ہے تو اس کا دل پھٹتا ہے (اسی وجہ سے رو رہا ہوں)۔

تفسیر صُوفیانہ کیف یحی الارض میں اشارہ ہے کہ مومن کے مُردہ نفس کو وُہ کیسے زندہ کرتا ہے جبکہ وُہ طاعت کی وجہ سے خشک ہوجاتا ہے!

حدیث شریف میں ہے:

من احیی ارض میتۃ فھی لہ۔

(جو عام زمین کو آباد کرتا ہے وہ اسی کی ہے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جس بندے کا دل اور نفس زندہ فرماتا ہے تو وہ اسی کا ہے شیطان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے ہی جو بندہ اپنے نفس کو طاعت اور توبہ سے آباد کرتا ہے وہ بہشت میں جائے گا، اسے دوزخ سے بہت دُور رکھا جائے گا۔ بعض مشایخ نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ نفوس کی کوتاہیوں کے بعد صدقِ ارادات سے اور قلوب کو غفلتوں کے بعد انوارِ محاضرات سے اور ارواح کو محجوب ہونے کے بعد دوامِ مشاہدات سے زندہ کرتا ہے ؎

اموت اذا ذکرتک ثمّ احیی
فکم احیی علیک وکم اموت

ترجمہ: میں مرجاتا ہُوں لیکن جب تجھے یاد کرتا ہُوں تو زندہ ہوجاتا ہُوں۔ نہ معلوم کتنی بار تجھ پر فدا ہوکر مرتا ہُوں اور کتنی بار تیرا نام لے کر زندہ ہوتا ہُوں۔

ف: عارف کا دل باغ ہے اور اس کی جنّت وحیات معرفتِ الٰہی۔ جو اس کے انوار کو دیکھ پاتا ہے وہ دنیا اور اس کی رونقوں سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ صُوفیِ در باغ از بہر کشاد
صوفیانہ روے بر زانو نہاد

۲ پس فرورفت او بخود اندر نغول
شد ملول از صورت خوابش فضول

۳ کہ چہ خسپی آخر اندر رز ذ مکر
ایں درختاں بیں و آثار خضر

۴ امر حق بشنو کہ گفت است انظروا
سوے ایں آثار رحمت آر رو

۵ گفت آثارش دلست اے بوالہوس
آں بروں آثار آثار ست و بس

۶ باغ ہا و میوہا اندر دلست
عکس لُطف آں بریں آب و گلست

---

۷ چوں حیات از حق بگیرے اے روے
پس غنی گردے زگل در دل روے

ترجمہ :(۱) ایک صُوفی باغ میں سیر کے لیے گیا تو صُوفیوں کی طرح مُنہ گھٹنوں پر رکھ کر مراقبہ میں بیٹھ گیا۔
(۲) خواب میں چلا گیا اسے کوئی خبر نہ رہی لیکن خواب میں پریشان سا ہوگیا۔
(۳) بیدار ہو کر کہا یہاں سونے کا کیا مطلب، باغ کی سیر کر اسکے درخت اور پھُول وغیرہ دیکھ۔
(۴) حکمِ الٰہی سُن کہ اس نے فرمایا ہے : انظروا ۔ اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف متوجہ ہو۔
(۵) پھر خود کہا کہ اے ابوالہوس، باغ سے دل مراد ہے اس کے عجیب آثار ہیں انہیں دیکھ۔
(۶) باغ اور میوے دل میں ہیں کیونکہ اللہ کی تجلیات کا عکس اسی آب و گل پر ہے ۔
(۷) جب تم اللہ تعالیٰ سے زندگی پاؤ گے تو دُنیا سے بے نیاز ہو کر دل کی بے انتہا سیر میں رہو گے ۔

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وُہ ہماری آنکھیں اپنی رحمت کے آثار کے مشاہدہ اور اپنے صفات کے انوار کے مطالعہ کے لیے کھول دے اور ہمیں اجازت بخشے تاکہ اس کی ذات کے باغ کے اسرار میں گھُومیں پھریں اور پھر آیات وبینات کے حرم سے ہمیں حرم ہویت کی طرف منتقل فرمائے ۔ وہی خیر و شر تک پہنچانے والا اور دلوں کو زندہ کرنے والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ یہ لام قسم کی توطیۃ کے لیے ہے حرف شرط پر داخل ہُوئی ہے۔ ریح سے عذاب کی ہوا مراد ہے یعنی دبور وغیرہ ۔ اور فار فصیحیہ ہے اور ہُ ضمیر اثر رحمت کی طرف راجع ہے جس پر آثار دلالت کرتا ہے اور کبھی جمع واحد پر دلالت کرتا ہے یا نبات کی طرف راجع ہے جس پر آثار دلالت کرتا ہے اور چونکہ نبات اسم جنس ہے اسی لیے اس کی طرف واحد کی ضمیر راجع ہو سکتی ہے اور اسمِ جنس قلیل وکثیر سب کو شامل ہوتا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بخدا اگر ہم نے ایسی ہوا بھیجی جو ضرر رساں (گرم یا سرد) تھی جس نے کافروں کے کھیتوں کو تباہ کر ڈالا پھر وُہ اسے دیکھتے مُصْفَرًّا : زرد ہوا کی تاثیر سے یعنی پہلے سبز تھے پھر وُہ زرد ہو گئے بلکہ تباہی کے دہانے کے قریب ہو گئے۔ اصفرار بمعنی زرد ہو جانا ۔ صفر ایک رنگ ہے (یعنی زرد) جو سپیدی اور سیاہی کے درمیان اور سپیدی کے

قریب تر ہے لَّظَلُّوْا لام قسم کے دو جوابوں کے قائم مقام ہے۔ اسی لیے ماضی کو مستقبل میں لایا گیا۔ یعنی ہو جائیں گے اور ظل بمعنے صار ہے مِنْۢ بَعْدِهٖ کھیت اور کھیتیوں کے زرد ہو جانے کے بعد یَکْفُرُوْنَ○ بلا تاخیر و توقف کافر ہو جاتے ہیں یعنی کافروں کا اپنے پروردگار پر کوئی بھروسا نہیں۔ اگر انھیں خوشحالی اور خیر و بھلائی حاصل ہوتی ہے تو بجائے شکر کرنے کے حد سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور اگر ان پر کوئی معمولی سی تکلیف آتی ہے تو جزع فزع کرنے لگ جاتے ہیں انہیں تھوڑا سا صبر بھی نصیب نہیں بلکہ سابقہ نعمتوں کو یکسر بھلا دیتے ہیں حالانکہ اس وقت انہیں استغفار کرنا چاہیے تھا لیکن اہلِ ایمان کا حال اس کے برعکس ہے کہ وہ نعمتوں پر شکر کرتے اور تکلیف و مصیبت کے وقت صبر کرتے بلکہ وُہ کسی وقت بھی اللّٰہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمید نہیں ہوتے اور طاعت و عبادت و استغفار میں لگے رہتے ہیں تاکہ شب و روز کی نعمت سے حصۂ وافر نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ چوں فرود آید بلا بے دافعی
چوں نباشد از تضرع شافعی

---

۲ جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

---

۳ چونکہ غم بینی تو استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

ترجمہ :(۱) جب دفع نازل ہو اور اسے روکنے والا کوئی نہ ہو اور تضرع و زاری کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

(۲) جب عاجزی اور بندگی اور اضطراری سے کام نہ بنے اور اس بے نیاز بارگاہ میں یہ باتیں کام نہ آئیں۔

(۳) غم و الم کے وقت استغفار بکثرت کر۔ کیونکہ غم بھی اللّٰہ تعالیٰ کے حکم سے آیا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب شقاوۃ ازلیہ کی ہوا قہر و غضب سے اہلِ شقاوت کے معاملات کے کھیتوں پہ چلے اگرچہ وُہ سبز ہوں یعنی شرع مطہرہ پہ ہوں تو بھی زرد ہو جاتی ہیں اور انہیں یہ ہوائیں منافقین کے اعمال کی طرح ضائع کر کے چھوڑتی ہیں پھر ایمان تقلیدی کے بعد یہ لوگ نفاق میں

گرفتار ہو جاتے ہیں، اسی لیے کُفر کرنے سے انہیں کوئی باک نہیں ہوتا پھر وہ نعمتوں کی ناشکری کرتے رہتے ہیں۔ یہ عام کفر سے قبیح تر ہوتا ہے۔ ہم شقاوت اور بُرے حال اور بُرے اعمال و افعال سے پناہ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وہ کافر جن کے اوصاف ہم نے بیان کیے ہیں تو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے اپنی بات سمجھانے اور منوانے کی امید نہ کیجئے کیونکہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ کافروں کو مُردوں سے تشبیہ میں اشارہ ہے کہ حق قبول نہ کرنے میں ان کے مشاعر بیکار ہو چکے ہیں اور ان کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔

ردّ وہابیہ فی الآیۃ دلیل علیٰ ان الاحیاء قد تسمون امواتا اذا لم یکن لہم منفعۃ الحیاۃ[1]

(آیت میں دلیل ہے کہ کبھی زندوں کو مُردہ کہا جا سکتا ہے جب ان میں منفعِ حیوٰۃ ختم ہو)[2]

---

[1] اس سے ثابت ہُوا کہ وجہ تشبیہ عدم منفع از حیات ہے نہ کہ سماع، جیسا کہ وہابیہ کہتے ہیں فثبت انہم قوم لا یعقلون۔

[2] ہمارے دور میں سماعِ موتیٰ کے انکار میں وہابیہ کی طرف سے یہی آیت پیش کی جاتی ہے۔ فقیر نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ آیت ہذا کی توضیح مختصراً یہاں عرض کی جاتی ہے:

احادیثِ مبارکہ

(۱) عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خباءہ (اے خیمۃ) علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فاذا فیہ انسان یقرء سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک حتی ختمہا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب اللہ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ فی کتاب فضائل القرآن)

(روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک صحابی نے قبر پر خیمہ قائم کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے سنا ہے کہ ایک شخص زمین کے اندر سورۃ ملک پڑھتا ہے وہ نبی علیہ السلام کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ سورۃ عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے)

یوسف بن محمد کہتے ہیں کہ ابو الحسن جو بزرگ متقی ہیں، انہوں نے مجھے ایک جگہ دکھائی اور کہا کہ میں ہمیشہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف : امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ مال جمع کرنے والے بھی بظاہر زندہ ہیں لیکن درحقیقت وُہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰)

اس جگہ سے سورہ ملک کی آواز سُنتا ہُوں ۔ (شرح الصدور)

(۲) عن حماد عن سلمة عن ثابت البنانی قال اللهم ان کنت اعطیت احد الصلوٰة فی القبر فاعطنی وقال جبیرنا دخلت علیہ فی لحدہ فلما سوینا علیہ باللبن سقطت اللبنة فاذا هو یصلی فی قبرہ ۔ (رواہ احمد فی کتاب الزھد و ابونعیم فی الحلیة)

(روایت ہے کہ ثابت بنانی ہمیشہ دُعا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو قبر میں کسی میت کو نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو مجھ کو بھی اس نماز کی اجازت دے ۔ جبیرؓ کہتے ہیں کہ ثابت بنانی کا جب انتقال ہُوا میں نے غسل کفن دے کے لحد میں رکھا اور تختے برابر کئے اتفاقاً ایک تختہ گر پڑا میں نے کیا دیکھا کہ وُہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں)

اور ابراہیم مھلبی کہتے ہیں کہ میرے پاس آنے جانے والوں نے بیان کیا جب ہم لوگ ثابت بنانی کی قبر کی طرف سے گزرتے ہیں تو قبر سے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سُنا کرتے ہیں ۔ (شرح الصدور)

قاعدہ : لا تبطل رسالتهم بالموت فکما ان النبوة . ولکن الولایة لا تنقطع بالنوم فکذا بالموت برلیقہ $\frac{۲۰۳}{ج۱}$ ۔

(اس سے صاف طور پر معلوم ہُوا کہ رسالت نبوت موت پر قطع نہیں ہوتے ہیں اس طرح ولایت نیند پر اور موت پر قطع نہیں ہوتے ہیں)

اس طرح حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے :

الولایة لا تنقطع بالموت کما ان النبوت لا تنقطع بالموت ۔

(جس طرح پیغمبر علیہ السلام قبر میں پیغمبر ہیں اسی طرح ایک ولی بعد الوفات بھی ولی ہی رہتا ہے)

(۳) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلة المعراج مر بموسٰی وھو قائم یصلی فی قبرہ (رواہ مسلم)

(حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات موسٰی علیہ السلام

(باقی برصفحہ آئندہ)

بھی مُردے ہیں اور علماءُ (اولیاء اللہ اور باعمل علماء) ہمیشہ زندہ ہیں اگرچہ بظاہر ان کے اجسام ہماری نظروں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱)

کی قبر کے پاس سے گزرے آپ نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں)
شرح الصدور میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں، روایت ہے عاصم سقطی سے کہ بلخ میں ہم نے ایک میت کے واسطے قبر کھودی۔ ایک طرف دیوار میں سوراخ ہوگیا، اس سے ہم نے دیکھا کہ پرانی قبر ہے اس میں ایک بوڑھا آدمی سبز لباس پہنے قبلہ رُخ بیٹھا ہے قبر کی دیواریں، زمین اور چھت بھی سبز ہے وہ قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے۔

(۴) غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے کفار کی لاشیں جمع کر کے ایک کنویں میں ڈال دیں۔ حضور کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب کسی مقام کو فتح فرماتے تھے وہاں تین دن قیام فرماتے تھے۔ یہاں سے تشریف لے جاتے وقت اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انھیں نام بنام آواز دے کر فرمایا:
"ہم نے تو پا لیا جو سچا وعدہ (نصرت کا) ہمارے رب نے ہم سے فرمایا تھا، کیا تم نے بھی پا لیا جو سچا وعدہ (نار کا) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا"
امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللہ اجساد لا ارواح فیھا۔
(یارسول اللہ! کیا آپ بے جان جسدوں سے کلام فرماتے ہیں)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انتم باسمع منھم....
(تم ان سے کچھ زیادہ نہیں سنتے مگر انہیں طاقت نہیں کہ تجھے لوٹ کر جواب دیں)

ف: مومن تو مومن ہے کافر تک سُنتے ہیں اور پھر اولیاء کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔
ف: رُوح ایک پرندہ ہے اور جسم پنجرہ۔ پرندہ جس وقت تک پنجرے میں ہے اس کی پرواز اسی قدر ہے جب روح پنجرے سے نکل جائے اس وقت اس کی قوتِ پرواز دیکھیے۔ اپنے مُردوں کو بزرگوں کے پاس دفن کرو کہ ان کی برکت کے سبب ان پر عذاب نہیں کیا جاتا۔ ھم القوم لا یشقیٰ بھم جلیسھم (وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سبب ان کا ہم نشیں بھی بدبخت نہیں ہوتا) ادفنوا امواتکم وسط قوم صالحین، (اپنے مُردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو)۔

(باقی ص ۲۱۳ پر)

اوجھل ہوجائیں کیونکہ ان کے آثار (کارنامے) دنیا میں موجود ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲)

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک جگہ کوئی قبر کھُل گئی اور مُردہ نظر آنے لگا۔ دیکھا کہ گلاب کی دو شاخیں اس کے بدن سے لپٹی ہیں اور گلاب کے دو پھُول اس کے نتھنوں پر رکھے ہیں۔ اس کے عزیزوں نے اس خیال سے کہ قبر پانی کے صدمے سے کھل گئی دوسری جگہ قبر کھود کر اس میں رکھ دیں۔ اب جو دیکھیں تو دو اژدہے اس کے بدن سے لپٹے اپنے پھنوں سے اس کا منہ بھنبھوڑ رہے ہیں حیران ہوئے۔ کسی صاحبِ دل سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اُنھوں نے فرمایا وہاں بھی اژدہا ہی تھا مگر ایک ولی اللہ کے مزار کا قرب تھا۔ اس کی برکت سے وُہ عذاب رحمت ہوگیا تھا۔ وُہ اژدہے درختِ گل کی طرح ہو گئے تھے اور ان کے پھن گلاب کے پھُول۔ اس کی خیریت چاہتے ہو تو وہیں لیجاکر دفن کرو۔ وہیں لے جاکر رکھا پھر وہی قبر درختِ گل تھے اور وہی پھن گلاب کے پھُول۔ یہ اس حدیث کا ثمرہ ہوا جو اوپر بیان کی گئی ہے یعنی ھم القوم لا یشقیٰ بھم جلیسھم۔

ولی کی تعریف

علامہ تفتازانی نے لکھا کہ:

والولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماك فی اللذات والشھوات و کرامتہ ظھور امر خارق للعادۃ (شرح العقاید لنسفی ص ۱۰۱)

(ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات (حسبِ امکان) کا عارف ہو اور طاعات پر مواظبت کرتا ہو اور برائیوں سے اجتناب کرتا ہو اور لذات وشہوات کے انہماک سے روگردان ہو اس کی کرامت یہ ہے کہ اس سے کوئی امر عادت کے خلاف صادر نہ ہو)

کرامتِ فاروق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہوکر آواز دی اور وہ لشکر دُور سے آواز سُنتا اور ان کے

(باقی برصفحہ آیندہ)

مسئلہ: کفر قلب کی موت ہے ایسے ہی معصیت اس کی بیماری ہے۔ جس کا دل کفر سے مرجاتا ہے اس کا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۳) کہنے پر عمل کرتا ہے۔

مثل رواية عمر وهو على المنبر في المدينة و جيشه بنهاوند حتى قال لامير جيشه يا سارية الجبل الجبل تحذيراً له من وراء الجبل لمكر العدو هناك وسماع سارية كلامه مع بعد المسافة (شرح العقائد نسفی

(جیسے حضرت عمر کی روایت جبکہ آپ منبر پر لشکر کو نہاوند میں امیر لشکر کو فرمایا: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں چلا جا۔ آپ اسے دشمن کے لشکر سے ڈرا رہے تھے۔ بعدِ مسافت کے باوجود ساریہ نے آپ کا کلام سُن لیا)

فائدہ: مدینہ منورہ اور لشکر کے درمیان فاصلہ پانچ سو فرسخ تھا۔

اسی طرح خالد بن ولید کا زہر کھا کر کچھ نقصان نہ ہونا اور رودِ نیل کو عمر فاروق کا خط لکھنا۔

کراماتِ اولیاء کا کوئی منکر نہیں سوائے معتزلہ کے۔

ف: ان دلائل سے ولی اللہ کی کرامت واضح ہوئی اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے اور بعد الوفات بھی ثابت ہے۔

کرامت نجاشی بعد الوفات

(۱) حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة قالت لما مات النجاشي كنا نتحدث انه لا يزال يرى على قبره نور

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ فی باب الکرامات)

یعنی نجاشی مرا ہوا تھا اور اس کی قبر پر نور (روشنی) دکھائی دیتا تھا۔

(۲) شرح الصدور میں ہے، زین الدین بوشی کہتے ہیں کہ عبد الرحمان فقیہ مقام منصورہ میں رہتے تھے۔ اس وقت اہلِ فرنگ نے کتنے مسلمانوں کو قید کیا اور کتنوں کو شہید کیا۔ عبد الرحمان قرآن شریف تلاوت کرتے تھے، یہ آیت پڑھی:

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون۔

یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مُردہ خیال نہ کرو وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔

(باقی برصفحہ ۲۱۵)

سننے کا مادہ ختم ہو جاتا ہے اسی لیے اسے نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی ہاں جس کا دل گنا ہوں سے بیمار ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۴)

پھر جب عبدالرحمان فقیہ قتل کئے گئے تو ایک فرنگی آیا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے نیزہ سے ان کو چھوا اور طعنہ دے کر کہا: اے مسلمانوں کے پیشوا! تم کہتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم لوگ زندہ ہو اور روزی پاتے ہو"

اب یہ بات کہاں گئی؟ فقیہ نے سر اٹھا کر دوبارہ کہا:

حَیٌّ وربّ الکعبۃ۔ (رب کعبہ کی قسم! میں زندہ ہوں)

یہ سن کر فرنگی گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کے سر کو بوسہ دیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان کی لاش ہمارے شہر میں لے چلو۔

کرامتِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ

روایت ہے، منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا قسم خدا کی میں نے دیکھا جب امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو دمشق سے روانہ کیا گیا تو ایک شخص سورۂ کہف تلاوت کر رہا تھا، جب اس نے یہ آیت پڑھی:

ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من اٰیاتنا عجباً

(کیا تو نے خیال کیا کہ اصحابِ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں سے عجیب تھے۔)

سرِ مبارک سے آواز آئی:

اعجب من اصحاب الکہف قتلی وحملی۔

یعنی اصحابِ کہف سے زیادہ تعجب کے قابل میرا قتل کرنا اور میرے سر کو روانہ کرنا ہے۔

مسئلہ: رسالہ انیس الارواح میں لکھا ہے:

بدانکہ سماع موتیٰ ثابت است ہر کہ انکار کرد از جملہ زنادقہ است۔

(اگر اس زمانے میں کوئی سماعِ موتیٰ سے انکار کرے تو وہ زندیقوں میں سے ہے)

صاحبِ کنز نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے۔

کرامت

شرح الصدور میں لکھا ہے، روایت کی ابن عساکر نے عمیر بن حباب سلمیؓ سے کہ بنو امیہ کی لڑائی کے زمانہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

وہ سُنتا ہے مگر تھوڑا، جیسے بیمارِ جسمانی کی کیفیت ہوتی ہے یہ بھی ایسے ہی سمجھیے۔ پھر جیسے ظاہری بیمار علاج سے تندرست ہوجاتا ہے ایسے ہی یہ بھی روحانی علاج سے تندرست ہوسکتا ہے۔

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ۔

ربط: یہ دُوسری تشبیہ ہے فرمایا: اور نہ ہی تم بہرے کو سُنا سکتے ہو۔

حلِ لغات: الصم، اصم کی جمع ہے صَمَمٌ سے مشتق ہے بمعنے سمع کی حس کا ختم ہوجانا۔ اس سے اس کی تشبیہ دی جاتی ہے جو حق کی طرف توجہ نہ دے اور نہ اسے قبول کرے۔ کذا فی المفردات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵) میں ہم سب نو آدمیوں کو گرفتار کرکے روم کے بادشاہ کے پاس لے گئے اس نے سب کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آٹھ آدمیوں کی گردن مار دی گئی، جب میری نوبت آئی تو ایک چوب دار نے بادشاہ کا سر اور پیر چُوم کر عرض کی کہ اس کو مجھے دیجئے۔ بادشاہ نے مجھے اس کے حوالے کردیا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اس کی ایک لڑکی نہایت حسین وجمیل تھی اس کو بُلایا اور مجھ سے کہا: تُو جانتا ہے کہ بادشاہ کے نزدیک میرا کیسا مرتبہ ہے اگر تُو میرا دین قبول کرلے تو میں اس لڑکی سے تیری شادی کردوں گا اور اپنا مال و دولت تیرے حوالے کردُوں گا۔ میں نے جواب دیا: بی بی کے لیے میں اپنا دین نہیں بدلوں گا اور نہ دُنیا کی دولت کے واسطے میں اپنا مذہب چھوڑوں گا۔ میں کئی دن اس کے ہاں رہا وہ ہر روز مجھے یہی سمجھاتا رہا۔ ایک رات اس کی لڑکی مجھے اپنے باغ میں لے گئی اور کہا میرے باپ کی بات کیوں نہیں سُنتے؟ میں نے کہا بیوی اور دولت کے لیے اپنا دین ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ پھر اس نے کہا: تم یہاں رہنا پسند کرتے ہو یا اپنے شہر جانے کو۔ میں نے کہا! اپنے شہر کو جانا پسند کرتا ہُوں۔ اور میرے شہر کا راستہ بہت دنوں کا تھا۔ اس نے مجھے آسمان سے ایک ستارہ دکھایا اور کہا اس ستارے کی سیدھ میں جانا اور جب صبح ہو تو چھُپ رہنا۔ پھر جب رات ہو تو راستہ چلنا یُوں تم شہر پہنچ جاؤ گے۔ میں وہاں سے روانہ ہُوا۔ تمام رات چلتا اور صبح ہوتے چھُپ رہتا۔ چوتھے دن ایک جگہ چھُپا تھا، دیکھا کہ چند سوار آئے میں ڈرا کہ شاید دشمن میری تلاش میں آپہنچا ہے۔ جب میرے قریب آئے تو یہ وہی میرے ساتھی تھے جن کو شاہِ روم نے قتل کیا تھا، کچھ اور سوار بھی ان کے ساتھ سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان لوگوں نے مجھ کو پکارا کہ عمیر! میں نے کہا ہاں میں عمیر ہُوں۔ تم تو قتل کردئے گئے تھے پھر کیوں کر آئے؟ کہا ہاں ہم لوگ قتل کیے گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو زندہ رکھا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کے جنازے میں شریک ہوں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا: اے عمیر! اپنا ہاتھ دو۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس نے مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کرلیا۔ تھوڑی دُور جاکر اتار دیا، میں اپنے مکان کے پاس تھا۔ (شرح الصدور، ص ۱۰۸)

مزید تفصیل فقیر کی کتاب "الفتوح فیما فی الروح" اور سماع موتیٰ میں ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

الدُّعَآءِ بمعنے دعوۃ یعنی سُننا اِذَا وَلَّوْا جب وہ داعی سے پیٹھ پھیر جاتے ہیں درانحالیکہ وُہ مُدْبِرِیْنَ ○ حق کو پس پشت ڈالتے اور اس سے بھاگتے ہیں۔

ف : حکم کو اذا سے مقید کرنے میں کافروں کے سوءِ حال کا اظہار اور تنبیہ ہے کہ یہ برائی کی دونوں خصلتوں کے جامع ہیں اس لیے کہ اسماع عن الحق سے دُور اور اس کی طرف کان لگانے سے رُوگردان ہیں جس میں ایک کیفیت ہو اس کو دُوری از حق کے لیے کافی ہے جس میں دونوں ہو اس کا کیا کہنا!

نکتہ : بہرے سے اتنی امید ہوسکتی ہے کہ وُہ بات نہ بھی سُنے تب بھی متکلم کے لب ولہجہ سے اندازہ کر کے کچھ تو سمجھ جائے گا لیکن جو بہرے سے متکلم کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو جائے تو وہ خاک سمجھے گا!

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ اور تم اندھے پن سے ہدایت دینے والے نہیں۔

ربط : یہ اور تشبیہ ہے۔ اور تُو اندھے کو راہ دکھانے والا نہیں۔

حلِ لغات : العمی، اعمی کی جمع ہے یعنی اندھا۔

عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ یہ ہدایت کے متعلق ہے باعتبار معنی صرف کے۔

نکتہ : کافروں کو اندھا اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کی آنکھوں سے معبودِ حقیقی مفقود ہو گیا، یا اس لیے کہ ان کے قلوب اندھے ہو گئے (الارشاد) یعنی تم دل کے اندھوں کو گمراہی سے راہِ حق دکھانے والے نہیں ہو اور نہ ہی مشرکوں کو توفیقِ ایمان دہی کی قدرت رکھتے ہو۔ کیونکہ وہ تو مر چکے ہیں اور مُردہ نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سُن سکتا ہے۔ پھر وہ خاک ہدایت پائے گا۔

اِنْ نافیہ ہے بمعنے ما۔ تُسْمِعُ تم نہیں سُناتے قرآن کے مواعظ و نصائح اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا مگر انہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے پھر ان کا ایمان ان میں تدبّر اور انہیں قبول کرنے کی طرف بلائے گا۔ یعنی ایمان قلب کی حیات ہے۔ جب دل زندہ ہو تو سمع و بصر اور زبان کو بھی زندگی حاصل ہے۔

ف : مومن سے وُہ مراد ہے جو ایمان کے لیے مستعد ہے۔

اب معنٰی یہ ہو گا کہ تم انہیں سنا سکتے ہو جو ایمان کی استعداد رکھتے اور اس کی طرف متوجہ ہیں۔

فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وہی ہیں ماننے والے۔ یہ ان کے ایمان کی علت ہے یعنی وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اس کے لیے، جو تم انہیں حق کی بات کہو۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ توجہ عالم حقیقت میں وہ احکامِ شریعت و آدابِ طریقت کو مانتے ہیں اس لیے وہ سالک (جو اللہ تعالیٰ کی طرف اڑ رہا ہے) کے لیے احکامِ شریعت و آدابِ طریقت دو پر ہیں۔ طریقِ جنان کا سالک ہو یا قربِ رحمان کے طریق کا، دونوں نفس و شیطان سے

روگردانی کرتے اور داعیِ حق کی طرف بدل و جان متوجہ ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ عطار الٰہی نامہ میں لکھتے ہیں : ؎

۱ یکے مرغیست اندر کوہ پایہ
که در سالے نهد چل روز خایہ

۲ بحد شام باشد جاے اُو را
بسوے بیضہ نبود راے اُو را

۳ چو بنهد بیضہ در چلے روز بسیار
شود از چشم مردم ناپدیدار

۴ یکے بیگانہ مُرغے آید ز راہ
نشیند بر سر آں بیضہ آنگاہ

۵ چناں آں بیضہ در زیر پر آرد
کہ تا روزے از و بچہ برآرد

۶ چنانش پرورد آں دایہ پیوست
کہ ندہد ہیچ کس را آنچناں دست

۷ چو چوقے بچہ او پر برآ بزند
بیکدہ رُوئے در یک دیگر آرند

۸ درآید زود مادرشان بپرواز
نشیند بر سر کوہے سرافراز

۹ کند بانگے عجب از دور ناگاہ
کہ آں خیل بچہ کردند آگاہ

۱۰ چو بنیوشند بانگ مادر خویش
شوند از مرغ بیگانہ بہ خویش

۱۱ بسوے مادر خود باز کردند
وزاں مرغ دگر ممتاز کردند

۱۲ اگر روزے دگر ابلیس مغرور
گرفتہ زیر پر ہستی تو معذور

(باقی بر صفحہ ۲۱۹)

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَۃً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ○ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ ؕ کَذٰلِکَ کَانُوْا یُؤْفَکُوْنَ ○ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَھٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُھُمْ وَ لَا ھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ○ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَھُمْ بِاٰیَۃٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ○ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ○

ترجمہ: اللہ ہے جس نے تمہیں ابتدا میں کمزور بنایا پھر تمہیں ناتوانی سے طاقت بخشی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا بناتا ہے جو چاہے اور وہی علم و قدرت والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہو گی مجرم قسم کھائیں گے کہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی۔ وہ ایسے ہی اوندھے جاتے تھے اور بولے وہ جن کو علم اور ایمان ملا۔ بیشک تم رہے اللہ کے لکھے ہوئے میں اُٹھنے کے دن تک تو یہ ہے وہ دن اُٹھنے کا لیکن تم نہ جانتے تھے تو اس دن ظالموں کو نفع نہ دے گی ان کی معذرت اور نہ ان سے کوئی راضی کرنا مانگے اور بیشک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی اور اگر تم ان کے پاس کوئی نشانی لاؤ تو ضرور کافر کہیں گے تم تو نہیں مگر باطل پر۔ یونہی مہر کر دیتا ہے اللہ جاہلوں کے دلوں پر تو صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور تمہیں سبک نہ کریں وہ جو یقین نہیں رکھتے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ گزشتہ)

۱۳ کہ چوں کرد خطاب خود پدیدار

بسوے حق شود نز ابلیس بیزار

ترجمہ: (۱) پہاڑوں میں ایک پرندہ ہے جو سال میں صرف چالیس روز انڈے دیتا ہے۔

(۲) شام کے علاقوں میں ہوتا ہے اسے انڈے دینے کا خیال نہیں ہوتا۔

(۳) لیکن ان چالیس دنوں میں خوب انڈے دیتا ہے پھر لوگوں کی نگاہوں سے چُھپ جاتا ہے۔
(۴) پھر کوئی اور پرندہ آکر اس کے انڈوں پر بیٹھ جاتا ہے۔
(۵) جو انڈے اس کے پروں کے نیچے ہوتے ہیں کئی دنوں کے بعد ان میں سے بچے نکل آتے ہیں۔
(۶) وہ ان انڈوں کو ایسے پالتا ہے جیسے شفیق دایہ بچّوں کو پالتی ہے۔
(۷) بچے انڈوں سے نکل کر ایک دوسرے سے چونچ ملاتے ہیں۔
(۸) پھر ان کی ماں پرواز کرکے پہاڑ پر جا بیٹھتی ہے۔
(۹) اچانک دُور سے وہ ایک عجیب سی آواز نکالتی ہے جسے وہ تمام بچّے سُنتے ہیں۔
(۱۰) جب ماں کی آواز سُنتے ہیں تو وہ بیگانے پرندے سے بیزار ہو جاتے ہیں۔
(۱۱) اور اپنی ماں کی طرف بھاگتے ہیں اور اس پرندے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔
(۱۲) اگر کسی روز ابلیس مغرور نے تجھ پر دھوکا سے پنجہ گاڑ دیا ہے تو وہ معذور ہے۔
(۱۳) لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آواز آئے گی تو تُو بھی ابلیس سے بیزار ہو کر دیدار کی طرف بھاگ کر آجائے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ فرع سے اصل کی طرف رجوع کرے اور کوشش کرے تاکہ اس کی رُوح کو سننے کی طاقت حاصل ہو جائے اس سے قبل کہ اس کے حواس ختم اور اس کے جسم کی اساس مٹ جائے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ مبتدا اس کی خبر الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ہے۔ اللہ وہ جس نے اے انسانو! تمہیں پیدا فرمایا مِّنْ ضُعْفٍ ضعف سے نطفہ یا مٹی مراد ہے۔ یہاں مصدر بمعنے اسم فاعل ہے۔ الضعف بالفتح والضم قوت کی نقیض۔ بعض نے فرق بتایا ہے وہ یہ کہ اگر ضعف بالفتح ہو تو وہ تمیم کی لغت ہو گی۔ اسی کو حمزہ اور عاصم نے تینوں جگہوں میں اختیار کیا ہے۔ اگر بالضم ہو تو وہ قریش کی لغت ہے۔ اسی کو تمام نے قبول کیا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بالفتح پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بالضم پڑھایا ثُمَّ تراخی کا ہے زمانہ کی تراخی مراد ہے جَعَلَ پھر پیدا فرمایا۔

قاعدہ: جب جعل بمعنے خلق ہو تو مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتا ہے۔
مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ دوسرے ضعف سے۔ اس سے یہی موجودہ ضعف مراد ہے۔ یعنی پیٹ میں

ہونا اور بچپن کا دور قُوَّةً اس سے وہ قوت مراد ہے جو بچے کو حاصل ہوتی ہے۔ پیدائش کے بعد حرکت کرتا ہے، دودھ کی طلب کرتا ہے اور رو کر اپنی تکلیف ہٹانے کی استدعا کرتا ہے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ ایک سال تک بچے میں طاقت باطنی طور پر ہوتی ہے پھر اعضاء میں سرایت کرتی ہے اس کے بطش (پکڑنے کی) اور اشیا کے حصول کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ پھر اس قوت کے بعد پیدا کرتا ہے۔ اس سے سن بلوغ کے بعد جوانی کی قوت مراد ہے ضُعْفًا اس ضعف سے بڑھاپا وغیرہ مراد ہے وَّشَيْبَةً اس سے ہرم یعنی ساٹھ سالہ زندگی مراد ہے شیب اور مشیب بالوں کی سفیدی کو کہا جاتا ہے۔

ف : ضعف و قوت سے اس کی ایک حالت سے دوسری مخالف حالت مراد ہے۔

قاعدہ ۱ : نکرہ کو جب دوبارہ معرفہ کر کے لایا جائے تو اس سے وہی پہلا مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:

رأیت رجلا فقال لی الرجل۔

(میں نے ایک مرد کو دیکھا تو اسی مرد نے مجھے کہا)

قاعدہ ۲ : اگر نکرہ کو دوبارہ نکرہ لایا جائے تو اس سے پہلے کا غیر مراد ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا کہ انسان کی دو یسروں پر ایک عسر غالب نہیں آئے گا۔

ایسے ہی امام راغب اصفہانی نے تحقیق فرمائی اور بہت بڑے جلیل القدر مفسرین نے آپ کا اتباع کیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے خلقکم من ضعف پیدا کیا تمہیں بدایۃ میں۔ اس سے ضعف العقل مراد ہے ثم جعل من بعد ضعف قوۃ پھر ضعف کے بعد تمہارے اندر قوت پیدا فرمائی یعنی براہین و حجج عقل میں پیدا فرمائے ثم جعل من بعد قوۃ ضعفاً و شیبۃ پھر قوت کے بعد تمہارے اندر ضعف (بڑھاپا) پیدا فرمایا یعنی ایمان میں ضعف پیدا فرماتا ہے جب عقل سے معقولات کے علاقہ سے سمجھتا ہے تو اسے شہوات کے اسباب سے دیکھتا ہے جس میں وہم و خیال کی ملاوٹ ہوتی ہے تو شبہات کی ظلمات میں گر جاتا ہے اس لیے اس کا قدم سیدھے راستے سے ڈگمگا جاتا ہے اور وہ دین قویم سے ہٹ کر ہلاک اور برباد ہو جاتا ہے۔ ہزاروں اس طرح تباہ و برباد لوگوں کے حالات پڑھے سنے جاتے ہیں کہ انہوں نے معقولات کی تعلیم و تعلم میں زندگی تباہ کی ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح شریعت کا نور بجھ جائے اپنے طور ظلمت طبیعت کے تحت ابطال شرع میں سر کی بازی لگا دی لیکن نور الٰہی مٹانے والے خود مٹ کے رہ گئے اللہ تعالیٰ نے اس کے نور کو اور چمکا دیا اگرچہ کافروں کو ناپسندیدہ اور گندا بنا دیا۔ نیز خلقکم من ضعف سے طلب

تحیّر و تردّد بھی مراد ہوسکتا ہے ثم جعل من بعد ضعف قوۃ پھر صدق طلب میں ضعف کے بعد قوت بخشی ثم جعل من بعد قوۃٍ پھر طلب میں قوت کے بعد ضعفاً ضعف پیدا کیا کہ قول ثقیل کی برداشت نہ رہی۔

ف : قول ثقیل سے لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت مراد ہے کیونکہ یہ فنا حقیقی اور اس ضعف حقیقی کا موجب ہے کہ عشق میں محبوب و محب کے درمیان معاتبات و معاشقات ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

شیبتنی سورہ ھود و اخوانھا۔

(مجھے سورۂ ہُود اور اس جیسی اور سورتوں نے بوڑھا کردیا)

کیونکہ اس میں فاستقم کما امرت (جیسے تمہیں حکم ہے اسی پر مستقیم رہو) انہی معاشقات و معاتبات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے منجملہ ان کے وہی ہے جو انسان میں ضعف و قوت اور جوانی و بڑھاپا پیدا فرماتا ہے۔ یعنی یہ ادوار طبعی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔

تفسیر صوفیانہ یخلق ما یشاء پیدا کرتا ہے سعید و شقی میں قوت و ضعف۔ مثلاً سعید میں قوت ایمان اور ضعف بشریہ، اور شقی میں وہ قوتِ بشریہ جو کفر کو قبول کرتی ہے اور وہ ضعف روحانیہ جو قبولِ ایمان سے عاجز ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ○ اور وہ اپنی تخلیق کو جانتا ہے اور اس کے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز اہلِ سعادت و شقاوت کو خوب جانتا ہے اور ان کے اسباب و شقاوت کی تخلیق پر قادر ہے۔

ف : انسان بہ نسبت غیر کے اپنے سے عبرت حاصل کرنے میں زیادہ قریب ہے اسی لیے انسان کو اپنے حالات کی تغییر و تبدیل کی خبر دی ہے تاکہ وہ ان حالات کے پیشِ نظر اپنے صانع کامل کی معرفت سے آگاہ ہو کہ وہ علم و قدرت والا ہے اور حدوث و امکان سے منزّہ ہے۔ اس طرح سے طاعت و عبادت میں اس کا جی زیادہ نہیں لگے گا۔

ف : ایک بزرگ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرماتا ہے جو اپنی قوت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتا ہے اگر وہ ضعیف ہے تو پھر اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

سبق : ساٹھ سال کے بعد انسان بیماریوں کے جھٹکوں میں ہوتا ہے عمل کرنے کے لائق نہیں رہتا۔

مقاصد کے حصول سے عاجز ہوتا ہے اور اجل سر پر سوار نظر آتی ہے۔ اسی لیے نوجوانوں پر لازم ہے کہ عبادت میں سُستی نہ کریں اور نہ ہی عبادت میں خلل کو گھسنے دیں۔

جوانی نعمت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوصیکم بالشان خیرا ثلاثہ فانھم ارق افئدۃ الاوان اللہ ارسلنی شاھدا ًو مبشراً و نذیرا فخالصنی الشبان و خالفنی الشیوخ۔

(میں تمہیں نوجوانوں کے لیے خیر کی وصیت کرتا ہوں تین بار تاکید فرمائی اس لیے بعض نوجوان رقیق القلب ہوتے ہیں آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے ابتدائے اسلام میں میری مدد اکثر نوجوانوں نے کی اور اکثر بوڑھوں نے مخالفت)

خضاب کی ممانعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُوڑھوں کی تعریف فرمائی کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہُوا اسے اس کے سفید بالوں کے عوض نور نصیب ہوگا بشرطیکہ وہ سفید بالوں کو سیاہ خضاب نہ لگائے اور نہ ہی انہیں اکھیڑے۔

مسئلہ: سیاہ خضاب غازیوں کے سوا سب کے لیے حرام ہے[۱]۔ غازیوں کے لیے اس لیے حلال ہے کہ وہ دشمنوں کو ہیبت ناک نظر آئیں گے (یہ اس وقت تھا جب جنگ آمنے سامنے ہوتی تھی اب گولہ بازی و دیگر آلات سے جنگ ہوتی ہے، آمنے سامنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اب قوت و ہنر کی ضرورت ہے لیکن میرے زمانے کے علماء کا غازی ہونا کچھ اور طریقے کا ہے)[۲]

مسئلہ: خضاب سُرخ جیسے مہندی اور زرد خضاب کا استعمال مستحب ہے۔

نکتہ: یخلق ما یشاء میں دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی میں بڑھاپا نہ آنے دے تو اس پر بڑھاپا آ ہی نہیں سکتا[۳]

---

[۱] میرے دور میں بہت سے بُوڑھے علماءُ خضاب لگا کر اپنے لیے غازی بننے کی ایک ایسی علت بتاتے ہیں جسے لکھنے یا بتانے سے مجھے شرم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس کی شرارت سے بچائے۔ آمین

[۲] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[۳] جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تریسٹھ برس کی عمر کے باوجود سر اور داڑھی مبارک میں چند سفید بال تھے اور خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کی برکت نے بہت سے صحابہ کو بعض اوصاف میں بڑھاپے کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں: (باقی ص ۲۲۴ پر)

سوال : تم کہتے ہو بڑھاپا اللہ تعالیٰ لاتا ہے لیکن ذیل کے شعر میں زمانے کی گردش کو بتایا ہے۔ چنانچہ کہا : ؎

اشاب الصغیر وافنی الکبیر

کرالغداۃ و مرالعشی

ترجمہ : بچوں کو جوان کیا اور بوڑھوں کو ماردیا صبح وشام کی آمدورفت نے۔

جواب : یہ اسناد مجازی ہے۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ کر فرمایا کہ افسوس بال تو سفید ہوگئے لیکن عیب نہ گیا، نہ معلوم آگے کیا ہونا ہے ؎

یاعامر الدنیا علی شیبہ

فیك اعاجیب لمن یعجب

ماعذر من یعمر بنیانہ

وجسمہ مستھدم یخرب

ترجمہ : اے بڑھاپے میں دُنیا کو آباد کرنے والے! تیرے اُوپر تعجب والے تعجب کررہے ہیں۔ اس کے ہاں کیا عذر ہے، جو مکان تو تعمیر کررہا ہے لیکن اس کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہوجائے گا۔ شیخ سعدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳)

(۱) حضرت عمرو بن ثعلب کے چہرے اور سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک پھیرا، انھوں نے سَو سال کی عمر پائی اور سر کے وُہ بال جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک نے چُھوا وہ سفید نہ ہوئے۔

(۲) حضرت یزید بن قانہ طائی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ گنجے تھے، آپ نے ان کے سر پر ہاتھ مبارک رکھا تو اسی وقت بال اُگ آئے۔ اس لیئے ان کا لقب ہلب (بسیار مُو) تھا۔

(۳) یسار بن ازیہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ حضرت یسار کی صاحبزادی عمیرہ فرماتی ہیں کہ میرے باپ کے بال عمر بھر سفید نہ ہوئے۔

(۴) حضرت ابو زید اخطب انصاری رضی اللہ عنہ کے سر اور چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا تو ان کی سو سال کی عمر ہوئی لیکن بال سفید نہ ہوئے۔

مزید فقیر کی کتاب "الاصابہ" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ کنوں باید اے خفتہ بیدار بود
چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود

۲ چو شیب اندر آمد بروے شباب
شبت روز شد دیدہ برکن ز خواب

۳ من آں روز برکندم از عمر امید
کہ افتادم اندر سیاہی سپید

۴ دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت ایں دمے چند نیز

۵ فرو رفت جم را یکے نازنین
کفن کرد چوں کرمش ابریشمین

۶ بدخمہ در آمد پس از چند روز
کہ بروے بگرید بزارے و سوز

۷ چو پوسیدہ دیدش حریر کفن
بفکرت چنیں گفت با خویشتن

۸ من از کرم برکندہ بودم بزور
بکندند از و باز کرمان گور

ترجمہ: (۱) اے سونے والے! اب تجھے بیدار ہونا چاہیے ورنہ جب تجھے موت نے جگایا تو پھر کیا فائدہ!

(۲) جب چہرے پر بڑھاپا آگیا تیری رات گئی دن آگیا اب تو نیند سے آنکھ کھول۔

(۳) میں تو زندگی سے اس وقت سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں جب میرے سیاہ بال سفید ہوئے۔

(۴) افسوس ہے تیری پیاری زندگی گزر گئی اور یہ باقی چند لمحات بھی گزر جائیں گے۔

(۵) جمشید کا ایک لڑکا مرگیا اس نے اس کا کفن ریشم کا تیار کرایا۔

(۶) چند دنوں کے بعد اس کی قبر کھود کر خیال کیا کہ اسے دیکھ کر خوب آنسو بہائے۔

(۷) جب اس کا کفن بوسیدہ دیکھا تو فکر میں ڈوب کر کہا

(۸) میں نے تو کیڑوں سے بزور ریشم کا کفن بنوایا لیکن قبر میں کیڑوں نے اس کا کفن چھین لیا۔

روایت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو خوب روتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے پُوچھا گیا کہ آپ جنت و دوزخ پر اتنا نہیں روتے قبر سے کیوں زیادہ روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان القبر اول منزل من منازل الاٰخرة فان نجا منه فما بعده ایسر منه وان لم ینج منه فما بعده اشد منه۔

(قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پا گیا تو باقی منازل طے کرنا آسان ہوگا۔ اگر اس سے ہی نجات نہ ملی تو پھر آگے کی منازل شدید تر ہیں)

حکایت حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی کو بَین کرتے سُنا، وُہ کہہ رہی تھی: ابّا! تیرا بستر مَیں بچھاتی تھی اب تیرا بستر کون بچھائے گا۔ ابّا! تجھے کھانا پکا کر کھلاتی تھی اب تیرا کھانا کون پکائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے فرمایا، یُوں کہو کہ ہم نے تیرا چہرہ قبلہ رُخ رکھا تھا اب نہ معلوم اسی حالت پہ ہے یا پھر گیا ہے، ابّا! نہ معلوم تیری قبر بہشت کا باغیچہ ہے یا جہنم کا گڑھا۔ ابّا! نہ معلوم تُو نے نکیرین کو صحیح جواب دیا یا غلط۔ لڑکی نے کہا: آپ نے سچ فرمایا اب یُونہی کہوں گی۔

سبق سمجھدار ہمیشہ موت کو یاد کرتا اور بعد سفر کی فکر میں رہتا ہے بلکہ اس کی تیاری میں یعنی ایمان سلامت اور عمل صالح جیسے نماز روزہ اور شب بیداری یعنی تہجّد وغیرہ کی ادائیگی میں مصروف رہتا ہے ان تمام اعمال سے اصلاح نفس اور لوگوں کو ایذا دینے سے مثلاً غیبت و کذب سے بچنے رہنا افضل عمل ہے اور ہر عمل میں خلوص ضروری ہے اور یہ توحید کی پختگی سے نصیب ہوتا ہے اور توحید کی پختگی رات دن قلب کی صفائی سے ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اور اس وقت کہ قیامت قایم ہوگی۔

ف: اسے ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی آخری گھڑی ہے یا اس لیے کہ یہ اچانک آئے گی۔ ویسے تو ہر گھڑی ساعت ہے۔ لیکن اب قیامت کا علم مستعمل ہے جیسے النجم اور اکوا کب ہر ستارے کو کہتے ہیں لیکن اب پہلا ثریا کے لیے اور دوسرا زہرہ کے لیے علم بن گئے ہیں۔ فتح الرحمٰن میں اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ دن کی وُہ گھڑی جس میں قیامت قایم ہوگی۔

يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مجرم قسمیں کھائیں گے۔ اقسم سے ہے بمعنے حلف۔ دراصل یہ اس قسامت سے ہے جو مقتول کے قتل پر متہمین سے قسمیں لی جاتی ہیں۔ لیکن اب ہر قسم پر اس کا اطلاق

ہوتا ہے مَا لَبِثُوْا قبروں میں نہیں ٹھہرے ما نافیہ ہے اور لبث بالمکان سے ماخوذ ہے۔ اس کے لیے بولتے ہیں جو اسی مکان میں دائمی مقیم ہو غَيْرَ سَاعَةٍ سوائے ایک لمحہ کے جھوٹ بولیں گے یا ان کو بھول جائے گا یا بطور تخمینہ کہیں گے۔

ف : بعض نے کہا یہ انکار دنیا میں ٹھہرنے کا ہے لیکن صحیح پہلا قول ہے کیونکہ اس ٹھہرنے کا بیان یوم یبعثہم اللّٰہ میں آرہا ہے۔ اور پھر ان کا دنیا میں ٹھہرنا اس طرح کا نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ اسی پھیرنے کی طرح یعنی آخرت میں صحیح بات سے ہٹنے کی طرح كَانُوْا تھے وہ دنیا میں مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار اور اس کے بطلان پر قسم کھانے میں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و اقسموا باللّٰہ جہد ایمانہم لا یبعث اللّٰہ۔

(اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو قبروں سے نہیں اٹھائے گا)

يُؤْفَكُوْنَ ۝

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں : افك فلان - یعنی فلاں صدق اور خیر سے پھر گیا۔

اب معنیٰ یہ ہے کہ وہ حق اور صدق سے ہٹ کر باطل اور بہتان اور جھوٹ میں لگ جائیں گے۔ یعنی جیسے وُہ دنیا میں جھوٹ بولتے ہیں ایسے ہی آخرت میں جھوٹ بولیں گے۔ غرضیکہ ان کا کام ہی جھوٹ بولنا ہے دنیا ہو یا آخرت۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے صدق پیدا فرمایا تو اس کے سایہ سے ایمان و اخلاص ظاہر ہوئے اور جھوٹ پیدا فرمایا تو اس کے سایہ سے کفر و نفاق ظاہر ہوئے۔ وُہ ایمان جو صدق سے پیدا ہوا اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو قیامت میں اہلِ ایمان کہیں گے :

الحمد للّٰہ الذی صدقنا وعدہ وھذا ما وعد الرحمٰن و صدق المرسلون۔

(سب تعریف اس کے لیے جس نے ہمارے ساتھ وعدہ سچ کر دکھلایا یہ وہی ہے جو رحمان نے وعدہ فرمایا اور رسلِ کرام نے سچ فرمایا)

وغیرہ وغیرہ۔ اور جس جھوٹ سے کفر نکلا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کافر بولیں گے :

واللّٰہ ماکنّا مشرکین۔

(بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے)

اور :

وما لبثوا غیر ساعۃ۔

(وہ تو لمحہ بھر بھی نہیں ٹھہرے)
اس طرح اور جھوٹ وغیرہ۔
حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا، ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ سیہ روئے گشت صبح نخست

ترجمہ: سچ بولنے کی کوشش کر تاکہ تجھ سے سورج (ایمان) کا طلوع ہو صبح کاذب اسی لیے سیاہ ہے کہ اس نے جھوٹ بولا۔
یعنی سچ کا نتیجہ نور ہے جیسے جھوٹ کا نتیجہ سیاہی۔ صبح کاذب کو دیکھ لو۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ اور اہلِ علم و ایمان اور ملائکہ ان کا رد کرتے ہوئے کہیں گے لَقَدْ لَبِثْتُمْ بخدا تم ٹھہرے فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ بحکم تقدیر ربانی جو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و قضا کے موافق لکھا ہے اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ قیامت میں اُٹھنے تک۔ یہ بہت بڑی مدت اور طویل عرصہ ہے اس سے کوئی خاص مدت مراد نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:
ما بین فناء الدنیا والبعث اربعون۔

(قیامت اور دنیا کے فنا ہونے کے درمیان چالیس کا عرصہ ہے)

شرح الحدیث اس سے چالیس ساعات یا چالیس دن یا چالیس سال مراد ہے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے۔ یا اس سے چالیس ہزار سال مراد ہیں۔

فَهٰذَا ربط: اس سے خبر دیں گے کہ جس کا تمہیں انکار تھا وہ یہ ہے۔ یہ شرط محذوف کی جزا ہے یعنی اگر تم اُٹھنے کے منکر ہو تو یہی ہے يَوْمُ الْبَعْثِ اُٹھنے کا دن جس کا تم انکار کرتے تھے اور تمہیں دُنیا میں اس سے ڈرایا جاتا۔ لیکن اب تمہارے بطلان کا اظہار ہو گیا وَلٰكِنَّكُمْ لیکن تم اپنی جہالت کے زور اور کوتاہ نظری سے كُنْتُمْ تھے تم دنیا میں لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ نہیں جانتے کہ وہ حق ہے۔ اور یقیناً ہو گئے اپنی جہالت سے استہزا کرتے ہوئے اس کے آنے میں جلد بازی کرتے تھے فَيَوْمَئِذٍ تو قیامت میں لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ظالمین یعنی مشرکین کو نفع نہ دے گا مَعْذِرَتُهُمْ ان کا عذر۔ یہ لا ینفع کا فاعل ہے عذر بمعنے انسان کا اپنی غلطیوں کو زائل کرنے کی کوشش کرنا مثلاً کہے کہ میں نے یہ کیا ہی نہیں اور اس کے کرنے کی فلاں وجہ ہے غرضیکہ اپنے آپ کو غیر مجرم ثابت کرے۔ یا میں نے یہ غلطی کی ہے

لیکن آیندہ ہرگز نہیں کرے گا ۔ اس قسم کا نام توبہ ہے ہر توبہ کو عذر کہہ سکتے ہیں لیکن ہر عذر کو توبہ نہیں کہا جا سکتا (ان میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے) عذر؛ العذرۃ سے ماخوذ ہے بمعنے گندگی ۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

عذرت الصبی ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچے کو گندگی سے پاک صاف کرے ۔ ایسے ہی کہتے ہیں ،

عذرت فلانا ۔

یعنی میں نے اس سے معافی طلب کرکے اپنی غلطی کی گندگی دھو ڈالی ہے (المفردات)

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ العذار سے ہے بمعنے ڈھانپنا ۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ٥ یہ الاعتاب سے ہے بمعنے ازالۃ العتب والغضب ۔ (کسی سے عتاب غضب زائل کرنا) یعنی کسی کو خوش کرنا ۔ استعتاب (اسی کی طلب کرنا) یعنی اسے خوش کرنے کی طلب کرنا ۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

استعتبنی فلان فاعتبتہ ۔

(فلاں نے مجھ سے رضامندی چاہی تو میں نے اسے راضی کیا)

یعنی انہیں اس طرف نہیں بلایا جائے گا کہ ایسا کام کریں جس سے ان سے بذریعہ توبہ و طاعت غضب و عتاب زائل ہو جائے جیسا کہ انہیں دنیا میں اس طرف بلایا جاتا تھا کیونکہ اب آخرت میں نہ توبہ کام دے گی نہ طاعت اور نہ ہی انہیں دنیا کی طرف جانے کی اجازت ہو گی تاکہ کھوئی ہوئی دولتِ ایمان اور عمل صالح حاصل کریں ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ کنونت کہ چشم است اشکے ببار
زباں در دہانست عذرے بیار

۲ کنون بایدت عذر تقصیر گفت
نہ چوں نفس ناطق ز گفتن بخفت

۳ بشہر قیامت مرو تنگ دست
کہ وجہے ندارد بحسرت نشست

ترجمہ: (۱) ابھی تیری آنکھیں ہیں آنسو بہا ، زبان منہ میں ہے عذر لا ۔

(۲) ابھی تجھے تقصیر کے عذر کہنے کی طاقت ہے نہ اس وقت جب زبان بولنے سے رہ جائے گی ۔

(۳) قیامت کے شہر تنگدست ہو کر نہ جا وہاں حسرت سے بیٹھنا فائدہ نہ دے گا ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کا جسم قبر کی طرح ہے اسی لیے قیامت میں دنیوی زندگی کو محض چند لمحات تصور کریں گے اگرچہ انہیں بہت طویل وقت گزارنے کو ملا بالخصوص قیامت میں اُٹھنے تک۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الدنیا ساعة فاجعلها طاعة۔

(دنیا ایک لمحہ ہے اسے طاعت میں صرف کر دے)

حکایت ایک عابد پر نزع طاری ہوئی تو رونے لگا اور فرمایا، مجھے حُزن اور ملال اور غم اور خطاؤ ذنوب پر افسوس نہیں ہو رہا بلکہ اس رات پہ رو رہا ہوں جس میں مَیں جاگ نہ سکا اور اس دن پر جس میں مَیں روزہ نہ رکھ سکا اور گھڑی پر جس میں ذکرِ الٰہی سے غفلت میں گزر گئی۔

قیامِ قیامت کی خبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
الدنیا جمعة من جمع الآخرة سبعة آلاف سنة وقد مضى ستة آلاف وليأتين عليها مئون من سنين ليس عليها موحد۔ (ص ۵۹ ج ۷)

(دنیا آخرت کے جمعات میں سے ایک جمعہ ہے یعنی دنیا سات ہزار سال ہے اب تک چھ ہزار سال گزر گئے اور اس پر دو سو سال ایسے ہیں جن میں ایک بھی اہلِ توحید (مسلمان) نہ ہوگا)

یعنی جب اللہ تعالیٰ دنیا کو مٹانا چاہے گا تو قربِ قیامت میں اہلِ ایمان نہیں رہیں گے پھر سنبلہ کا دور غالب ہو کر ظہور سے بطون کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پھر برزخ کی مدت ختم ہو کر نفخ صور ہوگا۔ اس پر اہلِ ایمان اس عقیدہ پر اُٹھیں گے جس پر انہیں موت آئے گی یعنی توحید (ایمان) پر، اور اہلِ کفر کفر پر اٹھیں گے جیسے کہ وہ کفر پر مرے تھے۔ اب دنیا کی زندگی اور اس کا دُکھ سکھ بھولا بسرا ہو جائے گا۔

سبق: اسے مبارک ہو جو دن بھر روزے رکھتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ بڑے طویل دن میں اپنی خاص نعمتوں سے کھلائے پلائے گا۔ اور مبارک ہو اس بندۂ خدا کو جو ساری رات بیدار رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ عرشِ الٰہی کے سائے تلے جگہ دے گا جو قیامت کی تاریکی سے راحت پائے گا

---

[1] ہمارے دَور کے معتزلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کے منکر ہیں اور کہتے ہیں انہیں قیامِ قیامت کا علم نہیں اور آیت "وعنده علم الساعة" سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس میں نفی کا ایک لفظ نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے علم ساعة کا اثبات فرمایا ہے اور بس۔ اویسی غفرلہٗ

اور مبارک ہو اس عاشقِ زار کو جو محبّتِ الٰہی کی نار میں جلتا رہا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے نارِ محبت کی جلن سے آزاد کر کے اپنے نور سے مسرور فرمائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں متقی کو شدّتِ دنیا اور آخرت کی تپش سے محفوظ رکھا جائے گا۔

حضرت شیخ عطّار قدس سرّہٗ نے الٰہی نامہ میں فرمایا ہے

۱ مگر یک روز در بازارِ بغداد
بغایت آتشے سوزندہ افتاد

۲ فغان برخاست از مردم بیکبار
وزاں آتش قیامت شد بدیدار

۳ بزہ بر پیرہ زالے مبتلا ئے
عصا در دست مے آید زجائے

۴ یکے گفتا مگر دیوانۂ تو
کہ افتاد آتش اندر خانۂ تو

۵ زنش گفتا توئے دیوانۂ من
کہ حق ہرگز نسوزد خانۂ من

۶ بآخر چوں بسوخت عالم جہانے
نبود آں زال را ز آتش زیانے

۷ بدو گفتند ہاں اے زال دمساز
بگو کز چہ بدانستی تو ایں راز

۸ چنیں گفت آنگہے زال فرو تن
کہ یا خانہ بسوزد یا دل من

۹ چو سوخت آں غم دل دیوانۂ را
نخواہد سوخت آخر خانۂ را

ترجمہ (۱) ایک دن اچانک بغداد میں آگ بھڑک اُٹھی اور بازار جل رہا تھا۔

(۲) لوگوں نے یکبارگی شور اٹھایا کہ آگ نے قیامت بپا کر دی ہے۔

(۳) لیکن ایک بڑھیا اپنے گھر سے عصا ہاتھ میں لے کر اطمینان سے باہر نکلی۔

(۴) کسی نے اسے کہا کہ شاید تُو پاگل ہے کہ گھر آگ سے جل رہا ہے اور تُو اطمینان سے جا رہی ہے کسی قسم کا واویلا نہیں کرتی۔

(۵) اسے بڑھیا نے کہا تُو ہی دیوانہ ہے کیونکہ مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ میرا گھر نہیں جلاتے گا۔

(۶) بالآخر بغداد کا بازار جل کر راکھ ہو گیا لیکن بڑھیا کی جھونپڑی محفوظ رہی۔

(۷) اسے کہا گیا اے بی بی پاکدامن! بتائیے یہ راز کیا ہے؟

(۸) اس بُڑھیا نے کہا کہ وہ یا میرا گھر جلاتا یا دل۔

(۹) لیکن وُہ میرا دل تو پہلے ہی جلا چکا ہے تو پھر میرا گھر کیسے جلائے گا!

سبق عاقل کو چاہیے احکام و اوامر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے پر گامزن ہو یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ پھر اس کی مراد پر چلے کہ جیسے وُہ نارِ جہنّم سے نجات چاہے اسے نجات بخشے۔ اور اللہ تعالےٰ کو راضی کرنا صرف دُنیا میں ہے۔ جب موت آئے تو بندے کے مُنہ اور دیگر اعضاء پر مُہر لگا دی جاتی ہے اور حواسِ قوٰی اور تمام تدارک کے طرق بند کر دئے جاتے ہیں اب ہر بندہ اپنے کردار کا پابند ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ اور ہم نے لوگوں کے لیے قرآن میں ہر طرح کی کہاوتیں بیان کی ہیں۔ لقد قسم کی طرف اشارہ ہے یعنی بخدا ہم نے بیان کیں الخ۔ انہیں کہاوتوں سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہاوت ایک عجیب و غریب مضمون پر مشتمل ہوتی ہے ایسے ہی قرآن پاک کا ہر مضمون عجائب وغرائب سے بھرپُور ہے جیسے توحید اور قیامت میں اُٹھنا اور رسل کا صدق ایسے ہی دُنیا و دین کے امور کہ جن کے یہ محتاج ہیں ایسے اچھوتے طریق سے بیان کیے گئے ہیں کہ اہلِ تفکر آسانی سے ہدایت پا سکتے ہیں اور اہلِ تدبر باحسن وجوہ عبرت حاصل کر سکتے ہیں وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ اور اگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان معاندین و منکرین کے لیے لائیں بِاٰيَةٍ قرآن کی کوئی آیت جو انہیں ایسی باتیں کھول کر بتاتے لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا تو جہالت کے زور اور قساوۃ قلبی سے یہی کافر نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام سے کہیں گے۔ اِنْ نافیہ ہے اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ نہیں ہو تم مگر بناوٹی بات بنانے والے۔ ابطل الرجل سے ہے

لے علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پُوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اویسی غفرلہٗ

بمعنے باطل بات لایا واکذب اور جھوٹ لایا۔

المفردات میں ہے : الابطال بمعنے افساد الشئ وازالۃ حقا کان ذالک الشئ او باطلا۔ یعنی شے کو فاسد کرنا یا اس کے وجود کو ختم کر ڈالنا یا اسے باطل کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لیحق الحق ویبطل الباطل۔

(تاکہ حق کو ثابت کرے اور باطل کو مٹائے)

اور کبھی ایسی شے کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

كَذٰلِكَ اسی طرح يَطْبَعُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کے اختیاری کفر کی وجہ سے مُہر لگاتا ہے عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ان کے دلوں پر جو علم طلب نہیں کرتے بلکہ اپنے گندے اعتقادات پر اور اپنی نکالی ہوئی غلط بدعات پر اصرار کرتے ہیں اس لیے کہ جہل مرکب انہیں ادراکِ حق سے روکتا اور حق والوں کی تکذیب پر اُبھارتا ہے۔

طبع کی تحقیق طبع بمعنے کسی شے کو دوسری صورت سے مصوّر کیا جائے جیسے طبع السکہ۔ سکہ کی مہر اور طبع الدراھم پیسوں کی مُہر۔ یہ ختم سے اعم اور النقش سے اخص ہے۔ طابع وخاتم وہ شے جس سے مُہر لگائی جائے یعنی آلۂ ختم وطبع، فاعل کا وزن اسی معنیٰ کے لیے آتا ہے۔ الطبیعۃ کو اسی لیے طبیعت کہتے ہیں کہ وہ نفس میں ایک مُہر کی مانند ہے خلقۃً ہو یا عادۃً۔ لیکن جو خلقۃً (پیدائشی) ہو وہ اس میں اکثر استعمال ہوتی ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کفار کے اندر کفر و معاصی سے محبت کرنے اور ایمان و طاعت سے نفرت کرنے پر مُہر لگانے برتنوں وغیرہ پر مُہر لگانے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح برتنوں وغیرہ پر مُہر کے بعد وُہ تصرف سے محفوظ ہو جاتے ہیں ایسے ہی کفار کے دل حق کو قبول کرنے سے محروم ہو گئے ہیں اس ہیئت کو طبع سے تشبیہ دے کر یطبع کو اس سے مشتق کر کے استعارہ کیا گیا ہے۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے۔

فَاصْبِرْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! صبر کیجئے ان کی ایذاؤں پر جو وہ زبان یا ہاتھ وغیرہ سے آپ کو پہنچا رہے ہیں اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ بے شک اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ جو آپ کے ساتھ ہے کہ آپ کی مدد کروں گا اور آپ کے دین کو غالب رکھوں گا، حق ہے اس کا ایفا ضروری ہے لیکن وقت کا انتظار کیجئے، کیونکہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے ——— وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ اور تمہیں خفت اور قلق و جزع فزع پر برانگیختہ نہ کرے۔

المفردات میں ہے، لا یستخفنك بمعنے لا یزعجنك ولا یزیلنك بمعنے لا یحملنك (تمہیں ہٹا نہ دے) تمہارے عقاید سے ان کے شبہات وغیرہ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ۝ وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔ الایقان بمعنے بے گمان ہونا۔ یقین دراصل صاف پانی کو کہا جاتا ہے۔ کما فی کشف الاسرار یعنی تکذیب کی وجہ سے آیات پر یقین نہیں رکھتے اور اپنی غلط باتوں کی وجہ سے جو کہا کرتے ہیں ان انتم الا مبطلون آیاتِ الٰہی کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ یہ شقی اور گمراہ ہیں اور یہ ان کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ہمیشہ اس طرح کرتے رہتے ہیں۔

نکتہ: بظاہر تو ان کے استخفاف سے نہی ہے لیکن درحقیقت ان کے اثرات قبول کرنے سے روکا جارہا ہے۔

کفّار کی ایذارسانی کا ایک نمونہ

مروی ہے کہ جب ابُوطالب مرگیا تو کفار کی اذیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھ گئیں یہاں تک کہ قریشِ مکّہ کے بعض احمقوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمبارک پر مٹی ڈال دی آپ اسی حالت میں دولتکدہ میں تشریف لے گئے تو آپ کی صاحبزادی سر سے مٹی ہٹاتی رہی اور روتی بھی رہی۔ آپ نے فرمایا: "بیٹی! نہ رو تیرے باپ کا پروردگار ان کفار کو عنقریب روک دے گا۔" یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ الحمد للہ سب نے صبر کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد دولت نے ان کے قدم چُومے پھر تو دین و دنیا و آخرت کے جامع ہُوئے۔

حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

دلا در عاشقی ثابت قدم باش
کہ دریں راہ نباشد کار بے اجر

ترجمہ: اے دل! عاشقی میں ثابت قدم رہ اس راہ کا کام بے اجر نہیں ہوتا۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاصبر میں طالبِ صادق کو اشارہ ہے کہ نفس کو مالوفات سے بچانے کی تکالیف برداشت کرنے میں صبر کر اس لیے کہ اس طرح سے اس کا تزکیہ ہوگا اور دل کو صفاتِ نفس کی گرد و غبار سے دُور رکھ کہ اس طرح سے اس کا تصفیہ ہوگا، جود کے حصول میں وجود کو خرچ کر روح کی مدد کر کہ اس طرح سے اس کو تخلیہ نصیب ہوگا ان وعد اللہ حق بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے کہ اس نے فرمایا ہے:

اُلا من طلبنی وجدنی۔

(جو مجھے طلب کرے گا وُہ مجھے پالے گا)

ولا یستخفنك الذین لا یوقنون اس میں اشارہ ہے کہ کافروں کا کام ہے کہ وُہ اہلِ حق کی تحقیر و تجہیل و تکذیب کیا کرتے ہیں ایسے لوگ کبھی ایقان سے نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ ایمان تقلیدی بھی رکھتے ہوں اور تمہیں ان کا استخفاف و استحقار طریقِ حق سے منقطع نہ کر دے اگرچہ وُہ تمہارے اوپر سو بار استہزاء و انکار کریں۔ جیسا کہ ہر زمانے میں ایسے لوگوں کی عادت رہی ہے کہ وُہ طالبانِ حق کا تمسخر اڑاتے رہتے ہیں اور انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انہیں فریب کار اور کاذب مشہور کیا کرتے ہیں اور ان کے ہر فعل پر غلط کاری کا الزام لگاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں یہ ترکِ دنیا اور اہل و عیال اور عزیز و اقارب سے دُور رہنا کہاں کی درویشی ہے! یہ تو رہبانیت ہے اور اس کی شریعت میں کوئی گنجایش نہیں وغیرہ۔ اور ان کی یہ بکواس محض اس لیے ہوتی ہے کہ وہ طلبِ حق کے وجوب سے بے خبر ہیں حالانکہ طلبِ حق میں سب سے پہلے تجرید ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم۔

(تمہاری بعض اولاد اور ازواج تمہارے دشمن ہیں ان سے بچو)

پھر ظاہری تجرید کے بعد تفرید لازم ہے یعنی دل کو دارین کی سعادت کے تعلق سے بچانا۔ تجرید و تفرید سے ہی توحید تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے جیسا کہ بعض نے فرمایا:

خطوتان وقد وصلت۔

(منزلِ مقصود تو صرف دو قدم ہی تو تھے جنہیں میں نے طے کر کے مقصد کو پالیا)

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

۱ مگر سنگ و کلوخے بود در راہ
بدریاے در افتادند ناگاہ

۲ بزارے سنگ گفتا غرقہ گشتم
کنوں با قعر کویم سرگزشتم

۳ ولیکن آں کلوخ از خود فنا شد
ندانم تا کجا رفت و کجا شد

۴ کلوخے بے زبان آواز برداشت
شنود آں راز او ہر کو خبرداشت

۵ کہ از من در دو عالم تن نماندست
وجودم یک سر سوزن نماندست

۶ ز من نہ جان و نہ تن می تواں دید
ہمہ دریاست روشن می تواں دید

۷ اگر ہم رنگ دریا گردے امروز
شوی در وے تو ہم در شب افروز

۸ ولیکن تا تو خواہی بود خود را
نخواہی یافت جانرا و خرد را

ترجمہ: (۱) شاید پتھر اور مٹی کا ڈھیلا ساتھی تھے دونوں اچانک دریا میں گر پڑے۔
(۲) زاری سے پتھر نے کہا ہائے میں غرق ہوگیا اور دریا کی تہ تک پہنچ گیا ہُوں۔
(۳) لیکن وُہ ڈھیلا تو بالکل فنا ہوگیا۔ واللہ اعلم وہ کہاں گیا اور کیسے ہوا۔
(۴) بے زبان ڈھیلے نے آواز دی کہ یہ راز وہ سُنتا ہے جو کان رکھتا ہے۔
(۵) (چونکہ وہ ڈھیلا اپنی ذات سے فنا ہو چکا تھا اسی لیے کہہ رہا تھا کہ) دونوں جہانوں میں میرا وجود نہیں رہا۔ میرا وجود سُوئی کے ناکے کے برابر بھی باقی نہیں رہا۔
(۶) اب نہ میری جان نظر آئے گی نہ جسم۔ اچھی طرح دیکھو تو اب سب کچھ دریا ہی دریا ہے۔
(۷) اگر آج تو دریا کے ہمرنگ ہو جائے گا تو تو بھی نورانی ہو کر رات کو روشن کرے گا۔
(۸) اگر تُو اپنے آپ کو دیکھتا رہا تو پھر نہ تیری جان رہے گی نہ عقل۔

اور مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ آں یکے نحوی بکشتی در نشست
رو بکشتیباں نہاد آں خود پرست

۲ گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا
گفت نیم عمر تو شد در فنا

۳ دل شکستہ گشت کشتیباں ز تاب
لیک اندم کرد خاموش از جواب

۴ باد کشتی را بگردابے فگند
گفت کشتیباں بآں نحوی بلند

۵ ہیچ دانی آشنا کردن بگو
گفت نے از من تو سیاہی مجو

۶ گفت کل عمرت اے نحوی فنا ست
زانکہ کشتی غرق ایں گردابہا ست

۷ محو می باید نہ نحو اینجا بداں
گر تو محوی بے خطر در آب راں

۸ آب دریا مردہ را بر سر نہد
ور بود زندہ ز دریا کے رہد

۹ چوں بمردے تو ز اوصاف بشر
بحر اسرارت نہد بر فرق سر

ترجمہ: (۱) ایک نحوی کشتی میں بیٹھا وہ خود پرست کشتی بان سے گویا ہوا
(۲) کہ کیا تم نے نحو بھی پڑھی ہے؟ کشتی بان نے کہا: نہیں۔ نحوی نے اسے کہا: تیری آدھی عمر ضائع ہو گئی۔
(۳) نحوی کے طعنے سے کشتی بان کا دل پریشان ہوا لیکن اس وقت اسے کوئی جواب نہ دیا، خاموش ہو گیا۔
(۴) مخالف ہوا کشتی کو گرداب میں لے گئی کشتیبان نے نحوی سے بلند آواز سے کہا
(۵) اے نحوی صاحب! آپ کچھ تیرنا جانتے ہیں؟ نحوی نے کہا: نہیں، مجھ سے ایسی بات نہ پوچھ۔
(۶) کشتی بان نے کہا: نحوی صاحب! اب آپ کی کل عمر گئی کیونکہ کشتی اب گرداب میں غرق ہونے والی ہے۔
(۷) یہاں محویت چاہیے نحو کا اب کوئی فائدہ نہیں اگر تو محوی ہے تو پانی میں بے خطر چھلانگ لگا دے۔
(۸) مُردے کو دریا سر پر اٹھاتا ہے زندہ دریا سے جان نہیں بچا سکتا۔
(۹) جب تم اوصافِ بشریت سے مِٹ جاؤ گے تو دریا اپنے اسرار تیرے سر پر رکھ دے گا۔

اتمام تفسیر سُورۂ روم (صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) اللہ کی مدد، جو تمام بندوں کی مدد فرماتا ہے، سے سورۂ روم کی تفسیر ۶ رجب ۱۱۰۹ھ بروز ہفتہ ختم ہُوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہٗ اس کے ترجمہ سے ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۰۴ھ شب خمیس مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۸۴ء بعد نمازِ عشا فارغ ہُوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔ بہاول پور۔ پاکستان

سُورَۃ لقمٰن

سُورہ لقمٰن مکیۃ وھی اربع وثلٰثون اٰیۃ واربع رکوعات
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝
الٓمّٓ ۝ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ۝ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ
يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى
هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ
لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝
وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا كَاَنَّ فِىۡۤ اُذُنَيۡهِ وَقۡرًا ۚ فَبَشِّرۡهُ
بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِيۡمِ ۝ خٰلِدِيۡنَ
فِيۡهَا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا وَ
اَلۡقٰى فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ اَنۡ تَمِيۡدَ بِكُمۡ وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ ۝ هٰذَا خَلۡقُ اللّٰهِ فَاَرُوۡنِىۡ مَاذَا
خَلَقَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ ع

ترجمہ: سورۃ لقمان مکی ہے اور اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔
اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، ہدایت اور رحمت ہیں نیکوں کے لیے، وُہ جو نماز قایم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں۔ وہی اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور انہیں کا کام بنا اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی بنالیں ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو تکبر کرتا ہُوا پھرے جیسے انہیں سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ٹینٹ ہے تو اسے دردناک عذاب کا مژدہ۔ بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے چین کے باغ ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ کا وعدہ ہے سچّا اور وہی عزّت وحکمت والا ہے اس نے آسمان بنائے بے ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں ڈالے لنگر کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اگایا یہ تو اللہ کا بنایا ہُوا ہے مجھے وہ دکھاؤ جو اس کے سوا اوروں نے بنایا بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

سورۃ لقمان کی چونتیس آیات ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

الٓمّٓ یہ سورۃ الٓمّٓ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حروف مقطعات سورتوں کے مبادی اور عبرتوں کے خزائن کی چابیاں ہیں۔ انہی حروف میں اشارات ہیں۔ مثلاً الف میں انا اللہ اور لام میں لی جمیع صفات الکمال اور میم میں منی الغفران والاحسان کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اللہ ہُوں اور جمیع صفات وکمالات میرے لائق ہیں اور غفران واحسان مجھ سے ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الف میں الفۃ العارفین کی طرف اور لام میں لطف صنعہ مع المحسنین کی طرف اور میم میں معالم محبۃ قلوب المحبین کی طرف اشارہ ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الف میں الائہٖ (یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں) اور لام میں لطفہٖ وعطائہٖ (اس کے لطف وعطا) اور میم میں مجدہٖ وثنائہٖ (اس کی مجد وثنا) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے قلوبِ اولیاء سے انکار کا مادہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کی لطیف عطا سے اسرارِ اصفیاء میں محبت ثبت ہوتی ہے اور مجد وثنا میں اشارہ ہے کہ وہ بوصفِ کبریائی اپنی جمیع مخلوق سے مستغنی ہے ؎

مرا او را رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیمست و ذاتش غنی

ترجمہ : کبریائی و بڑائی اسی کے لائق ہے اس لیے کہ اس کا ملک قدیم اور اس کی ذات غنی ہے۔

تِلْكَ یہ سورتیں اور ان کی آیات اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں اور یہ حکمت والی کتاب اس لیے ہے کہ یہ اَن گنت حکمتوں پر مشتمل ہے۔ یا حکیم بمعنے محکم اور تغییر و تبدیل سے محفوظ اور فساد و بطلان سے کوسوں دور۔ اس معنے پر فعیل بمعنے مفعول ہوگا اگرچہ یہ قلیل الاستعمال ہے۔ چنانچہ اہلِ عرب کہتے ہیں :

اعقدت اللبن فھو عقید ای معقد ۔

(میں نے لبن کو باندھا تو بندھ گیا)

هُدًى یہ کتاب گمراہی و ضلالت سے ہدایت دینے والی ہے اس کا منصوب ہونا بہ بنائے حال ہے اس کا ذوالحال الاٰیٰت اور اس کا عامل اسم اشارہ کا معنی ہے وَّرَحْمَةً اور یہ کتاب عذاب سے نجات دلانے والی پُرازرحمت ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن مجید کو هُدًى اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں فلاح اور وہ الطاف جو بھلائیوں تک پہنچانے والے اسباب ہیں۔ اس معنے پر یہ کتاب عابدین کے لیے ہدایت و رحمت اور عارفین کے لیے دلیل و حجۃ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے یہ کتاب اس لیے ہے کہ وہ حق کی راہ دکھاتی ہے اور رحمت اس لیے کہ جو شخص اسے مضبوطی سے پکڑتا ہے اسے اپنے اندر امانت رکھے ہوئے اسرار و جذبات سے اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۝ نیکی کرنے والوں کے لیے۔

قاعدہ : لفظ محسن مطلقاً اہل ایمان کی مدح میں واقع ہوتا ہے۔

ف : کتاب کو ھدًی و رحمۃ للمحسنین کہہ کر اشارہ فرمایا کہ یہ صرف اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ غیروں کو اس کی ہدایت و رحمت سے محروم رکھا گیا ہے (بوجہ ان کے اختیار کفر و شرک کے)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ محسن وہ ہے جو قرآن مجید کی رسّی کو مضبوط پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تفسیر بتائی جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے احسان کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا :

ان تعبد اللہ کانک تراہ ۔

(اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو)

جسے یہ طریقہ نصیب ہوگیا اس کے لیے یقین کرو کہ واقعی متوجہ الی اللہ ہے یہاں تک کہ وُہ کسی وقت تجلیات ربانیہ سے ضرور شرمسار ہوگا اور جو متوجہ الی اللہ ہونا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑے ورنہ اللہ تعالیٰ توجہات سے منزّہ اور پاک ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! میں تجھے ملوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بھی میری ملاقات کا ارادہ کرو گے اس وقت مجھ کو پالوگے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت و مکانیت سے پاک ہے ؎

صُوفی چہ فغانست کہ من این الی این
این نکتہ عیانست من العلم الی العین
جامی مکن اندیشہ ز نزدیکی و دُوری
لا قُرب و لا بُعد و لا اصل و لا بین

ترجمہ: اے صوفی! فریاد کیوں کرتے ہو کہ اسے کہاں اور کیسے ملا جائے۔ یہ نکتہ علم وعین سے ظاہر ہے۔ اے جامی! نزدیکی و دُوری کا فکر مت کرو اس لیے کہ وہاں نہ قرب ہے نہ بُعد اور نہ وصال ہے نہ فراق۔

ف: یہاں پر حسنات سے وہ امورِ خیر مراد ہیں جو دینِ اسلام میں مقرر ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یہ محسنین کی صفت کا شقہ ہے اور ان کی حسنات کا بیان ہے اور المحسنین کی لام تعریف جنس کے لیے ہے۔ اگر اس سے جملہ حسناتِ اعتقادیہ و عملیہ مراد ہوں تو لام استغراق کی ہوگی لیکن صرف ان تینوں نیکیوں کی تخصیص ان کی افضلیت کے اظہار کے لیے ہے یعنی تاکہ معلوم ہو کہ یہ تینوں باقی تمام حسنات سے افضل ہیں۔

ف: اقامۃ الصلوٰۃ سے نماز کی ادائیگی مراد ہے اور ادا کو اقامت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ اقامۃ الشئ بمعنے شے کا پورا پورا حق ادا کرنا جس میں اس کے جملہ شرائط کو ملحوظ رکھا جائے نہ یہ کہ اسے اس کی ہیئت کے طور ادا کیا جائے۔

مسئلہ: شرائطِ نماز دو قسم ہے:

(۱) شرائطِ جواز، جیسے فرائض و حدود و اوقاتِ نماز۔

(۲) شرائطِ قبول، جیسے تقویٰ و خشوع و اخلاص و تعظیم و حُرمتِ نماز۔

کما قال تعالیٰ:

انما یتقبل اللہ من المتقین۔

(اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے۔

جب تک مذکورہ دونوں شرائط بجا نہیں لائے گا اس وقت تک اقامۃ الصلوٰۃ کا معنیٰ صادق نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم یا اس کی ترغیب دی ہے تو اسے اقامۃ الصلوٰۃ سے تعبیر فرمایا۔ کما قال: اقیموا الصلوٰۃ ویقیمون الصلوٰۃ۔ ورنہ صلّوا و یُصلّون فرماتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویقیمون الصلوٰۃ یعنی وہ لوگ صدق توجہ وحضور قلب اور ماسوی اللہ کے اعراض پر مداومت کرتے ہیں اس میں اقامۃ کا دیگر معنیٰ کیا گیا ہے یعنی اقام بمعنے ادام ہے۔ کذا قال الجوہری۔

حدیث شریف میں ہے:

ان بین یدی الخلق خمس عقبات لا یقطعها کل ضامر ومهزول۔

(انسان کو پانچ گھاٹیاں طے کرنی ہیں انہیں طے نہیں کریں گی اونٹنیاں کمزور اور دبلی)

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ (گھاٹیاں) کون سی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اولاها الموت وغصته، وثانيتها القبر ووحشته وضيقه، وثالثتها سؤال منكر ونكير وهيبتها، ورابعتها الميزان وخفته، وخامستها الصراط ودقته۔

(۱۔ موت اور اس کا غصّہ

۲۔ قبر اور اس کی وحشت اور تنگی

۳۔ منکر نکیر کا سوال اور ان کی ہیبت

۴۔ میزان اور اس کی خفت

۵۔ پُل صراط اور اس کی دقت

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنا تو بہت روئے۔ یہاں تک کہ آپ کے گریہ سے ساتوں آسمان اور ان کے اندر رہنے والے تمام فرشتے رو پڑے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی: اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمائیے کہ وہ نہ روئیں اس لیے کہ انہوں نے سُنا ہوگا:

كل داء له دواء الّا الموت۔
(ہر بیماری کا علاج ہے مگر موت کا کوئی علاج نہیں)
پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
من صلی صلاۃ الفجر ھان علیہ الموت و غصته و من صلی صلاۃ العشاء ھان علیہ الصراط و دقته و من صلی صلاۃ الظهر ھان علیہ القبر و ضیقه و من صلی صلاۃ العصر ھان علیہ سؤال منکر نکیر و ھیبتھما و من صلی صلاۃ المغرب ھان علیہ المیزان و خفته۔
(جو شخص صبح کی نماز پڑھتا ہے تو اس سے موت اور اس کا غصّہ آسان ہوگا اور جو شخص عشاء کی نماز پڑھتا ہے اس پر پُل صراط اور اس کی دقّت سے آسانی ہوگی اور جو ظہر کی نماز پڑھتا ہے اس پر قبر اور اس کی تنگی آسان ہوگی اور جو عصر کی نماز پڑھتا ہے اس پر منکر نکیر کے سوال اور ان کی ہیبت سے آسانی ہوگی اور جو مغرب کی نماز پڑھتا ہے اس پر میزان اور اس کی خفت سے آسانی ہوگی)
اور یہ بھی ہے:
من تهاون فی الصلاۃ منع اللہ منه عند الموت قول لا اله الّا اللہ۔
(جو نماز سے سُستی کرتا ہے مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ جاری نہ ہونے دیا جائے گا)

تفسیر عالمانہ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ شرائط کے مطابق مستحقین کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔
مسئلہ: زکوٰۃ صرف اہلِ سنت و جماعت کے مستحق فقراء کو دینے سے ادا ہوگی جملہ اہلِ بدع (بد مذاہب) کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کما فی الاشباہ۔
ف: اگر کسی بد مذہب کو زکوٰۃ دے دی تو اس پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔
مسئلہ: جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے مال سے اپنی حفاظت کو روک لیتا ہے۔ اور جو صدقات نہیں دیتا وہ عافیت سے محروم ہوگا۔
حدیث شریف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
حصنوا اموالکم بالزکاۃ و داووا مرضاکم بالصدقة و من منع العشر منع اللہ منه برکة ارضه۔

(زکوٰۃ ادا کر کے اپنے مال کی حفاظت کرو اور اپنے بیماروں کا صدقات سے علاج کرو۔ اور جس نے عشر روکا وُہ اپنی زمین کی برکت سے محروم ہوگیا)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے یؤتون الزکوٰۃ میں زکوٰۃ سے تزکیۂ نفس مراد ہے عوام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ بیس دیناروں سے آدھا دینار فقراء اور مساکین کو دیں تاکہ وہ نفوس کو بخل کی نجاست سے پاک کریں۔ کما قال تعالیٰ:

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا۔

(ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے۔ جس کے ذریعے انہیں پاک صاف کر دیجئے۔

اس معنے پر عوام اگر حقوق و شرائط کو مدِّنظر رکھیں تو ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی جہنم کی آگ سے نجات کا موجب ہے، کہ وُہ اپنے جملہ مال و اسباب کو راہِ خدا میں لٹا دیں تاکہ اپنے قلوب دُنیا کے زنگ سے صاف کر سکیں۔ اور اخص الخواص کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ وجود و مقصود کو ترک کریں۔

حدیث شریف میں ہے:
من کان للہ کان اللہ لہ۔

(جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں شدی من کان للہ از ولہ
من ترا باشم کہ کان اللہ لہ

ترجمہ: جب تم من کان اللہ کا مصداق ہو جاؤ گے تو کان اللہ لہ کا مرتبہ تمہیں نصیب ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث پاک نے سبق دیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ اور وہ دارِ آخرت اور اعمال کی جزا میں۔ اسے آخرت سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ وُہ بہ نسبت دنیا کے متاخر ہے هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ وُہ یقین رکھتے ہیں۔ انہیں بعث و حساب کے متعلق ذرہ بھر بھی شک نہیں رکھتے۔ الایقان بمعنے بے گمان ہونا۔ یعنی وُہ لوگ آخرت کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں رکھتے اور بعث و جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور لفظ ھُمْ کا اعادہ تاکید کے لیے ہے تاکہ انہیں بعث و جزا کا یقین پختہ ہو۔ اگرچہ اس کے اور اس کی خبر کے درمیان بالاٰخرۃ حائل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وھم بالاٰخرۃ ھم یوقنون کا معنیٰ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ انھیں دنیا سے کُوچ کرنا ہے اسی لیے ان کی مولا کی طرف توجہ ہے اور آخرت سالکِ راہِ خدا کی دوسری منزل ہے۔ جب وُہ دنیا سے پہلی منزل سے کوچ کرتا ہے تو سالک اسی دوسری منزل میں پہنچتا ہے۔ اسی لیے مومن کو یقین ہوتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں حاضر ہونا ہے۔

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک دنیا جسمانیہ ظلمانیہ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے اور آخرت روحانیہ نورانیہ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ ان پردوں کو ہٹا کر اکوان کے راستے طے کرتا ہُوا عالمِ ارواح کو پہنچے پھر وہاں سے عالمِ حقیقت میں پہنچنے کی کوشش کرے اس لیے کہ عالمِ حقیقت ان دونوں سے آگے کا ملک ہے۔ جب سالک عالمِ ارواح میں پہنچتا ہے تو اس کا ایمان الیقان سے اور علم عین سے تبدیل ہو جاتا ہے اور جب سالک عالمِ حقیقت میں پہنچ جاتا ہے وہاں عیان عین ہو جاتا ہے۔ (والحمد للہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ اس سے محسنین مراد ہیں جو ان جلیلہ اوصاف مذکورہ سے موصوف ہیں عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ہدایت پر ہیں جو ہونے والی ہے ان کے رب سے۔ یعنی اس ہدایت پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بیان فرمائی ہے اور اس پر چلنے کی انہیں توفیق بخشی ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ اس راہ پر ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کی رہبری فرمائی ہے علیٰ ھدًی میں عبودیت کا اور من ربھم میں ربوبیت کا بیان ہے یعنی ان کے نیک کردار اور حسن معاملات تحصیلِ عبادات کے بعد ان کے انجام کار کی تعریف فرمائی ہے۔ اور اشارہ فرمایا کہ عبادات وغیرہ اس وقت قبول ہوں گی جب انسان سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل رکھے اور اعتقاد صحیح رکھے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی جب تک توفیق حق اس کی رہبری نہ کرے۔ اس میں معتزلہ کا رد بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بندہ خود بہ خود ہدایت پاتا ہے۔

ف: شاہ شجاع قدس سرہٗ نے فرمایا: ہدایت پر ہونے کی تین علامتیں ہیں:

(۱) مصیبت کے وقت انا للہ و انا الیہ راجعون کہنا۔

(۲) نعمت کے وقت عجز و نیاز ظاہر کرنا۔

(۳) کسی کو کچھ عطا کرنے پر احسان نہ جتلانا۔

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وہی لوگ ہر مطلوب پر فائز اور ہر مشقت و تکلیف سے نجات پانے والے ہیں اس لیے کہ وہ عقیدۂ حق اور عمل صالح کے جامع ہیں۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ فلاح بمعنے ظفر اور تحصیل المطلوب ہے اور وُہ دو قسم ہے :

(۱) دُنیوی

(۲) اُخروی

دنیوی تو یہ ہے کہ انسان ان سعادات سے کامران ہو جن سے اس کی دنیوی زندگی خیر و برکت کے ساتھ بسر ہو۔

اور اُخروی کامرانی کی چار چیزیں ہیں :

(i) بقاءُ بلا فناءُ

(ii) غناءُ بلا فقر

(iii) عزّت بلا ذلّت

(iv) علم بلا جہل اور کہا جاتا ہے : عیش تو صرف آخرت ہی کا ہے۔

اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

المومن لا یخلو عن قلۃ او علۃ او ذلّۃ۔

(مومن قلت یا علت یا ذلّت سے خالی نہیں)

یعنی مومن جب تک دُنیا میں ہے اس کے لیے یہ تینوں (قلت ، علت ، ذلت) عارضی ہوتی ہیں، اس لیے کہ دنیا دار البلایا والمصائب والاوجاع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی :

لکیلا یعلم بعد علم شیئًا۔

(تاکہ تجھے علم کے بعد کسی شئے کی خبر نہ رہے)

بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی انسان جب عمر کے آخری مراحل تک پہنچتا ہے تو اسے طفولیت کے عوارض لاحق ہو جاتے ہیں جیسے جہل و نسیان وغیرہ اس لیے کہ اس کا علم حصولی تھا وہ بڑھاپے کی وجہ سے چلا گیا، بخلاف علم حضوری کے کہ بڑھاپے و دیگر عوارض سے نہیں جاتا اس لیے کہ وہ علوم وہبیہ ہوتے ہیں اور وُہ خواص اہل ایمان کو نصیب ہوتے ہیں اور وہ حصول کے بعد زائل ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں کیونکہ علم وہبی لدنی عقل جزی کے قبضہ سے باہر ہوتا ہے اور بڑھاپے کے وقت نسیان وغیرہ کے اثرات عقل جزی اور اس کے علوم کو نقصان تو دے سکتے ہیں لیکن علوم وہبیہ لدنیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے

کہ اولیاُ اللہ کو بڑھاپے میں جنون وغیرہ نہیں ہوتا بخلاف عوام اور بعض علماُ (بے عمل) کے کہ اکثر وہ بڑھاپے میں نسیان و بے عقلی اور جنون کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو اہلِ فلاح میں داخل کرنے کی جد وجہد کرے۔ یہ دنیا میں تزکیۂ نفس سے نصیب ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ آخرت میں یُوں ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو مقربین کے وہ مقامات نصیب ہوں گے جو انہیں جنات عدن اور جنت الفردوس میں عطا ہوتے ہیں اور یہی مراتب تمام مرتبوں سے اعلیٰ ہوں گے اور جو صرف اہلِ ہمت کو حاصل ہوں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ابرار میں داخل فرمائے۔ (آمین)

وَمِنَ النَّاسِ یہ مبتدا ہے اس کی خبر مَنْ یَّشْتَرِیْ ہے۔

حلِ لغات الاشتراء بمعنے ثمن دے کر مثمن (خرید شدہ شے) لینا، اور البیع بمعنے مثمن دے کر ثمن لینا۔ اور کبھی شراءُ و اشتراء کا اطلاق اس شے پر ہوتا ہے جس سے کسی شے کو حاصل کیا جائے۔ یہاں پر یشتری بمعنے یستبدل و یختار ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بعض لوگ وُہ ہیں جو اختیار کرتے ہیں لَهْوَ الْحَدِيْثِ فضول باتوں کو۔ یعنی وُہ باتیں جو مقصد سے کوسوں دُور ہوں۔ جیسے وہ باتیں جن کی کوئی اصل نہ ہو اور الحدیث کلام کو کہتے ہیں قلیل ہو یا کثیر۔ اور کلام کو حدیث اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ منہ سے تھوڑی تھوڑی ہو کر خارج ہوتی ہے۔

ف : حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب اللہ و سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ صالحین کے سوا باقی ہر کلام لہو (فضول) ہے۔

مسئلہ : عرائس البیان میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ علومِ فلسفہ جیسے علم اکسیر و سحر و نیر نجات اور اباطیلِ زنادقہ اور ان کی تحقیقات سب کی سب لہو (فضول) ہیں اس لیے کہ یہ جملہ فنون خلقِ خدا کی گمراہی کا موجب ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو ذکر اللہ میں مشغول رکھے اور جس بات کا سننا اللہ تعالیٰ سے حجاب بنے وہی 'لہو الحدیث' ہے۔ لہو الحدیث کی اضافت بیانیہ ہے اگر اس سے بُری باتیں مراد ہوں اس لیے کہ لہو، حدیث وغیرہ سے ہوتی ہے۔ اس معنے پر عام کی خاص کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کون ہے جو اس لہو کو اختیار کرتا ہے جو باتوں میں سے ہے۔ یا مِن تبعیضیہ ہے اگر اس سے ہر طرح کی لہو مراد ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ کون ہے جو ان باتوں کو اختیار کرتا ہے جو لہو کا بعض حصّہ ہیں۔

شانِ نزول اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی ۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک سنگدل کافر تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت بر سر پیکار رہتا تھا۔ اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کی فراغت کے بعد قتل کر دیا۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ یہی کافر فارس میں چلا گیا وہاں جاکر اس نے قصے کہانیاں کلیلہ و دمنہ ، رستم ، اسفندیار اور دوسرے بڑے بڑے بادشاہوں کی حکایات کی کتابیں خریدیں اور واپس آکر اس نے قریش میں مختلف مجلسوں میں سنانی شروع کر دیں ۔ یہ بھی ہے کہ ان کا عربی میں ترجمہ ہوا تھا جنہیں وہ قریش کو سناتا اور کہتا کہ (حضرت) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار کی کہانیاں سناتا ہوں ۔ چنانچہ جہال عرب اسفندیار اور رستم کی کہانیوں سے دل چسپی لیتے اور قرآن مجید سننا گوارا نہ کرتے (تقریباً آج کل ہمارے مسلمانوں کی یہی عادت بن گئی ہے کہ قصے کہانیوں اور فحش اور مخربِ اخلاق باتوں کو دل لگا کر سُنتے ہیں لیکن قرآن مجید سُننا گوارا نہیں کرتے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اُویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ: لِيُضِلَّ تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے اور انہیں پھیر دے عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کی راہ سے یعنی دینِ حق سے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ انہیں گمراہ کرے اور انہیں کتابوں کے ذریعے لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سننے سے باز رکھے جو سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے اور ظاہر ہے جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے تو وہ لازماً خود بھی گمراہ ہوگا بِغَيْرِ عِلْمٍ درانحالیکہ وہ ایسی باتوں کی خرید اور ان کے پسند کرنے میں جاہل ہے یا ایسی تجارت میں جہالت سے کام لے رہا ہے اس لیے کہ وہ فضول کلام کو قرآن مجید پر ترجیح دے رہا ہے وَيَتَّخِذَهَا منصوب ہے اس کا عطف لیضل پر ہے اور ضمیر السبیل کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ السبیل ان اسماء سے ہے جو نہ مذکر ہیں نہ مؤنث ۔ یعنی تاکہ وہ اس راہ کو بنائے هُزُوًا ایسی شے جس سے تمسخر اڑایا جائے أُولَٰئِكَ وہ لوگ جو اضلال واشتراء کے اوصاف سے موصوف ہیں لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حق پر باطل کو ترجیح دے کر حق کی اہانت کی اور لوگوں کو باطل کی باطل کی ترغیب دلاتے ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں انہیں قید وقتل کی تکالیف میں مبتلا کیا گیا اور آخرت میں انہیں رسوائی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ اور جب مشتری پر پڑھی جاتی ہیں یہاں اور اس کے بعد کے افعال ثلاثہ میں ضمیر مفرد اور اولئك کو جمع کے اشارہ میں مَن کے لفظ اور معنیٰ کا اعتبار کیا گیا ہے کشف الاسرار میں ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت سابقہ نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی

اٰیٰتُنَا ہماری کتاب کے آیات وَلّٰی تو وہ غیر معتبر باتوں کی طرف چلا جاتا ہے مُسْتَکْبِرًا در انحالیکہ وہ تکبر کرنے والا اور اپنے آپ کو طاعتِ حق سے ہٹانے والا اور باطل سے لو لگانے والا ہوتا ہے کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا یہ ولّٰی یا مستکبرًا کی ضمیر سے حال ہے ۔ یہ دراصل کانّہٗ تھا ضمیر شان کی محذوف ہے اور ان مخففہ ہے یعنی ایسے شخص کا حال اس کے مشابہ ہے جس نے کچھ سنا نہ ہو حالانکہ وہ سُن رہا ہوتا ہے ۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے ایسے مؤثر مضامین ہیں جو بھی انسے جی لگا کر سنتا ہے اس سے رُوگردانی اور تکبر کا تصور تک نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اس میں ایسے عجیب وغریب امور ہیں کہ سامع کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں جن کو سمجھ کر اس کے ماننے پر مجبور ہوسکتا ہے کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ج یہ شخص اس کے مشابہ ہے جس کے کانوں میں بوجھ ہو جو اسے کوئی شے سُننے نہیں دیتا ۔

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ الوقر کان کے اس بوجھ کو کہا جاتا ہے جو ادراک مسموعات کو متغیر کر دیتا ہے ۔ المفردات میں ہے کہ الوقر بمعنے کان کے اندر کا ثقل ۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا :

از انرا کہ گوش ارادت گراں آفریدہ است چہ کند کہ بشنود و انرا کہ بکمند سعادت کشیدہ اند چوں کند کہ نرود ۔

(جس کے کان ارادت کے بہرے بنائے گئے تو وہ بے چارا کیا سنے اور جسے ازل سے محروم رکھا گیا ہے وہ کس طرح راہِ راست پر جا سکتا ہے)

کشف الاسرار میں ہے کہ انسان دو قسم ہیں :

۱ - آشنا

۲ - بیگانے

آشنا کے لیے قرآن مجید ہدایت کا سبب بنتا ہے اور بیگانوں کو گمراہی نصیب ہوتی ہے ۔ کما قال تعالیٰ :

یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا ۔

(اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے)

بیگانے جب قرآن مجید سنتے ہیں تو رُوگردانی کرتے ہیں اور وہ کافروں کی طرح اس سے دلچسپی نہیں لیتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ کما قال تعالیٰ :

و اذا تتلیٰ علیه اٰیاتنا ولّٰی الخ

ے

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولے چیست

ترجمہ : قرآن مجید کے سُننے سے ہر وقت کیوں گھبراتا ہے باطلوں کی طرح حق کے کلام سے تجھے ملال کیوں ہے !

آشنا جب قرآن مجید سنتے ہیں تو بندہ وار سربسجود ہوجاتے ہیں اور زندہ دلوں کی طرح اسے سن کر زار و قطار روتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

اذا یتلیٰ علیھم یخرون للاذقان سجدا۔
(جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے گرتے ہیں)

ے

ذوق سجدہ در دماغ آدمی
دیو را دہد او از غمی

ترجمہ : سجدہ کا ذوق آدمی کے دماغ میں ہوتا ہے دیو کو الٹا تلخی اور غمی حاصل ہوتی ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ انہیں خبر دیجئے کہ انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جو سخت اذیت پہنچائے گا اور لازماً انہیں لاحق ہوگا۔ یہاں پر بشارت کا ذکر تہکماً ہے۔

ربط : کفار اور ان کے عذاب کے بیان کی فراغت کے بعد اب ان کی نقیض یعنی اہلِ اسلام اور ان کے انعامات کا ذکر فرمایا۔ کما قال :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بیشک وہ لوگ ہمارے آیات پر ایمان لائے اور ان کے موجب پر اچھے عمل کیے۔

مسئلہ : کشف الاسرار میں ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں اور وہ اعمال صالحہ سے محقق ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ کو بھی بیان فرمایا اور بہشت کے استحقاق کا دار و مدار ان دونوں کو بھی بنایا۔

کما قال تعالیٰ :

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔
(اللہ تعالیٰ کی طرف طیب کلمات اور عمل صالح چڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں بلند فرماتا ہے)

لَهُمْ ان کے ایمان و عمل صالح کے بدلے میں ان کے لیے جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ۙ بہشتیں ہیں جو نعمتوں سے لبریز ہیں یا بہشت کی نعمتیں مراد ہیں کذا قال البیضاوی یعنی یہ دراصل نعیم جنات تھا مبالغہ کے لیے اسے الٹا یا گیا ہے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ یہ آٹھ بہشتوں میں سے ایک بہشت کا نام ہے۔ اور آٹھ بہشتوں کے اسمائے یہ ہیں ؛

۱۔ دار الجلال
۲۔ دار السلام
۳۔ دار القرار
۴۔ جنۃ عدن
۵۔ جنۃ الماوٰی
۶۔ جنۃ الخلد
۷۔ جنۃ الفردوس
۸۔ جنۃ النعیم

اسی طرح وہب بن منبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ یہ لہم کی ضمیر سے حال ہے وَعْدَ اللّٰهِ یہ دراصل وعد اللہ جنات النعیم تھا وعدًا مفعول مطلق مؤکد لنفسہٖ ہے اس لیے کہ معنیٰ یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے حَقًّا ؕ یہ دراصل حق ذالك الوعد حقاً تھا۔ یہ بھی لهم جنات النعیم کی تاکید ہے۔ لیکن یہ مفعول مطلق مؤکد لغیرہ ہے اسی لیے کہ لهم جنات النعیم وعدہ ہے اور ضروری نہیں کہ ہر وعدہ حق ہو وَهُوَ الْعَزِیْزُ اور وہ ہے جس پر کوئی شے غالب نہیں جو اسے ایفائے عہد اور تحقیق وعید سے مانع ہو الْحَكِیْمُ ۝ حکیم وہ ہے جس کا ہر فعل حکمت و مصلحت کے تقاضا کے مطابق ہو ؎

نہ در وعدہ اوست نقض و خلاف
نہ در کار او ہیچ لاف و گزاف

ترجمہ : اس کے وعدہ میں نہ نقض ہے نہ خلاف، اور اس کے کام میں کوئی لاف و گزاف نہیں۔

سرود وغنا کی تحقیق[1] بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت سابقہ میں لھوالحدیث سے سرود وغنا مراد ہے۔ سرود اور گانا بجانا فاسقوں کا کام ہے اور اس مجلس و محفل کو فسق سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں گانا بجانا ہو۔ اور یہ آیت بھی اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جو ان غلاموں اور کنیزوں کو خریدتا تھا جو گانے بجانے کے ماہر ہوتے تاکہ فاسقوں اور فاجروں کو ان کا گانا بجانا خوش کرے۔ اب آیت سابقہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ کون ہے جو لہوالحدیث والوں کو خریدتا ہے۔

مسئلہ : امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی نے لونڈی خریدی اور اسے گانے بجانے والی پایا تو اس کے لیے جائز ہے کہ اسے مالک کو واپس کردے اس لیے کہ گانا بجانا عیب ہے اور عیب والی مبیع بائع کو واپس کی جاتی ہے۔

مسئلہ : کتب فقہ میں ہے کہ جو شخص لوگوں کو گانا سنائے اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں اس لیے کہ وہ لوگوں کو گناہ کے ارتکاب پر جمع کرتا ہے۔ مگر وہ شخص جو اپنی وحشت و حُزن کے ازالہ کے لیے گاتا بجاتا ہے اس کی گواہی قابلِ قبول ہے اس لیے کہ اس کی عدالت زائل نہ ہوئی کیونکہ وہ دوسروں کو گناہ میں مبتلا نہیں کررہا (اگر خود ارتکاب کر رہا ہے تو وہ بھی ایک ضرورت کے تحت۔ اور ایسی ضروریات کے لیے محذورات مباح ہوجاتے ہیں۔ اس مسئلہ سے معلوم ہُوا کہ غنا حرام لعینہٖ نہیں بلکہ لغیرہٖ ہے۔ والتفصیل فی التفسیر الاویسی) یہی صحیح ہے۔

مسئلہ : گانے بجانے والی عورت کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ اس کا گانا بجانا دُوسروں کے لیے ہو یا اپنے لیے، اس لیے کہ عورت کو آواز بلند کرنا حرام ہے، وہ اس کا ارتکاب کر رہی ہے اسی لیے کہ اس کی عدالت ساقط ہوگئی۔ جب عدالت ساقط ہوگئی تو وہ گواہی کے قابل نہ رہی۔

حدیث شریف میں ہے :
لا یحل تعلیم المغنیات ولا بیعھن ولا شراؤھن وثمنھن حرام۔

---

[1] ہمارے دور میں گانے بجانے کا دور دورہ ہے بالخصوص جب سے ریڈیو، ٹیلی ویژن کا سلسلہ جاری ہوا اس وقت سے قدم قدم پر گانے بجانے سُنائی دیتے ہیں۔ عوام کی حالت تو ہمیشہ قابلِ رحم ہوتی ہے۔ لیکن سب سے قابلِ رحم وہ لوگ ہیں جو سلسلہ چشتیہ عالیہ قدسیہ کی آڑ میں سرود اور گانے بجانے کو نہ صرف مباح بلکہ اپنے لیے بہترین عبادت سمجھتے ہیں اور وہ نہ صرف معمولی پڑھے لکھے لوگ ہیں بلکہ ان میں بعض اپنے آپ کو ہمچو ما دیگرے نیست سے بھی کچھ آگے سمجھتے ہیں۔ فقیر نے اپنی تفسیر اویسی میں اس پر تحقیق کی ہے۔
اویسی غفرلہٗ

(گانے بجانے والی عورتوں کو گانے بجانے کی تعلیم اور ان کی بیع وشراء ناجائز اور ان کا ثمن حرام ہے)

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کُتّے کے ثمن اور گانے بجانے کے کسب سے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ وُہ مال جو گانے بجانے والوں اور قوالوں کو مال وغیرہ دینے اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو جو روپے پیسے دئے جاتے ہیں وُہ رشوت میں دئے جانے والے روپوں پیسوں کے گناہ سے کچھ کم نہیں ہیں اس لیے کہ دینے والوں نے بلا عقد اور اپنے اختیار سے دیا ہے۔

مسئلہ: حضرت مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص لونڈی اس ارادہ پر خریدے کہ اس سے گانا وغیرہ سُنے گا اور اس کی خدمت صرف یہی گانا بجانا ہوگی تو میں ایسے شخص کی نمازِ جنازہ ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ اس کی دلیل یہی آیت ومن الناس من یشتری الخ ہے۔

حدیث شریف[۱] میں ہے:

ان اللہ بعثنی ھدی ورحمۃ للعالمین وامرنی بمحوا لمعازف والمزامیر والاوتار والصنج وامر الجاھلیۃ وحلف ربی بعزتہ لا یشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر متعمدا الا سقیتہ من الصدید مثلھا یوم القیامۃ مغفورا لہ او معذبا ولا یترکھا من مخافتی الا سقیتہ من حیاض القدس یوم القیامۃ۔

(بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور رحمۃ للعالمین بناکر بھیجا اور ساتھ حکم فرمایا کہ میں گانے بجانے کے آلات اور بانسریوں اور سازوسامان کی تاروں اور چنگ کو توڑ ڈالوں اور رسومِ جاہلیت کو مٹادُوں اور میرے رب نے قسم یاد فرمائی کہ میرے جس بندے نے عمداً شراب پی اگرچہ ایک گھونٹ ہی سہی تو میں اسے قیامت میں جہنم کی پیپ پلاؤں گا قابلِ بخشش ہوگا یا عذاب میں مبتلا کردں گا، اور جو شراب کو میرے خوف سے ترک کرے گا قیامت میں اسے قدس کے حوضوں سے پلاؤں گا)

حدیث شریف[۲] میں ہے:

بعثت لکسر المزامیر وقتل الخنازیر۔

(میں گانے بجانے کے آلات توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہُوں۔

ف: ابن الکمال نے فرمایا کہ مزامیر سے گانے بجانے کے جملہ آلات مراد ہیں اور اس کا اکثر استعمال

انہی آلات پر ہوتا ہے اگرچہ دراصل یہ ان چیزوں کے نام ہیں جن سے پھونک لگائی جائے جیسے بگل اور دیگر ایسی اشیاء۔ اور کسر (توڑنا) سے حقیقی معنی مراد نہیں جیسا کہ اس کے ساتھ والے مضمون سے معلوم ہوتا ہے بلکہ اس سے نہی میں مبالغہ مطلوب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
من ملأ مسامعه من غناء لم یؤذن له ان یسمع صوت الروحانیین یوم القیامة۔
(جو شخص اپنے کان سرود سے پُر کرتا ہے تو قیامت میں اسے روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی)

عرض کی گئی:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روحانیین کون ہیں؟

آپ نے فرمایا:
قراء اهل الجنة۔
(وہ اہلِ جنت کے قاری ہیں)

یعنی وہ ملائکہ اور حورعین وغیرہ ہیں۔

مسئلہ: اہلِ معانی فرماتے ہیں کہ آیت میں وُہ بھی داخل ہیں جو قرآن مجید سننے پر لہو و لعب اور مزامیر اور گانے بجانے کو ترجیح دیں۔ اشتراء کا اطلاق استبدال و اختیار پر بہت زیادہ آتا ہے۔ کذا فی الوسیط

مسئلہ: نصاب میں اہلِ ذمہ کو مزامیر اور طنبور اور سرود گانے کی بیع وغیرہ سے روکا۔

مجوزین کے جوابات غنا کے ثبوت میں وہ احادیث[1] پیش کرنا جو ایامِ عید میں وارد ہوئیں وہ متروک اور آج کے دن قابلِ عمل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرعاً حکومت کے پہرے دار کو حکم ہے کہ وہ عید کے دن آلاتِ غنا توڑ ڈالے۔

ف: قرآن مجید اصدق الاحادیث بلکہ ہر کلام سے پلیح تر ہے۔ اس کے پڑھنے سننے پر نزولِ رحمتِ باری تعالیٰ ہوتا ہے اسی لیے اسے بہتر لہجہ میں پڑھنا مستحب ہے۔

عربی میں التغنی بمعنے تحسین الصوت و تطییبہ ہے۔ اس لیے اچھا لہجہ رقتِ قلبی اور خشیتِ الٰہی

---

[1] مصنف رُوح البیان رحمہ اللہ نے اس کا اجمالی جواب لکھا، مَیں نے تفصیل سے تفسیر اویسی میں لکھ دیا ہے۔
اویسی غفرلہٗ

پر اُبھارتا ہے۔ یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کما فی فتح القریب۔

مسئلہ: تحسین صوت میں ایسا لہجہ نہ پیدا کرے جس سے قراءۃ کی حد سے نکل کر غلطی کا ارتکاب کرے یہی وجہ ہے کہ قرأت میں افراط و تفریط حرام ہے۔ مثلاً کسی حرف کو بڑھانا یا کسی حرف کو ہلکا کرنا یہ سب شرعاً حرام ہے۔ کما فی ابکار الافکار۔

قنیہ میں لکھا ہے کہ حسین آواز والے امام کے پیچھے اگر نماز پڑھ لی جائے تو اس کا اعادہ ضروری ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ امام قرأت میں افراط و تفریط کرتا ہو تو، ورنہ حسین آواز اور صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ: بزازیہ میں ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو الحان سے پڑھتا ہے وہ کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ الحان میں افراط و تفریط کرتا ہے ورنہ خوش الحانی سے پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ بشرطِ صحت تلفظ قرآن مجید کی تلاوت سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔

مسئلہ: اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ مزامیر اور دیگر آلاتِ غناء کا سننا حرام ہے۔

مسئلہ: یاد رہے کہ بعض علماء کے نزدیک غناء کی حرمت شراب و زنا کی طرح حرام لعینہ نہیں بلکہ اس کی حرمت لغیرہ ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے جہاد کے طبل اور طریق حج کے طبل وغیرہ کو اس حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔

مسئلہ: لہو و لعب کے طریق پر ہر سرود اور گانا بجانا حرام ہے۔ جب غناء میں لہو و لعب نہ ہو گی تو اس میں حرمت کا حکم زائل ہو جائے گا۔

مسئلہ: العوارف میں ہے کہ اگرچہ دف اور شبابہ کے جواز پر مذہبِ امام شافعی (رحمہ اللہ) میں وسعت ہے لیکن ان کا ترک بھی اولیٰ ہے اس لیے کہ احوط کو لینا اور خلاف سے نکلنا بہتر ہوتا ہے بالخصوص جب دف میں جلاجل وغیرہ ہوں اس لیے کہ وہ بالاتفاق مکروہ ہے کذا فی البستان۔

مسئلہ: الحان و نغموں کے ساتھ سماعِ اشعار میں اختلاف ہے پھر اگر انہیں عورتوں اور انسانی اعضاء مثلاً چہرہ اور قد و قامت کا ذکر ہو تو متدین (دین کے عاشق) کو سننا ناجائز ہے اس لیے کہ ایسے اذکار شہوات کو برانگیختہ کرتے ہیں بالخصوص جب انہیں لہو و لعب ہو اور اہلِ موسیقی کے عادات کے مطابق ہو مثلاً وہ گاتے وقت عجیب و غریب لہجے اختیار کرتے اور نہایت گندے خرافات و بکواسات بکتے ہیں جب وہ شرابیوں و فسادیوں کی مجلس میں گاتے ہیں۔ کذا فی شرح الشہاب[illegible]

للشیخ زین الدین الحافی قدس سرہٗ۔

مسئلہ: اشباہ میں ہے کہ فنِ موسیقی ویسے ہی حرام ہے جیسے فلسفہ، شعبدہ، تنجیم، رمل اور دیگر اس طرح کے فنون حرام ہیں۔

مسئلہ: ایسے قصائد جن میں جنت و دوزخ اور دار القرار کے تشویق کا ذکر ہو اسی طرح مالک الملک کی نعمتوں اور اس کی عبادت اور خیرات کی ترغیب کے قصائد سُننے میں کسی کو انکار نہیں ایسے نمازیوں کے قصائد اور حجاج کے اذکار اور مسائلِ جہاد و حج پر مشتمل قصائد کہ جن میں جنگ اور حج کے بیان سے غازیوں اور حاجیوں کو شوق پیدا ہو، کو سننا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر قوال بے ریش ہو تو اس کی طرف شہوانی طبائع کا میلان ہوگا اور عورتیں بھی ایسی مجلس میں حاضر ہوں تو ایسی قوالی عین فسق ہوگی۔ ایسی قوالی کی حُرمت پر اجماع ہے۔

لوطی کے اقسام
(۱) لوطی ایک وُہ ہوتے ہیں جو صرف نظروں سے نظریں ملا کر خواہشِ نفسانی سے کھیلتے ہیں۔
(۲) دوسرے وُہ ہوتے ہیں جو ہاتھوں بیچ ہاتھ ملا کر شہوت رانی کرتے ہیں۔
(۳) تیسرے وہ جو اس فعل خبیث کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسئلہ: جیسے روزہ دار کو روزہ کی حالت میں بوسہ دینے سے روکا جاتا ہے وہ اس لیے کہ حرام فعل کے سبب کے قریب بھی نہ پھٹکنا چاہیے ایسے ہی اجنبی مرد کو اجنبی عورت کے ساتھ خلوت سے روکا جاتا ہے کہ خلوت کہیں زنا کا سبب نہ بن جائے۔ ایسے ہی بے ریش اور عورت کی قوالی اور گانے سے فتنہ اُٹھے گا۔ اور متعدد بار دیکھا گیا ہے ایسے اجتماع میں طعام کا انتظام کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اجتماع ہو جاتا ہے جس میں قلبی طور سماع سُننا نہیں ہوتا پھر وہی سماع الٹا وبالِ جان بن جاتا ہے یعنی ایسا سماع شہواتِ نفسانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ سماع بجائے نیکی کے لہو و لعب یعنی بُرائی کا موجب بنتا ہے اور سماع کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامع اپنے نفس کو خواہشِ نفسانی سے دُور رکھے۔

سماع بہ تکلّف
(ہمارے دور میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اگرچہ ہم سماع کے اہل نہیں لیکن چونکہ اسلاف کا طریقہ ہے اسی لیے ہم سُنتے ہیں تاکہ ہم بھی اس گروہ میں شمولیت کا شرف حاصل کریں۔ اس کے متعلق صاحبِ روح البیان تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) جب مستمع کے خیال میں جاہ و مرتبہ ہو یا کوئی منفعتِ دنیویہ اس کے پیشِ نظر ہو تو اس طرح کا سماع مکر و فریب اور دھوکا ہوگا۔

(۲) بہ تکلف سماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ سماع سے حقیقت مقصود ہو۔ جیسے انسان وجد کے حصول کے لیے

بہ تکلف وجد کرتا ہے۔ ایسے ہی رونے کی عادت پیدا کرنے کے لیے رونی شکل بناتا ہے۔ جب یہ طریقہ شرعاً مندوب ہے تو پھر بہ تکلف سماع وغیرہ سننا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں غرض صحیح ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی نظیر معزز شخصیت کی تشریف آوری کے لیے قیام مستحب ہے اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں یہ طریقہ نہیں تھا۔ اگر کسی کا دل خوش کرنے اور مدارا اور دفعِ وحشت کے لیے قیام کیا جائے اگر ایسے شہروں میں ایسی عادت ہو اور ان کے معاشرے اور حسنِ صحبت میں قیام شامل ہو۔

مسئلہ : اگر کسی کے باہر قرآن پڑھا جا رہا ہو اور وہ بوقتِ اختتام وجد کرے اور وہ اس معاملہ میں سچا ہو تو ثواب پائے گا ورنہ اسے ریاکاری سے اجتناب لازم ہے اس لیے کہ امورِ صالحہ میں ریا کرنا شیطان کو اپنے پیٹ میں جگہ دینا ہے ایسے ہی ریا و شہرت کے طور پر گانا بجانا سننا اور اس پر نعرہ مارنا، ایسے ہی تالی بجانا اور کپڑے پھاڑنا اور رقص کرنا وغیرہ۔ سب سے بچنا لازم ہے۔

مسئلہ : اہلِ ریا کے سماع کے متعدد گناہ ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ پر افتراء ہوگا جبکہ وہ کہتا ہے کہ ایسے واردات اللہ تعالیٰ نے بخشے ہیں حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ سے کچھ نصیب نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا قبیح ترین گناہ ہے۔

(۲) اپنے لیے عوام کو متوجہ کرنا ہوا کہ وہ سمجھیں کہ یہ بہت بزرگ آدمی ہے اور عوام کو اس طرح سے خیانت کا ارتکاب ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

من غش فلیس منّا۔

(جس نے دھوکا اور خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں)

(۳) سماع کے وقت ریا کے طور قعود و قیام کرے گا تو لوگ اس میں اس کی موافقت کریں گے اور یہ ان کے لیے حرج ہوگا اس طرح سے خود تکلف میں ہے تو دوسروں کو بھی تکلیف میں ڈالے گا خود بھی گنہ گار دوسرے بھی مجرم اور اسے اپنے گناہ کے علاوہ دوسروں کے گناہ بھی سر پر۔ اسی لیے ایسے شخص پر لازم ہے کہ بہ تکلف وجد و سماع سے احتراز کرے۔

مسئلہ : اگر کسی کو وجد میں مرتعش (جس کے عضو بے ساختہ حرکت کرتے ہوں) سی کیفیت ہو یعنی وجد میں اس کی اپنی حرکت ارادی کو دخل نہ ہو یہاں تک کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اور جب حرکت ہو تو اسے روکنا مشکل ہو جائے تو ایسے شخص کو وجد جائز ہے۔ اس کی مثال چھینک والے کی ہے کہ جیسے وہ چھینک کے وقت مجبور محض ہوتا ہے ایسے ہی بلا تکلف وجد کرنے والا۔

سماع کے اقسام

سماع کی چند قسمیں ہیں،

(۱) صوت حسن سُننے کے لیے طبیعت کا ذاتی تقاضا ہوا اور اس میں شہوت نفسانی کو دخل ہو۔ ایسا سماع حرام ہے اس لیے کہ ایسا سماع شیطانی ہے ؎

چہ مرد سماعست شہوت پرست
بآواز خوش خفتہ خیزد نہ مست

ترجمہ: شہوت پرست سماع کا اہل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ خوش آواز سے ہی سرمست ہوتا ہے۔

(۲) نفس کے تقاضے، خوش نغمات اور خوش الحانی سے سماع کا ارتکاب ہو۔ ایسے سماع میں بھی چونکہ خواہشِ نفسانی کو دخل ہے اسی لیے حرام ہے کیونکہ ایسا سماع شیطانی ہے اور دل کو مُردہ کرے گا اور نفس کو زندہ۔ (العیاذ باللہ)

اور مُردہ قلب کی علامت یہ ہے کہ رب بھُول جائے اور موت بالکل یاد نہ رہے اور دنیا کے امور میں سرمست ہو اور خواہشاتِ نفسانی پر مرمٹے، جس کی کیفیت یہ ہو کہ وہ دنیوی امور کے عشق میں محو ہو تو اس کا سماع نفسانی شہوانی نہ ہو گا تو اور کیا ہو گا[1] ؎

اگر مردے بازی و لہوست ولاغ
قوی تر بود دیوش اندر دماغ

ترجمہ: اگر کوئی کھیل کُود اور تماشا کا خُوگر ہو تو اس کے دماغ میں شیطان اور زیادہ شیطنت مضبوط اور قوی کرے گا۔

(۳) افعال حق کے نور کے مطالعہ کی وجہ سے سماع کا میلان ہو اسے صُوفیہ کی اصطلاح میں عشق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایسا سماع حلال ہے، یہی سماع رحمانی ہے اور ایسا سماع زندہ دلوں کو نصیب ہوتا ہے ایسے سماع سے نفس مرتا ہے[2]

(۴) اللہ تعالیٰ کے نور صفاتی کے مطالعہ کی وجہ سے روح کو سماع کا میلان ہو، اسے محبۃ اور حضور و سکون سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ بھی حلال ہے۔

---

[1] ہمارے دَور میں اکثر سماع کے عُشّاق کا یہی حال ہے۔ (العیاذ باللہ)
[2] یہی وہ سماع ہے جو سلسلہ چشتیہ میں مروّج ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(۵) نورِ ذات کے مشاہدہ کی وجہ سے سر کو سماع کی خواہش ہو اسے انس سے تعبیر کرتے ہیں، یہ بھی حلال ہے ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

نگویم سماع اے برادر کہ چیست
مگر مستمع را بدانم کہ کیست

گر از برج معنی پرد طیر او
فرشتہ فرو ماند از سیر او

ترجمہ : اے بھائی ! میں نہیں کہتا کہ سماع کیا ہے ، ہاں میں جانتا ہوں کہ سماع سُننے والا کون ہے، وہ ہے جس کی رُوح برج معنے کی طرف پرواز کرے کہ اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز ہو ۔

دراصل ایسی کیفیت سچے عاشقانِ خدا اور اصحابِ حال کو نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے قلوب میں اعمال صالحہ کے انوار کا اثر ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ صالحہ کا بدلہ عشق و وجد اور ذوق سے دیتا ہے جس کا انجام بشرطِ استقامت کشف و مشاہدہ و معائنہ و معرفت ہے ۔

سماع کا صوفیانہ فیصلہ حضرت زین الدین الحافی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دل میں ایسا نور محسوس کرے تو سماع سُننے میں اباحت کے فتویٰ پر عمل کرے ورنہ اسے مکروہ جانے اور ان مفتیوں کے فتویٰ کو اپنے لیے حرزِ جاں بنائے جو سماع کے بارے میں کراہت کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں ۔

سماع کسے کہتے ہیں خوش اور موزوں آواز جو قلب کو گرمانے والی ہو، کے سُننے کا نام سماع ہے، (لوگوں کے ذہنوں میں مزامیر، گانا بجانا وغیرہ سے سماع کا مفہوم بیٹھ گیا ہے جو غلط ہے[1]) کبھی اس حرکت کو بھی سماع کہتے ہیں جو سماع سے پیدا ہوتی ہے ۔ یہ تسمیۃ المسبب باسم السبب کے قبیل سے ہے ۔

ف : فطرتِ انسانی میں سے ہے یہاں تک کہ لایعقل بھی خوش آواز کو نہایت غور و فکر سے سننے کے خوگر ہیں ۔ چنانچہ مشہور ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے پرندے بھی آپ کے سر مبارک پر بیٹھ جاتے تو محوِ سماع ہو جاتے؎

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

بر از روے خوب ست آواز خوش
کہ ایں حظ نفس است و آں قوتِ رُوح

ترجمہ: حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ حسین چہرہ نفس کی لذّت ہے اور خوش آواز رُوح کی غذا۔

حکایت ۱ حضرت الاستاذ امام ابوعلی بغدادی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی سے نوازا یہاں تک کہ جب آپ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے تو بے شمار یہود و نصاریٰ (انگریز) مسلمان ہو گئے اور واقعی حسنِ صوت میں یہ تاثیر لازمی امر ہے اس لیے کہ جب قبیح آواز سے طبیعت منقبض ہو جاتی ہے تو خوش آواز سے راحت و فرحت کیوں نہ ہو!

حکایت ۲ امام تقی الدین مصری سے منقول ہے، جو تجوید کے استاد تھے، ایک دن صبح کی نماز میں انہوں نے وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد بار بار پڑھا تو ایک پرندہ اڑ کر ان کے سرِ مبارک پر آ بیٹھا جب تک شیخ موصوف نے سورۃ ختم نہ کی وُہ پرندہ آپ کے سر پہ بیٹھ کر قرآن سُنتا رہا۔ غور سے دیکھا گیا تو وہ ہُدہُد پرندہ تھا۔

ف: مشایخ فرماتے ہیں کہ جب روح آوازِ خوش سنتی ہے تو اس سے اس لیے لذّت پاتی ہے کہ الست بربکم کا خطابِ حق یاد آجاتا ہے جس سے وہ اس خطاب کے ذوق میں اسی عالمِ قدس یعنی حضرت ربوبیت کی طرف لَوٹنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجد کے وقت بشریت کے گھونسلا سے نکل کر حضرت صمدیہ کی طرف اڑ کر جانا چاہتا ہے ؎

چہ گونہ جان نپرد سوئے حضرت متعال
نداء لطف الٰہی رسد کہ عبدی تعال

ترجمہ: حضرت تعالیٰ کی طرف رُوح کیوں نہ پرواز کرے جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے کہ اے میرے بندے! آجا۔

سماع کا شرعی فیصلہ حضرت شیخ ابوطالب مکی قُوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم سماع کا مجلاً مطلقاً غیر مقید کے طور انکار کریں تو ستر صدیق پر اعتراض کرنا لازم آتا ہے اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ انکار اقرب الی الفتوٰی اور علمائے شرع کے حکم کے مطابق ہے لیکن پھر بھی انکار نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اگرچہ علمائے ظواہر اپنے شرع کے فتوے پر مجبور ہیں کہ ہمارے اکابر صوفیہ مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ سماع سُنتے تھے پھر ہم کون ہیں کہ ان کو طعن و تشنیع کا مورد ٹھہرائیں۔

اس کے بعد موصوف نے سماع کے جواز پر اخبار و آثار کے انبار لگا دیئے۔ آخر میں فیصلہ کرتے ہوئے لکھا کہ جواز معتبر ہے، جیسا کہ عوارف میں ہے کہ عوارف کے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ علم میں وافر اور احوال سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کمال حال سے زیادہ واقف اور شریعت و تصوف کے ماہر تھے۔ علاوہ ازیں مصنف تقوٰی اور پرہیزگاری میں بھی مشہورِ زمانہ ہے اسی لیے سماع کے لیے بشرائط جواز کا فتوٰی راجح ہے ہاں اسے مسجد میں نہ سُنا جائے، ایسے ہی دُوسرے مقاماتِ مقدسہ پر بھی، جیسے مدارس وغیرہ۔

سبق: عوام بلکہ خواص پر لازم ہے کہ اس مسئلہ میں قیل و قال کو ترک کریں۔ حتی الامکان قوتِ حال مضبوطی بھی ضروری ہے۔

خَلَقَ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے **السَّمٰوٰتِ** ساتوں آسمان، ایسے ہی کرسی اور عرش **بِغَيْرِ عَمَدٍ** بفتحتین عماد کی جمع ہے، جیسے اَھَبٌ، اھاب کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جس کے ساتھ سہارا لگایا جائے۔ مثلاً:

عمدت الحائط۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب دیوار سے سہارا لگایا جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا فرمایا۔ یہ جمع آسمانوں کے تعدد پر دلالت کرتی ہے **تَرَوْنَهَا** یہ جملہ مستانفہ ہے اسے استشہاداً لایا گیا ہے۔ تاکہ مشاہدہ کریں کہ واقعی آسمان ستونوں کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں۔ یا یہ عَمَدٍ کی صفت ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ انھیں ستونوں کے بغیر پیدا کیا گیا ہے اور ہر ایک انھیں دیکھ رہا ہے کہ واقعی وہ ستونوں کے بغیر کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بندوں کو تنبیہ فرمائی کہ ان کی کیفیت دیکھ کر یقین کریں کہ واقعی وُہ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے۔

ف: آسمانوں اور زمینوں کا نظام بتاتا ہے کہ یہ بہت بڑا کارخانہ جو عرصہ سے چالُو ہے، جس کے نظام میں کبھی ذرّہ برابر کمی بیشی نہیں ہُوتی۔ تو ذی شعور یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو ذات اتنی بڑی قدرت رکھتی ہے عبادت بھی صرف اُسی کے لائق ہے۔

بندگانِ خدا (اولیاءُ اللہ) کی شان اللہ تعالیٰ کے بعض مخصوص ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر ہیں دراصل وہی ان ساتوں آسمانوں کے معنوی ستون اور نظامِ عالم کے مطلقاً سبب ہیں اور وہ ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں۔ جب قیامت قریب ہوگی تو ان میں ایک بھی زندہ نہ رہے گا پھر عالمِ دنیا ایسے ہوگا جیسے رُوح کے بغیر جسم۔ چونکہ جان کے بغیر جسم کی بقا محال ہے اسی لیے اولیاءُ اللہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد نظامِ عالم میں خلل اور

نقصان واقع ہو جائے گا۔ جیسے رُوح نکل جانے کے بعد میت کا جسم مٹی میں مٹی ہو جاتا ہے ایسے ہی عالمِ دنیا کا حال ہو جائے گا۔ پھر عالمِ ظہور عالمِ بطون کی طرف رجوع کرے گا اور اس مسئلہ کا وہی انکار کرے گا جسے حقیقت و معرفت سے لاعلمی اور جہالت ہے۔ ہم انکار و اصرار سے پناہ مانگتے ہیں۔

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اور ڈالے زمین پر لنگر۔

حلِ لغات الالقاء بمعنے شے کو ایسی جگہ پھینکنا جسے دیکھا اور پھر اسے حاصل کیا جا سکے۔ پھر مطلقاً ہر پھینکنے پر استعمال ہونے لگا۔ الرواسی، راسیۃ کی جمع ہے، رسا الشیٔ یرسو سے مشتق ہے بمعنے ثبت۔ اور الجبال سے ثوابت مراد ہیں کیونکہ وہی زمین پر ثابت ہیں انہی سے زمین ساکن ہے۔ پہاڑوں کو رواسی سے تشبیہ دینے سے ان کی حقارت کا اظہار مطلوب ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ وُہ زمینیں اگرچہ بہت بڑی مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں چند پتھریوں سے ایسا مضبوط کر دیا کہ اب ان میں ہلنے کی سکت تک نہیں۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی بہت بڑی دلیل ہے اس لیے کہ جس کی عظمت کا ایسا حال ہو تو اس میں عقول و افہام دنگ رہ جاتے ہیں باوجودیکہ اینہمہ اس کی شان کے آگے کچھ بھی نہیں۔

ف : اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا: عالمِ وجود میں آجا۔ جب وُہ عدم میں عالمِ وجود میں آئی تو تھرتھرانے لگی تو اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا گیا جس سے وُہ ٹھہر گئی۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کس طرح پیدا کی گئی۔

اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ یہ المید سے مشتق ہے۔ کسی بہت بڑی عظیم شے کا تھرتھرانا، جیسے زمین تھرتھرائی۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: ماد۔ یمید۔ میدا و میدانا بمعنے اضطرب و تحرك بمعنے تھرتھرانا اور ڈھلکنا۔ بکم کی باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ زمین پر لنگر اس لیے ڈالے کہ وُہ تمہیں لے نہ جائے۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ جس شے کے اجزأ بسیط ہوں وہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے حیز اور وضع کو بدل ڈالے۔ اس لیے کہ ایسی شے کے اجزأ ذاتی طور یا التزام حیز مخصوص و وضع مخصوص میں نہیں رہ سکتے۔

خلاصہ یہ کہ زمین کو پہاڑوں سے جکڑا گیا تاکہ وُہ اپنی حرکت سے ایک جگہ سے دُوسری جگہ پر نہ لے جائے کیونکہ زمین پانی پر ایک جگہ پہ نہیں رہ سکتی جیسے کشتی پانی پر ہوتی ہے تو وہ ایک جگہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اسی لیے زمین پر پہاڑ گاڑ دئے گئے تاکہ وہ ساکن ہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چو می گسترانید فرش تراب
چو سجادۂ نیک مردان بر آب
زمیں از تب لرزہ آمد ستوہ
فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

ترجمہ: مٹی کا فرش بچھایا جیسے نیک آدمی کا مصلّٰی پانی پر ہو۔ زمین نے لرزہ کے تپ سے آرام پایا جب اس پر پہاڑ کی میخ گاڑی۔

ف: موضح میں ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رُوئے زمین پر صرف انیس پہاڑ گاڑے ان میں سے مشہور پہاڑ یہ ہیں:

کوہ قاف، ابوقبیس، جُودی، لبنان، سینین، طورسینا، فیران۔

لیکن بعض اور روایات میں انیس سے زاید بھی مروی ہیں جیسا کہ سُورۃ الحجر میں ہم نے تفصیل سے لکھا ہے۔

ف: بعض علماءُ فرماتے ہیں کہ پہاڑ زمین کی ہڈیاں اور رگیں ہیں۔ یہ قول اہل سلوک کے اس قول کے موافق ہے کہ سُورج اور چاند اسی تعیین (عالم کائنات) کی آنکھیں ہیں۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ستارے زمین پر مرکوز نہیں بلکہ یہ زمین کی بعض لطیف رگوں کے انوار کا عکس ہیں۔ اس راز سے حکماءُ مطلع نہیں ہُوئے۔ یہ اہل کشف کے علوم سے منکشف ہوا ہے۔

وَبَثَّ اور پھیلایا فِيهَا زمین میں مِن كُلِّ دَآبَّةٍ دابہ کے جملہ انواع جن کی کثرت اور مختلف اجناس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حل لغات: البعث بمعنے اثارۃ الشیٔ و تفریقہ یعنی شے کو بکھیرنا، جیسے مٹی کے قطرات کو ہوا بکھیرتی ہے ایسے ہی نفس اپنے اندر کے غم اور شر کو بکھیرتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عالم کائنات کا کوئی ذرہ موجود نہ تھا۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی ایجاد و تخلیق سے موجود ہُوئے۔ اور الدب والدبیب بمعنے آہستہ چلنا۔ اس کا استعمال حیوانات میں عموماً اور حشرات میں اکثر ہوتا ہے وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ اور ہم نے بادل سے نازل کیا۔ ہر وُہ شے جو سر کے اُوپر ہو اُسے السّماء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مَآءً اس سے بارش کا پانی مراد ہے فَأَنبَتْنَا فِيهَا تو ہم نے زمین میں اسی پانی کے سبب سے اگائے۔ جمع متکلم کے صیغہ سے اس معاملہ میں اہمیت کا اظہار ہے مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ ہر قسم کے کثیر المنافع جوڑے۔

المفردات میں ہے کہ ہر وُہ شے جو اپنے معاملہ میں شرافت کی حامل ہو اسے لفظ کرم سے موصوف کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے کریم سے موصوف کیا گیا۔ ہر شے عالم دنیا میں زوج ہے اس لیے کم از کم اس کی نقیض ہوتی ہے۔ یا اس کی دوسری مثال ہوگی یا جوہر و عرض اور مادہ و صورت سے مرکب ہوگی اور اس میں تنبیہ ہے کہ مرکب سے مرکب ہو وہی بے نظیر صانع ہے جس نے اس قسم کی مصنوعات بنائیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق بخشی ہے کہ ہم اس کی صنعت کے عجائب و قدرت کے غرائب میں غور و فکر کرسکتے ہیں ورنہ بہت بڑے عقول و افہام کے حاملین حیران ہیں کہ اس قادر مطلق نے نباتات اشجار میں کیسے عجائبات

رکھے ہیں۔ اور کیسے اعلیٰ فوائد پر مشتمل ہیں اور بے شمار منافع و مضار کو متضمن ہے۔ اور واقعی اس میں تحیر کا ہونا لازمی امر ہے کہ یہ اشیاء مختلف اشکال، مختلف الوان اور ان کے اوراق کی صورتوں کے عجائبات اور ان کے اوراق کی صورتوں کے عجائبات اور ان کے پھولوں کی رنگ برنگی خوشبوئیں ہیں اور ہر پھول کے مختلف رنگ ہیں مثلاً سُرخ رنگ کی کئی قسمیں ہیں جیسے گلابی، ارگوانی، سوسنی، شقائقی، حمری، عنابی، عقیقی، دموی، نکی وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام رنگ مختلف اقسام کے باوجود سُرخ رنگ میں ایک نام رکھتے ہیں پھر ان کی خوشبو کے عجائب و غرائب ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن خوشبو دینے میں مشترک ہیں ایسے ہی ان کے ثمرات اور دانے اور پتّوں کے عجائبات ہیں کہ ہر ایک کا رنگ اور خوشبو اور ذائقے اور ثمر اور ورق اور دانے مختلف ہیں، پھر ان کی خاصیتیں مختلف ہیں ایسی مختلف کہ ایک کو دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں ہے اور ان کی حقیقت کا کسی کو علم نہیں اور انسان جو کچھ ان کے حقائق کو جانتا ہے وہ ان کی اصلی حقیقتوں کے نہ جاننے کے برابر ہے اس کے علم کو ان کی حقیقتوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے آدم و حوّا علیہما السلام کو جب بہشت سے نکالا تو عرصۂ دراز تک روئے ان دونوں کی گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ نے گرم انگوریاں پیدا فرمائیں جیسے سونٹھ وغیرہ اس لیے کہ ان کے آنسوؤں کو ان کے نطفوں کی طرح ضائع نہ فرمایا یہاں تک کہ یاجُوج و ماجُوج بھی انہی کے نطفوں سے پیدا فرمائے گئے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ نطفہ شہوت سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام احتلام سے محفوظ رہے۔ اس کی تفصیلی بحث ہم نے پہلے بیان کی ہے۔

هٰذَا یہی جو آسمان و زمین، پہاڑ، حیوان، نباتات کی تخلیق کا بیان ہُوا **خَلْقُ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی خلق ہے۔ خلق بمعنے مخلوق ہے۔ جیسے ضرب الامیر بمعنے مضروب ہے مصدر توسعاً مفعول کے قائم مقام ہے۔

فَاَرُوْنِيْ اے مشرکو! مجھے دکھادو۔

حلِ لغات: ارِیتہ الشیٔ سے ہے یہ دراصل آرأیتہ تھا۔

مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے غیروں کو تم نے شریک بنا رکھا ہے اور سمجھتے ہو کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں تو پھر دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔

حلِ لغات: ماذا بمنزلہ ایک اسم کے ہے بمعنی ای شی۔ خلق کی وجہ سے منصوب ہے یا مرفوع مبتدا ہے بوجہ ابتدا کے، اور ذا اس کی خبر اور صلہ ہے دونوں تقریروں پر۔ یہ ارونی کے متعلق ہے۔

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ان کی تبکیت سے اعراض کرتے ہُوئے ان کی گمراہی پہ مُہرِ ثبت فرمائی کہ ان کا غیروں کو پُوجنا اس معنے پہ کہ وُہ ظالم کُھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اور ان کی گمراہی کسی سے

مخفی نہیں بلکہ واضح ولائح ہے کہ وُہ حق سے کوسوں دُور چلے گئے ہیں اور ابان بمعنے بان ہے ۔ یہاں پر اسم ظاہر کو مضمر کے بجائے لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی گمراہی بوجہ شرک میں مبتلا ہونے کے ہے۔

ف : فتح الرحمان میں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بلکہ یہ وہی قریش ہیں جو گمراہی میں ظاہر ہیں۔ انہیں ایک صفت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے تاکہ یہ حکم عام ہو کہ یہ لوگ ان لوگوں کے مشابہ ہیں جو ان سے پہلے شرک میں مبتلا رہے ۔

ف : کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا : بلکہ یہ مشرک گمراہی میں ظاہر اور آشکار ہیں کہ عاجز کو قادر اور مخلوق کو خالق کی پرستش میں شریک کرتے ہیں ؎

ہر کہ ہست آفریدہ او بندہ است
بندہ در بند آفرینندہ است
پس کجا بندۂ کہ در بندہ است
لائق شرکت خداوند است

ترجمہ : ہر شے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور بندہ اپنے پیدا کرنے والے کی بندگی کا پابند ہوتا ہے وُہ بندہ کیسا جو اپنے جیسے بندے کی بندگی میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو پرستش میں شریک کرنا نہایت قبیح امر ہے۔

ف : توحید افضل الفضائل ہے جیسے شرک اکبر الکبائر ہے توحید میں نور اور شرک میں نار ہے ۔ نورِ توحید موحدین کے گناہوں کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے ایسے ہی نارِ مشرکین کی نیکیوں کو ۔ اور توحید افضل العبادات اور ذکر اللہ اقرب القربات ہے یہ کسی زمان و مکان سے مقید نہیں انہیں جب بھی عمل میں لایا جائے روا ہے بخلاف دیگر عبادات کے مثلاً روزہ، نماز وغیرہ وقت کے محتاج ہیں ۔ گمراہی سے بچنے کا واحد نسخہ توحید کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنا اور توحید و عبادت میں اخلاص پیدا کرنے سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

من قال لا الٰہ الا اللہ وکفر بما یعبد من دون اللہ حرم مالہ ودمہ وحسابہ علی اللہ ۔

(جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور عبادت غیر اللہ سے کنارہ کیا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جان و مال محفوظ ہوگئے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے)

یعنی آخرت میں اس کے دل کا اخلاص و عدمِ اخلاص منظرِ عام پر آجائے گا ۔

مسئلہ: مشرک کا علم و عمل کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو وہ مردود و مبعود ہے۔ ایسے ہی ریاکار کا علم و عمل کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو وہ بھی بیکار اور مردود ہے۔

ریاکار کو پند و موعظت ریا و سمعہ زمین و آسمان کے درمیان سے پھر پھرا کر ریاکار کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور مخلص کا خلوص اور عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مرغوب ہیں۔

اعمالِ حسنہ کا مقام مروی ہے کہ انسان کی مقبول نیکی عرشِ الٰہی تک پہنچنے کی پہلی منزل سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں سے بعض اعمال آگے بڑھ کر بہشت میں پہنچتے ہیں اور بعض عرشِ الٰہی تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور بندے کے بعض وہ اعمال بھی ہیں جن پر صفات روحانیہ اور ان کے قویٰ کا غلبہ ہوتا ہے جب ان کے ساتھ علمِ محقق یا وہ اعتقاد جو تصورِ صحیح جو متصور کے عین مع حضور و جمعیۃ اور صدق ہو تو وہاں عرش سے متجاوز ہو کر عالمِ مثال میں پہنچ کر یوم الجمع کے لیے ذخیرہ بن جاتا ہے۔ بعض خوش بختوں کے اعمال صالحہ مقام قلم سے مقامِ عما تک پہنچتے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وُہ اپنے اعمال صالحہ میں اخلاص پیدا کرے تاکہ انہیں ایسے بلند مقامات پر پہنچنے کا موقعہ نصیب ہو۔ اس پر بھی لازم ہے کہ شرک سے بچ کر اعمالِ سفلیہ کے ارتکاب سے احتراز کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رہ راست رو تا بمنزل رسی
تو بر رہ نۂ زین قبل واپسی
چو گاوے کہ عصار چشمش بہ بست
دوان تا بہ بشب شب ہم آنجا کہ ہست
کسے گر بتابد ز محراب روے
بکفرش گواہی دہند اہل کوے
تو ہم پشت بر قبلہ کن در نماز
گرت در خدا نیست روے نیاز

ترجمہ: سیدھی راہ چلو تاکہ منزل کو پہنچو۔ چونکہ تم صحیح راہ نہیں چلے اسی لیے منزلِ مقصود تک پہنچنے سے عاری ہو۔ تمہاری مثال تیلی کے بیل سی ہے کہ جب تیلی اس کی آنکھیں باندھتا ہے تو وہ ساری رات دوڑ لگانے کے باوجود وہیں پر ہوتا ہے جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا

(باقی ص ۲۶۸ پر)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا
تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ
اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا
اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ
خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ
لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

ترجمہ: اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کر، اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو
شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بے شک اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا۔ اور یاد کرو
جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا اے میرے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک
نہ کرنا۔ بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی
اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں
ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش
کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں اچھی طرح
ان کا ساتھ دے اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا پھر میری طرف تمہیں پھر آنا ہے
تو میں بتادوں گا جو تم کرتے تھے۔ اے میرے بیٹے! برائی اگر رائی کے دانہ برابر ہو پھر وہ پتھر کی
چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو اللہ اسے لے آئے گا، بے شک اللہ ہر باریکی کا
جاننے والا خبردار ہے۔ اے میرے بیٹے! نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے

منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بیشک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین میں اتراتا نہ چل، بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر۔ بیشک سب آوازوں میں بُری آواز گدھے کی۔

(بقیہ صفحہ ۲۶۶)

اگر کوئی آستانِ حق سے منہ پھیرتا ہے تو لوگ اسے کافر کہتے ہیں تمہیں قبلہ سے منہ پھیرنے والا سمجھا جائے گا اگر تیرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص نہیں۔

ف : جب ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ اس کے سوا کوئی کسی کو اجر ثواب دے سکتا ہے تو پھر اس کے غیر کی پرستش کا کیا معنیٰ! اسی لیے لازم ہے کہ ہم سب اسی کی طرف رجوع کریں تاکہ ہم اہلِ منازلِ علیا کی منزلوں تک پہنچ سکیں اور وہیں پر ہمیں امن و سکون اور چین نصیب ہو گا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت بخشی۔ منقول ہے کہ قصے ہائے و وصیت ہائے لقمان یہودیوں میں بہت مشہور ہیں۔ اور اہلِ عرب بھی ان کی حکمتوں سے متاثر ہیں اس لیے کہ جب بھی کسی حکمت کی کہاوت بیان کرتے ہیں تو اس میں حضرت لقمان کا نام لیتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بیان فرمایا۔

تعارفِ لقمان حکیم لقمان بن باعور بن باحور بن تارخ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدگرامی جو بعض علماء کے نزدیک آزر نامی تھے لیکن اہلِ اسلام کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، کی اولاد سے ہیں۔ حضرت لقمان حکیم نے ہزار برس زندگی بسر فرمائی یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علومِ دینیہ کا استفادہ کیا اور داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے شرعی فتاویٰ کے مفتی تھے لیکن داؤد علیہ السلام کی بعثت کے بعد آپ نے فتویٰ نویسی کا عہدہ چھوڑ کر فرمایا کہ اب میرے فتاویٰ کی ضرورت نہیں۔ کذا قال محمد اسحاق فی مغازیہ۔

سیاہ فام حضرت لقمان بعض علماء نے فرمایا کہ لقمان بن عنقا بن سرون اہلِ ایلہ سے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ لیکن یاد رہے کہ رنگ کی سیاہی کسی کے مرتبہ و کمال کے لئے نقصان دِہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و ولایت اور حکمت کے لیے حُسن و جمال کی شرط نہیں لگائی

ہاں وہ مالک ان مراتب و کمالات کے لیے جسے چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا : ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہل معنی را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ : اہلِ معنیٰ کو ظاہری صورت کی کمی نقصان نہیں دیتی اس لیے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قلب کو نورانی اور روشن رکھے خواہ جسم حبشیوں کی طرح سیاہ ہو۔

حضرت لقمان کا مزید تعارف

جمہور کے نزدیک حضرت لقمان طب اور حقیقی علم و حکمت کے حکیم تھے۔ آپ بنی اسرائیل میں نہایت نیک انسان مشہور تھے۔ خلقِ خدا کو وعظ و نصیحت اور حکمت بھری باتیں سُناتے تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ بنی اسرائیل کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے بہرحال وُہ نبی اور پیغمبر تھے البتہ ایک ہزار انبیاء علیہم السلام سے علمی استفادہ کیا اور ایک ہزار انبیاء علیہم السلام نے ان سے علمی فوائد حاصل کیے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں کا بیان

حضرت لقمان حکیم نے فرمایا : میں نے چار ہزار پیغمبرانِ عظام کی خدمت کی اور ان سے صرف آٹھ سبق سیکھے :

(۱) نماز میں قلب کی حفاظت (۲) طعام میں حلق کی حفاظت

(۳) غیر کے گھر میں ہو تو آنکھ کو بچا کر رکھو۔

(۴) لوگوں کے درمیان میں ہو تو زبان کو محفوظ رکھو۔

دو چیزوں کو یاد کرو :

(۵) اللہ تعالیٰ کو

(٦) موت کو

دو چیزوں کو بھول جاؤ :

(۷) کسی پر احسان کر کے

(۸) جو کوئی تمہیں ایذا پہنچائے

حضرت لقمان نبی نہیں تھے

حضرت لقمان کی نبوت کی نفی میں اتنی دلیل کافی ہے کہ آپ سیاہ فام تھے اور کوئی نبی علیہ السلام سیاہ فام نہیں تھا بلکہ سب کے سب شکیل، حسین و جمیل اور خوش آواز تھے۔ کسی نے حضرت لقمان سے پُوچھا کہ آپ بہت سیاہ فام ہیں

آپ نے فرمایا : تم نقش پر نہیں بلکہ نقاش پر اعتراض کر رہے ہو۔ حضرت لقمان نبی تو نہیں تھے البتہ حکمت میں بے نظیر اور اعلیٰ درجے کے مفکر اور حسن الیقین بے عدیل تھے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و حکمت کی نعمت سے نوازا اور حکمت حق بولنے اور حق کی سوچ بچار کو کہا جاتا ہے۔ بلکہ صاحبِ حق کے ہر عضو کی حرکت مبنی بر حق ہوتی ہے۔ وُہ بولتا ہے تو اس کی زبان سے حکمت کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں اور سوچتا ہے تو حکمت کی باتیں سوچتا ہے غرضیکہ اس کی ہر حرکت حکمت سے بھری ہوتی ہے۔ اس لیے امام راغب نے فرمایا :

الحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والفعل۔

(حکمت بمعنے علم و فعل میں مصیب ہونا)

اللہ تعالیٰ سے جسے ایسی حکمت نصیب ہوتی ہے وہ اشیا اور ان کی ایجاد کی معرفت میں یکتا ہوتا ہے۔ اور انسان کی حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے موجودات کی ماہیت و فعل الخیرات بمعرفت نصیب ہو۔ حضرت لقمان اسی حکمت سے موصوف تھے۔

حکیمِ حقیقی حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جسے جملہ اشیاء کی معرفت تو حاصل ہو لیکن معرفتِ الٰہی سے کورا ہو تو وہ حکیم کہلوانے کا حقدار نہیں اس لیے کہ وُہ اجل و افضل اشیاء کی معرفت سے محروم رہا۔ قاعدہ ہے کہ علم کی بزرگی معلوم کی جلالتِ شان پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجل و افضل اور کون ہو سکتا ہے ! ہاں جو معرفتِ الٰہی سے نوازا گیا حقیقۃً وہی حکیم ہے اگرچہ اس نے رسمی علوم نہ پڑھے ہوں یا توتلی زبان رکھتا ہو اور بولنے میں قادر الکلام نہ ہو اور عارف باللہ کا کلام غیر عارف سے نرالا ہوتا ہے اس لیے کہ اگر وہ جزئیات پر بظاہر قدرت نہیں رکھتا ہے لیکن کُلّی پر تو قادر ہے اسے دنیوی امور سے واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وُہ اُخروی امور کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کلمات کلیہ جو حکیم کے احوال سے ہیں لوگوں کے ہاں اطہر و اطیب ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ معرفتِ الٰہی سے بولتا ہے اور شرع پاک بھی ایسے کلمات کلیہ کو حکمت سے تعبیر کرتی ہے اور ایسے کلماتِ کلیہ کے متکلم کو شریعت میں حکیم کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔

(حکمت کی اصل خوفِ الٰہی ہے)

ایسی حکمت تھوڑی ہو تو بھی بے کار اور فضول امور سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا : پرہیزگار بن جاؤ، لوگوں میں عابد ترین انسان سمجھے جاؤ گے اور متقی بن جاؤ اللہ تعالیٰ کے زیادہ شکرگزار بندے مانے جاؤ گے۔

انسان پر بلائیں بولنے کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ سعادت مند وُہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ اور قناعت ختم نہ ہونے والا مال ہے۔ یقین تو ایمان ہی ہے۔ ایسے کلمات کو حکمت اور اس کے عامل کو حکیم کہا جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حکمت وحی کے برابر کا حکم رکھتی ہے۔ چنانچہ حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوتیت القرآن وما یعدل له۔

(میں قرآن اور اس کے برابر کی شے دیا گیا ہُوں)

اس سے حکمت مراد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد و یعلمهم الکتاب والحکمة سے معلوم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حکمت عطیۂ ایزدی ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔ جیسے وحی عطیۂ ربانی ہے اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ حکمت اور نبوت کسبی نہیں بلکہ یہ فضلِ الٰہی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے عطا ہوتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ حکمت کے حصول میں بندہ جدّوجہد کرتا ہے۔ اس میں تعلیمِ انبیاء علیہم السلام کو دخل نہیں یعنی وہ اس کی تعلیم کے لیے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے متعلق یُوں خبر دی ہے:

من اخلص لله اربعین صباحا ظهرینا بیع الحکمة من قلبه علی لسانه

(جو بندہ چالیس دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کے چشمے اگاتا ہے جن کا ظہور اس کے دل سے ہوتا ہے)

جیسے قلب وحیِ الٰہی کے اُترنے کا مرکز ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حکمت کا سرچشمہ قلب کو بنایا ہے اور عطیہ اسی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے لیے فرمایا:

ولقد اٰتینا لقمان الحکمة۔ (بیشک ہم نے لقمان کو حکمت دی)

اور فرمایا: ومن یؤتی الحکمة من یشاء ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیرا۔

(اور جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جو حکمت دیا جاتا ہے وہ خیرِ کثیر دیا جاتا ہے)

اس سے معلوم ہُوا کہ حکمت عطایائے حق ہے اس میں کسب کو کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ وہ احوال سے ہے مقامات سے نہیں۔

ف: وہ معقولات جسے حکماء حکمت سے تعبیر کرتے ہیں وہ حکمت نہیں اس لیے کہ فکر سلیم کا نتیجہ ہے جس میں وہم وخیال کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے اور یہ مومن وکافر دونوں کو حاصل ہوسکتی ہے۔

اور ایسے فکرات غلط شوائب سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عقاید و دلائل میں اختلاف ہو جاتا ہے
اور وُہ حکمت جو بعض حکماُ حفظ کرتے ہیں وہ بھی حکمت نہیں اس لیے کہ وہ منجانب اللہ بطور عطیہ نصیب نہیں ہوئی
اور جو منجانب اللہ ایسے طریق سے حاصل نہ ہو اسے حکیم نہیں کہا جا سکتا۔

حکمت کی قسمیں عرائس البیان میں ہے کہ حکمت تین قسم ہے:
(۱) حکمۃ القرآن ، اس سے اس کے حقایق مراد ہیں۔
(۲) حکمۃ الایمان ، اس سے معرفتِ الٰہی مراد ہے۔
(۳) حکمۃ البرہان ، اس سے افعال میں صنعتِ حق کے لطائف کا ادراک مراد ہے۔
اور اصلی حکمت وُہ ہے جس کا بوصفِ الہام خطاب حق کا ادراک ہو۔

ف : حضرت شاہ شجاع نے فرمایا کہ حکمت کی تین علامات ہیں:
(۱) لوگوں کے درمیان اپنے نفس کو اپنے مرتبہ پہ رکھنا۔
(۲) لوگوں کے مراتب کے بالمقابل اپنے نفس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا۔
(۳) لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا لیکن ان کے عقول و فہوم کو مدِ نظر رکھ کر، تاکہ انھیں نقد فائدہ نصیب ہو۔

ف : حضرت حسین بن منصور رحمہ اللہ نے فرمایا:
حکمت تیر ہیں اور قلوب اس کے نشانات۔ اور ایسے تیر پھینکنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں تیر کے خطا کا
امکان تک نہیں۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ حکمت ایک نور ہے جو الہام و وسواس کے درمیان فرق بتاتی ہے اور اسی نور
سے قلب میں فکر و عبرت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ دونوں چیزیں ہیں جن پر انسان کو حزن و جوع نصیب ہوتے ہیں۔

ف : حکماُ فرماتے ہیں کہ کھانا پینا اجسام کی غذا ہے اور عقل کی غذا علم و حکمت ہے اور انسان کو دنیا میں
بہترین عطیات سے جو عطیہ نصیب ہُوا وہ یہی حکمت ہے اور آخرت میں بہترین عطیات میں سے جو عطیہ
نصیب ہوگا وُہ رحمت ہے اور حکمت اخلاق کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے طب اجسام کے لیے۔

ف : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
قلوب کو راحت پہنچاؤ اور اس کے عجائبات حکمت سے حاصل کرو اس لیے کہ جیسے اجسام تھک جاتے ہیں
ایسے ہی قلوب کو بھی تھکان لاحق ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ما زھد عبد فی الدنیا الا انبت اللہ الحکمۃ فی قلبہ و انطق بھا

لسانه و بصره عیوب الدنیا وعیوب نفسه واذا رأیتم اخاکم قد زهد فاقربوا
الیه فاستمعوا منه فانه یلقی الحکمة۔

(جو ترکِ دنیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے جو اس کی زبان سے ظاہر ہوتی ہے ایسے انسان کے سامنے دنیا کے عیوب ہوتے ہیں۔ جس بھائی کو دیکھو کہ وہ تارکِ دنیا ہے اس کا قرب حاصل کرو اور اس کی حکمت بھری باتوں کو سنو)

ف: زھد لغت میں شے کی طرف میلان کا ترک مراد ہے اور اصطلاحِ تصوّف میں دنیا کا بغض اور اس کا ترک مراد ہے اور زاہد کے لیے شرط ہے کہ دُنیوی امور کی طرف ذرّہ برابر بھی نہ جھکے اور نہ ہی ان کی مذمت کرے اس لیے کہ وہ بھی منجملہ از افعال اللہ ہے اور ہر وقت اپنے نفس کا مشغلہ ترکِ امورِ دنیویہ کا بنائے اور اس میں رضائے الٰہی کو مدِّ نظر رکھے۔

لطیفہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پُوچھا: اناج کہاں پیدا ہوتا ہے؟ سب نے کہا: زمین میں۔ آپ نے فرمایا: حکمت قلب میں ایسے پیدا ہوتی ہے جیسے زمین سے اناج پیدا ہوتا ہے۔

تواضع کا بیان تواضع اسرارِ الٰہیہ سے ہے اور یہ علیٰ طریق الکمال صرف نبی علیہ السلام یا صدیق کو نصیب ہوتی ہے۔ اور ہر تواضع کو تواضع نہیں کہا جا سکتا اور یہ طریقت کے اعلیٰ مقامات سے ہے بلکہ یہی آخری مقام ہے جو منتہی سالک کو نصیب ہوتا ہے اور اولیاء اللہ اسی مقام کو طے کرنے کے بعد رجال اللہ کہلانے کے مستحق بنتے ہیں اور علم حقیقت یہ ہے کہ نفس میں عبودیت کا نشان نمایاں ہو اور عبودیت میں ریاست وحکومت کے تصوّرات مِٹ جاتے ہیں اس لیے کہ ریاست وحکومت عبودیت کی نقیض ہے اسی لیے حضرت ابو مدین نے فرمایا: صدیقین کے قلوب سے سب سے آخر میں حبِ ریاست وحکومت خارج ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم عوام اور بعض صالحین میں تواضع کا پایا جانا ضروری نہیں کہ اسے حقیقی تواضع کہا جائے اس لیے کہ ممکن ہے کہ وُہ اپنے کسی مقصد کے لیے ایسا کر رہے ہوں جسے تملق، چاپلوسی اور خوشامد کہا جاتا ہے اور ہر خوشامد اپنے مقصد کی مقدار پر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تواضع ایک بہترین مرتبہ اور بزرگ ترین مقام ہے۔ اس پہ ہر ایک کو قدرت نصیب نہیں ہوتی یہ صاحب تمکین فی العالم اور تحقیق فی التخلیق پر موقوف ہے۔ کذا فی مواقع النجوم لحضرة الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر۔

حکایت لقمان حکیم منقول ہے کہ حضرت لقمان حکیم ایک دن دوپہر کے وقت آرام فرما رہے تھے کہ انھیں غیب سے ندا آئی کہ اے لقمان! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا نائب بنایا جائے تو کیا

تم لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کر سکو گے ؟ اس پر لقمان نے جواب دیا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ سے اختیار کے اظہار کی اجازت ہو تو میں عافیت کو تو قبول کر سکتا ہوں لیکن آزمائش سے پناہ مانگتا ہوں۔ اگر اس کا لازمی حکم ہے تو بندے کو انکار کی گنجائش کہاں ! پھر تو وہی امداد فرمائے گا اور مجھے غلط فیصلوں سے محفوظ فرمائے گا۔ پھر فرشتوں نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ اے لقمان ! ایسا کیوں کہتے ہو ؟ (حضرت لقمان فرشتوں کو دیکھ نہیں رہے تھے پوشیدہ طور پر ملائکہ حضرت لقمان سے گفتگو کر رہے تھے) حضرت لقمان نے کہا : وہ اس لیے کہ فیصلہ کنندہ بہت سخت اور کٹھن منزل میں ہوتا ہے اس کے لیے ہر سُو تاریکیاں چھا جاتی ہیں اگر وہ صحیح فیصلہ کرتا ہے تو تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور وہ نجات پا جاتا ہے۔ اگر وہ غلط فیصلہ کرتا ہے تو بہشت کے سیدھے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ جو دنیا میں امورِ دنیوی میں ذلیل ہو وہی بہتر ہے کہ اسے دنیوی امور میں انہماک ہو اور وہ شریف کہلاتا ہو۔ جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اسے دنیا اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور آخرت کے بلند مراتب اسے نصیب نہ ہوں گے۔ فرشتے حضرت لقمان کی حکیمانہ گفتگو اور فصیح و بلیغ کلام سے متعجب ہُوئے۔ اس کے بعد لقمان حکیم سو گئے اور بیدار ہوئے تو حکمت سے نوازے گئے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان حکیم کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا کر انھیں حکمت سے نوازا، یہاں تک کہ ان کی حکمت کے دس ہزار کلمات منقول ہیں اور ایک کلمہ کی قیمت تمام عالم کے برابر ہے۔

سبق : حضرت لقمان کی قابلیت اور حُسنِ استعداد صرف اسی لیے تھی کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص تھا۔

اعجوبہ ایک فصیح و بلیغ مشہورِ زمانہ امیہ بن صلت تھا جسے امید تھی کہ وہی آخر الزماں نبی ہوگا۔ ایک دن سویا تو اس کے پاس ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ اس کے منہ میں ڈال کر کوئی شے اندر سے نکال لی۔ جونہی بیدار ہُوا جمیع علوم سے کورا تھا یہ صرف اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص نہیں رکھتا تھا۔

ف : یہی حکم حضرت داؤد علیہ السلام پر اُترا۔ یعنی وہ گفتگو جو فرشتوں نے حضرت لقمان حکیم سے کی وہی گفتگو حضرت داؤد علیہ السلام سے ہُوئی۔ لیکن داؤد علیہ السلام نے بلا شرط اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا پھر بعد کو اگرچہ اُن سے فیصلوں میں بظاہر کوتاہیاں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ حضرت لقمان حضرت داؤد علیہ السلام کے وزیر تھے جو امورِ حکمت میں ان سے تعاون کرتے۔ ایک دن حضرت داؤد علیہ السّلام نے حضرت لقمان سے فرمایا کہ آپ حکمت سے نوازے گئے ہیں اور جو امتحان آپ پر نازل ہُوا تھا وہ میں نے آپ سے ہٹا کر اپنے ذمّے لگایا اور وہ خلافت میرے سپرد ہُوئی اسی لیے مَیں بہت بڑی بلاؤں اور آزمائشوں میں مبتلا ہُوا ہُوں ۔

در قصرِ عافیت چہ نشینیم اے سلیم
مارا کہ ہست معرکہاے بلا نصیب

ترجمہ: اے دوست! قصرِ عافیت میں میں کس طرح بیٹھ سکتا ہوں جبکہ ہمیں بلا کے معرکے نصیب ہیں۔

اور کہا گیا ؎

دائم کہ شاد بودن من نیست مصلحت
جز غم نصیب جان و دل ناتوان مباد

ترجمہ: میرا ہمیشہ خوش رہنا اچھا نہیں جان و دل ناتواں کو غم کے سوا اور کوئی شے نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ **ربط**: حضرت لقمان کو چونکہ حکمت ایک انعام کے طور پر عطا فرمائی گئی اور نعمت کی ادائیگی شکر لازم ہے۔ اسی لئے فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ط یعنی ہم نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیجئے اس لیے کہ اس نے تجھے حکمت سے نوازا جبکہ آپ نیند میں تھے اس سے پہلے بالکل بے خبر اور غافل تھے وَمَنْ يَّشْكُرْ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ج بیشک وہ اپنے لیے ہی شکر کرتا ہے اس لیے کہ اس کا نفع اسے ہی ہوگا کیونکہ شکر کرنے سے وہ نعمت اس کے لیے ہمیشہ تک رہے گی بلکہ اس سے مزید نعمت اسے نصیب ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور نعمتوں سے نوازتا ہے ویسے ناشکری انسان کی فطرت و عادت میں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ظلوم کفار سے موصوف فرمایا ہے اور شکر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ چنانچہ شاکرٌ علیم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بارہا فرمایا ہے۔ جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے سے کفران (ناشکری) کو دور کرکے اپنے آپ میں صفتِ حق یعنی شاکریت پیدا کرتا ہے اور یہی منشائے ایزدی ہے وَمَنْ كَفَرَ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر عائد ہوگا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کی شکرگزاری سے بے نیاز ہے حَمِيْدٌ ○ وہ اپنی ذات و صفات و افعال میں محمود ہے بندے اس کی حمد اور شکر کریں یا ناشکری کریں اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کوئی بھی اس کی اس طرح حمد نہیں کرتا جیسے وہ خود اپنی حمد فرماتا ہے۔ حمید کے بعد شکوراً کی صفت نہ لانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر حمد شکر ہے یعنی حمد شکر کو متضمن ہے بلکہ حمد شکر کا راس ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے:

الحمد رأس الشکر لم یشکر اللہ عبد لم یحمدہ۔

(الحمد شکر کی راس ہے جو شکر نہیں کرتا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی حمد بھی نہیں کرتا)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ راس الحکمۃ شکر الٰہی ہے پھر خوفِ خداوندی پھر اس کی طاعت کی پابندی اور ظاہر ہے کہ حضرت لقمان نے شکر کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کیا اور عبودیت کو بجا لانے میں بھی کمال پیدا کیا اس لیے کہ حضرت لقمان ادب میں باکمال اور عبادت میں بے مثال اور سینہ آباد اور دل پُر نور اور حکمت روشن رکھتے تھے۔ عوام الناس کے لیے شفیق اور خلقِ خدا کے اصلاح کنندہ اور ہر وقت پند و نصیحت میں مشغول رہتے اور زیادہ تر پوشیدہ رہتے۔ اپنے بال بچوں کی موت اور مال و اسباب کے نقصان سے غمگین نہیں ہوتے تھے اور لوگوں کو علم و حکمت کی باتیں سکھانے سے تھکتے نہیں تھے۔ خلاصہ یہ کہ لقمان حکیم علیم رحیم کریم تھے۔

پاخانہ پھرنے کے آداب اور حضرت لقمان کی حکمت منقول ہے کہ سب سے پہلے طب میں ان کی حکمت یُوں ظاہر ہُوئی کہ اُن کا آقا پائخانہ میں گیا تو دیر لگا دی۔ حضرت لقمان نے آواز دی اور فرمایا: "پائخانہ میں تا دیر بیٹھنے سے جگر کو نقصان پہنچتا ہے اور ناسُور پیدا ہوتا ہے اور گرمی سر کو چڑھ جاتی ہے۔ فلہذا پائخانہ میں جلدی جاؤ اور بہت جلد فراغت پا کر باہر نکلو۔" حضرت لقمان کے اس نسخہ کو لکھ کر پائخانہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ بہرحال لقمان خیر کثیر کے مالک تھے ان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا: ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

حضرت لقمان کی عقلی حکمت کا اظہار سب سے پہلے حکمت عقلی کا ظہور یُوں ہُوا کہ آپ بکریاں چراتے تھے آپ سے آپ کے آقا نے آزمائش کے طور فرمایا کہ بکری ذبح کر کے بہترین گوشت لائیے۔ آپ نے بکری ذبح کی اور اس کے دل اور زبان کا گوشت آقا کے پیش کر دیا۔ پھر اس نے فرمایا کہ جاؤ بکری ذبح کر کے سب سے گندا اور خراب گوشت لائیے۔ آپ پہلے کی طرح بکری ذبح کر کے دل اور زبان کا گوشت لائے۔ آقا نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: ان دونوں سے اطیب بھی کوئی نہیں اور اخبث بھی اس سے بڑھ کر اور کوئی شے نہ ہوگی۔ آقا نے آپ کی حکمت کو دیکھ کر آزاد کر دیا۔

حضرت لقمان کا اختیارِ نبوت و حکمت : حضرت لقمان کو نبوت و حکمت کے لیے اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت کو اختیار کیا۔

حکایت ایک دفعہ حضرت لقمان لوگوں کو وعظ سُنا رہے تھے کہ بنی اسرائیل کا ایک سردار وہاں سے گزرا، اس نے لوگوں سے پُوچھا: یہ اجتماع کیسا ہے؟ جواب ملا کہ لوگ حضرت لقمان کی تقریر سُن رہے ہیں سردار نے آگے بڑھ کر حضرت لقمان سے کہا: آپ وہی سیاہ فام غلام نہیں ہیں جو ہماری بکریاں چراتے تھے؟

آپ نے فرمایا: ہاں وہی ہُوں۔ سردار نے پُوچھا، تو پھر یہ بلند مرتبہ تمہیں کہاں سے ملا؟ حضرت لقمان نے جواب دیا: سچ بولنے، دیانت داری اور باتوں کے ترک کرنے سے۔ یعنی جو امور دین سے متعلق نہیں اور ان سے دین کو کوئی فائدہ نہ تھا اسے میں نے ترک کر دیا۔

حضرت لقمان کی عمر

حضرت لقمان نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تیس سال گزارنے کے بعد یونس علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ کذا فی کشف الاسرار

خاموشی کا فائدہ

ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں حضرت لقمان بیٹھے ان کی زرہیں بُننے کو دیکھ رہے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور یہی ان کا معجزہ تھا۔ زرہوں کو حضرت لقمان نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پوچھنا خلافِ حکمت سمجھا۔ دیر کے بعد دیکھا کہ اسے داؤد علیہ السلام نے پہن لیا تب حضرت لقمان نے سمجھا کہ اسے جنگ کے لیے پہنا جاتا ہے۔ اور فرمایا: خاموشی میں بھی حکمت ہے لیکن اس کے عامل بہت کم لوگ ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ہر آنچہ دانی کہ ہر آینہ معلوم تو خواہد شد بپرسیدن او تعجیل مکن کہ حکمت را زیاں کند۔

(جس بات کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ یہ بعد کو معلوم ہو جائے گی تو اس کے متعلق پُوچھنے میں عجلت نہ کیجئے تا کہ حکمت ضائع نہ ہو)

چو لقمان دید کاندر دستِ داؤد
ہمی آہن بمعجزہ موم گردد
نپرسیدش چہ می سازی کہ دانست
کہ بے پرسیدنش معلوم گردد

ترجمہ: جب حضرت لقمان نے داؤد علیہ السّلام کے ہاتھ میں دیکھا کہ معجزہ کے طور پر لوہا موم ہوتا جا رہا ہے آپ نے ان سے نہ پُوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں اس لیے کہ انھیں معلوم تھا کہ یہ پُوچھے بغیر بھی معلوم ہو جائے گا۔

ف: حضرت لقمان کی حکمت سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ ان سے داؤد علیہ السلام نے پُوچھا، کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ غیر کے ہاتھوں میں گرفتار ہُوں۔ حضرت داؤد علیہ السّلام آپ کے اس جواب سے حیران ہوئے اور سوچا تو نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے اس لیے کہ حضرت لقمان کے دانشمندانہ جواب نے آپ کو متحیر کر دیا کیونکہ قبضۂ غیر سے ان کی مراد عدل و فضلِ الٰہی تھا۔ کذا فی تفسیر الکاشفی

ف : حضرت لقمان نے فرمایا :
(۱) صحت جیسا اور کوئی مال نہیں۔
(۲) نفس کی خوشی سے اور کوئی بڑی نعمت نہیں۔
(۳) باپ کا بیٹے کو مارنا ایسے ہے جیسے کسان کھیتی کی تیاری کے لیے بیل کو مارتا ہے۔

حکایت عجیب تفسیر ثعلبی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت لقمان کو مالک نے دوسرے غلاموں کے ساتھ باغ میں میوہ توڑنے کے لیے بھیجا اور حضرت لقمان تمام غلاموں سے کم مرتبہ تھے ؎

بود لقمان پیش خواجۂ خویشتن
در میان بندگانش خوار تن
بود لقمان در غلامان چون طفیل
پُر معانی تیرہ صورت ہمچو لیل

ترجمہ : حضرت لقمان اپنے آقا کے سامنے تمام غلاموں سے کمترین تھے، دوسرے غلاموں میں طفیلی حیثیت رکھتے تھے وہ معانی سے پُر تھے اگرچہ بظاہر رات کی طرح سیاہ فام تھے۔

باغ سے میوہ توڑ کر لوٹے تو تمام میوہ جات کھا کر انہوں نے حضرت لقمان پر الزام لگایا کہ اس نے سارے میوہ جات کھا لیے ہیں۔ آقا حضرت لقمان پر سخت ناراض ہُوا۔ آپ نے فرمایا : آقا! آپ ناراض نہ ہوں میوہ جات انہوں نے کھائے ہیں اور نام میرا لگا دیا ہے۔ آقا نے کہا : یہ کیسے معلوم ہو کہ آپ واقعی سچ بول رہے ہیں ؟ آپ نے فرمایا : اس کی آسان صورت یہ ہے کہ آپ ہم سب کو گرم پانی پلا کر جنگل میں دوڑائیے جس نے میوے کھائے ہیں وہ قے کر کے باہر نکال دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اور کھانے والوں کے پیٹوں سے تمام میوے باہر آ گئے۔ یوں ان کی بددیانتی ظاہر ہوگئی (اور حضرت لقمان کی سچائی اور حکمت ظاہر ہوگئی)

؎

۱ گشت ساقی خواجہ از آبِ حمیم
مرغلامان را و خوردند آن زنیم
۲ بعد ازاں می راند شان در دشت ہا
می دویدند آں نفر تحت و علا
۳ قے در افتادند ایشاں از عنا
آب می آورد زیشان میوہا

۴ چونکہ لقمان را در آمد قے ز ناف
می برآمد از درونش آب صاف

۵ حکمت لقمان چو داند این نمود
پس چہ باشد حکمت رب ودود

۶ یوم تبلی السرائر کلہا
بان منکم کامن لا یشتہی

۷ چوں سقوا ماء حمیما قطعت
جملۃ الاستار مما افضحت

ترجمہ: (۱) سردار نے گرم پانی غلاموں کو پلایا اور وہ اس کے خوف سے گرم پانی پی گئے۔
(۲) اس کے بعد انہیں جنگل میں دوڑایا۔ وہ سب جنگل میں اونچی نیچی جگہوں پر دوڑتے رہے۔
(۳) تھکان سے انہیں قے آ گئی، پانی تمام میوہ جات لے آیا۔
(۴) لقمان کو قے پیٹ سے آئی لیکن صرف صاف پانی۔
(۵) لقمان کی حکمت کا جب یہ حال ہے تو اب ودود (تعالیٰ) کی حکمت کیسی ہوگی۔
(۶) اس دن کے تمام پوشیدہ راز کھلیں گے جبکہ کوئی اپنے راز کا کھلنا نہیں چاہے گا۔
(۷) جب گرم پانی پلائے جائیں گے تو تمام پردے کھل جائیں گے جس سے انھیں رسوائی ہوگی۔

ھ

ہرچہ پنہاں باشد آں پیدا شود
ہرکہ او خائن بود رسوا شود

ترجمہ: جو کچھ پوشیدہ ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا، جو خیانتی ہوگا شرمسار ہوگا۔

حکایت حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان سفر سے لوٹے تو راستہ میں آپ کو آپ کا غلام ملا۔ آپ نے اس سے پوچھا: والدصاحب کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت لقمان نے کہا: الحمدللہ کہ میں اپنے معاملے کا مالک ہوگیا۔
اس کے بعد والدہ کا پوچھا تو اس نے کہا: وہ بھی چل بسیں۔ آپ نے فرمایا: الحمدللہ! میرا غم کم ہوگیا۔
اس کے بعد اپنی عورت کا پوچھا تو اس نے کہا: وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ آپ نے کہا: الحمدللہ میرا بستر

فارغ ہوگیا۔ پھر پُوچھا، میری بہن کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: وُہ بھی جاں بحق ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: الحمدللہ میرا ستر ڈھانپا گیا۔ پھر بھائی کا پُوچھا۔ اس نے کہا، وہ بھی راہیِ ملکِ عدم ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا: میری کمر اور بازو ٹوٹ گیا۔ پھر بیٹے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا، وہ بھی مرگیا۔ آپ نے فرمایا: میرا دل چِر گیا۔

قبرِ لقمان حضرت لقمان کی قبر مبارک فلسطین میں شہر رملہ کی بستی صرفند میں واقع ہے۔ فلسطین بکسر الفاء وفتح اللام وسکون السین۔ یہ شہر مصر وشام کے درمیان میں واقع۔ اسی میں الرملہ، غزہ اور عسقلان ہیں۔

حضرت لقمان کا مزار مبارک مشہد میں ہے۔ (فتح الرحمان)

ف: حضرت قتادہ نے فرمایا: حضرت لقمان کی قبر مبارک رملہ میں ہے۔ رملہ کی مسجد اور بازار کے درمیان واقع ہے اور یہاں پر ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں جن کا وصال لقمان حکیم کے بعد ہُوا۔ مروی ہے کہ ان حضرات کا ایک ہی دن میں بھوک سے وصال ہُوا جنہیں بنی اسرائیل نے القدس سے نکالا اور وہ مجبور ہو کر رملہ میں آ گئے۔ بنی اسرائیل نے ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ حضرات بھُوک کے پیاسے یہیں فوت ہوئے اور یہیں مدفون ہوئے ؎

جہاں جائے راحت نشد اے فتیٰ
شدند انبیا اولیا مبتلا

ترجمہ: اے بیٹے! جہان راحت گاہ نہیں اس میں انبیاءؑ و اولیا بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہُوئے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ اے محبوب محمد صلّی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمّت کو یاد دلائیے لقمان حکیم کی وہ بات جو انہوں نے کہی لِابْنِهٖ اپنے بیٹے سے، جس کا نام انعم تھا۔ اسی لیے حضرت لقمان کی کنیت ابو انعم تھی وَهُوَ يَعِظُهٗ اور وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے تھے۔

حلِ لغات: الوعظ بمعنے ایسی زجر جو تخویف کو مقترن ہو۔

يٰبُنَيَّ اے میرے بیٹے۔ یہ بہ صیغۂ تصغیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہے یا کو بالفتح و بالکسر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ یہ تصغیر رحمۃ وعطوفۃ کی ہے اسی لیے اسے وہ وصیتیں کیں جو اس کے لئے سعادت کا موجب تھیں جبکہ وہ اس پر عمل کرے لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک مت ٹھہرانا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ اس لیے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ

اس میں بے نعمت والی شے کو نعمت والے رب کے ساتھ برابر کرنا ہے ۔ کشف الاسرار میں اس کا ترجمہ یوں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے ۔ اور شرک کی سزا یہ ہے کہ مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائے گا ۔ کسی شاعر نے کہا : ؎

الحمد للّٰہ لا شریك لہ
ومن اباھا فنفسہ ظلما

ترجمہ : جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں جو اس کا منکر ہے اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ۔

ف : حضرت لقمان کی بیوی اور بیٹا دونوں کافر تھے لیکن حضرت لقمان کی جد وجہد اور نصیحت کی بدولت دونوں مسلمان ہوگئے بخلاف حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ اور بیٹے کے کہ وہ کافر ہی رہے اور کافر ہی مرے ۔ بعض روایتوں میں تو یوں آیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی زوجہ ایمان نہ لائی تو مسخ ہو کر پتھر ہوگئی ۔

ف : حضرت لقمان نے شرک سے بچنے کی تلقین کی ، بعد میں اور وعظ و نصیحت فرمائی ۔ الوعظ بمعنے ماسوی اللہ کے اشتغال سے نفس کو روکنا یعنی بالکلیہ حق کا ہو جانا نفساً بھی اور قلباً و روحاً بھی ۔ گویا حضرت لقمان نے بیٹے سے فرمایا کہ نفس کو صرف خدمتِ حق میں لگا دو اور قلب کو ماسوی اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے دو اور روح کو صرف مشاہدۂ حق میں مشغول رکھو ۔ اسی کو مقام التفرید فی التوحید کہا جاتا ہے ؎

ہر کہ در دریائے وحدت غرقہ باشد جان او
جوہر فرد حقیقت یافت از جانان او

ترجمہ : جس کی جان دریائے وحدت میں غرق ہوئی اس نے ہی جوہر فرد حقیقت اپنے محبوب سے پالیا ۔

اے اللہ ! ہمیں تفرید والوں سے بنا ۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ الی آخرہ یہ حضرت لقمان کی وصیت کے درمیان میں جملہ معترضہ ہے نہی عن الشرک کے معنے کی تاکید ہے ۔ جیسے کہا جاتا ہے :

وصیت زیدا بعمرو ۔ یعنی میں نے اسے کام کی محافظت کا حکم فرمایا ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے لوگوں کو ان کے ماں باپ کے حقوق کی پاسداری کا حکم فرمایا ۔ اس کے بعد ماں کے حقوق کو ترجیح دی اس لیے کہ ماں کا بیٹے پر بہت بڑا احسان ہے ۔ چنانچہ فرمایا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ تا مبینِ تک مفسّر اور مفسَّر کے درمیان جملہ معترضہ ہے ۔ مفسِّر اور مفسَّر سے توصیۃ و شکر مراد ہے ۔ اس

جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے ماں نے پیٹ میں اٹھائے رکھا وَهْنًا یہ اُمّہ سے حال ہے۔ اور الوھن بمعنے ضعف کمزوری۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عورت من حیث الخلق والخُلق کمزور اور ضعیف ہے عَلٰی وَهْنٍ اس میں اشارہ ہے کہ بچے کو جونہی پیٹ میں وقت گزرتا ہے اس سے ماں کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوتا ہے وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ۔ اور دو سالوں میں اس کا دودھ چھڑانا۔

حلِ لغات : الفصال بمعنے بچّے کا دُودھ چھڑانا۔ الفصیل اسی سے مشتق ہے۔ اونٹنی کے اس بچّے کو کہا جاتا ہے جس کا دُودھ چھڑایا جائے۔ اور العام بالتخفیف بمعنے السنۃ یعنی سال۔ اور العام ہر اس سال کو کہا جاتا ہے جس میں انسان کو خوشحالی حاصل ہو۔

مسئلہ : بچّے کو ولادت کے بعد ماں کا دُودھ پلایا جاتا ہے اور اس کی مدّت دو سال ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ اس کے بعد اگر بچّہ کسی عورت کا دُودھ پیئے گا تو رضاع ثابت نہ ہوگا۔

مسئلہ : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بچّے کو دُودھ کی ضرورت ہو اس مدت تک دُودھ پلانا واجب ہے۔ جب ضرورت ختم ہو جائے تو دو سال پُورے کرنا مستحب ہے اور دو سال پر چھ ماہ مزید بھی دُودھ پلانا جائز ہے۔

مسئلہ : بعض ائمہ دو سال اور بعض اڑھائی سال دُودھ پلانے کی مدّت بتاتے ہیں۔ یہ اختلاف صرف حرمت رضاع کی حیثیت سے ہے ورنہ جواز کے لیے دونوں مدتوں پر سب کا اتفاق ہے۔

مسئلہ : استحقاق اجرت رضاع بھی دو سال تک ہوگا۔ اسی لیے باپ کو دو سال بعد رضاع کی اجرت و نفقہ وغیرہ دینا ضروری نہ ہوگا رضاع کے مسائل فقہ کی کتابوں کے باب رضاع میں مکمل طور لکھے جا چکے ہیں۔

مسئلہ : الوسیط میں ہے کہ دو سال کی مدّت بچّے کی ولادت کے وقت سے شمار ہوگی۔

اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ یہ وَصَّیْنَا کی تفسیر ہے یعنی ہم نے فرمایا کہ میرے لیے اور اپنے والدین کے لیے شکر کر وہ یہ علّت ہے۔ یعنی شکر گزاری علّت ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ رضاع جیسی نعمت بخشی۔ اور جملہ معترضہ ہے اور والدہ کی شکر گزاری کے متعلق تاکید کے طور پر یہ جملہ لایا گیا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پُوچھا، انسان کی شکر گزاری کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

امّك ثم امك ثم امك۔

(تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں)

پھر اس کے بعد (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا:

ثم اباك - (پھر تیرا باپ)
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے انسان! میرا شکر کیجئے اس لیے کہ میں نے تجھے عدم سے موجود فرمایا اور اسلام کی ہدایت بخشی اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کیجئے کہ اُنہوں نے تیری تربیت کی جبکہ تُو چھوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ان پر شفقت و رحمت کی جائے۔

ف: شرح الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو اس لیے ملایا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی وجود بخشا تو والدین نے تربیت کر کے وجود مجازی بخشا۔ اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم حقیقی ہوگا اور والدین و دیگر لوگوں کا احسان وکرم مجازی ہوگا۔[1]

حدیث شریف میں ہے:
لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔
(جس نے لوگوں کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کیا)
حدیث مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کو بندوں کے شکر پر موقوف فرمایا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ثواب کو بندوں کے شکریہ ادا کرنے پر موقوف فرمایا۔

مسئلہ: استاد کا شکریہ والدین کے شکریہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ (لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ میں عوام تو عوام، خواص (بعض علماء و مشائخ) نے بھی اساتذہ کے حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے)

حکایت حضرت سکندر سے پُوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والدین پر اپنے استاد کو تعظیم و تکریم میں ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت سکندر نے جواب دیا: وُہ اس لیے کہ والدین نے مجھے آسمان سے زمین پر گرایا اور استادِ گرامی نے زمین سے آسمان پر پہنچایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

ترجمہ: میں عالمِ قدس میں بادشاہ تھا اور جنۃ الفردوس میری جاگیر تھی لیکن افسوس کہ میرے ابا آدم علیہ السلام نے مجھے وہاں سے نکالا اور اِس ویران دنیا میں پھینک دیا۔

---

[1] یہ حقیقت و مجاز انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے متعلقات پر بھی منطبق کیجئے، جیسے اختیار و استمداد وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

حکایت بزرجمہر سے پُوچھا گیا کہ آپ والدین کی بجائے استاد کی زیادہ تعظیم و توقیر کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ والدین میری فانی زندگی کا سبب ہیں اور میرا استادِ گرامی میری بقا والی زندگی کا سبب ہے۔

اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝ یہ امرِالٰہی کی فرماں برداری کی علت ہے یعنی تمہارا صرف میری طرف رجوع ہے اسی لیے میں ہی تمہیں جزا و سزا دوں گا۔ رجوع الی اللہ کا معنٰی یہ ہے کہ اسے آدم زادو! تم اس ملک میں پہنچو گے جہاں اللہ تعالٰی کے سوا نہ کوئی مالک ہوگا نہ حاکم۔

مسئلہ: حضرت سفیان بن عُیَینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو پانچ نمازیں پابندی سے پڑھتا ہے تو یقین کر لو کہ وہ اللہ تعالٰی کے احسانات کا شکر ادا کر چکا۔ اور پانچوں نمازوں کے بعد والدین کے لیے جو دعائے مغفرت کرتا ہے اس نے اپنے والدین کے احسان کا شکریہ ادا کر لیا۔

مسئلہ: جو چاہتا ہے کہ میں اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ احسان کروں تو اسے چاہیے کہ ان کے دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور متعلقین پر احسان و کرم کرے۔

مسئلہ: (۱) زندگی میں جس سے ماں باپ ناراض رہے اور اسی حالت میں وُہ فوت ہو گئے پھر وہ چاہتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کنندگان اور شکر گزاروں میں شمار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان کے لیے بہت زیادہ استغفار کرے اور ان کے لیے زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات بطور ایصالِ ثواب کرے تو اسے والدین کے فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا۔

(۲) جو شخص ہر جمعہ اپنے والدین کے مزارات کی زیارت کرتا ہے وُہ بھی فرماں برداروں میں شمار ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے:

من احب ان یصل اباہ فی قبرہ فلیصل اخوان ابیہ من بعدہ و من مات والداہ وھو لھما غیر بار وھو حی فلیستغفر لھما و یتصدق لھما حتی یکتب بارا لوالدیہ و من زار قبرا بویہ او احدھما فی کل جمعہ کان بارا۔

(جس کی خواہش ہو کہ وُہ قبر میں اپنے باپ کو خوش کرے تو اسے چاہیے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کو خوش رکھے اور جس کے ماں باپ مر گئے اور وہ ان کی خدمت نہ کر سکا جب تک زندہ ہے ان کے لیے اتنا استغفار اور صدقہ و خیرات کرے کہ وہ خدمت گزاروں میں لکھا جائے اور جو ہر جمعہ اپنے والدین کی قبور کی زیارت کرے وہ بھی خدمت گزاروں میں لکھا جائے گا)

حدیث شریف میں ہے:
"من صلی لیلة الخمیس ما بین المغرب والعشاء رکعتین یقرأ فی رکعة فاتحة الکتاب مرة وآیة الکرسی خمس مرات وقل هو الله احد خمس مرات والمعوذتین خمسا خمسا فاذا فرغ من صلاته استغفر الله خمس عشرة مرة وجعل ثوابه لوالدیه فقد ادی حق والدیه علیه وان کان عاقا لهما واعطاه الله تعالیٰ ما یعطی الصدیقین والشهداء"۔
کذا فی الاحیاء وقوت القلوب۔
(جو شخص جمعرات کی شب کو مغرب وعشاء کے درمیان دو رکعتیں پڑھے اور فاتحہ کے بعد پانچ بار آیۃ الکرسی، پانچ بار سورۂ اخلاص اور پانچ بار معوذتین (سورۃ فلق و سورۃ ناس) پڑھے اور ان کا ثواب ماں باپ کی رُوح کو بخشے تو اس نے اپنے ماں باپ کا حق ادا کر لیا اگرچہ وُہ دنیا میں ان کا نافرمان رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس دوگانہ کے صدقے صدیقین وشہداء کا ثواب عطا فرمائے گا)

وَاِنْ جَاهَدٰكَ - المجاهد بمعنے اللہ کے دشمن سے بچنے کے لیے اپنی تمام طاقت صرف کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے انسان سے فرمایا کہ اگر تیرے ماں باپ تیرے لیے جدوجہد کر کے تجھے اکسائیں عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کہ تم عبادت میں میرے ساتھ انہیں شریک ٹھہراؤ جن کا تمہیں علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا تو تم شرک کرنے میں ان کی اطاعت مت کرنا یعنی اگرچہ والدین کی خدمت ایک عظیم امر ہے لیکن اولاد کو جائز نہیں کہ شرک کرے یا کسی اور گناہ میں ان کی اطاعت کرے؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: جب رشتہ دار میں دیانت وتقویٰ نہ ہو تو ایسے رشتہ سے محبت کرنے کے بعد قطع رحمی ضروری ہے۔

وَصَاحِبْهُمَا اور ان سے مصاحبت اور اچھی معاشرت کیجئے فِی الدُّنْیَا دنیا میں معاشرت کے لحاظ سے مَعْرُوْفًا نیکی یعنی ان سے اس طرح کی معاشرت کیجئے جس میں شریعت کی اجازت ہو اور منجملہ ان کے ساتھ نیک معاشرے کا ایک حصہ انہیں نان نفقہ دینا بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

حسن المصاحبة ان یطعمهما اذا جاعا وان یکسوهما اذا عریا۔
(والدین کے ساتھ نیک مصاحبت (برتاؤ) کا معنیٰ یہ ہے کہ جب وُہ بھوکے ہوں تو انھیں کھانا کھلاؤ اور اگر وہ ننگے ہوں تو انہیں کپڑے پہناؤ)

مسئلہ : انسان پر والدین کا نان ونفقہ اور لباس واجب ہے اگرچہ وُہ کافر ہوں۔ اسی طرح ان کے ساتھ احسان ومروّت، ان کی خدمت اور ان کی زیارت ضروری ہے بشرطیکہ وُہ کفر ومعصیت پر مجبور نہ کریں۔ اگر کسی کو والدین کفر کے ارتکاب پر مجبور کریں تو ایسے والدین کی زیارت اور ملاقات ضروری نہیں۔

اگر کسی کے والدین کافر ہوں اور وہ اسے کفر کی عبادت گاہ (مثلاً مسجد وغیرہ) میں جانے کا حکم دیں تو ان کا ایسا حکم ہرگز نہ ماننا چاہیے اس لیے کہ کفر کی اعانت میں خدمت کرنا بھی گناہ ہے ہاں عبادت گاہِ کفر سے گھر کی طرف لانا جائز ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر المعروف کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں دین کی غلطی اور خطأ سے بچا کر توحید اور دین کی باتوں سے آگاہ کیا جائے جبکہ وہ عرفانِ الٰہی اور دین کے امور سے ناواقف ہوں۔

ف : المفردات میں ہے کہ المعروف دراصل ہر اس نیکی کو کہا جاتا ہے جسے عقل وشرع اچھا کہے۔ اور المنکر ہر وہ بُرائی جسے عقل وشرع بُرا کہیں۔ اسی لیے جُود وسخا کو المعروف کہا جاتا ہے اس لیے کہ اسے عقل وشرع دونوں نے اچھا کہا ہے۔

وَّاتَّبِعْ اور دین میں تلاش کرو سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ج ان لوگوں کا راستہ جو میرے ہاں توحید واخلاص فی الطاعۃ کے لحاظ سے رجوع کرتے ہیں۔ اس سے مومنین کاملین مراد ہیں ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ پھر میری طرف تمہارا اور ان سب کا رجوع ہے فَاُنَبِّئُکُمْ پھر رجوع کے بعد میں تمہیں خبر دُوں گا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ جو تُم نے دنیا میں خیر وشر کا ارتکاب کیا میں تمہیں اس کا بدلہ دُوں گا۔

شانِ نزول یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) کے حق میں نازل ہُوئی۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کی والدہ نے قسم کھائی کہ میں اُس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک سعد اسلام کو ترک نہ کرے۔ منقول ہے کہ حضرت سعد کی والدہ نے تین دن رات تک نہ کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ لوگوں نے ان کے منہ کو لکڑیوں سے کھول کر منہ میں پانی ڈالا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میری والدہ کی ستّر ارواح ہوں اور وہ اسی طرح بار بار مرتی رہے تب بھی میں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہ قصّہ سورۂ عنکبوت کے اوائل میں تفصیل کے ساتھ اور بہت بڑے فوائد پر مشتمل بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ: توحید کے بعد اہم الواجبات سے والدین کی خدمت گزاری ہے۔

حکایت و روایت مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری والدہ بوڑھی ہوگئی یہاں تک کہ میں اسے کھلاتا پلاتا ہوں، اور وہ چل پھر بھی نہیں سکتی اس لیے اسے اٹھاتا بٹھاتا ہوں۔ کیا اس طرح سے میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے فرمایا، ہرگز نہیں بلکہ صرف ایک سو میں سے ایک حق بھی ادا ہو تو تیری سعادت۔ عرض کی، اس کی کیا وجہ؟ آپ نے فرمایا: تیری والدہ نے تیری خدمت اس لیے کی کہ تیری عمر دراز ہو اور تو اس کی اس لیے خدمت کرتا ہے کہ وہ کب مرے گی! لیکن چونکہ تو نے اس کی خدمت کی ہے اس لیے اللہ تعالےٰ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ جوانی سر از رائے مادر بتافت
دل دردمندش بآزر بتافت

۲ چو بیچارہ شد پیشش آورد مہد
کہ اے سست مہر و فراموش عہد

۳ نہ گریان و درماندہ بودے و خرد
کہ شبہا ز دست تو خوابم نبرد

۴ نہ در مہد نیروے حالت نبود
مگس راندن از خود مجالت نبود

۵ توانی کہ از یک مگس رنجہ
کہ امروز سالار سر پنجہ

۶ بحالی شوی باز در قعر گور
کہ نتوانی از خویشتن دفع مور

۷ دگر دیدہ چون بر فروزد چراغ
چو کرم لحد خورد پیہ دماغ

۸ چو پوشیدہ چشمے نہ بینی کہ راہ
نداند ہمی وقت رفتن ز چاہ

۹ تو گر شکر کردی کہ با دیدۂ
وگر نہ تو ھم چشم پوشیدۂ

ترجمہ : (۱) ایک نوجوان نے ماں سے منہ موڑا تو ماں کا درد مند دل آگ سے جل گیا ۔
(۲) بیچاری سے اور تو کچھ نہ ہو سکا گہوارہ لائی اور کہا کہ بے رحم اور عہد فراموش
(۳) تو روتا رہتا ؛ عاجز اور چھوٹا تھا ، تیری وجہ سے میں نے کئی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی ۔
(۴) گہوارے میں تجھے اپنے حال درست کرنے کی طاقت نہ تھی بلکہ تُو اپنے سے مکھیاں بھی نہ ہٹا سکتا تھا ۔
(۵) تُو وہی تو ہے کہ ایک مکھی سے چیخ پڑتا تھا لیکن اب تُو بڑی طاقت کا مالک ہے ۔
(۶) ابھی وقت آنے والا ہے کہ تُو قبر کے گڑھے میں جائے گا اس وقت بھی تجھے چیونٹی ہٹانے کی طاقت نہ ہوگی ۔
(۷) پھر تیری آنکھیں کہاں سے چمکیں گی جب تیرے دماغ کی چربی کیڑے کھا جائیں گے ۔
(۸) تُو اندھے کی طرح راستہ نہیں دیکھ رہا جبکہ وہ کُنویں میں گر پڑے تو اسے کہیں سے راستہ نہیں دکھائی دیتا ۔
(۹) اگر تُو شکر بجالائے گا تو سمجھ کہ تُو آنکھ والا ہے ورنہ تُو بھی اندھا ہی ہے ۔

چار ضروری باتیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ، آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنے بعد تمہارے تغیرِ احوال کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تمہیں حکم فرماتا کہ چار شخصوں کے بہشتی ہونے کی گواہی دو :

(۱) وُہ عورت جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے شوہر کو مہر معاف کر دے اور شوہر اس سے راضی ہو ۔
(۲) بڑا عیالدار جو اپنے کنبے کی معاش کے لیے جدوجہد کرے اور انہیں رزقِ حلال کھلاتے ۔
(۳) گناہ سے توبہ کرنے والا اور توبہ میں ایسا پختہ کہ اس گناہ کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے ۔
بلکہ اسے اس سے ایسی نفرت ہو کہ جیسے بچّے کا دُودھ چُھڑا کر پھر اسے دودھ کے لیے پستان پیش کئے جائیں اور وُہ پستانوں کو منہ نہ لگائے ۔
(۴) ماں باپ کا خدمت گزار ۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
مبارک ہو اُسے جو ماں باپ کی خدمت کرتا ہے اور بُرا ہو اُس کا جو ماں باپ کا نافرمان ہے ۔

ماں کے گستاخ کی سزا حضرت عطا بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض لوگ سفر کو گئے ۔ جنگل میں ایک جھونپڑے میں قیام کیا ۔ رات کو جھونپڑے میں گدھے کی ڈھیچوں ڈھیچوں کی آواز سُنتے رہے ۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی ۔ انہوں نے جھونپڑے والی بی بی سے پُوچھا

کہ تمہارے ہاں گدھا تو ہے نہیں لیکن ہم ساری رات ڈھیچوں ڈھیچوں کی آواز سُنتے رہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ بڑھیا نے کہا: یہ میرا لڑکا ڈھیچوں ڈھیچوں کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایک دن اس نے مجھے گدھا کہا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے بد دُعا کی کہ اسے گدھا بنا دیا جائے۔ پھر جب سے وُہ مرا ہے اس وقت سے اس کی قبر سے ہر رات ایسے ہی گدھے کی سی آواز سُنائی دیتی ہے اور صبح تک ایسے ہی آواز آتی رہتی ہے۔

نوح علیہ السلام کے بے ادب بیٹے کی سزا حضرت وہب سے مروی ہے کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے باہر تشریف لائے تو آرام فرمایا۔ نیند کی حالت میں ان کا ستر کُھل گیا جسے دیکھ کر آپ کا بیٹا حام ہنس پڑا اور آپ کے ستر کو نہ ڈھانپا۔ جب آپ کے بیٹے سام و یافث کو معلوم ہُوا تو آکر والد گرامی پر کپڑا ڈال دیا۔ نوح علیہ السلام بیدار ہُوئے تو آپ کو تمام حال سُنایا گیا۔ آپ نے حام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے جسم کو تبدیل کر دے۔ چنانچہ کالے سُوڈانی اور حبشی انہی کی اولاد سے ہیں۔ بلکہ قیامت تک انہیں دنیوی ذلّت میں مبتلا رکھا گیا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دختران را ہمہ جنگست و جدل با مادر
پسران را ہمہ بد خواہ پدر می بینم

ترجمہ: بیٹیوں کی ماں سے جنگ ہے اور بیٹوں کی باپ سے لڑائی ہے۔

مسئلہ: آیت میں کفار و فساق کی صحبت سے روکا گیا ہے اور صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ صحبت و رفاقت کو طبائع سے گہرا تعلق ہے اس لیے کہ طبائع جذاب اور امراض اثر انداز ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: لا تساکنوا المشرکین ولا تجامعوھم فمن ساکنھم او جامعھم فھو منھم ولیس منّا۔

(مشرکین کو اپنے ہاں مت ٹھہراؤ اور ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ جو ان کے ساتھ بیٹھتا اٹھتا ہے، وُہ ہم سے نہیں)

ف: مشرکین (ایسے ہی جملہ بد مذاہب) کے ساتھ ایک ہی گھر میں نہ ٹھہرو اور نہ ہی ان کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھو تاکہ ان کے اخلاقِ خبیثہ و عاداتِ قبیحہ کے اثرات تمہارے اندر گھس نہ جائیں ؎

بادچوں بر فضائے بد بگزرد بُوئے بدگیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ: جب ہوا گندی فضا سے گزرتی ہے تو خبیث ہوا سے گندی بُو لے کر گزرتی ہے۔

بیمار قلب کا علاج

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بیمار دل کے لیے پانچ دوائیاں ہیں:

(۱) تدبر کے ساتھ تلاوتِ قرآن

(۲) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔

(۳) رات کے وقت نوافل میں قیام

(۴) سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری

(۵) نیک لوگوں کی صحبت و رفاقت (کذا فی البستان) ؎

۱ پے نیک مردان بباید شتافت
که هر که این سعادت طلب کرد یافت

۲ ولیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم که در صالحان کے رسی

ترجمہ: (۱) نیک لوگوں کی سیرت طلب کرو جو ایسی سعادت طلب کرے گا اسے پالے گا۔

(۲) لیکن تُو تو کم بخت شیطان کے پیچھے پھر رہا ہے نہ معلوم تو کب نیک لوگوں میں پہنچے گا۔

یٰبُنَیَّ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے انعم (لبضم العین) سے فرمایا: اے میرے بیٹے!

ف: الارشاد میں ہے کہ یہاں سے حضرت لقمان کی وصایا کے بقایا کا آغاز ہوتا ہے جبکہ پہلے شرک سے منع فرمایا اور جملہ معترضہ میں چند تاکیدیں کر کے فرمایا:

اِنَّھَا بے شک بُری خصلت یا اس سے ماں باپ کا احسان مراد ہے۔

ف: حضرت مقاتل نے فرمایا کہ حضرت لقمان کے بیٹے نے اپنے والدِ گرامی سے عرض کی کہ اباجی! اگر میں چھپ کر بُرائی کروں تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کیسے جان سکے گا! اس کے رد میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

اے بیٹے! اِنْ تَكُ یہ دراصل تکونُ تھا واؤ کو اجتماع الساکنین کی وجہ سے گرا دیا گیا اور نون حرفِ شرط کی وجہ سے ساکن ہے اس لیے ہم نے دو ساکنوں کا نام لیا اور پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیفاً نون حذف کر دیا گیا لیکن یہ صرف نون کان کے ساتھ خاص ہے اسی لیے ہر نون کو حذف نہیں کر دیا جاتا یہی وجہ ہے لم یکن ولم یصن میں محذوف نہیں ہوتا یہی کان کا نون جب کسی ساکن کے ساتھ متصل ہوگا تو نون واپس آجائے گا اور متحرک ہوگا، مثلاً لم یکن الذین (الآیۃ)

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ - مثقال وہ شے جس سے کسی شے کا وزن کیا جائے۔ یہ الثقل سے مشتق ہے۔ ہر وزن والی شے کو مثقال کہا جاتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ مثقال ہر وہ شے جو دوسری شے کے وزن میں برابر ہو۔ لیکن اب دنیا کی مقدار میں مستعمل ہے۔

الحبّہ بمعنے دانہ - خردل مشہور دانہ ہے (یعنی رائی کا دانہ)

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جن مقداروں سے اشیاء کی معمولی مقداریں وزن کی جاتی ہیں، مثلاً رائی کا دانہ جو مقداروں میں سب سے گھٹیا درجے کا ہے فَتَكُنْ وہ باوجود اپنی ادنیٰ مقدار کے ہوتی صَخْرَةٍ پہاڑ میں۔ صخر بمعنے سخت پتھر۔ یعنی وہ رائی کے دانہ کے برابر کی شے کسی بھی پوشیدہ ترین اور محفوظ ترین جگہ میں ہو، مثلاً کسی بھی سخت ترین پتھر کے اندر رہو۔

ف : حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صخر جملہ مرکبہ اشیاٗ سے سخت تر اور اپنے اندر والی شے کو باہر نکالنے سے بہت زیادہ مانع ہو۔ اور صخرہ سے بھی ہر صخرہ (پتھر) مراد ہے، جو بھی ہو کیونکہ نکرہ ہے (اور نکرہ سے عام مراد ہوتا ہے)

اعجوبہ زمین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین مچھلی پر اور مچھلی پانی پر اور پانی صفاۃ پر اور صفاۃ فرشتے کی پیٹھ پر اور فرشتہ صخرہ (پتھر) پر ہے اور جس پتھر کا ذکر حضرت لقمان (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے وہ نہ آسمانوں میں ہے نہ زمینوں میں۔ (التکملہ)

اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ یا آسمانوں میں یا ان کے ماوراٗ میں۔ بعض تفاسیر میں ہے اس سے عالم علوی یعنی آسمانوں کا محدب مراد ہے اَوْ فِي الْاَرْضِ یا زمین کے طول و عرض میں۔ بعض تفاسیر میں ہے اس سے عالم سفلی یعنی زمین کا مقعر مراد ہے يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اسے اللہ تعالیٰ لائے گا اور اس سے حساب لے گا کیونکہ جو بھی ذرہ برابر بھلائی کرتا ہے اسے دیکھے گا ایسے ہی جو ذرہ برابر برائی کرتا ہے دیکھ لے گا۔ اس معنیٰ پر باٗ تعدیہ کی ہے۔

ف : حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں لکھا کہ انہا میں ضمیر قصہ کی ہے۔ اور حبّۃ مرفوع ہے جیسا کہ امام نافع کی قرأت میں ہے۔ اس معنیٰ پر کان تامہ ہے اور انہا کی ضمیر مونث بوجہ اضافت مثقال الیٰ حبۃ کے یأت بہا اللہ میں دانہ لانا غذا کے لیے ہوگا اِنَّ اللّٰهَ یہ لقمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے بیشک اللہ تعالیٰ لَطِيْفٌ لطیف ہے اس کا علم ہر خفی کو محیط ہے کیونکہ لطیف کا ایک معنیٰ عالم بخفیات الامور بھی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ وہ عالم بخفیات الامور ہے تو وہ خود کو ہر حال میں اس کے

آگاہی کے پیشِ نظر برائیوں سے بچائے گا اور اسے یقین ہو گا کہ جو امور مجھے معلوم نہیں ان کا عالم اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ : ؎

بر و علم یک ذرّہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ : اس کے علم کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں کیونکہ ظاہر اور پنہاں اس کے نزدیک یکساں ہیں۔

خَبِیْرٌ ○ وُہ ہر شے کی کُنہ کو جانتا ہے۔ شرح حزب البحر میں ہے کہ خبیر وُہ ہے جو ان دقائق کو جانے جن تک سوائے اس کے کسی کی رسائی نہ ہو۔ اور جس کا عقیدہ ہو گا کہ وہ خبیر ہے تو وہ نہ ریا کرے گا اور نہ تصنّع اس کے ساتھ اخلاص کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ آسمان و زمین کی کوئی شے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ ضمائر کے اسرار اور خواطر کے بطون کو محیط ہے وہ ہر شے کا حساب لے گا خواہ وہ صخرۂ نفوس میں ہو یا سمائے ازواح میں یا ارض القلوب میں۔

ف : اس میں اہلِ مراقبہ کو تنبیہ اور نوادر خطرات و بطون الحرکات کی اطلاع کے لیے جھانکنے پر تحذیر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ میں ارزاق و اخلاصات انسانیہ و مواہب الٰہیہ کے مقسومات ازلیہ کی طرف اشارہ ہے اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ تا فِیْ صَخْرَةٍ میں صخرۂ عدم کی طرف اشارہ ہے اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ سے صورۃ و معنیٰ مراد ہے اَوْ فِی الْاَرْضِ سے بھی صورۃ و معنیٰ مراد ہے یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ مقسوماتِ ازلیہ میں جو بھی کسی کے مقدر میں ہے وہ صخرۂ عدم میں سے جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ لائے گا جو بھی کسی کی قسمت میں ہے اسباب سعادت یا شقاوت اسے نصیب ہو گا چاہے تو بندے کو بذریعہ اس کے کسب کے عطا کرے چاہے اس کے لیے ایسے ذرائع پیدا کر دے جس کی اسے خبر تک نہ ہو اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے لطیف و خبیر ہے جو بھی اس نے بندے کے لیے لطفِ ربوبیت سے مقدر فرمایا ہے اسے عطا فرمائے گا

سبق سالک پر لازم ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسا رکھے اور جو کچھ اس کے لیے مقدر فرمایا ہے اس کے کرم پر سہارا کرے۔ اور لازم ہے کہ وہ صرف اور صرف قیامِ عبودیت میں جد و جہد کرے۔

لقمان رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب بعض کتب میں ہے کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کا یہ آخری کلمہ تھا جو بیٹے کو کہتے ہوئے اس کلمے کی ہیبت سے ان کا جگر پھٹ گیا اور وُہ اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ مقام ہیبت کا حضور مقربین کے صفات سے ہے سیدنا ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینے سے ہنڈیا کے اُبلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ بھی ہیبت کے استیلاء سے تھا۔ ایسے جوش (سینہ) کو صوفیہ کی اصطلاح میں بُرہان الصدر کہا جاتا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبۂ اکملیت میں حاصل تھا۔ ہم جیسوں پر تعجب اور افسوس ہے کہ ہم ایسے مرتبے سے محروم ہیں کیوں نہ ہوں جب ہمارے وعظ اثر نہیں کرتے ہمارے قلوب الفاظ کے معانی حاصل نہیں کرتے یہ سب غفلت ونسیان وکثرتِ نسیان کا نتیجہ ہے ؎

تا نیابی رتبۂ لقمان را
آتشِ ہیبت نسوزد جان را

جانِ عاشق ہمچو پروانہ بود
نزدِ شمع آید اگر سوزان شود

ترجمہ: جب تک رتبۂ لقمان نہ پاؤ گے آتشِ ہیبت جان کو نہ جلائے گی۔ عاشق کی جان پروانے کی طرح ہے جیسے وہ شمع کے قریب پہنچتا ہے تو جل جاتا ہے۔

وصایائے لقمان رضی اللہ عنہ کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹے! بڑے قلعوں (بلند وبالا کوٹھیوں) میں نہ جایا کرو اس لیے کہ اس سے دنیا کی رغبت اور آخرت سے غفلت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اے بیٹے! اگر آخرت کی سعادت چاہتے ہو تو دنیا سے کنارہ کشی کرو اور جنازے میں شریک ہو کر کچھ دُور اس کے ساتھ جایا کرو اور موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور دُنیا میں یُوں گزارو کہ تمہاری نظروں میں عیال وبال محسوس ہو دنیا سے اتنا لے جس سے صرف گزارہ ہو سکے۔ زاید از ضرورت کو ہاتھ مت لگا اور عورتوں سے حتی الامکان دُور رہو بالخصوص بُری عورتوں سے، کیونکہ بُری عورتیں شیطان کے دامِ تزویر اور فتنہ کی اسباب ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اے میرے بیٹے! نماز قایم کر، کیونکہ یہ اکمل العبادات ہے، اور نفس کی علم واعتقادیات کے بعد من حیث العمل تکمیل اسی سے ہوتی ہے اس لیے کہ شرک سے روکنے میں اعتقادیات کے متعلق وصیت پہلے گزر چکی ہے اب عمل میں مکمل ترین عبادت کا بیان فرمایا ہے۔ اور شرک سے بچنا اور اعتقاد میں راسخ ہونا ہر انسان پر واجب ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے بیٹے! نماز پر مداومت کر۔ مداومت سے مراد یہ ہے کہ فحشاء ومنکر سے بچا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا ایک وصف یہ بتایا ہے،

کہ وہ فحشاء و منکر سے روکتی ہے۔ جو ان دونوں سے بچتا ہے وہ گویا نماز میں ہے اگرچہ نماز کی ظاہری ہیئت پہ نہ بھی ہو۔ اور جو ان سے نہیں بچتا وہ چاہے نماز ادا کرتا بھی ہو نماز سے محروم سمجھا جائے گا۔

لقمان رضی اللہ عنہ کی وصیتیں حضرت لقمان کی وہ وصیتیں جو کشف الاسرار میں ہیں، سے ایک یہ ہے: بیٹے! روزہ یوں رکھو کہ اس سے شہوات کم ہوں نہ کہ قوت کا خاتمہ، اور ضعف ہو تو ضعف سے نماز ادا نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز روزے سے بہتر ہے اس لیے کہ روزہ صرف طبیعت کی اصلاح کرتا اور اخلاق کو سنوارتا ہے اور نماز نفس کی اصلاح کرتی ہے اور نفس ہی تو ہر شر کا ماویٰ اور ہر خواہش کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطل معبودوں میں سے مبغوض ترین معبود خواہشات ہیں جن کی پرستش کی جائے۔

تفسیر عالمانہ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ اور اس امر کا حکم دے جو شرعاً مستحسن ہو اور عبد کو مولا سے ملانے والا ہو وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور اس برائی سے روک جو شرعاً و عقلاً قبیح ہو تاکہ تم دوسروں کو کامل بنا سکو اور حقیقت میں نہی وہ ہے کہ بندے کو ایسے امر سے روکا جائے جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنے وَاصْبِرْ وہ امر جس سے رکنے کے لیے شرع و عقل کا تقاضا ہے۔ نفس کو روکنے کا نام صبر ہے عَلٰى مَا اَصَابَكَ اور صبر کیجیے مصائب پر۔ شدائد و محن میں سے جیسے امراض و فقر اور غم و ہم بالخصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وقت جو لوگوں کی طرف سے پہنچیں۔ مثلاً تم کسی کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو تو وہ تمہیں اذیت پہنچائے اِنَّ ذٰلِكَ بیشک وصایا مذکورہ یعنی امر و نہی اور صبر مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ پختہ امور سے ہیں۔

حلِ لغات عزم و عزیمت، کام جاری کرنے پر دل کی پختگی، اور عزم الامور سے وہ امور مراد ہیں جن میں شبہ نہ آسکے اور نہ ہی انہیں شک روک سکے۔

عصر کی چار رکعت سنت کی فضیلت حدیث شریف میں ہے: من صلی قبل العصر اربعا غفر اللہ له مغفرة عزما۔

(جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے یقیناً بخش دے گا)

ف: عزمًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچا اور پختہ ہے۔

دعائے نبوی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے: اسئلك عزائم مغفرتك۔

(اے اللہ ! میں تیری پختہ مغفرت کا سوال کرتا ہوں)

ف : یعنی مجھے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن سے ان کے عامل کی یقینی بخشش ہو۔ یہاں عزم مصدر بمعنے معزوم (مفعول) ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے معزومات الامور یعنی اس کے وہ امور جو قطعی ہیں یعنی جن کا اللہ تعالےٰ نے حتمی طور پر ارادہ فرمایا ہے کہ یہ ہوگا۔ اور اپنے بندوں کو قطعی اور حتمی طور پر حکم فرمایا ہے کہ وہ امور ہونے چاہئیں۔

ف : نیز یہاں عزم بمعنے عازم یعنی مصدر بمعنے فاعل بھی ہوسکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ عازمات الامور یعنی وہ امور جو واجب و لازم ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے ؛ عزم الامر بمعنے جدّہٗ .. (اس کی کوشش کی)

ف : یہاں سے معلوم ہُوا کہ سابقہ اُمم میں بھی عبادات کو اہمیت حاصل تھی اور اس امت کے لیے بتایا گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں۔ اور اس میں یہ ہے کہ جو کچھ تکلیف اس میں پہنچے اس پہ صبر کرنا چاہیے اور اس سے صرف اور صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ جو کچھ اس میں تکلیف درپیش ہو تو سمجھے یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

اس سے ثابت ہوا کہ بلا و محنت محبت کے لوازم سے ہے۔ مرید صادق پر لازم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف از راہِ ابتلاءً مصیبت پہنچے یا دشمنوں سے ظاہراً و باطناً تکلیف و اذیت پہنچے یا ظاہری بھوک ستائے یا باطنی بھوک پریشان کرے۔ مثلاً کشوف و مشاہدات (جو قلب کی غذا ہیں) کی قلّت ہو یا نفس الاموال و الانفس درپیش ہو مثلاً جانی جُدا ہوجائیں، آل اولاد سے مفارقت ہو اور دوست احباب اور بہن بھائی اور دیگر اعزّہ و اقارب جُدائی ڈال دیں یا کھیتی اور باغات کے ثمرات کم ہوجائیں تو صبر کرے۔ ثمرات سے مجاہدات کے ثمرات مراد ہیں اور ایسے احوال پہ صابرین کو خوشخبری دو کہ ان پہ ان کے پروردگار سے صلوات اور رحمت ہے۔ وہی حضرتِ حق کی طرف ہدایت پانے والے ہیں۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی عجیب و غریب کہانی

کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت لقمان کی وصیتوں میں سے ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا ؛ جو محمود و مکروہ تیرے پیش آئے تو عقیدہ رکھنا کہ اس میں تیری بھلائی ہے۔

صاحبزادے نے کہا : اس وصیت کی پابندی کا میں معاہدہ نہیں کرتا جب تک اس کا مشاہدہ نہ ہو۔

حضرت لقمان نے فرمایا کہ میں از خود نہیں فرماتا حضرت پیغمبر علیہ السلام سے میں نے سنا تھا ان کی خدمت میں چلتے ہیں جیسے وہ فرمائیں گے اس پر کاربند رہنا ہوگا۔ وہ دونوں پیغمبر علیہ السلام کے شہر کی طرف گھوڑے پر سوار ہوکر زادِ راہ لے کر چل پڑے۔ سارا دن چلتے رہے۔ سخت گرمی تھی۔ شام تک زادِ راہ ختم ہوگیا اور گھوڑا بھی مرگیا۔

اب بجائے سواری کے پیدل چل پڑے۔ دُور سے لقمان رضی اللہ عنہ نے شہر سے دُھواں نکلتا دیکھا اور شہر کے آثار نظر آئے تو تیز قدم اٹھائے تاکہ جلد پہنچ جائیں۔ لیکن اچانک صاحبزادے کے پاؤں میں ایسا پتھر چُبھ گیا کہ چلنے سے عاجز ہوگیا بلکہ زخم سے خُون جاری ہوگیا اور بیہوشی سے گر پڑا۔ حضرت لقمان نے پاؤں سے پتھر نکالا اور عمامہ پھاڑ کر زخم پر باندھا۔ دیکھ کر بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور صاحبزادے کے چہرے پر آنسو گرے تو صاحبزادے نے آنکھ کھول کر عرض کی ؛ مجھے تو صبر کی وصیّت فرماتے ہیں اور خود رو رہے ہیں اور فرماتے تھے کہ ہر دُکھ اور تکلیف میں خیر و بھلائی ہوتی ہے۔ اب آپ نے دیکھ لیا ہمیں کون سی بھلائی ملی۔ زادِ راہ ختم ہوگیا اور یہاں ویرانے میں ہم دونوں حیران و سرگرداں ہیں۔ اگر مجھے اکیلا چھوڑ کر جاتے ہو تو میرا غم آپ کو ہمیشہ ستاتا رہے گا۔ اگر بیٹھتے ہو تو ہم دونوں یہاں سِسک سِسک کر مرجائیں گے۔ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا : بیٹے! میرا رونا صرف شفقتِ پدری سے ہے اگر میں تجھ پر تمام دنیا فدا کروں بلکہ اپنی جان بھی دے دوں تو بھی روا ہے کیونکہ شفقتِ پدری کا تقاضا یہی ہے۔ باقی رہا تیرا سوال کہ اس میں ہماری کون سی خیر و بھلائی ہے تو وہ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ جس مصیبت میں ہم مبتلا ہوئے ہیں اس سے بڑھ کر ہمیں مبتلا ہونا لکھا ہوگا جس سے آسان بلا میں مبتلا ہوئے۔ ممکن ہے اس سے زاید مصیبت کے ہم حامل نہیں ہو سکتے۔ یہی بات ہو رہی تھی کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس سے قبل جو ہمیں دُور سے شہر کے آثار نظر آئے اور وہاں سے دُھواں نکلتا محسوس ہُوا وُہ کہاں گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ اندریں اثناء اچانک ایک نوجوان گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرا اور فرمایا، آپ ہی لقمان ہیں؟ آپ نے کہا : ہاں۔ پھر پُوچھا : آپ ہی حکیم ہیں؟ کہا : ہاں۔ اس نے کہا، آپ کا بیٹا ناسمجھ ہے جو کچھ کہتا ہے غلط ہے اسے یقین نہیں آ رہا کہ انسان پر جو مصیبت آتی ہے اس میں اس کی بھلائی ہوتی ہے یا بڑی مصیبت سے اسے بچا کر آسان مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے تمہارے لیے یہ آسان مصیبت ہے کیونکہ اگر تم شہر تک اس سے قبل پہنچ جاتے تو دُوسروں کی طرح تم بھی زمین میں دھنس جاتے۔ یہ سُن کر حضرت لقمان رضی اللہ عنہ بیٹے سے مخاطب ہُوئے اور فرمایا : بیٹے دیکھ اور سُن لیا۔ بہر حال جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے لیے خیر و بھلائی ہوتی ہے۔ پھر دونوں چل دئے۔

ملفوظِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شام کو سوتے وقت مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کل کیا ہوگا۔ بھلائی برائی جو بھی ہوگی اس میں میری بھلائی ہوگی۔ کیونکہ ہمیں کیا خبر کہ بھلائی کس امر میں ہے۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا ارشادِ گرامی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے اس بندے سے آگاہی بخشی جائے جو دنیا میں

بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص جو بذریعہ استخارہ مجھ سے بھلائی کا خواہاں ہوتا ہے وہ میری تقدیر اور حکم پر راضی نہیں۔ حضرت صائب نے فرمایا: ؎

چو سرو در مقام رضا ایستادہ ام
آسودہ خاطرم ز بہار و خزان خویش

ترجمہ: میں سرو کی طرح مقامِ رضا میں کھڑا ہوں بہار و خزاں دونوں موسموں سے خوش ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے لیے چہرے کو نہ پھیرئے۔

حل لغات: تصعّر بمعنے التواء و میل (جھکنا) یعنی گردن کا خلقۃً یا بوجہ بیماری کے جھکنا یا بوجہ تکبر کے انسان اور اونٹ کا گردن پھیرنا۔ التصعیر بمعنے تکبر سے کسی سے آنکھ پھیر لینا۔ اور تاج المصادر میں ہے، تصعیر بمعنے تکبر سے منہ پھیرنا۔ خد بمعنے ناک کے دائیں بائیں چہرے کا حصہ یا موخر العینین سے لے کر منتہی الشدق یا مجر (ٹھوڑی) سے لحی (ڈاڑھی کی ہڈی) کے آخری حصے تک۔ کما فی القاموس

اب معنی یہ ہوا کہ سلام و کلام اور ملاقات کے وقت بطور تواضع اپنا پورا چہرہ مبارک لوگوں کے سامنے لائیے ان سے چہرہ مبارک نہ ہٹائیے اور نہ ہی اس کا کچھ حصہ چھپائیے۔ متکبرین کی عادت ہوتی ہے کہ لوگوں کو ایسے ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور فقراء و مساکین کو غصہ سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ تمہارے ہاں غنی و فقیر دونوں یکساں ہوں۔ اسی کا نام حُسنِ معاملہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ تکبر و تجبر کے طور اپنا چہرہ نہ پھیر اس عجب سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر واردات مفتوح فرمائے ہیں ایک لحظہ میں وہ سرمایہ برباد کر دے گا جو تو مدتوں تک اس کی اصلاح میں لگاتا رہا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ببال و پر مرو از راہ کہ تیر پرتابے
ہوا گرفت زمانے و لے بخاک نشست

ترجمہ: بال و پر سے راہ سے نہ ہٹ اس لیے کہ بڑی آب و تاب سے جانے والے تیر کو ہوا ہٹا کر نیچے بٹھا دیتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا اور زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل۔

حل لغات: المرح بمعنے بہت زیادہ اِترانا۔ اور وہ خفت جو نعمت سے حاصل ہو۔

یعنی اِترانا اور اکڑتا ہوا نہ چل جب کہ تمہیں حد سے زیادہ خوشی اور فرحت اور عجب و خفت حاصل ہو۔

یعنی ان لوگوں کی طرح نہ چل جو اتراتے ہوئے چلتے ہیں جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے لوگ چلتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی دینی و دنیوی مصلحت نہ ہو۔ یعنی جاہلوں اور دنیا پرست لوگوں کی طرح نہ چل اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ ۔ الاختیال والخیلاء بمعنے تکبّر یعنی خود کو بہت بڑا سمجھنے والے کو مختال کہا جاتا ہے۔ الخیل اسی سے ہے جیسے مشہور ہے کہ جو بھی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے وہ اپنے میں کبر اور بڑائی پاتا ہے[1] اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ تکبّر کی چال چلنے والے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ انسان جو چلتے وقت متکبرانہ چال چلتا ہے۔ یہ لا تمش مرحا کے لیے ہے فَخُوْرٍ ۚ یہ لا تصعر خدک کے لیے ہے۔ اس کو مؤخر لانا بوجہ فواصل کے ہے۔ الفخر بمعنے خارجی اشیاء پر فخر و ناز کرنا جیسے مال و جاہ۔ اور فخور وہ ہے جو فخر و ناز کے طور ان اشیاء کو اپنے لیے مناقب تصوّر کرے اور جس کے پاس نہ ہوں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسبابِ تنعم سے لوگوں پر ناز کرتے ہُوئے فخر کرنے والا۔

حدیث شریف میں ہے ؛ خرج رجل يتبختر في الجاهلية عليه حلة فامر الله الارض فاخذته فهو يتجلجل فيها الى يوم القيامة۔

(زمانۂ جاہلیت میں پوشاک پہن کر ایک شخص فخر و ناز سے چلتا تھا اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا کہ اسے پکڑ لے۔ چنانچہ وہ قیامت تک زمین میں دھنسا جا رہا ہے) ؎

چو صبیان مباز و چو صنوان مناز
برو مرد حق شو ز روے نیاز

ترجمہ : بچوں کی طرف کھیل کود نہ کر اور نہ ہی عورتوں کی طرح ناز نخرے کر۔ نیاز دعا جزی کر کے مردِ حق آگاہ ہو۔

نکتہ : بعض حکماء نے فرمایا اگر تمہیں گھوڑے پر ناز ہے تو غلط ہے کیونکہ یہ حسن و رونق گھوڑے کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر تجھے کپڑوں اور آلات پر فخر ہے تو بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ حسن و خوبی کپڑوں اور آلات کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر تجھے آباؤ اجداد کی بزرگی کی وجہ سے فخر و ناز ہے تو بے سُود ہے۔ ایسا کمال پیدا کر جو تیرا اپنا

---

[1] جیسے آج کل موٹر کار کے سوار کا حال ہوتا ہے الّا من شاء اللہ۔ ورنہ عموماً یونہی ہوتا ہے، ایسے ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے والا، وغیرہ۔ یعنی ہر وہ سواری جس سے عوام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کا احتمال ہو۔ اللّٰھم احفظنا من ہذہ البلاد۔ آمین اویسی غفرلہٗ

ہو۔ اگر یہ چیزیں بولنا جانتی ہوتیں تو تجھے کہتیں کہ ہماری وجہ سے تیرا فخر و ناز کیسا! یہ حُسن وخوبی تو ہماری ہے نہ کہ تیری۔

سبق: اسی لیے لازم ہے کہ تم ایسی چیز فخر و ناز کرو جو تمہارے اندر ہو نہ کہ ان اشیاء پر جو تم سے علیحدہ ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قلندران حقیقت بنیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: حقیقی قلندروں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ جَو کے برابر بھی اس کی اطلسی قبا کو نہیں لیتے جو ہنر سے خالی ہو۔

درسِ عبرت اگر تجھے دنیا کی کوئی شے پسند آئے تو اپنی فنا اور اس کی بقا یا اپنی بقا اور اس کے زوال یا اپنی اور اس کی دونوں کی فنا کو یاد کر۔ اگر کوئی شے تجھے تعجب میں ڈالے اور وہ تیری ملکیت ہے تو یہ خیال کرلے کہ وہ عنقریب تیرے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور نہ معلوم پھر تیرے ہاتھ لگے یا نہ لگے۔ لیکن یاد رکھ اس کا حساب دیر تک دینا ہوگا۔ یہ اس وقت ہے جب تیرا اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان ہے ؎

انما الدنیا کرؤیا فرّحت

من رآھا ساعۃ ثم انقضت

ترجمہ: دنیا اس خواب کی طرح ہے جو نظر آئے تو خوش کردے لیکن دیکھنے والے نے ایک ساعت وہ فرحت دیکھی تو جاگتے ہی ختم ہوگئی۔

تفسیرِ عالمانہ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ اور چلنے میں درمیانی چال چلو۔

حلِ لغات: القصد افراط وتفریط کی نقیض ہے۔

اب معنی یہ ہُوا کہ اکڑنے سے ہٹ کر چلنے میں میانہ رو ہو، نہ نہایت کمزور چیونٹی کی رفتار میں نہ دوڑنے کی حد میں۔ یعنی ان زاہدین کی طرح نہ چلو جو کثرتِ ریاضت وعبادات کی وجہ سے چلنے میں ضعف ظاہر کرتے ہیں گویا وُہ مُردے ہیں۔ وہ اس طرح ریاء کے ارادہ پر چلتے ہیں اسی لیے ان کی تمام کارروائی بیکار ہوتی ہے اور نہ ہی شاطروں عیاروں کی طرح دوڑو سکینہ و وقار کو لازم پکڑو۔

حدیث شریف میں ہے:

سرعۃ المشی تذھب بھاء المؤمن۔

(تیز رفتاری مومن کا وقار لے جاتی ہے)

سوال: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آدمی چلے تو تیزی کرے۔

جواب: ان کی مراد وہ تیز رفتاری نہیں جو معروف ہے بلکہ آپ کی مراد یہ ہے کہ چلنے میں سستی نہ کرے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ شیطان کے بنو آدم پر دو حملے مشہور ہیں۔ وہ کسی ایک سے اس پر فتح یاب ہو جاتا ہے افراط و تفریط سے۔ کیونکہ افراط و تفریط سے کمی بیشی کر کے شیطان انسان پر غالب ہوتا ہے اور یہ دو حملے ہر قول و فعل (بلکہ ہر شے) میں ہوتے ہیں۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط

حل لغات: غض صوته و غض بصره عربی میں مشہور محاورہ ہے۔ بمعنے اس نے آواز اور آنکھ کو نیچا رکھا۔ المفردات میں ہے:

الغض بمعنے آنکھ و صوت (آواز) میں کمی۔

اب معنیٰ یہ ہوا نیچی رکھئے آواز۔ الصوت دو جسموں کے ٹکرانے سے ہوا کا مل کر خارج ہونا۔

ف: بعض نے کہا کہ وہ ہوا جو انسان سے خارج ہوا اگر طبع کے دفع کرنے سے ہو تو اس کا نام نفس (بفتح الفاء) ہے اگر بالارادہ ہو اور اسے دو جسموں کے تصادم کا تموّج عارضی ہو تو اسے صوت کہتے ہیں اور جب اسبابِ معلومہ سے آواز کی کیفیات مخصوص عارضی ہوں تو انہیں حروف کہا جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آواز کو کم کیجئے اور گھٹائیے محلِ کلام و خطاب میں نیچا رکھئے بالخصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعا و مناجات میں۔

ف: انجیل میں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو فرمایا:

اے عیسیٰ (علیہ السلام)! میرے بندوں کو فرمائیے کہ جب وہ مجھے پکاریں تو آواز نیچی رکھیں کیونکہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے میں اسے جانتا اور سنتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آواز پست رکھو، نہ فریاد کرو نہ نعرہ مارو اور نہ زبان درازی کرو اور نہ سخت گوئی کرو۔

مسئلہ: اس سے دشمن وغیرہ کو ڈرانا یا اس جیسے اور امور میں بلند آواز کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: محمد بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حکماء نے شاہانِ وقت کو اپنی گفتگو میں آواز سخت اور بلند کرنے کو جائز رکھا ہے تاکہ سامعین پر ہیبت اور ان کے دلوں پر زیادہ اثر ہو۔ (العقد الفرید)

مسئلہ: الخلاصہ میں ہے امام کو ضرورت سے زائد آواز سے نہیں پڑھنا چاہئے ورنہ گنہگار ہوگا۔ کما فی الکشف۔

ف: اسائۃ کراہت سے زیادہ فاحش ہے۔

ف: مؤذنین کو تبلیغ تکبیر کے لیے آواز بلند کرنا جائز ہے تاکہ پیچھے والوں کو امام کی نقل وحرکت کا علم ہو اس لیے کہ اس میں نفع ہے بخلاف اس کے کہ خود امام کی آواز بہ تکلّف پیچھے والوں کو پہنچ جائے کیونکہ یہ بدعت منکرہ (سیئہ) ہے بالاتفاق ائمہ اربعہ یہاں منکرہ سے مکروہہ (بدعت مکروہہ) مراد ہے۔ کما فی انسان العیون

مسئلہ: انوار المشارق المختار میں ہے، اخیار کے نزدیک نماز میں تکبیر وغیرہ کے وقت آواز بلند کرنا اور مبالغہ اور زور لگانا مکروہ ہے۔ اس میں درمیانی چال یعنی جہر واخفا کے درمیان آواز نکالنا مستحسن ہے کیونکہ اس میں تفرع و تذلل مطلوب ہے اور ایسی عاجزی کہ اس میں ریاء کا شائبہ نہ ہو تو جائز ہے، مکروہ نہیں بالاتفاق العلماء۔

تطبیق بین الجہر والخفاء امام نووی رحمہ اللہ نے ان روایات کے بارے میں جو ذکرِ جہر وخفاء کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ جہاں ریاء کاری اور نمازیوں کی اذیت اور نیند والوں کی تکلیف کا شائبہ ہو وہاں ذکر آہستہ کرنا مستحب ہے ورنہ ذکر بالجہر افضل ہے اس لیے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے تو ثواب بھی زیادہ۔ وہ اس لیے کہ ذکر بالجہر سے سامعین کو سننے کا ثواب ہوگا۔ اس سے قلب بیدار رہتا ہے اور اس سے فکر کی ہمت جمع ہوتی ہے اور سمع متوجہ ہوتی ہے اور نیند ہٹتی ہے اور خوشی بڑھتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے کہتے:
لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر[2]

حکایت حجاج نے اپنے جلیسوں سے پوچھا کہ سب سے رقیق آواز کس کی ہے۔ کسی نے کہا، وہ قاری جو رات کو اُٹھ کر تلاوتِ قرآن کرتا اور نوافل پڑھتا ہے اس کی آواز مجھے بھلی لگتی ہے۔ حجاج نے کہا: خوب۔ دوسرے نے کہا، وہ آواز مجھے بھلی محسوس ہوتی ہے کہ میری عورت وضع حمل میں مبتلا ہو اور میں صبح کی نماز کے لیے گنگناتا ہُوا مسجد میں جاؤں پھر مجھے کوئی خوشخبری دے کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ حجاج نے کہا: خوب۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی نے کہا: بخدا مجھے تو وہ آواز اچھی لگتی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہو اور ادھر دسترخوانوں سے کھانے کی تھالیوں کی آواز کان میں پہنچے۔ حجاج نے کہا: اے تمیمو! تم ہمیشہ کھانے کی محبت میں رہتے ہو۔

---

[1] اس سے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے امام کی آواز پہنچانے والوں کے لیے عبرت کا موقعہ ہے۔
[2] اسی سے ہمارے اہلسنّت نماز کے بعد ذکر اور درود شریف پڑھنے کا اثبات کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ بے شک سب سے زیادہ پُر وحشت اور قبیح ترین آواز وُہ ہے جس سے عقل صحیح کو انکار ہو اور اس کے قبیح کا فتویٰ دے لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۞ گدھے کی آواز ہے۔ حمیر، حمار کی جمع ہے۔ بعض نے حمار کو اسی لیے حمار کہا ہے کہ اس میں شدت ہے۔ یہ طعنۃ حمراء سے ہے بمعنے شدت شدیدہ۔ اور کہا جاتا ہے: حمارۃ القیظ بمعنے اس کی شدّت۔

سوال: حمار، حمیر کی جمع ہے تو صوت کو بھی جمع ہونا چاہیے۔

جواب: یہاں ہر ایک گدھے کی علٰحدہ علٰحدہ آواز کا اظہار مطلوب نہیں کہ اسے جمع لایا جائے بلکہ یہاں اسی جنس کی آواز کا اظہار مطلوب ہے کہ تمام دوسری اجناس سے گدھے کی آواز وحشت ناک ہے۔

ف: ابو اللیث نے فرمایا کہ چونکہ عرب میں گدھے کی آواز معروف ہے بلکہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ گدھے کی آواز وحشت ناک ہے۔ اگرچہ بعض اور حیوانات کی آواز اس سے بھی بدتر ہے لیکن ضرب المثل گدھے کی آواز ہے اور لوگوں میں بھی یہی مشہور ہے کیونکہ اس کی پہلی آواز باریک اور آخر میں بھاری ہو جاتی ہے۔ اور یہی آواز جہنمیوں کی ہو گی جسے سن کر وحشت ہو گی اور اس سے کلی طور پر نفرت ہو گی۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب لوگ باہم گفتگو کریں تو ان میں سب سے زیادہ قبیح اور وحشت ناک آواز اس کی ہے جو گدھے کی سی آواز نکالتا ہے۔ وہ ایسے اُونچی آواز سے بولتا ہے جیسے گدھا۔ اس میں حد سے زیادہ آواز نکالنے والے کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان کی آواز کو گدھے کی ڈِھیچوں ڈھیچوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسے حرف تشبیہ سے خالی کر کے استعارہ کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ ان کی گدھے کی ڈھیچوں ڈھیچوں سی آواز سے ان کی مذمت میں مبالغہ اور زائد از حاجت بولنے سے زجر و توبیخ کی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسی گفتگو اللہ کے نزدیک نہایت مکروہ ہے۔ اسے کسی طور وہ پسند نہیں فرماتا۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اونچی آواز ہر طرح سے ناپسند ہے جیسے گدھے کی آواز باوجودیکہ وُہ اونچی ہے تاہم ہے ناگوار، اسے سُنتے ہی وحشت ہوتی ہے۔

شانِ نزول عین المعانی میں ہے کہ مشرکینِ عرب اونچا بولنے کو فخر سمجھتے تھے۔ اس آیت میں ان کے اس فخریہ طریقے کا رد فرمایا گیا ہے۔

ف: فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ صرف اونچی آواز کا رد نہیں بلکہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی جملہ وصیتوں میں جو امورِ قبیحہ ہیں اور انہیں فخر سے تعلق ہے سب کا رد ہے کیونکہ وُہ جملہ مذکور بالا کے مرتکب تھے مثلاً شرک و دیگر قبائح وُہ بدبخت برائیوں کے خوگر تھے اور نماز کا تو نام و نشان نہ تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو اُن سے کیا ہونا تھا اور مصائب کے وقت جزع فزع خُوب کرتے تھے۔

ف : گدھے کو ہمیشہ مذموم امور میں مثال کے طور بیان کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اس کی آواز کو۔ اسی لیے جب کنایہ کے طور بیان کیا جائے تو طویل الاذنین سے یاد کیا جاتا ہے۔

العجوبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : ہر آواز میں تسبیح الٰہی ہوتی ہے سوائے گدھے کی آواز کے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے اسی لیے اس کی آواز کو قرآن میں اسے منکر (انکر الاصوات) کہا گیا۔

حدیث شریف میں ہے:
اذا سمعتم نہاق الحمیر۔
(جب تم گدھے کی آواز سنو)
نُہاق بالضم بمعنے گدھے کی آواز۔
فتعوذوا باللہ من فضلہ فانہا رأت شیطانا واذا سمعتم صیاح الدیکۃ۔
(تو شیطان رجیم سے پناہ مانگو (کیونکہ وُہ شیطان کو دیکھ کر ڈھیچوں ڈھیچوں کرتا ہے) اور جب تم مرغ کی آواز سُنو)
الدیکہ بفتح الیاء دیک کی جمع ہے بمعنے مرغ۔
فاسئلوا اللہ من فضلہ فانہا رأت ملکا
(تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے)

اللہ والوں کی شان حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ محبوبانِ خدا کی محفل ومجلس میں نزولِ رحمت ہوتا ہے اسی لیے ان کے حضور میں دعا مانگنا مستحب[1] ہے اور اسی سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ بُروں کی مجلس ومحفل میں جانا غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ ایسی محافل ومجالس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ کما فی شرح المشارق لابن الملک۔

ف : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
یقطع الصلاۃ المرأۃ والحمار والکلب۔
(نماز کو قطع کرتی ہے عورت، گدھا اور کُتا)

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنّت والجماعت زندہ اولیاء کرام کے علاوہ اہلِ قبور کے ہاں حاضر ہوتے ہیں وہ ہیں تو قبور میں، مگر ہیں زندہ۔ اسی لیے وہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں سے دُعا مانگنا محبوب فعل ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ اکثر دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ اویسی غفرلہ

یعنی اس کے کمال قطع کرتی ہے اور ان کے نمازی کے آگے سے گزر جانے سے نماز کے کمال میں نقص آجاتا ہے عورت اس لیے کہ وہ انسان کی شہوت کا سرچشمہ ہے اور نمازی کے وسوسہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اس سے نماز کے فساد کا قوی امکان ہے۔ اور کلب (کتا) سے سیاہ کتا مراد ہے کیونکہ اسے حدیث شریف میں شیطان کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الکلب الاسود شیطان۔

(کالا کتا شیطان ہے)

اور اسے شیطان اس لیے فرمایا کہ یہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کاٹنے والا اور اخبث ہے۔ اس سے نفع کی اُمید بہت کم ہے اور یہ بہت زیادہ اُونگھتا ہے۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ شکار نہ کیا جائے (یعنی اسے شکاری نہ بنایا جائے۔ گدھا اس لیے (نماز کو قطع کرتا ہے) کہ جب نُوح علیہ السلام کی کشتی میں حیوانات بیٹھے تو شیطان گدھے کی دُم پکڑ کر کشتی میں گھُس گیا۔ علاوہ ازیں شیطان اکثر اوقات گدھے کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

نکتہ: گدھے کے شیطان کو دیکھنے میں راز یہی ہے (کہ وہ اکثر اس کے ساتھ رہتا ہے) ایسے ہی مرغ کا فرشتے کو دیکھنا، اس میں بھی راز یہی ہے کہ مُرغ کی آواز عرش کے مرغ فرشتے کی آواز کے تابع ہے۔ جیسا کہ بعض روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس معنیٰ پر فرشتہ اکثر حالات میں مُرغ کے ساتھ رہتا ہے اس سے بہت کم جدا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ان اللہ یبغض ثلاثہ اصواتہا نھقۃ الحمیر و نباح الکلب و الداعیۃ بالحرب۔

(اللہ تعالیٰ تین آوازوں کو ناپسند فرماتا ہے:

(۱) گدھے کی آواز

(۲) کتے کا بھونکنا

(۳) جنگ کا اعلان)

ف: حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: گدھے کی آواز کی انکریت کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بیکار جانور ہے کہ یا صرف کھانے پینے سے کام یا اجزائے شہوت کا خُوگر ہے یا پھر اپنے ہم جنس سے لڑنا جھگڑنا۔

"(فیہ ما فیہ مولانا رومی قدس سرہٗ)

ف : وہ آواز جو صفاتِ بہیمی سے ہو زشت تر سمجھی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آواز صاحبِ اخلاق روحانی وملکی سے ہو وہ خوب ترین آواز ہے۔ ایسے ہی نغمہائے عاشقانہ دلکش ہوتے ہیں کہ ان کے سننے سے روحانی اور قلبی سرور نصیب ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نرم آواز سے محبت کرتے تھے اور اونچی آواز سے کراہت فرماتے تھے۔

مسئلہ : اس سے چھینک کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ زور سے چھینکنا مکروہ ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ حتی الامکان آہستہ آواز سے چھینکنے کی کوشش کرے زور سے چھینکنا یا اس میں مختلف قسم کی آوازیں نکالنا جیسے عموماً طبیعت کے تقاضے سے بھی ہوتا ہے چھینکنا نہیں چاہیے۔ غلبہ حال سے ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اس شخص کی طرف اشارہ ہے جو بلا اجازت لسان معرفت میں بولتا ہے اور بے ہنگام بولتا ہے اور جو اس طرح کرتا ہے اس کی خیر نہیں ہوتی۔

وصایائے لقمان رضی اللہ عنہ حضرت لقمان نے صاحبزادے کو فرمایا کہ جب تم بندگانِ خدا پر قدرت رکھتے ہوئے سزا دینے پر آمادہ ہو تو پھر قدرتِ ایزدی کا تصور کرو کہ تم پر بھی کوئی قادر ہے وہ چاہے تو تمہیں بھی اسی قسم کی سزا دے سکتا ہے اور اپنے بندے کا تم سے بدلہ لے سکتا ہے۔ فلہذا اس کے انتقام کی فکر میں رہو کیونکہ وہ بہت بڑا منتقم ہے۔ ہاں گردن کشوں سے انصاف لے اور ظالموں کے ساتھ کینہ رکھ۔ یقین کرلے کہ مظلوم پر تیر اظلم چل تو جائے گا اور وہ اس کی تکلیف چند لمحات کے لیے اٹھائے گا لیکن اس کا عذاب وانتقام ربانی تیرے لیے ہمیشہ تیرے سر رہے گا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ شنیدم کہ لقمان سیہ فام بود
نہ تن پرور و نازک اندام بود

۲ یکے بندۂ خویش پنداشتش
ببغداد درکار گل داشتش

۳ بہ سالے سرائے بپر داختش
کس از بندۂ خواجہ نشاختش

۴ چو پیش آمدش بندۂ رفتہ باز
ز لقمانش آمد نہیبی فراز

۵ بہ پایش درافتاد و پوزش نمود
بخندید لقمان کہ پوزش چہ سود

۶ بسالے ز جورت جگر خون کنم
بیک ساعت از دل بدر چون کنم

۷ ولیکن ببخشایم اے نیک مرد
کہ سود تو ما را زیانے نکرد

۸ تو آباد کردی شبستان خویش.
مرا حکمت و معرفت گشت بیش.

۹ غلامیست درخیم اے نیک بخت
کہ فرمایش وقتہا کار سخت

۱۰ دگر رہ نیازارمش سخت دل
چو یاد آیدم سختئ کار گل

۱۱ ہر آنکس کہ جور بزرگاں نبرد
نسوزد دلش بر ضعیفاں خرد

۱۲ کہ از حاکماں سخت آید سخن
تو بر زیردستاں درشتی مکن

۱۳ مہا زورمندی مکن بر کہان
کہ بر یک نمط می نماند جہان

ترجمہ:(۱) میں نے سنا ہے کہ لقمان سیاہ شکل کے تھے نہ تن پرور تھے نہ نازک اندام۔
(۲) کسی نے آپ کو اپنا غلام سمجھ کر بغداد میں گارہ وغیرہ کے کام پر لگا دیا۔
(۳) ایک سال تک آپ اس کا مکان بناتے رہے کسی نے نہ پہچانا کہ یہ غلام ہیں یا آزاد۔
(۴) جب اس شخص کا بھاگا ہوا غلام واپس آگیا تو حضرت لقمان کو دیکھ کر اسے گھبراہٹ ہوئی۔
(۵) وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور معذرت چاہی۔ حضرت لقمان ہنس پڑے اور فرمایا اب معذرت کا کیا معنیٰ!
(۶) سال بھر میں تیرے ظلم سے جگر خون کرتا رہا اب صرف ایک منٹ میں اس درد کو کیسے باہر کروں۔
(۷) ہاں اے نیک بندے! میں نے تجھے معاف کر دیا کہ تیرے کام نے مجھے نقصان نہیں پہنچایا۔
(۸) تُو نے اپنا مکان بنایا لیکن اس سے میری حکمت و معرفت میں اضافہ ہوا ہے۔
(۹) میرا بھی ایک غلام ہے نیک بخت، میں اسے بہت سخت کام میں لگاتا تھا۔

(۱۰) اب میں اس کا دل نہ دکھاؤں گا جب مجھے گارے کے سخت کام کی یاد آئے گی ۔
(۱۱) جو بڑوں کے دکھ نہیں اٹھاتا اس کا ضعیف لوگوں پر دل نہیں جلتا ۔
(۱۲) حکّام سے تجھے سختی نہ ملے گی اگر تُو اپنے سے کمزوروں پر سختی نہ کرے گا ۔
(۱۳) اے بڑے ! چھوٹوں پر زور آزمائی نہ کر کیونکہ جہانِ دنیا ایک سا نہیں رہتا ۔

ف : حضرت لقمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ آپ نے ادب کہاں سے سیکھا ؟ فرمایا کہ بے ادبوں سے ، کیونکہ جو فعل و قول مجھے ان سے غلط نظر آتا میں اس سے احتراز کرتا ہوں

۱ نگویند از سر بازیچہ حرفے
کزاں پندے نگیرد صاحبِ ہوش
۲ دگر صد باب حکمت پیش نادان
بخوانند آیدش بازیچہ درگوش

ترجمہ : (۱) وہ کوئی حرف بھی کھیل تماشے کا نہیں کہتے جس سے ہوشمند نصیحت حاصل نہ کرتا ہو ۔
(۲) نادان کے آگے سو باب حکمت کے پڑھو اس کے کان میں کھیل کود کی آواز ہی گونجے گی ۔

ملفوظ علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہٗ سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کی گم شدہ حکمت حاصل کیجئے خواہ مشرکین سے ۔ یعنی ایک گم شدہ شے کے طلبگار کی طرح مومن ہمیشہ حکمت کا طالب رہتا ہے ۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ارشادِ گرامی سیدنا عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ علم تو آسمان پر ہے اسے کون جا کر لائے ۔ اور یہ نہ کہو کہ زمین کے اندر ہے کہ کون اسے نکالے ۔ اور نہ کہو کہ وہ دریاؤں کے پار ہے کہ کون دریا عبور کر کے لائے ۔ بلکہ علم تو تمہارے دلوں میں ہے ۔ صرف اتنا کر لو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے روحانی لوگوں کی طرح ادب سے رہو ۔ پھر تم پر اس طرح ظاہر ہو گا جیسے دُوسرے سائرین الی المنازل پر ظاہر ہوتا ہے ۔ کمافی شرح منازل السائرین۔
روحانیوں (اہل اللہ) کے عادات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ امورِ طبعیہ کو ترک کر دیتے ہیں اور مقامِ صمدیت میں قیام رکھتے ہیں ۔

حکایت کسی عابد کی کہانی مشہور ہے کہ وہ رات کو دس سیر طعام کھا کر صبح تک (نوافل) پڑھتے گزارتا کسی بزرگ نے اس کا حال سُنا تو فرمایا کہ یہ شخص اگر آدھ سیر کھانا کھاتا اور ساری رات سوتا رہتا تو اس کیفیت و حالت سے بہتر ہوتا ہے

(باقی ص ۳۰۹ پر)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ
ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ
مُّنِيْرٍ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ○ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ
اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○
وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ○
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○
وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ
اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ
اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰى
اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ
اللّٰهُ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○ ع

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور
تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی اور بعضے آدمی اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یوں کہ نہ علم
نہ عقل نہ کوئی روشن کتاب، اور جب ان سے کہا جائے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا تو کہتے ہیں
بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ شیطان ان کو عذاب دوزخ
کی طرف بلاتا ہو تو جو اپنا منہ اللہ کی طرف جھکا دے اور ہو نیکوکار تو بیشک اس نے مضبوط گرہ
تھامی، اور اللہ ہی کی طرف ہے سب کاموں کی انتہا اور جو کفر کرے تو تم اس کے کفر سے غم نہ
کھاؤ انہیں ہماری ہی طرف پھرنا ہے ہم انہیں بتا دیں گے جو کرتے تھے بیشک اللہ دلوں کی بات
جانتا ہے ہم انہیں کچھ برتنے دیں گے پھر انہیں بے بس کر کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے اور
اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ تم فرماؤ سب

خوبیاں اللہ کو، بلکہ ان میں اکثر جانتے نہیں اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بیشک اللہ عزت و حکمت والا ہے تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا بیشک اللہ سنتا دیکھتا ہے اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور دن کرتا ہے رات کے حصے میں، اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے ہر ایک ایک مقرر میعاد تک چلتا ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جن کو پوجتے ہیں سب باطل ہیں اور اس لیے کہ اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے۔

(بقیہ ص ۳۰۷)

۱ اندرون از طعام خالی دار
تا درو نور معرفت بینی

۲ تہی از حکمتے بعلت آں
کہ پری از طعام تا بینی

ترجمہ : (۱) اندر طعام سے خالی رکھ تاکہ اس میں نورِ معرفت دیکھو۔

(۲) حکمت سے اس لیے خالی ہو کہ ناک تک طعام سے پُر ہو۔

ف : یاد رکھو کہ حکمت کبھی لفظاً ہوتی ہے جیسے احکام شرعیہ جو قرآن سے متعلق ہیں۔ کبھی مسکوت عنہ ہے یعنی اسے عوام کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاتا جیسے وہ اسرارِ الٰہیہ جو غیروں سے پوشیدہ ہیں اور ان کا تعلق قرآن کے بواطن کے ساتھ ہے جو اسے اس کے طریقے سے تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے معرفت میں داخل ہو جاتے گا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَوْا اے بنو آدم! تمہیں معلوم نہیں اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ (بیشک اللہ نے تمہارے لیے مسخر فرمایا ہے) التسخیر بمعنے کسی شے کو جبراً کسی مخصوص غرض کے لیے کسی کے قابو میں دینا۔ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہے کواکب سیارہ سے جیسے سورج چاند وغیرہما اور ملائکہ مقربین کہ انہیں تمہارے منافع حاصل کرنے کے اسباب بنائے ہیں

ستاروں کا مسخر ہونا بایں معنیٰ ہے کہ انہیں افلاک پر بروج میں چلایا ہے وہ افلاک جن میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ فلک ہے اور ان کے لیے قرانات و اتصالات مقرر فرمائے ہیں اور انہیں عالم سفلی کے لیے زمانہ کے لحاظ سے مدبر بنایا ہے مثلاً سرما، گرما، ربیع، خریف۔ ایسے ہی مکان کے لحاظ سے جیسے معدنیات، نباتات، حیوانات اور انسان، اور ان میں کواکب کی سیر کی وجہ دائماً سے مختلف احوال ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسان کے منافع کے لیے ہو رہا ہے۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تابع کیا ہے تمہارے منافع کے لیے وہ جو آسمانوں میں ہے جیسے سورج، چاند، ستارے۔ تاکہ تم ان کی روشنی سے بہرہ مند ہو سہ

زمشرق مغرب مہ و آفتاب
رواں کردو گسترد گیتی بآب

ترجمہ: مشرق سے مغرب کو چاند و سورج روانہ کئے اور زمین پانی پر بچھائی۔

اور ستارے بنائے تاکہ ان کی روشنی سے تم راہ پاؤ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبالنجم ھم یھتدون۔

(اور ستاروں سے تم راہ پاتے ہو)

ملائکہ کی تسخیر الانسان

ملائکہ کی تسخیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے ملائکہ کی جمیع اصناف کو مدبرات کی انواع مقرر فرمائی ہیں جو ان کی مدد کریں، مثلاً بعض وہ فرشتے ہیں جو سورج و چاند اور نجوم و افلاک پر مؤکل ہیں بعض بادلوں اور بارشوں پر۔

ہر قطرۂ بارش کا علیحدہ فرشتہ

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ہر قطرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فرشتہ مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ قطرہ وہاں رکھے جہاں کا اسے حکم ہے۔ بعض ملائکہ دریاؤں اور جنگلوں اور ہواؤں پر مقرر ہیں بعض انسانوں کے عملنامے لکھنے کے لیے مؤکل مقرر ہیں۔ بعض وہ ہیں جو انسانوں کے آگے پیچھے دائیں بائیں حفاظت کے لیے مقرر ہیں، یہاں تک کہ ارحام کے لیے بھی فرشتے مقرر ہیں کہ نطفہ رحم میں پہنچے تو اسے بھی فرشتہ لے کر پہنچاتے۔ ایک فرشتہ مرد کا نطفہ دائیں ہاتھ میں لے کر اور دوسرا عورت کا نطفہ بائیں ہاتھ میں لے کر رحم کے اندر پہنچائے۔ اگر اس سے بچے کی تخلیق مطلوب ہوتی ہے تو ان دونوں نطفوں کو ملانے کے لیے ایک فرشتہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج۔

(بیشک ہم نے انسان کو اس نطفہ سے پیدا کیا جو ایک دوسرے سے ملایا گیا ہے)

بعض ملائکہ بہشت پر اور بعض دوزخ پر، یہ سب انسان کے منافع کے لیے مؤکل ہیں یہاں تک کہ بہشت و دوزخ بھی انسان [illegible] بہشت کی طمع کرے اور دوزخ سے ڈرے۔ اس لیے کہ انسان طمع و خوف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان کے لیے مسخر کیا ہے سماوات القلوب کو صدق و اخلاص، توکّل، یقین، صبر، شکر سے، ایسے ہی جمیع مقامات قلبیہ روحانیہ اور مواہب ربانیہ۔ اور ان کی تسخیر کا یہ معنیٰ ہے کہ جس کے لیے ان کا عبور کرنا آسان مطلوب ہوتا ہے تو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے جس سے اسے سلوک و سیر کے ساتھ جذبہ و انتفاع بالمنافع و اجتناب عن المفردات کے آسان ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور وہ جو زمین ہے جیسے پہاڑ اور جنگلات اور دریا اور نہریں اور حیوانات و نباتات اور معادن کہ ان سے بالواسطہ یا بلا واسطہ منافع حاصل کرنے کی تمہیں قدرت دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان کو ارض نفوس پر مسخر کیا ہے کہ اس کے اندر جو اوصافِ ذمیمہ ہیں جیسے کبر، حسد، حقد (کینہ)، بخل، حرص، شہوت وغیرہ یہ انسان کے مسخر بایں معنیٰ ہیں کہ انہیں اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل کر سکتا ہے اور ان پر عبور کر کے ان کے خواص سے متمتع اور ان کے مضرات سے احتراز کر سکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ اور تم پر مکمل کیں نِعَمَہٗ اپنی نعمتیں۔ انعم، نعمت کی جمع۔ وہ اصل حالت جس سے انسان لذت پائے۔ اس کا اطلاق ان امورِ لذیذہ پر ہوتا ہے جو طبع کے مناسب اور حالتِ طبعیہ کی طرف لے جاتے ہیں ظَاهِرَةً درانحالیکہ وہ نعمتیں ظاہر یعنی محسوس مشاہد ہیں جیسے حُسنِ صورت اور قد و قامت کی موزونیت اور اعضاء کا کمال ؎

دہد نطفہ را صورت چوں پری
کہ کردہ است بر آب صورت گری

ترجمہ: نطفہ کو پری کی سی شکل دیتا ہے، پانی پر صورت گری کون کر سکتا ہے۔

نعمتیں ظاہرہ حواسِ ظاہرہ یہ ہیں: سمع، بصر، شمہ (سونگھنا)، ذوق (چکھنا)، لمس، نطق (بولنا)، ذکر اللسان، رزق، مال، جاہ، خدام، اولاد، صحت، عافیۃ، امن، وزر (بوجھ) ہلکا کرنا اور رفع الذکر، ادب حسن، نفس بلا ذلہ، قدم بلا ذلت، اقرار اسلام، اور ان کی گواہی دینا اور صلوٰۃ، صوم،

زکوٰۃ، حج، قرآن، اس کا حفظ اتباعِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اولیاءُ اللہ کے لیے تواضع، دنیا سے اعراض۔

آیات کا بیان

اہلِ ایمان کا علو علی الکفار وغیرہم۔ جیسا کہ فرمایا،

و انتم الاعلون۔

(اور تم ہی اعلیٰ (غالب) ہو)

یعنی انہیں نصرۃ، غلبہ وغیرہ و دیگر وُہ امور جنہیں انسان جانتا ہے۔

وَّبَاطِنَۃً اور باطنی نعمتیں یعنی وہ نعمتیں جنہیں عقل سے تعلق ہے جو محسوس نہیں ہوتیں۔ جیسے بدن میں روح نفخ عقل و فہم فکر، معرفت سے روشن کرنا، تزکیۂ نفس، فضائل سے قلوب کا سنگارنا۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ! جیسے تُو نے میرا ظاہر سنگارا ہے ایسے ہی میرا باطن مزیّن فرما۔

حُب (عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مزیّن فرمایا ہے۔ شہادۃ سابقہ جیسا کہ فرمایا:

اولٰئك المقربون۔ (وہی مقرب ہیں)

شرح الصدور منعم کا شہود، جہاد میں ملائکہ کی امداد وغیرہ۔ ویسے ہی صحۃ الدین والبصیرۃ اور صفاء الاحوال و الولایۃ۔ یہ تمام باطنی نعمتیں بہ نسبت نبوت کے اور فطرت سلیمہ اور طلب الحقیقۃ اور قبول الفیض کے لئے استعداد۔ اتصال علی الدوام، رضا، غفران، قلب، غفلت و توجہ بلا علّت، فیض بلا قلّت۔

حدیث شریف

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! ظاہرہ و باطنہ نعمتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ظاہرہ تو یہی اسلام ہے اور حُسنِ خلق اور جو تمہیں رزق عطا ہوا، اور باطنہ وُہ جو تیری برائیوں پر ستاری کی گئی اور تمہیں دنیا میں رسوا نہیں کیا گیا ؎

پس پردہ بیند عملہا ے بد
ہم او پردہ پوشد بآلا ے خود

ترجمہ: پس پردہ بُرے اعمال دیکھ کر وہی اپنی مہربانیوں سے پردہ پوشی کرتا ہے۔

اے ابنِ عباس (رضی اللہ عنہما)! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اہلِ ایمان سے تین بھلائیاں کی ہیں:

(۱) اس کے اپنے عمل دنیا سے چلے جانے کے بعد منقطع ہو جاتے ہیں تو اہلِ ایمان کی دُعائیں اُسے پہنچتی ہیں جن کی وجہ سے میں اس کی خطا معاف فرماتا ہُوں۔

(۲) اس کے مال کو اس کی خطا کے معاف کرانے کا سبب بناتا ہوں۔
(۳) اس کے بُرے اعمال پر پردہ ڈالتا ہوں کہ اگر اس کے کردار ظاہر کر دوں تو اسے اپنے (عزیز و اقارب) بھی اسے گھر سے نکال دیں۔

وَمِنَ النَّاسِ اور بعض لوگ وہ ہیں۔ من بمعنے لبعض۔ اور یہ مبتدا اور اس کی خبر مَنْ يُّجَادِلُ ہے، وُہ ہیں جو جھگڑتے ہیں۔

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں :
جدلت الحبل۔ (میں نے رسّی کو مضبوط کیا)
اسی سے الجدال ہے کہ گویا دونوں مخاصمین اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کی بہ نسبت مضبوط کر رہا ہے، فِي اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ یعنی اس کی توحید و صفات کے بارے میں۔ اور وہ شرک کی طرف جھکتے ہیں بایں معنیٰ کہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فی اللہ سے مراد فی الکتٰب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں۔

شانِ نزول نضر بن الحارث کہتا تھا کہ یہ قرآن تو گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔ عین المعانی میں ہے کہ ایک یہودی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی : آپ کا خدا کیسا ہے ؟ وہ جیسا بھی ہے اُسے تو کڑک نے گھیرے میں لے لیا ہے (معاذ اللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں جھگڑتے ہیں بِغَيْرِ عِلْمٍ علم کے بغیر کہ جن کے پاس کوئی دلیل نہیں وَّلَا هُدًى اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ انہیں کوئی ہدایت ہے وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ اور نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کی ہو، حجت سے روشن ہو۔ بلکہ یہ تو محض پچھلے لوگوں کی تقلید میں جھگڑتا ہے جیسا کہ فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ جب جھگڑنے والوں کو کہا جاتا ہے ھُم ضمیر بوجہ من کے معنی کی وجہ سے ہے اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس کی اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اپنے نبی علیہ السلام پر قرآن جو واضح اور نور بیّن ہے تو اس پر ایمان لاؤ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ یعنی وُہ جو گزشتہ لوگ ہیں اس سے ان کی بت پرستی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اگرچہ شیطان انہیں بلاتا ہو۔ یہ استفہام انکار و تعجب کا ہے اس معنیٰ پر کہ وُہ اس سے تعلق جوڑ رہے ہیں جو نہایت درجہ کے

بُعد میں ہے جیسا کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ضمیر اباء کی طرف عائد ہے اور جملہ حیز النصب علی سبیل الحالیۃ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا وہ ان کی تابعداری کرتے ہیں اگرچہ شیطان انہیں ایسے امر کی طرف بلاتا ہے جو شرک ہی شرک ہے اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ۝ جہنم کے عذاب کی طرف۔ تو وہ انہیں اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔

حلِ لغات السعیر بمعنے آگ کا شعلہ۔ اور عذاب السعیر بمعنے دوزخ کا عذاب کما فی المفردات۔

مسئلہ: آیت میں توحید وصفاتِ باری تعالیٰ اور اصولِ اسلام کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔

تقلید کی تحقیق لغت میں تقلید بمعنے کسی شے کو کسی کے گلے میں ایسے طریق سے ڈالنا کہ وہ شے اس کی گردن کو محیط ہوجائے۔ قلاوہ (پھندنا) اسی سے ہے۔ عرف عام میں امور کو غیر کے سپرد کرنا وہ بھی اسی لیے کہ گویا اس نے اپنے امور اس کے گلے میں پھندے کی طرح ڈالے ہیں اور عرف شرع میں قبول قول الغیر بلا حجۃ یعنی کسی کا قول بلا حجت قبول کرنا۔ ہماری اس تعریف سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اقوالِ کریمہ پر عمل کرنے کو تقلید نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ ان کے جملہ اقوال حجت ہیں۔ (اس سے غیر مقلدین کی عبادت کا اندازہ کیجئے کہ وہ ہم مقلدین احناف وغیرہ کو کہتے ہیں کہ ہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلد ہیں۔ تفصیل کے لیے فقیر اویسی غفرلہ کا رسالہ "تقلید" دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ)

ف: التعریفات میں ہے کہ التقلید عبارۃ عن اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یعقل معتقد الحقیقۃ فیہ من غیر نظر وتامل فی الدلیل یعنی قول وفعل میں اتباع کرنا بایں طور کہ اس کے متعلق اعتقاد ہو کہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہے۔ اس کی دلیل میں نظر و تامل کو دخل نہ دے۔ اس اعتبار سے گویا اتباع کرنے والے نے غیر کے قول وفعل کو اپنی گردن میں پھندنے کی طرح ڈالا۔

مسئلہ: فروع اور عملیات میں تقلید جائز ہے لیکن اصول الدین والاعتقادیات میں ناجائز ہے بلکہ اصول و اعتقادیات نظر واستدلال ضروری ہے۔

مسئلہ: ایمان تقلیدی بھی قابل قبول ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ظاہریہ فرقہ کا مذہب ہے وہ اس لیے کہ جن عقاید پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے انہیں وہ دل سے مانتا اور زبان سے اقرار کرتا ہے مثلاً اس کا عقیدہ ہے کہ عالم حادث ہے اور صانع اور اس کے صفات موجود ہیں اور ارسال الرسل حق اور وہ احکام جو وہ حضرات لائے ہیں وہ حق ہیں۔ ان عقاید کو من حیث العقاید ماننے کا نام ایمان ہے اگرچہ

عامی انسان نہیں انہیں دلائل دے کر نہیں سمجھا سکتا لیکن ماننا اور زبان سے تو اقرار کرتا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے ایمان کو قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ کے زمانۂ اقدس کے بچوں اور عورتوں اور گنوار دل اور غلاموں اور لونڈیوں کا یہی حال تھا۔ جیسے آج ہمارے عوام کا ہے۔ ہاں وہ ایسے عقاید پر دلائل نہ سیکھنے سے گنہ گار ہوں گے کیونکہ انہیں عقاید پر دلائل سیکھنا واجب تھا اور بوجہ ترک وجوب کے گنہگار ہوئے لیکن ایسا ترکِ وجوب ان کے ایمان کو مُضر نہیں۔

ف: فصل الکتاب میں لکھا ہے کہ اسلامی شہروں میں عامی مسلمان جب صنائع باری تعالیٰ دیکھتا ہے تو کہتا ہے: سبحان اللہ۔ تو اس کا ایمان تقلیدی نہ ہوگا بلکہ تحقیقی ہوگا اس لیے صنائع باری تعالیٰ کو دیکھ کر اس نے وجودِ صانع پر استدلال کی بنا پر سبحان اللہ کہا ہے اگرچہ وہ اپنے طریقۂ استدلال سے ناآشنا ہے اور اسے یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ اس نے استدلال کے ترک کا ارتکاب کیا ہے فلہذا گنہ گار ہے بلکہ یقین سے کہا جائے گا کہ اس نے استدلال سے ایمان قبول کیا ہے اس لیے کہ اس کا صنائع باری تعالیٰ کو دیکھ کر سبحان اللہ کہنا ہی اس کے استدلال کی دلیل ہے گویا وہ سبحان اللہ کہہ کر ثابت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسے عجیب وغریب صنائع کا خالق ہے اس کے سوا اس طرح کی تخلیق اور کوئی نہیں کر سکتا اور نہ کسی کے بس میں ہے کہ وہ ایسی تخلیق کر سکے۔ گویا اس نے اثر سے موثر کے وجود پر استدلال کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت و ارادہ و دیگر صفاتِ ذاتی کا اثبات کیا ہے اور استدلال بھی اسی کو کہتے ہیں کہ مصنوعات کے تصورات سے صانع کا اعتراف ہو، منطقیوں کی طرح صغریٰ، کبریٰ، ترتیب المقدمات اور نتیجہ نکالنا کوئی ضروری امر نہیں۔ ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ہمارے دور میں کوئی بھی مومن تقلیدی نہیں بلکہ بحمدہٖ تعالیٰ سب کے سب مومن تحقیقی ہیں۔ (فقیر کی تقریر مذکور یاد رہی تو کمیونسٹ (دہریہ) اور غیر مقلدین وہابیہ و دیگر مخالفینِ اہلسنت کا جواب آسانی سے دیا جا سکے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ[1])

مسئلہ: جو شخص پہاڑ کی چوٹی یا کسی غار میں چھپا رہا اور ایمان کے دلائل کسی سے نہ سیکھے تو وہ گنہ گار ہوگا۔ اگر طریقۂ مذکور سے اسے اپنے ایمان پر دلائل موجود ہیں تو گنہ گار نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے جو طریقت و معرفت کی منزلیں عقل قاصر کے ذریعہ طے کرنا چاہتا ہے وہ صوفیائے کرام کے نزدیک مقلد ہے اس کی اقتدا (پیری و مریدی) ناجائز ہے۔ (ہمارے دور کے بعض حضرات پیری و مریدی کا دھندا تو کرتے ہیں لیکن معرفت و طریقت کی منزلوں سے کوسوں

---

[1] اضافہ از مترجم غفرلہٗ ۔ اویسی غفرلہٗ

دُور، بلکہ ان منازل سے اُلٹے پاؤں جا رہے ہیں)[1]

؎

خواہی بصوبِ کعبۂ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ: اگر تم کعبۂ تحقیق کو جانا چاہتے ہو تو اندھے مقلد گم کردہ راہ کے پیچھے مت چلو۔
بلکہ صاحبِ ولایت عالمِ ربّانی واقف اسرارِ طریقت منازل کے عارف حقیقت سے آشنا حقائقِ قرآن کے مکاشف معانیٔ فرقان سے آگاہ کی اقتدا ضروری ہے اس لیے کہ ایسے صفات کا موصوف ظلماتِ انسانیہ سے نکال کر نورِ ربانی کی طرف لے جاسکتا ہے اور ایسا بزرگ نفسِ امّارہ کے عذاب سے نجات دلا سکتا ہے اور ایسا کامل ہی قلب کی نعمتوں سے مشرف فرما سکتا ہے۔

سبق: وہ سالک جو مطلب حقیقی تک پہنچنے کا طالب ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ راہ بہت دُور اور اس کی منازل کی برازخ کثیر ہیں وہاں اہلِ جدل اور وہ لوگ جن کے عقول وہم وخیال شبہات میں گرفتار رہیں اپنے عقول کی رہبری سے وہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے اس لیے کہ انسان کا ہاتھ کتنا لمبا کیوں نہ ہو لیکن کہکشاں تک نہیں پہنچ سکتے ایسے عقل کے گرفتاروں کے لیے راہِ طریقت ومعرفت کا سمجھنا ان کے ہوائی فیئر ہیں۔ ایسے لوگ عنقاء کو کہاں پا سکتے ہیں اس لیے کہ عنقاء تو وجود کے (کوہ) قاف میں ہے اور ظاہر ہے اہلِ معرفت و شہود کے سوا وجود کے حقائق کو اور کوئی نہیں جان سکتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو قرآنِ عظیم کا عامل اور کلامِ قدیم کے آداب کا متأدب اور اس کے انوار کا واصل اور اس کے اسرار کے محقق کی صحبت نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ من شرطیہ ہے بمعنے کون ہے وہ۔ اور اَسْلَمَ جب اِلیٰ سے متعدی ہو تو بمعنے سلّم کے استعمال ہوتا ہے اور جب لام سے متعدی ہو تو اخلاص کے معنے کو متضمن ہوتا ہے اور الوجہ بمعنے ذات۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ایسے سپرد کرتا ہے جیسے سامان صاحب سامان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ وہ بندہ جو اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرکے یکسوئی سے اُسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے وَهُوَ مُحْسِنٌ حالانکہ وہ نیکی کرنے میں نیکی کو اسی طرح بجالاتا ہے جس طرح وہ نیکی ادائیگی کے لائق ہے اور

---

[1] اضافہ از اویسی غفر لہٗ

یہ وہ حسن وصفی ہے جو حسن ذاتی کو مستلزم ہے اور یہ سوائے مشاہدہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تعریف میں فرمایا :

ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراك ۔

(اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ورنہ یہ تصوّر غالب ہو کہ وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے)

فقد استمسك بالعروۃ الوثقیٰ تو اس نے مضبوط رسّی کو تھام لیا۔

حلِ لغات : الاستمساك ، امساك الشیٔ المتعلق به یعنی کسی شے کو مضبوطی سے چمٹنا اور اس کی مکمل طور سے حفاظت کرنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں :

استمسکت بالشیٔ ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو مضبوطی سے پکڑے۔ ہم اسے چنگل مارنے سے تعبیر کرتے ہیں اور فارسی میں بمعنے چنگ زدن ۔ کذا فی تاج المصادر ۔

العروہ بالضم ، ہر وہ شے جس سے کسی شے کو باندھا جائے ۔ عروۃ (بالکسر) بمعنے شے کا کنارہ ۔ شے کو قابو کرنے کا آلہ ۔ جیسے بوکے اور لوٹے کی رسی۔

الوثقیٰ بمعنے موثقۃ المحکمۃ ۔ اوثق کی تانیث ہے ۔ جیسے صغریٰ اصغر کی تانیث ہے اور جس شے کو مضبوط باندھ لیا جائے اس کا مالک مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب یہ چیز گرنے سے محفوظ ہو گئی ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس نے مضبوط اور پختہ گرہ کو تھاما ۔ آیت میں مشتغل بالطاعۃ اور متوکل علی اللہ کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لیے ایک ایسی مضبوط رسّی کو کام لاتا ہے جس کے ٹوٹنے کا وہم و گمان نہیں ہوتا اسی لیے وہ بے خوف ہو کر پہاڑ پر چڑھتا ہے وَاِلَی اللّٰہِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ متوکل اور اس کے غیر کے امور کا انجام ہے پھر وہی احسن جزا سے نوازے گا وَمَنْ کَفَرَ اور وہ جو مضبوط رسّی کو نہیں تھامتا فَلَا یَحْزُنْكَ کُفْرُہٗ تو اب اس کا غم نہ کیجئے اس لیے کہ وہ آپ کو دُنیا و آخرت میں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا حزن مجرد اور مزید یعنی احزن کا ایک ہی معنیٰ ہے لیکن باب مزید سے عام استعمال نہیں ہوتا اِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ ان کا صرف ہمارے ہاں لوٹنا ہے اور اللہ کے ہاں لوٹنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہاں اس کے سوا نہ کوئی مالک ہوگا نہ حاکم فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر ہم انہیں دنیا میں ان کے لیے کفر و دیگر معاصی و مآثم کے ارتکاب کی خبر دیں گے یعنی عذاب اور سزا میں مبتلا کریں گے ۔

ف : تینوں جمع کی ضمیریں مَنْ کی وجہ سے ہیں اور دو جگہوں کا واحد کی ضمیر لفظ مَن کی وجہ سے ہے (اس لیے کہ لفظ مَنْ لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے)

اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بیشک اللہ تعالیٰ دل کی باتوں اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے کہ انسانوں کے سینوں میں ہیں وہ ان کی اعمال ظاہرہ کی طرح سزا دے گا نُمَتِّعُهُمْ ہم کافروں کو دنیا میں دنیوی منافع دیں گے قَلِیْلًا تھوڑے منافعے یا تھوڑے سے وقت تک، پھر وہ منقطع ہو جائیں گے اسے قلیل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو شئے زوال پذیر ہو وہ چاہے کتنے ہی طویل زمانے تک رہے تب بھی اسے قلیل ہی کہا جائے گا بہ نسبت اس شے کے جو دائمی ہو ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ الاضطرار الانسان کو اس امر پر آمادہ کرنا جو اسے نقصان پہنچائے اور عرف میں اس امر پر مجبور کرنا جس سے اسے کراہت ہو۔ یعنی ہم انہیں آخرت میں لوٹنے پر مجبور کریں گے اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ۝ سخت عذاب کی طرف جو ان پر بوجھل اشیاء کی طرح محسوس ہو گا یا ہم ان کے عذاب میں تنگی و تلخی کا اضافہ کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے دائمی عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ الغلیظ الرقیق کی نقیض ہے اسے اجسام میں استعمال کیا نا اس کی اصل ہے لیکن کبھی استعارۃً معانی میں بھی مستعمل ہے۔ کذا فی المفردات۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اگر آپ کافروں سے سوال کریں مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ آسمانوں اور زمینوں یعنی اجرام علوی و سفلی کو کس نے پیدا کیا، لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ تو کہیں گے انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس لیے کہ یہ ایک ایسا روشن امر ہے کہ انہیں سوائے اعتراف کے کوئی چارہ ہی نہیں اس لیے وہ اعتراف پر مجبور ہیں قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیجئے کہ توحید کے دلائل ایسے واضح اور روشن ہیں کہ مخالفین کو بھی اعتراف ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ بلکہ ان کے اکثر کسی شے کو بھی نہیں جانتے۔ اسی لیے کہ وہ باوجودیکہ توحید کے دلائل کے معترف ہیں لیکن پھر اس کے تقاضا کے مطابق شرک کو نہیں چھوڑتے اور غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہیں لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی معنے پر آسمانوں اور زمینوں میں اس کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ بیشک اللہ تعالیٰ ذاتاً وصفاتاً غنی ہے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے بھی اور بعد کو بھی وہ اپنے وجود اور کمال ذاتی میں کسی شے کا محتاج نہیں۔ لفظ هُوَ حصر کے لیے ہے اس معنے کے لیے کہ غنی صرف وہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ چنانچہ آیت واللّٰہ الغنی وانتم الفقراء دلالت کرتی ہے۔

الحمید بمعنے المحمود فی ذاتہ وصفاتہ۔ اگرچہ اور بھی اس کا کوئی حمد کرنے والا نہ ہو تب وہ اپنا آپ ہی حامد ہے۔

ے

اے غنی در ذاتِ خود از ما سوائے خویشتن
خود تو میگوئی بحمد خود ثنائے خویشتن

ترجمہ: اے اپنے ماسوا سے اپنی ذات میں غنی! اپنی حمد تو خود ہی کر سکتا ہے۔

ف: الاربعین الادریسیہ میں ہے:

یا حمید الفعال ذا المن علیٰ جمیع خلقہ بلطفہ۔

یعنی اے اپنے لطف و کرم سے سب پر احسان کرنے والے۔

تونگری کا وظیفہ حضرت سُہروردی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو اس اسمِ 'حمید' پر مداومت رکھے اور اسے بکثرت وِرد میں رکھے تو دنیوی اسباب سے مالا مال ہو جائے گا کہ اس کا دنیوی ساز و سامان گنتی سے باہر ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں ایک اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور بھروسا صرف اللہ تعالیٰ پر رکھے اور طلبِ حق میں اخلاص پیدا کرے اور ماسوی اللہ سے رُوگردانی اور توحید و طاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس لیے کہ توحید و طاعت نیک خاتمہ پر مرنے کا بہترین سبب ہیں اور نیک خاتمہ سے ہی جنّت اور قربت و وصالِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جیسے کفر، شرک، ریا اور شہرت کی خواہش بُرے خاتمہ پر مرنے کے اسباب ہیں اور برے خاتمہ پر جہنم اور عذابِ غلیظ اور فرقہ و قطیعۃ حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا: ے

زر و سیم و قبول کار و بارت
نیاید در دم آخر بکارت
اگر اخلاص باشد آں زمانت
بکار آید وگرنہ وائے جانت

ترجمہ: زر و سیم اور دیگر دنیوی کاروبار تجھے مرنے کے وقت کام نہ دیں گے۔ اگر تجھے اخلاص نصیب ہے تو تیرا کام بن جائے گا ورنہ بُرے خاتمہ سے ڈرو۔

بوستان میں ہے: ے

۱ شنیدم کہ نابالغی روزہ داشت
بصد محنت آورد روزی بچاشت

۲ پدر دیدہ بوسید و مادر سرش
فشاندند بادام و زر بر سرش

۳ چو بروے گزر کرد یک نیم روز
فتاد اندر روز آتش معدہ سوز

۴ بدل گفت اگر لقمہ چندے خورم
چہ داند پدر غیب یا مادرم

۵ چو روئے پسر در پدر بود و قوم
نہاں خورد و پیدا پسر برد صوم

۶ پس ایں پیر ازاں طفل ناداں ترست
کہ از بہر مردم بطاعت درست

ترجمہ :(۱) میں نے سُنا ہے کہ ایک نابالغ نے روزہ رکھا، سو مشقتوں سے چاشت تک پہنچایا۔
(۲) باپ نے آنکھیں چُومیں، ماں نے اس کا سر۔ اُنھوں نے بادام اور چاندی اس کے سر پر نچھاور کی۔
(۳) جب اس پر آدھا دن گزرا اس کے اندر معدہ کی آگ سے جلن پیدا ہوگی۔
(۴) اس نے دل میں کہا اگر میں چند لقمے کھاؤں، میرے باپ یا ماں غیب کو کیا جانیں۔
(۵) جبکہ لڑکے کا رُخ باپ اور قوم کی طرف تھا تو چپکے سے کھا لیا بظاھر روزہ پورا کر لیا۔
(۶) یہ بُوڑھا اس بچّہ سے بھی زیادہ ناداں ہے جو انسانوں کی خاطر عبادت میں لگا ہے۔

ف : احکامِ دین کو مضبوطی سے تھامنے کا دوسرا نام "العروۃ الوثقیٰ" ہے اور یہ دولت صرف اہلِ یقین کو نصیب ہوتی ہے اور یہ ایک ایسی مضبوط رسّی ہے جو کسی کے توڑنے سے نہیں ٹوٹتی، بخلاف دوسری رسّیوں کے کہ وہ بالآخر ٹوٹ ہی جاتی ہیں۔

دوسرا اشارہ اس آیت میں یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے بلکہ اس کی عمر صرف ایک لمحہ ہے اگرچہ اہلِ دنیا اس کا بہت طویل زمانہ تصوّر کرتے ہیں۔ عاقل وُہ ہے جو اس دنیوی تمتع قلیل سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ وہ آخرت کے یومِ طویل کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے ؎

دریغا کہ بگزشت عمرِ عزیز
بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز
کنوں وقت تخمست اگر پروری
گر امید داری کہ خرمن بری

ترجمہ: افسوس ہے کہ عمر عزیز کا اکثر حصہ گزر گیا اور اس کا باقی حصہ ہوا کی طرح گزر جائے گا ابھی کچھ فرصت ہے کہ تُو اپنے لیے بیج بو لے اگر اس امید میں ہے کہ خرمن اٹھائے گا۔

تیسرا یہ کہ اپنی تقدیروں کو اللہ تعالیٰ خود ہی مقدر فرماتا ہے اور جملہ امور کا تدبیر کنندہ صرف وہی ہے جملہ افعال و احوال اسی کی قدر و قضا پر چلتے ہیں۔ ناصح کو صرف تبلیغ ضروری ہے کسی کو کسی امر پر مجبور نہ کیا جائے اور کسی کی تبلیغ کو قبول نہ کرنے سے مغموم و محزون بھی نہ ہو اس لیے کہ صیقل کرنے سے پتھر شیشہ نہیں ہو سکتا۔

؎

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
و لیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: شیشے کو ہی زنگ سے پاک (صاف) کیا جاسکتا ہے لیکن پتّھر کو شیشہ نہیں بنایا جاسکتا۔

چوتھا یہ کہ اپنے علم پر عمل نہ کرنے والا عالم کہلانے کا حقدار نہیں بلکہ عند المحققین وُہ جاہل ہے ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ: تمام عالمِ دنیا کا علم حاصل کر لو اگر بے عمل ہو تو جھوٹے ہو اور خالی مدعی۔

پانچواں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا فرمایا کہ مخلوق اس سے فوائد حاصل کرے اسے اس کی تخلیق سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ اسے ضرورت ہے۔ اس معنے پر طاعات و عبادات کے منافع بندوں کو ہی نصیب ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ کو کسی فائدہ کی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ جملہ عالم سے مستغنی ہے نہ ان کی طاعات سے اُسے کوئی نفع ہے نہ ان کے معاصی و جرائم سے کوئی نقصان۔ یہ اس کی کرم نوازی ہے

کہ وہ ایمان و طاعات کی ہدایت بخشے۔ اسلام و ایمان لاکر اور طاعت بجا لاکر بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مخلص بندوں سے بنائے اور ہمیں محفوظ قلعے میں اپنی مدد و توفیق سے محفوظ فرمائے

تفسیر عالمانہ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ یہ یہود کے سوال کا جواب ہے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا وفدِ قریش کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا کیا مطلب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ کو نازل فرمایا اور اس میں ہر شے کا علم ہے اور مذکورہ بالا آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ توراۃ کے علوم کے علاوہ جملہ انسانوں کے جملہ علوم اگرچہ بہت زیادہ سہی لیکن بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ایک قطرہ ہے اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب مشرکین نے کہا کہ قرآنی تعلیم عنقریب ختم ہو کر مٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔

ف : من شجرۃ اسم موصول سے حال ہے۔ اور شجرۃ اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کا تنا ہو۔ اور اس کا مفرد ہونا اس لیے ہے کہ ہر ایک درخت سے علیحدہ علیحدہ قلمیں تیار کی جائیں اور دنیا کا کوئی درخت ایسا نہ ہو جسے قلم نہ بنایا جاتے۔ اور القلم دراصل بمعنے کسی سخت چیز کو توڑنا۔ جیسے ناخن وغیرہ۔ لیکن اب صرف اس شے سے مخصوص ہو گیا ہے جس سے لکھا جائے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ قلم کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کا سر کاٹ لیا جاتا ہے اور الاقلیم اسی سے ہے بمعنے زمین کا ایک حصہ۔ اسی لیے ناخن کاٹنے کو تقلیم الاظفار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : القط و القد میں فرق یہ ہے کہ القط شے کو عرضاً کاٹنا اور القد شے کو طولاً کاٹنا۔ اور القطع بمعنے ایک جسم کا دوسرے جسم پر انداز ہو کر اسے جدا کر ڈالنا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر ثابت ہو جائے کہ درخت قلمیں ہیں وَالْبَحْرُ حالانکہ بحرِ محیط باوجود اپنی وسعت پہنائی کے۔ بحرِ محیط سے وہ بحرِ اعظم مراد ہے جو تمام روئے زمین پر دریاؤں کا سرچشمہ ہے خواہ وہ دریا متصل ہیں یا منفصل۔ اور اس بحرِ اعظم کا ساحل (کنارہ) کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کے عمق کو جانتا ہے اور یہ زمین پر چلنے والے دریا، اس کے مقابل چھوٹی جھیلیں ہیں۔

تختِ ابلیس کہاں ہے ابلیس کا تخت اسی بحرِ اعظم میں ہے اسی بحرِ اعظم کے اوپر کے حصے (پانی) پر بڑے بڑے شہر آباد ہیں جن کے مکین جنات ہیں اور وہ شہر پانی کی اتنی مقدار پر آباد ہے جتنا زمین کا چوتھائی حصہ ویران ہے۔ اسی بحرِ اعظم میں مرجان کا درخت ہے۔ جیسے باقی اشجار زمین پر ہیں۔ اس بحرِ اعظم میں بہت بڑے جزیرے ہیں جن میں آبادیاں ہیں اور بہت سے ایسے

جزیرے بھی ہیں جو غیر آباد ہیں، جن کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ البحر مبتدا اور یَمُدُّہٗ اس کی خبر ہے اور یمدّہ بمعنے یزیدہ ہے۔ یعنی اس دریا کے پانی کو سیاہی بنا دیا جائے۔ یہاں مداد بول کر ذات مداد مراد لی گئی ہے اسی لیے سیاہی کو علیحدہ نہیں لایا گیا مِنْۢ بَعْدِهٖ اس کے ختم ہونے یعنی مٹ جانے کے بعد سَبْعَةُ اَبْحُرٍ سات دریا جیسے بحرِ چین، بحرِ تبت، بحر الہند، دریائے سندھ، بحرِ فارس، بحر الشرق، بحر الغرب (واللہ تعالیٰ اعلم)

ف: اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ہفت اقلیم اور سات دریاؤں سے زینت بخشی ہے۔

ف: مفسرین دریاؤں کی گنتی کے درپے نہیں ہوئے ہم نے ایک دوسری جگہ پر تحقیق لکھ دی ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ سات دریاؤں سے:

۱۔ فرات

۲۔ دجلہ

۳۔ سیحان

۴۔ سیحون

۵۔ جیحان

۶۔ جیحون

۷۔ نیل

مراد ہوں اس لیے کہ اہلِ عرب بہت زیادہ پانی کو البحر کہتے ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ سات دریاؤں کی طرح اور سات دریا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سات کے عدد سے گنتی مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے۔

ف: الارشاد میں ہے مدّ کا اسناد بحر اعظم کی بجائے الابحر السبعۃ کی طرف اس لیے ہے کہ یہی ساتوں دریا پہاڑوں اور جاری چشموں کے قریب ہیں۔ پہلے نہروں کا تعلق انہی دریاؤں سے ہوتا ہے پھر بالواسطہ بحر اعظم سے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس سیاہی میں سات دریاؤں کی سیاہی کا ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے اور ان سے قلم کلمات اللہ لکھتے رہیں مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ تو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے متعلقات تو ختم نہیں ہوں گے البتہ قلم اور سیاہی ضرور ختم ہو جائیں گے۔ اس کی تحقیق ہم نے سورۃ کے اواخر میں بیان کر دی ہے۔ یعنی قل لو کان البحر مدادا'' الآیۃ کے تحت سورۂ کہف کو دیکھئے۔

نکتہ : کلمات کو جمع قلت لانے میں اشارہ ہے کہ جب اس کے قلیل کلمات کا یہ حال ہے تو پھر کلماتِ کثیرہ کا کیا حال ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر زمین کے جملہ اشجار قلم اور تمام دریا سیاہی ہو جائیں، پھر ان کی مقدار کاغذ لکھنے کے لیے تیار کیے جائیں اور پھر لکھنے والے لکھتے لکھتے قلم توڑ ڈالیں اور سیاہی ختم کر دیں اور تمام کاغذات صرف ہو جائیں اور لکھنے والوں کی زندگیاں ختم ہو جائیں تب بھی کلماتِ الٰہیہ کے معانی ختم نہ ہو سکیں گے اس لیے کہ یہ اشیاء اگرچہ کثیر ہیں پھر بھی متناہی ہیں اور کلماتِ الٰہیہ کے معانی غیر متناہی ہیں کیونکہ یہ قدیم ہیں اور وہ حادث، اور متناہی غیر متناہی کو کس طرح پورا کر سکتا ہے اور آیت میں صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید قدیم ہے اس لیے کہ غیر متناہی ہونا قدیم کی صفت ہے۔ اور قرآن مجید کی حقانیت کے بارے میں مروی ہے:

ولا تنقضی عجائبہ۔

(اس کے عجائبات نہ ختم ہونے والے ہیں)

یعنی کوئی بھی ان کے معانی عجیبہ اور فوائد کثیرہ کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

شانِ اولیاء آیت میں اشارہ ہے کہ حکماتِ الٰہیہ یعنی اولیاء اللہ کے کلمات اور ان کے علوم غیر منقطع ہیں اس لیے کہ ان کے علوم و حکمتیں حق تعالیٰ کے چشمۂ حکمت سے حاصل شدہ ہیں جب چشمہ غیر منقطع ہے تو اس کا پانی بھی لازماً غیر منقطع ہوگا اور اولیاء کرام کے علوم اور حکمتوں کا انقطاع ہو بھی کیسے، جبکہ انھیں ان علوم و حکمتوں کی تلقین اور فیض رب العالمین اور اس کے خزینوں سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے غیر منقطع ہیں جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔

ف : بعض عارفین کو تجلّی برقی نصیب ہوتی ہے کہ انھیں ایک لمحہ میں غیر متناہی علوم نصیب ہو جاتے ہیں۔ پھر جسے ایک لمحہ میں اتنے علوم نصیب ہو جائیں اس کے عمر بھر کے حاصل کردہ علوم کا کیا حال ہوگا!

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی حَکِیْمٌ o حکیم ہے کہ اس کے علم و حکمت کوئی شے خارج نہیں اسی لیے اس کے وُہ کلمات جن کی بنیاد ان دو کلموں پر ہے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

وظیفہ برائے عزّت و غنا ظاہری و باطنی جو شخص چالیس بار لفظِ عزیز کا چالیس دن وِرد رکھے اسے عز و غنا ظاہری و باطنی اس قدر نصیب ہوگا کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا۔ اس اسم کے تمسک سے تقربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ

یہ ہے کہ جملہ مخلوق سے اپنے آپ کو رفیع الہمۃ بنائے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

وظیفہ برائے دفع المہمات جو شخص اسم حکیمُ کو بہت زیادہ پڑھے گا وُہ جملہ آفات و مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا اور بابِ حکمت اس پر منکشف ہوجائے گا۔ اس کے معنوی تمسک سے تقربِ حق حاصل ہوتا ہے اور اس کا معنوی تمسک یہ ہے کہ جملہ اُمور میں حکمتِ الٰہی کی رعایت کر کے شرعی حکم کو مقدم رکھے۔ اگر شریعت اور طبیعت یعنی خواہشِ نفسانی کا مقابلہ ہوجائے تو شریعت کے حکم کو ترجیح دے اور اس اسم سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکمت کا سرچشمہ بن جائے اور حکمت اصابۃ القول والفعل کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت لقمان کے قصے میں گزرا۔

ف : انہار و بحار اور جزائر وغیرہا کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو اس کی عظیم الشان شاہی اور وسعت سلطانی پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر دریا اور ہر جنگل میں اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے جو عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے۔

حکایت حضرت سکندر حکماؒ کے جزیرے میں پہنچے یہ ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے اس میں ایک قوم کو دیکھا جن کے لباس درختوں کے پتے اور ان کے گھر پہاڑوں کی غاروں اور بڑے پتھروں میں ہیں۔ حضرت سکندر نے ان سے مسائلِ حکمت کے متعلق سوالات کیے تو انہوں نے ان کے بہترین جوابات دئے اور نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کی اس لیے کہ وہ اسمِ حکیم کے مظاہر ہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: کوئی ضروریات درپیش ہوں تو انہیں پُورا کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ سے دُنیوی زندگی کا دوام چاہتے ہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: یہ میرے بس میں نہیں اس لیے کہ میں تو صرف ایک سانس کو بھی اپنے قابو میں نہیں لا سکتا جسے اس قدر بھی قدرت نہ ہو تو اسے دائمی زندگی دینے کی طاقت کہاں! پھر ان کے امیر نے فرمایا کہ ہمیں صحت بدنی دیجئے جب تک ہم زندہ رہیں تندرست اور باعافیت زندگی بسر کریں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: یہ بھی میرے بس میں نہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا: ہمیں بتائیے کہ ہماری بقایا زندگی کتنی ہے۔ حضرت سکندر نے فرمایا: جب میں اپنی زندگی کے متعلق نہیں جانتا تو تمہارے لیے کیا کہہ سکتا ہُوں۔ انہوں نے فرمایا: پھر ہمیں اپنے حال پہ رہنے دیجئے ہم اس کا سوال اس ذات سے کریں گے جو بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور تیری شاہی و سلطنت کو اس کی شاہی اور سلطنت سے کوئی بھی نسبت نہیں۔

حکایت جب حضرت سکندر جزیرۂ حکماؒ میں تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ مذکورہ بالا گفتگو سے فراغت پائی تو لوگ ان کے لشکر کو غور سے دیکھتے اور اس کی کثرت اور شان و شوکت سے تعجب کر رہے تھے ان میں ایک درویش تھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حضرت سکندر نے فرمایا کہ آپ میرے

لشکر کو کیوں نہیں دیکھتے۔ درویش نے فرمایا کہ میں آپ سے پہلے ایک بہت بڑے بادشاہ اور اس کے لشکر کا حال دیکھ چکا ہوں اب مجھے تیرے لشکر کو دیکھنے کی حاجت نہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: وہ کیسے؟ درویش نے فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک بادشاہ اور ایک درویش رہا کرتے تھے وہ ایک ہی دن فوت ہوئے اور ہم نے انہیں دفن کر دیا۔ ایک مدت کے بعد میں ان کی قبروں کے پاس سے گزرا تو مجھے دونوں برابر نظر آئے ان میں امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں تھا۔ حضرت سکندر ان کی حکمتوں سے متاثر ہوئے اور انہیں اسی حال پر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

۱ چہ ملکت ایں و تو چہ پادشاہی
کہ با شیر اجل بر می نیائی

۲ اگر تو فی المثل بہرام زورے
بروز واپسیں بہرام گورے

۳ چو ملک ایں جہاں ملکے روندہ است
بملک آں جہاں شد ہر کہ زندہ است

۴ اگر آں ملک خواہی ایں فدا کن
کہ با ابراھیم ادھم اقتدا کن

۵ رباط کہنۂ دنیا در انداخت
جہانداری بدرویشی فرو باخت

۶ اگرچہ ملک دنیا پادشاہیست
ولی چوں بنگری اصلش گدائیست

ترجمہ: (۱) یہ ملک کیا ہے، تو کیسا بادشاہ ہے کہ تو اجل کے شیر سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔
(۲) فرض کیا کہ تو بہرام کی طرح زور والا ہے لیکن مرنے کے بعد تو قبر کا بہرام ہے۔
(۳) جب یہ ملک لامحالہ فانی ہے تو جو زندہ ہے وہ اس جہاں میں ضرور جائے گا۔
(۴) اگر وہ (آخرت کا) ملک چاہتا ہے تو تو یہ ملک فدا کر دے۔ ابراہیم ادھم کی اقتدا کیجئے۔
(۵) اُس نے دنیا کی پرانی رباط توڑ ڈالی، درویشی کی شاہی حاصل کر لی۔
(۶) اگرچہ یہ دُنیوی بادشاہی بھی بادشاہی ہے لیکن بغور دیکھو تو یہ گدائی ہے۔

مَا خَلۡقُكُمۡ تمہارا پیدا کرنا ۔

تفسیر عالمانہ **شانِ نزول** : مقاتل اور قتادہ نے فرمایا کہ کفارِ قریش نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری پہلی تخلیق میں مختلف طریقے بتائے کہ پہلے نطفہ پھر مضغہ پھر لحم وغیرہ۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ہماری موت کے بعد ہمیں کیسے اٹھائے گا اور ہم ایک ہی ساعت کس طرح اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان! تمھاری کثرت کے باوجود نہیں ہے قیامت میں تمہارا اٹھانا۔

ف : کاشفی نے اہلِ مکہ کو مخاطب لکھا ہے۔

وَلَا بَعۡثُكُمۡ اور نہ ہی تمہارا قبور سے زندہ کرکے اٹھانا اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ مگر ایک ہی لمحہ میں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت آسان ہے اس لیے کہ اس کے لیے مختلف کیفیات کچھ نہیں ہیں بس جملہ اشیاء اس کے ارادہ و مشیت کی پابند ہیں وہ جیسے چاہے کرسکتا ہے قلیل و کثیر اس کے آگے برابر ہیں وہ جب کُن فرماتا ہے تو فوراً وہ اشیاء موجود ہو جاتی ہیں۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو تخلیق کے متعلق آلات و ادوات کی ضرورت نہیں بلکہ وہ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ صور پھونکیے۔ ان کے صور پھونکنے سے جملہ اہلِ قبور اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اسے یوں سمجھیے کہ دُنیا میں ایک بادشاہ نقارہ بجانے کا حکم فرماتا ہے تو جونہی نقارہ بجتا ہے فوراً ایک ہی ساعت میں جملہ افراد اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر مسموع کو سنتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جو کفار قیامت میں زندہ اُٹھنے کو بعید از عقل سمجھ کر انکار کر رہے ہیں بَصِيۡرٌ ۝ ہر مبصر کو دیکھتا ہے اس کے علم سے کوئی پوشیدہ نہیں منجملہ ان کے یہی مرنے کے بعد جی اٹھنا بھی ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ احیاء و اموات کے احوال کو جانتا ہے۔

پس بقدرت چنیں کس عجز را راہ نیست
قدرت بے عجز ندادے بکس
قدرت بے عجز تو داری و بس

ترجمہ : ایسی ذات کے ہاں عجز کا نام نہیں۔ اے اللہ! جسے بھی تُو نے قدرت دی ہے تو اس کے ساتھ اس کا عجز بھی ہے اور تیری قدرت میں تو عجز کا نام و نشان تک نہیں۔

اَلَمْ تَرَ یہ خطاب اسے ہے جو علم قوی رکھتا ہو اور اس خطاب کا اہل ہو۔ اور رؤیۃ بمعنے علم ہے یعنی اے مخاطب! تمہیں معلوم نہیں کہ اَنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت سے یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ۔ الوج بمعنے تنگی میں داخل ہونا اور ایلاج بمعنے ادخال ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے یعنی رات کی گھڑیوں کو دن کی گھڑیوں میں بڑھاتا ہے۔ مثلاً مطالع و مغارب شمس کے مختلف ہونے کی وجہ سے رات گھٹ جاتی ہے اور دن بڑھ جاتا ہے۔ یعنی نقطۂ شتوی میں نزولِ آفتاب سے نقطۂ انقلاب صیفی کے حلول تک رات کے اجزا کم ہوتے رہتے ہیں اور دن کے اجزا بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جدی کا پہلا دن سال کے دنوں میں سب سے چھوٹا اور سرطان کا پہلا دن سال کے دنوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ دن پندرہ گھنٹوں کا اور رات نو گھنٹوں کی ہو جاتی ہے۔

لیل و نہار کی وجہ تسمیہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ لیل کو لیل کیوں کہا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

لانہ مال الرجال من النساء جعلہ اللہ الفۃ و مسکنا و لباسا۔

(اس لیے کہ اس میں مرد اپنی عورت سے مقاصد پاتا ہے اسی کو الفت کا سبب اور مسکن اور لباس بنایا ہے)

انہوں نے عرض کی: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے سچ فرمایا۔ (پھر عرض کی) نہار کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:

لانہ محل طلب الخلق لمعایشھم و وقت سعیھم و اکتسابھم۔

(اس میں لوگ اپنی معاش حاصل کرتے ہیں اور ان کے مساعی و اکتساب کا وقت ہے)

انہوں نے عرض کی: (اے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ نے سچ فرمایا۔

وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ اور اللہ تعالیٰ دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ یعنی اس کے بعض اجزا رات میں داخل کرتا ہے۔ یعنی سردیوں میں دن کی گھڑیوں کو رات کی گھڑیوں میں شامل فرماتا ہے جیسا کہ مطالع و مغارب کے مختلف سے دن کی کم یہاں تک کہ جوزا کی آخری رات تمام راتوں سے چھوٹی اور قوس کی تمام راتوں میں سب سے بڑی ہوتی ہے۔ یہ رات پندرہ گھنٹوں کی اور دن نو گھنٹوں کا

ہو جاتا ہے۔

اعجوبے ہم نے ایسے ممالک بھی دیکھے ہیں جن کے موسم کا یہ حال ہے کہ سال میں دو ربیع اور دو صیف اور دو خریف اور دو شتا واقع ہوتے ہیں یہ مملکت خطِ استوا میں واقع ہے اور بعض ممالک ایسے ہیں جن میں رات چھ ماہ اور دن چھ ماہ کا ہوتا ہے۔ بعض ممالک سخت گرم اور بعض سخت سرد ہیں مامون الرشید کے زمانے میں اقالیم سبعہ میں تین سو تینتالیس مملکتیں تھیں۔ ان میں بعض ممالک کا حدود اربعہ صرف تین دن کی مسافت تھی اور یہ تمام ممالک میں سب سے چھوٹی مملکت تھی اور ان کی سب سے بڑی مملکت کی مسافت تین ماہ میں طے ہوتی۔ اور مملکت اس علاقے کا نام ہے جس کا مستقل بادشاہ ہو۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج وچاند کو مسخر فرمایا بایں طور کہ وہ خلقِ خدا کے منافع کا سبب ہیں۔

شمس وقمر مومن یا کافر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ سورج وچاند مومن ہیں یا کافر؟ آپ نے فرمایا: وہ مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اور اپنے مالک کے فرماں بردار ہیں۔ انہوں نے عرض کی: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر عرض کی کہ سورج اور چاند ضو و نور میں برابر کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی مٹا کر دن کو زیادہ روشن فرمایا۔ یہ بھی اس کا ایک لطف وکرم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پتا نہ چلتا کہ دن اور رات میں فرق کیا ہے اس کا یولج پر عطف ہے اور ان میں صیغے کا اختلاف اسی لیے ہے کہ رات کا دن میں اور دن کا رات میں داخل ہونا امر متجدد ہے یعنی کبھی دن اور کبھی رات لیکن تسخیر الشمس والقمر دائمی اور لا تعداد ہے اور ان میں تجدد بھی نہیں۔ ہاں تجدّد و تعدّد ان کے آثار میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا كُلٌّ ہر ایک سورج اور چاند يَجْرِىْ بحسب حرکۃ خاصہ قسریہ کے اپنے یومیہ مدارات پر جاری ہوتے ہیں اور ان کا جاری ہونا بحسبِ تعداد ایام ایک دوسرے کے مخالف اور دائمی ہے اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مقرر میعاد تک، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں فرمایا، یعنی قیامت تک۔

سُورج اور چاند کی موت حضرت حسن سے مروی ہے کہ ان کا جاری ہونا قیامت تک ہے۔ اس کے بعد جب ان پر مؤکلین ملائکہ مر جائیں گے تو یہ بمنزلہ جسم بے جان کے ہو کر گریں گے اور جہنم میں چلے جائیں گے تاکہ ان لوگوں کو عبرت ہو جو ان کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں اب پتہ چلے گا کہ جب وہ اپنے سے عذابِ نار دفع نہیں کر سکتے تو ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ فلہذا یہ تو پرستش کے لائق نہیں تھے۔ لیکن اب کیا فائدہ! جبکہ یہی عقیدہ انہیں دنیا میں اپنانا ضروری تھا۔

ف : بطریقِ استطراد واقعہ کے بیان کرنے کے لیے یہ دو معطوفوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ف : ان کے جریان (جاری ہونے) سے ان کی وہ حرکت خاص مراد ہے جو ان کے افلاک میں ہے اور اجل مسمی سے ان کے دورے کا آخری لحہ مراد ہے۔

جن منازل کو سورج سال بھر میں طے کرتا ہے چاند اسے ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے۔ اس معنے

اعجوبہ پر یہ جملہ سورج و چاند کی تسخیر کے حکم کو بیان کرنے کے لیے ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ دن اور رات ایک دوسرے میں کس طرح داخل ہوتے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ سورج اور چاند کے اپنے مداراتِ یومیہ میں بدلنے کی وجہ سے رات اور دن بنتے ہیں۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی کُنہ کو جانتا ہے اس کا عطف یولج الّیل الخ پر ہے یہ بھی اس کے ساتھ حیز رُؤیۃ میں داخل ہے اس لیے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب صنع اور تدبیر لائق کو معلوم کرے گا وُہ اس سے بے خبر نہیں رہ سکے گا کہ وہ واقعی ہر شئے کا صانع اور اس کا علم تمام چھوٹے اور بڑے اعمال کو محیط ہے **ذٰلِكَ** یہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علمی اور شمول قدرت و عجائب صنع اور ان کا اختصاص بہ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے **بِاَنَّ اللّٰهَ** بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ **هُوَ الۡحَقُّ** اس کی الٰہیت حق ہے **وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ** اور وُہ جو پرستش کرتے ہیں **مِنۡ دُوۡنِهٖ** ماسوا اللہ تعالیٰ کے یعنی بت پرستی **الۡبَاطِلُ** باطل ہے ان کی الٰہیت، اس لیے کہ وُہ شئے پر بھی قدرت نہیں رکھتے اس لیے ان کی پرستش میں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ کی الٰہیت کی حق الٰہیۃ کی تصریح دلائل سے فرمائی تو پھر غیروں کی الٰہیت کے بطلان کی کیا ضرورت ہے؟

جواب : تاکہ توحید باری تعالیٰ کا مہتم بالشان ہونا ثابت ہو۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے سے بلند و ارفع ہے **الۡكَبِيۡرُ**۝ ع ہر شے پر غالب ہے۔ اس کی شانِ کبریائی کے مقابلے میں ہر شے حقیر اور لا شئے ہے۔

ف : شرح حزب البحر میں ہے کہ جسے معلوم ہوگا کہ العلی وُہ ہے جو علوِ شان اور جلالۃ کے اعتبار سے ہر شے سے بلند و ارفع ہے تو اس کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے گی اور وہ صرف اسی کو اختیار کرے گا بلکہ بلند قدر امور کو چاہے گا اور ذلیل و حقیر ترین امور سے نفرت کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلندیِ ہمت بھی ایمان کی علامت ہے ؎

ہمائی چوں تو عالی قدر حرص استخوان حیفست　　دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ: تو ہُما ہے اور بہت بڑا بلند قدر، پھر تجھے ہڈیوں کی تلاش کا بڑا افسوس ہے اس لیے کہ تُو نے ایسی ہمتِ بلند کو نا اہل پر ڈال دیا۔

ف: جس نے اپنے رب کی کبریائی کو جانا اور اپنی خودی کو فراموش کیا تو اسے تواضع و انصاف کا دامن نصیب ہوگا اور حفظِ حرمت اسے لازم ہوگی۔ اور الاربعین الادریسیہ میں ہے کہ اے وہ ذاتِ کبریا! کہ تیری عظمت کے وصف سے عقول کو ادراک نہیں ہوسکتا۔

وسعتِ رزق اور ادائیگیِ قرض کا وظیفہ حضرت سُہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اِن دونوں اسموں پر کثرت سے مداومت کرے گا تو اس کا قرض ادا ہوجائے گا اور اس کے رزق میں وسعت ہوگی۔

ملازمت سے برطرفی کے بعد بحال ہونے کا وظیفہ جو شخص کسی عُہدہ سے معزول ہو تو وہ ان دو اسموں کو ہفتہ تک وظیفہ کے طور ایک ہزار بار روزانہ پڑھے ملازمت بحال ہوجائے گی اگرچہ بادشاہی سے ہی معزول ہو۔

تفسیرِ صُوفیانہ وان مایدعون الخ میں اشارہ ہے کہ ما سوی اللہ کی طلب باطل ہے اسی لیے لازم ہے کہ اسے اضطراری موت سے پہلے اپنے اختیار سے ترک کرے اور العلی الکبیر کی طلب مرنے سے پہلے ہی کرلے ؎

۱ مکن عمر ضائع بافسوس و حیف
که فرصت عزیز است والوقت سیف

۲ نگه دار فرصت که عالم دمیست
دمے پیش دانا به از عالمیست

ترجمہ: (۱) افسوس و حیف کے ساتھ عمر ضائع نہ کرو اس لیے کہ فرصت عزیز اور وقت تلوار ہے۔

(۲) فرصت کو نگاہ میں رکھو اس لیے کہ جہان صرف ایک آن ہے اور دانا کے نزدیک ایک گھڑی تمام جہان سے بہتر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی دُور ہونے کا سوال کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰہِ لِیُرِیَکُمْ مِّنْ اٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝ وَ اِذَا غَشِیَہُمْ مَّوْجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰہُمْ اِلَی الْبَرِّ فَمِنْہُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوْرٍ ۝ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ ہُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ٝ وَ لَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ ع

ترجمہ: کیا تُو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے اللہ کے فضل سے تاکہ تمہیں وہ اپنی کچھ نشانیاں دکھائے بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر کرنے والے شکر گزار کو اور جب ان پر آ پڑتی ہے کوئی موج پہاڑوں کی طرح تو اللہ کو پکارتے ہیں نرے اسی پر عقیدہ رکھتے ہوئے پھر جب انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اُن میں کوئی اعتدال پر رہتا ہے اور ہماری آیتوں کا انکار نہ کرے گا مگر ہر بڑا بے وفا ناشکرا' اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنے بچّہ کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کامی بچّہ اپنے باپ کو کچھ نفع دے بے شک اللہ کا وعدہ سچّا ہے تو ہرگز تمہیں دھوکہ نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز تمہیں اللہ کے علم پر دھوکہ نہ دے وہ بڑا فریبی بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْکَ اس رؤیت سے مشاہدہ و معائنہ مراد ہے اور خطاب ہر اُس شخص کو ہے جو اس کا اہل ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں تَجْرِیْ جاری ہوتی ہیں۔ المفردات میں ہے کہ الجری بمعنے المر السریع یعنی تیز چلنا۔ فِی الْبَحْرِ دریا میں بِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یہ باء صلہ کی ہے اور تجری کے متعلق ہے یا حال ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے اور یہ اسی متعلق کے فاعل سے حال ہے اور وہ محذوف متلبسۃ ہے یعنی

وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور احسان و کرم سے چلتی ہیں یعنی انسانی ضروریات کے لیے سامان وغیرہ لے کر چلتی ہیں۔
ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان کرم یہ ہے کہ کشتیوں کو پانی پر محفوظ رکھتا ہے اور ان کے چلانے کے لیے ہوا کو مقرر فرماتا ہے۔ اور الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ نعمت بمعنے رحمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کشتیاں پانی پر تمہاری سواری بن کر چلتی ہیں تاکہ ایک دُوسرے کی ملاقات کے لیے تمہیں سہولت ہو۔
لِيُرِيَكُمْ تاکہ تمہیں دکھائے **مِنْ اٰيٰتِهٖ** اپنے بعض آیات جو اس کی وحدت و علم و قدرت پر دلالت کریں۔ اس طرح بعض عجائبات، تاکہ تم اس کی توحید کو سمجھ سکو۔ اس کا ظاہری معنیٰ تو یہ ہے کہ وہ کشتی کی سواری سے دریا کو بسلامت عبور کر جاتے ہیں۔ چنانچہ تاجر سے پوچھا گیا کہ تُونے دریا کے عجائبات سے کون سا بہتر عجوبہ دیکھا؟ اس نے جواب دیا: میرا دریا کو بسلامت عبور کر جانا بہتر عجوبہ ہے۔ اور اس کا باطنی معنیٰ یہ ہے کہ سالک لوگ شریعت کی کشتی پر طریقت کے ملاح کے ذریعہ سے حقیقت کے دریا کو عبور کرتے ہیں **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** بیشک اس مذکور یعنی کشتی اور دریا کے معاملہ میں **لَاٰيٰتٍ** ذاتی طور پر بہت بڑی اور اَن گنت آیات ہیں **لِّكُلِّ صَبَّارٍ** ہر انسان کے لیے جو مشقتوں اور تکلیفوں پر بہت صبر کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے آفاق و انفس میں اپنے نفس کو تفکر کے رنج و محنت میں ڈالتا ہے **شَكُوْرٍ** ۝ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت زیادہ شکر کرتا ہے یہ دونوں اہلِ ایمان کی صفتیں ہیں گویا یہ اس اہلِ ایمان کے لیے کہا گیا ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہو اس لیے کہ اہلِ ایمان کی بہتر صفات صبر اور شکر ہیں۔ ایمان کے دو حصے ہیں: صبر اور شکر۔

صبر کی تفصیل بقدر قوت بدنیہ مشقتوں کو اٹھانا، افعال ہیں جیسے چلنا اور پتھر اٹھانا ایسے امور سے اجسام پر مشقت پڑے تو اُف نہ کی جائے اور انفعال ہیں جیسے مرض پر صبر کرنا اور کسی کی مار کو برداشت کرنا اور کسی عضو کے کٹنے پر اُف نہ کرنا۔ لیکن مذکورہ بالا صورتوں پر صبر کرنا علی الاطلاق فضیلت نہیں رکھتا بلکہ فضیلت اس صبر میں ہے جس میں اصلاحِ طبیعت مقصود ہو اور اصلاحِ نفس کی خاطر طاعاتِ الٰہی پر صبر کرنا۔

خلاصہ یہ کہ صبر کڑوی دوا کی طرح روحانی امراض کا بہتر علاج ہے اور اس میں بہت بڑے منافع ہیں ؎

طبیب شربتِ تلخ از برائے فائدہ ساخت

ترجمہ: طبیب نے فائدہ کے لیے کڑوی دوائی تیار کی ہے۔

شکر کسے کہتے ہیں: قلب میں نعمت کے تصوّر اور منعم کی زبان سے تعریف اور اعضاء سے

اسی کی خدمت کا نام شکر ہے۔ صبر سالک کی ابتدا اور شکر اس کا منتہٰی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر صبر سے افضل ہے۔ اس لیے کہ صبر سے اتنا ہوتا ہے کہ جزع فزع کو ترک کیا جاتا ہے اور شکر میں ایک پوشیدہ امر کا اظہار ہوتا ہے۔ حقیقی صبر کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں اس لیے کہ عموماً انسان کسی طریقہ سے جزع فزع کر ہی لیتا ہے اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو مصائب و تکالیف کو برداشت کر کے نفس کو قابو میں لا سکیں۔ بہت سے لوگ صبر و شکر کے درمیان فرق نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ تکالیف و مصائب کے وقت نفس کو قابو میں لا کر جزع فزع نہ کرنے کا نام صبر ہے اور انہی مصائب و تکالیف کو نعمتِ الٰہی سمجھنے کو شکر کہا جاتا ہے۔ اولیاء کرام کی شان میں کیا خوب فرمایا گیا ہے : ؎

۱ خوشا وقت شوریدگان غمش
اگر زخم بینند اگر مرہمش

۲ دما دم شراب الم درکشند
وگر تلخ بینند دم درکشند

۳ نہ تلخ است صبرے کہ بریاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست

ترجمہ : (۱) اس غم میں شوریدہ حال لوگ بہت خوب کہ اگر اس سے زخم کھاتے یا مرہم پاتے ہیں۔

(۲) وہ دائمی طور پر شراب غم پیتے ہیں اگرچہ تلخی پاتے ہیں تاہم خوش ہوتے ہیں۔

(۳) صبر کڑوا نہیں جب اس کی یاد میں ہو بلکہ تلخی شکر کی طرح میٹھی ہوتی ہے جب دوست کے ہاتھ سے نصیب ہو۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ۔ غشی بمعنے ستر و علو۔ مثلاً کہا جاتا ہے : غشیہ ای سترہ و علاہ۔ اور ھُم کا مرجع مطلقاً کشتی سوار ہیں یا صرف کفار۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب ان پر چڑھ جاتی اور ڈھانپ لیتی اور گھیر لیتی ہے **مَّوْجٌ** ہر وہ شے جو پانی کے اوپر ہو گا **لظُّلَلِ** سایوں کی طرح یعنی جیسے پہاڑ یا بادل سایہ کرتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جب موجِ دریا جو بڑا ہونے میں سائبانوں یا پہاڑوں یا بادلوں کی طرح ہے ان پر چڑھ جاتی ہے۔

حلِ لغات : الظلل، الظلة (بالضم) کی جمع ہے بمعنے سائبان۔ چنانچہ المفردات میں ہے الظلة ہر وہ شے جو صفہ کی شکل میں ہو۔ اسی معنے پر الظلل کو محمول کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ الظلل جو اسی آیت موج کالظلل میں واقع ہوا ہے اور الظلل جمع ہے اس لیے موج وہ ہے جو یکے بعد دیگرے پانی کا تودہ آتا ہے۔

دَعَوُا اللّٰہَ تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں درانحالیکہ وہ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۥ دعا و طاعت میں اخلاص کرنے لگ جاتے ہیں اس وقت وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو یاد نہیں کرتے اور نہ ہی کسی اور سے فریاد کرتے ہیں اس لیے کہ اس وقت ان سے خوفِ شدید کی وجہ سے تقلید آبائی اور خواہشاتِ نفسانی زائل ہو کر فطرت اصلی رہ جاتی ہے۔ الاخلاص شے شوائب سے خالی کرنے کو کہا جاتا ہے فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ پس جس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے سلامتی کے ساتھ انہیں جنگلوں میں پہنچاتا ہے بوجہ ان کے اخلاص فی الدین کے فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ تو بعض ان میں طریق قصد یعنی توحید پہ قائم رہتے ہیں یا مقتصد بمعنے کفر میں متوسط مزاج آدمی مراد ہے اس میں فی الجملہ کفار کو زجر و توبیخ ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے بعد تمام کفّار کے لیے امن کا وعدہ فرمایا سوائے چار کافروں کے کہ ان کے متعلق فرمایا کہ انہیں قتل کر دو جہاں بھی ہوں، یہاں تک کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں کو بھی پکڑے ہوئے ہوں، وہ چار اشخاص یہ تھے :

۱۔ عکرمہ بن ابی جہل

۲۔ عبداللہ بن خطل

۳۔ مقیس بن سبابہ

۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

عکرمہ تو بھاگ نکلا اور دریا عبور کرتے ہوئے کشتی پر سوار ہوا تو مخالف ہوا سے کشتی غرق ہونے کو تھی ملّاحوں نے کہا کہ دوستو! اب اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کا وعدہ پورا کرو اب تمہارے بتوں نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی اور نہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عکرمہ نے دل ہی دل میں کہا کہ یا اللہ! اگر تو مجھے آج نجات بخش دے گا تو واپسی پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلام قبول کروں گا اور وہ کریم ہیں مجھے معاف فرما دیں گے۔ ان کے اخلاص کی برکت سے مخالف ہوا ٹھہر گئی اور کشتی غرق ہونے سے بچ گئی۔ حضرت عکرمہ حسبِ وعدہ مکّہ میں واپس آکر مسلمان ہو گئے اور تا دمِ زیست مخلص رہے۔

۱ قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

۲ گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چوں تو محروم نیست

۳ سلامت در اخلاص اعمال ہست
شود زورق زرق کاران شکست

ترجمہ: (۱) قضا و قدر جہاں چاہے گی کشتی لے جائے گی اگرچہ ملاح اس پر کپڑے پھاڑ کر بھی ڈال دے۔
(۲) اگر تیرے اندر اخلاص کا بیج نہیں تو اس در سے تجھ سا محروم اور کوئی نہ ہوگا۔
(۳) اعمال میں اخلاص ہو تو سلامتی ہے ورنہ دھوکا بازوں کی کشتی کو شکست کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اور ہماری قدرت کی نشانیوں کا انکار نہیں کرتا اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝ مگر ہر وہ جو غدار ہے اس لیے کہ اس نے عہد فطری کو توڑا یا وہ اخلاص چھوڑا جو اس نے دریا میں غرق ہونے سے بچنے کے وقت ظاہر کیا۔

حل لغات: الختر بہت بُرے اور قبیح ترین دھوکے کو کہا جاتا ہے۔ المفردات میں ہے کہ الختر وہ دھوکا جس میں انسان ضعف کا اظہار کرے اور جس امر کی جد و جہد کرے اسے توڑ ڈالے۔ کفور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا۔ یہ لفظ ہر اس شخص کے لیے مستعمل ہے ناشکری جس کی عادت بن چکی ہو۔ جیسے ظلوم ہر اس شخص کو کہتے ہیں ظلم کرنا جس کی عادت بن چکی ہو۔ کافر کو ان دونوں صفتوں سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ ان دونوں قبیح اور بُری صفات سے موصوف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف الغدر من علامات المنافق۔

(دھوکا منافق کی علامات سے ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الوفاء لاهل الغدر والغدر باهل الغدر وفاء عند الله تعالى كما ان التكبر على المتكبر صدقة۔

(دھوکا باز سے وفا کرنا بھی دھوکا ہے ایسے ہی اہلِ غدر سے دھوکا کرنا وفا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ (ثواب) ہے)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے عہد کے ایفا میں جد و جہد کرے۔ اس سے ہماری مراد اس عہد سے ہے جو ربوبیت کے اقرار میں 'بلیٰ' کہا گیا، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'الست بربکم'۔ یہ عوام کے لیے عبادت کی رغبت اور وعید سے ڈرنا' اور خواص کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کا وقوف جس میں اپنی کوئی غرض نہ ہو۔ کبھی انسان کو نسیان عارض ہوتا ہے جس کے وہ اپنے حسبِ مرتبہ و مقام سزا کا مستحق ہوتا ہے

اس لیے کہ اس نے ایفائے عہد کیوں نہ کیا۔

حکایت حضرت الشیخ ابوالخیر اقطع (ہاتھ کٹے ہوئے) سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا ہاتھ کس طرح کٹ گیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں لوگوں کے پس خوردہ سے بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے خیال گزرا کہ اسے ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے، بلکہ لوگوں کی کمائی سے کچھ نہ کھاؤں گا اور نہ ہی زمین سے اُگنے والے اناج سے۔ اس ترک کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے پچاس دن تک کہیں سے کھانا نہ ملا یہاں تک کہ میں بھوک سے نڈھال ہوگیا۔ پچاس دن کے بعد مجھے غیب سے دو ٹکڑے سالن کے ساتھ دستیاب ہوئے اس کے بعد میں نے علیحدگی اختیار کر لی اور پہاڑ کی ایک غار میں رہنے لگا ایک دن غار سے باہر نکل کر جنگل کی طرف چلا تو مجھے جنگل میں ایک درخت سے میوے ملے ان میووں کو لے کر منہ میں ڈالا تو اپنا پروگرام یاد آیا تو ان میووں کو تھوک دیا اور پھر واپس غار کی طرف مڑا۔ اسی اثناء میں بعض چور اور ڈاکو پکڑے گئے جن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے ان کے ساتھ گرفتار کر کے حاکم وقت کے ہاں لایا گیا اور مجھے بھی ان چوروں میں شامل کر دیا گیا اور حاکم وقت کے حکم سے میرا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس کا پاؤں بھی کاٹ ڈالو۔ میں نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں التجا کی کہ الٰہ العالمین! میرے ہاتھ نے میوہ توڑنے کی غلطی کی اور اسے سزا ملنی تھی اور مل گئی۔ لیکن پاؤں نے تو کوئی جرم نہیں کیا فلہذا معافی کا خواستگار ہوں۔ اسی اثناء میں میرا ایک واقف کار آگیا جو حاکم وقت کا بھی دوست تھا اس نے حاکم وقت سے کہا کہ یہ تو بہت نیک آدمی ہے۔ حاکم وقت نے نہ صرف مجھے چھوڑ دیا بلکہ اپنی تعدی کی معافی چاہی۔

ف : دراصل اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے ایسے کرتا ہے بہرحال عہد کے ایفاء میں ظاہراً و باطناً جد و جہد ضروری ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

از صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ : صبح ازل سے شام ابد تک دوستی و مہر کا ایک ہی عہد و میثاق ہونا چاہیے۔

ف : کفرانِ نعمت ایمان کے زوال کا سبب ہے جیسے بلعم باعورا نے توفیق ایمان و ہدایت رحمٰن کا شکر نہ کیا تو اس سے ایمان چھینا گیا (العیاذ باللہ)

یَاَیُّھَا النَّاسُ یہ نداء عام ہے اس میں جملہ مکلفین شامل ہیں اگرچہ اس کے اصل مخاطب کفارِ مکہ ہیں اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب تعالیٰ کے عذاب اور غضب سے بچو اور وہ کفر و معاصی و ما سوی اللہ سے اجتناب سے ہوتا ہے۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی اپنے افعال سے ڈراتا ہے مثلاً فرمایا :

اتقوا فتنۃ ۔

اور کبھی صفات سے ۔ چنانچہ فرمایا :

الم یعلم بان اللہ یریٰ ۔

اور کبھی ذات سے ۔ چنانچہ فرمایا :

و یحذرکم اللہ نفسہ

وَاخْشَوْا الخشیۃ بمعنے ایسا خوف جس میں تعظیم بھی ہو۔ یَوْمًا تیسیر میں ہے کہ جائز ہے کہ اس سے معنیٰ ظاہری مراد ہو اس لیے کہ قیامت کا وہ یوم ہے کہ جس سے خوف دلایا جاتا ہے لَا یَجْزِیْ اس میں بدلہ دے گا وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ باپ بیٹے سے یعنی باپ بیٹے کی طرف سے کسی حق کا بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ ہی اس کے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکے گا اور نہ ہی اسے اپنی طاعات میں سے کچھ دے سکے گا ۔ جزاء بمعنے قضاءُ دین ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

جزاء دینہ ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا قرض ادا کرے ۔ المفردات میں ہے کہ الجزا بمعنے الغناءُ والکفایہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لا تجزی نفس عن نفس شیئا ۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ڈرو اس دن سے کہ جس میں باپ بیٹے کا عذاب دفع نہ کر سکے گا ۔ الولد کا لفظ اگرچہ بیٹے کے قریب وبعید دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں صلبی اور قریبی بیٹا مراد ہے یعنی جب وہ اپنے بیٹے صلبی قریبی کا عذاب دفع نہ کر سکے گا تو پھر دوسروں کے لیے عذاب کے دفع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

ف : اس میں رد ہے ان لوگوں کا جو غرور و فریب کھا کر اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتے ہوئے ان کی شفاعت پر اعتماد کرتے ہیں اور ایمان و عمل صالح سے بالکل کورے ہوتے ہیں[1]

وَلَا مَوْلُوْدٌ اس کا عطف والد پر ہے اور یہ مبتدا اور اس کی خبر هُوَ جَازٍ ہے اور نہ ہی بیٹا ادا کرنے والا ہے عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا حقوق کی ادائیگی میں کوئی شے ۔ والد و مولود کی تخصیص اس

[1] اس سے ہمارے اسلاف کی شفاعت کا رد نہیں اس لیے کہ ہم بحمدہٖ تعالیٰ دولتِ ایمان سے نوازے گئے ہیں ۔ (اویسی غفرلہٗ)

لیے ہے کہ جب اتنے گہرے تعلق کا قیامت میں یہ حال ہے تو پھر غیروں کے متعلق کیا ہوگا۔ یہاں پر مولود سے اپنا صلبی اور قریبی بیٹا مراد ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب اس شخص کا یہ حال ہے کہ جس کی صلب سے پیدا ہوا ہے اس کی شفاعت نہیں کر سکے گا تو پھر اوپر کے آباؤ اجداد کی کس طرح شفاعت کر سکتا ہے اور عبارت کی تغییر میں اشارہ ہے کہ بیٹا قیامت میں کام نہیں آسکے گا اس سے اہلِ ایمان کے بعض اشخاص کے طمع کو توڑنا مطلوب ہے جن کا خیال تھا کہ وہ آخرت میں اپنے کفار آباء کی شفاعت کریں گے۔

ردِّ وہابیہ نجدیہ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت صرف کفار و مشرکین کے لیے ہیں کہ قیامت میں صرف کافروں کے لیے شفاعت نہ ہوگی ورنہ اہلِ ایمان ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے ایسے اہلِ ایمان اولاد اپنے مومن آباء و اجداد کی شفاعت کریں گے بلکہ انھیں ایک دوسرے سے نفع ہوگا کما قال تعالیٰ؛

الحقنا بہم ذریاتہم۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حشر اور جنت اور دوزخ اور ثواب وعقاب کے بارے میں لفظ الوعد خیر و شر دونوں میں مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

وعدتہ یعنی میں نے اس سے وعدہ کیا۔

اگر خیر کا ہوگا تو بھی، اگر شر کا ہوگا تو بھی یہی جملہ استعمال ہوگا۔ وعد کی طرح میعاد بھی مصدر ہے لیکن لفظ الوعید صرف شر میں استعمال ہوتا ہے۔

حَقٌّ ثابت ہے ضرور ہو کر رہے گا۔ اس کا خلاف ہرگز نہ ہوگا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔

حلِ لغات اہلِ لغت کہتے ہیں:

غرہ بمعنی خدعہ واطعمہ بالباطل فاغترھو۔

(فلاں نے اسے دھوکا دیا اور اسے غلط بات کہہ کر طمع اور لالچ دی تو وہ دھوکا کھا بیٹھا)

کذا فی القاموس۔

اور الحیٰوۃ الدنیا سے دنیوی زینت اور آرائش اور اس کا مال ومتاع۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دنیوی آرائش اور مال ومتاع تمہیں دھوکا میں نہ ڈالے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے یعنی تمہیں دھوکا دے گی کہ میرے اندر ہر طرح کی سلامتی اور عافیت ہے لیکن اس کا انجام برا ہوگا فلہٰذا اس کے دھوکا دفریب سے

بچ کر رہنا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ۝

حلِ لغات: المفردات میں ہے کہ الغرور بمعنےٰ ہروُہ شے جو انسان کو بگاڑ دے جیسے مال وجاہ اور شہوت وشیطان۔ بعض مفسرین نے یہاں پر الغرور سے شیطان مراد لیا ہے اس لیے دھوکا وفریب دینے والوں میں سے خبیث ترین یہی شیطان ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تمہیں شیطان دھوکا میں نہ ڈالے اس لیے کہ بہت بڑا دھوکا باز ہے۔ مثلاً تمہیں توبہ ومغفرت کی امید دلاکر تم سے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرالے گا اور تمہیں موت اور قبر کی باتیں بھلا دے گا احوالِ قیامت اور اس کے دردناک عذابوں سے غافل کر دے گا۔ ع

وعذر فردا را عمر فردا باید

(کل کے عذر کے لیے کل تک زندہ رہنا بھی ضرور ہے)

(جب کل تک زندہ رہنے کا یقین نہیں تو پھر توبہ میں تاخیر کروں)[1]

؎

کار امروز بفردا نگذاری زنہار

روز چوں یافتہٗ کار کن و عذر میار

ترجمہ: آج کا کام کل پر مت ڈالیے۔ جب آج کا دن تمہیں مل گیا ہے تو کل کے لیے توبہ میں دیر نہ کیجئے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ غرور کا مطلب یہ ہے کہ بُرے اعمال کے ارتکاب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید میں رہنا۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ المغفرۃ۔

(ہوشیار وُہ ہے جو اپنے نفس کو نیکی سے سنوارے اور آخرت کا سامان تیار رکھے اور عاجز وُہ ہے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے رحمت ومغفرت کا

---

[1] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

امیدوار رہو)
کسی نے کیا خوب کہا : ع

ان السفینہ لا تجری علی الیبس
(کشتی خشکی پر نہیں چلتی)

سبق : اعمال صالحہ ضروری ہیں اس لیے کہ نجات کا موجب اعمالِ صالحہ کو بنایا گیا ہے۔ انہی کی برکت سے آنے والے اول لوگوں کے مراتب میں برابری حاصل کرتے ہیں۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ اگر اسلام وطاعتِ الٰہی سے محروم ہے تو پھر غیر سے انتفاع از قسم شفاعت بے سُود ہے کیونکہ قیامت کا ایک ایسا سخت دن ہے کہ جس میں اپنی اولاد بھی کام نہ آئے گی چہ جائیکہ دوسروں سے نفع کی اُمید رکھی جائے اس دن ہر انسان نفسی نفسی پکارے گا مگر یہ ایک الگ بات ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہو جائے۔

ف : حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ماں اپنے بیٹے سے کہے گی کہ کیا میرا پیٹ تیری غذا کا برتن نہیں تھا، کیا میری گود میں تو لیٹتا نہیں تھا، کیا میرے پستان تیرے دودھ کا سرچشمہ نہیں تھے۔ اس کا ترجمہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ نہ طفلے زبان بستہ بودے ز لاف
ہمی روزے آمد بجوفت ز ناف

۲ چو نافت بریدند روزے گسست
بہ پستانِ مادر در آویخت دست

۳ کنار و بر مادر دلپذیر
بہشت است وپستان از وجوئے شیر

ترجمہ : (۱) کیا تو وہ بچہ نہیں کہ گفتگو سے تیری زبان بند تھی۔ کیا تجھے تیری روزی ناف کے ذریعے نہ پہنچتی تھی!
(۲) جب تیری ناف کاٹی گئی تو تیری روزی وہاں سے بند ہوگئی تو پھر تیرا ہاتھ ماں کے پستان سے لٹکا۔
(۳) ماں کی گود اور بغلیں تیری بہشت اور اس کے پستان تیرے لیے دُودھ کی نہر تھی۔

جب ماں بیٹے کو اپنے احسانات جتلائے گی اور کہے گی کہ مجھ سے میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دے اس لیے کہ گناہوں کا بوجھ میری کمر توڑ رہا ہے۔ بیٹا جواب دے گا : اماں! آج ہر شخص اپنے گناہوں میں گرفتار ہے اگر میں تیرا بوجھ ہلکا کروں تو میرا بوجھ کون ہلکا کرے گا ؎

من و تو دو محتاج یک مائدہ
نہ از من نہ از تو بمن فائدہ

ترجمہ: آج میں اور تُو دونوں محتاج ہیں نہ میں تجھے کوئی فائدہ دے سکتا ہوں اور نہ تو مجھے کوئی فائدہ دے سکتی ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،

انه لیکون للوالدین علی ولدهما دین فاذا کان یوم القیامة یتعلقان به فیقول انا ولدکما فیودّ ان لو کان اکثر من ذلك۔

(ماں باپ کا بیٹے پر قرض ہوگا تو قیامت میں وُہ دونوں قرض کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے چمٹیں گے تو بیٹا کہے گا تمہارا بچہ ہُوں۔ وہ دونوں سن کر اس کا قرض معاف کر دیں گے اور کہیں گے اگر اس سے زیادہ بھی ہوتا تو ہم معاف کر دیتے)

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وُہ عبادت، توبہ، ندامت میں دھوکا کھا کر اور اس اعتماد میں رہ کر کہ اللہ تعالیٰ بخش دے گا، سستی نہ کرے۔

حکایت اسرائیلیات میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بیمار ہُوئے تو انہیں علاج بتایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہے وہی مجھے عافیت اور تندرستی دے گا، میں علاج نہیں کراتا۔ اس طرح سے ان کا مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ مجھے اپنی عزّت وجلال کی قسم میں تجھے عافیت وسلامتی نہیں بخشوں گا جب تک علاج نہ کراؤ گے، کیا تم اے موسیٰ علیہ السلام! میری حکمت کو بیکار چھوڑنا چاہتے ہو!

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ اعمال وطاعات جنات ودرجات کے وسائل اور اسباب ہیں اگرچہ ہم انہیں جنات وغیرہ کے لیے علّت (غائی) نہیں کہہ سکتے۔ اسے یُوں سمجھئے کہ دُنیا میں رہ کر ہر معاملہ کے لیے وسیلہ بنانا ضروری ہے ایسے ہی آخرت میں حصولِ درجات وجنات کے لیے بھی یہی اعمال صالحہ اسباب ووسائل ہیں[۱]

---

[۱] یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام حصولِ مقاصد کے لیے بارگاہِ حق کے وسائل ہیں اور آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ میں تصریحات موجود ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

حکایت منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ کو حمام میں داخل ہونے سے روکا گیا جبکہ آپ کے پاس حمام کی اُجرت نہیں تھی تو آپ نے آہ کھینچ کر فرمایا کہ جب بیت الشیطان میں بلا اُجرت داخلہ منع ہے تو بیت الرحمٰن میں بلا عمل کیسے داخل ہُوا جا سکتا ہے !

سبق : مشایخ نے فرمایا کہ کوئی اپنے آپ کو خواہ مخواہ بدبخت سمجھ کر اعمال صالحہ کی جدوجہد سے بیٹھ جائے یہ اس کی سخت غلطی ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نیک امید رکھ کر راہِ طریقت میں خوب جدوجہد کرے کیونکہ خوش اعتقادی کو حصولِ مراد میں تاثیر بلیغ ہے (اسی وجہ سے ہم اہلسنت اولیائے کرام و علمائے ملت کے ساتھ خوش اعتقادی کا درس دیتے ہیں) [1]

ف : بندوں سے اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ کیا ہے اور شیطان نے بھی - لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ مبنی برصدق اور شیطان کا وعدہ نرے دھوکا فریب اور جھُوٹ پر مبنی ہے اس لیے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے -

قاعدہ : دوست کے کلام میں دل چسپی لینا بہتر ہے اور دشمن کی بات کو سُننا نرا نقصان ہے .

سبق : ہم سب پر لازم ہے کہ ہم شیطان و نفس کے دھوکا و فریب سے دھوکا نہ کھائیں اور نہ ہی دنیا کے ساز و سامان پر سہارا کریں اس لیے دُنیا کی دولت کو زوال اور اس کی زیب و زینت مٹنے والی ہے اور اس نے کسی سے وفا کا ثبوت بھی نہیں دیا ؎

۱ بر مرد ہشیار دنیا خس است
که ہر مدتی جای دیگر ست

۲ منہ بر جہان دل کہ بیگانہ ایست
چو مطرب کہ ہر روز در خانہ ایست

۳ نہ لائق بود عشق با دلبری
کہ ہر بامدادش بود شوہری

۴ مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بود ست و بعد از تو ہم

۵ ہمہ تخت و ملکی پذیرد زوال
بجز ملک فرماندہ لا یزال

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

۶ غم و شادمانی نماند و لیک
جزای عمل ماند و نام نیک

۷ عروسی بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزی بود خاتمت

۸ خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

ترجمہ : (۱) ہشیار آدمی کے لیے دنیا ایک تنکا ہے جس کا ہر لحظہ مقام دیگر ہے۔
(۲) جہان میں دل نہ لگا کیونکہ یہ بیگانہ ہے۔ سارنگی بجانے والے کی طرح ہر دن نئے گھر میں ہوتا ہے۔
(۳) اس محبوب سے دل لگانا اچھا نہیں جس کا ہر نیا شوہر ہو۔
(۴) ملک وجاہ وحشم پر تکیہ نہ کر اس لیے کہ تجھ سے پہلے بھی بہت ہو گزرے ہیں اور تیرے بعد بھی بہت سے آئیں گے۔
(۵) تمام تخت اور ملک زوال پذیر ہیں سوائے ملک لم یزل اللہ تعالیٰ کے۔
(۶) غم وخوشی نہ رہے گی لیکن اعمال کی جزا اور نام نیک باقی رہے گا۔
(۷) موت کے وقت تمہیں خوشی ہو گی جب تیرا خاتمہ نیک ہوا۔
(۸) اے اللہ! اولادِ فاطمہ کے طفیل میرا خاتمہ ایمان پر فرمانا۔

دُعا : ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ افضل الاعمال اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے بلکہ جب سکرات جاری ہو تو توحید کی دولت کے ساتھ ہماری زبان پر ذکرِ رحمان (اور درود وسلام بر شہِ انس وجان مالکِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم) جاری ہو اور ہمیں مرنے کے بعد جنات میں جگہ دے جہاں رحمت بھری نہریں جاری ہیں اور ہمیں شب وروز اپنی (اور اپنے حبیب پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی) زیارت سے مشرف فرمائے (آمین)۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ - الساعۃ دوجدید اجزاء کے ایک جز کا نام ہے اور قیامت کو الساعۃ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وُہ دنیا کی آخری ساعت پر قائم ہو گی۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے قیامت کا علم کہ وُہ کب قایم ہو گی اسی طرح ان کے اندر احوال اور ہولناکیوں کے علم میں وہی منفرد ہے لوگوں میں سے کسی ایک کو اس کا علم نہیں کہ وہ کس سَن، کس ماہ اور کس رات یا دن کی کس ساعت میں قایم ہو گی!

شانِ نزول : مروی ہے کہ حارث بن عمر یدوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوکر عرض کی ، قیامت کب قائم ہوگی ؟ اور کہا کہ ہمارا علاقہ قحط زدہ ہے میں نے زمین میں بیج بویا ہے بتایئے بارش کب ہوگی؟ اور میری عورت حاملہ ہے بتایئے اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی۔ اور فرمایئے کہ یہ تو مجھے علم ہے کہ میں نے کل یہ کام کیے ہیں لیکن آپ بتائیں میں کل کون سے کام کروں گا اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا لیکن آپ بتائیں کہ میں کس علاقے میں مروں گا۔ اس کے سوالات کے جوابات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی یہ پانچ علوم اللہ تعالیٰ کے خزانۂ مشیت میں ہیں اس کی چابی صرف اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص اپنی کوشش سے اسے حاصل نہیں کرسکتا۔[۱]

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے وقت ساعۃ کو اس لیے مخفی رکھا تاکہ لوگ پُرحذر رہیں اور اعمالِ صالحہ میں کوتاہی نہ برتیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے اس سے فرمایا کہ تُونے اس کی تیاری کی ہے؟ عرض کی :

لا شی الا انی احب اللہ ورسولہ۔

(کچھ نہیں صرف یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں)

آپ نے فرمایا :

انت مع من احببت۔

(تُو قیامت میں اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے)[۲]

---

[۱] مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جسے عنایت فرمائے تو اس سے انکار بھی گمراہی ہے اور ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچوں کے علاوہ بے شمار علوم اور خزائنِ الٰہیہ سے بہت کچھ اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا اور ان کے طفیل دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بھی۔ تفصیل کے لیے تفسیر اویسی ملاحظہ ہو۔

بعض حضرات اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی غیر کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اسی کو علومِ خمسہ کہا جاتا ہے۔ اس آیت کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا : خمس لا یعلمھن الا اللہ ثم قرأن اللہ عندہ علم الساعۃ الخ

[۲] الحمد للہ ہم اہلسنت کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے جملہ صحابہ کرام اور تمام اہلبیت عظام اور اولیائے ملت اور علمائے امت سے بیحد محبت ہے لیکن لعض بدبخت ایسے بھی ہیں جنہیں مذکورہ بالا شخصیتوں کے دل میں بغض ہے اور یزید جیسے خبیث النفس سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

لی حبیب عـربی مدنی قـرشی
کہ بود درد و غمش مایۂ سودا و خوشی
ذرہ وارم بہوا دریٔ او رقص کناں
تا شد از شہرۂ آفاق بخورشید وشی

ترجمہ : میرے محبوب عربی مدنی قرشی ہیں ان کا درد اور غم سودا و خوشی کا مایہ ہے۔ میں ان کی محبت میں ذرّہ سے کمتر ہوں لیکن اپنی قسمت پہ نازاں ہوں اس لیے جو بھی ان سے منسلک ہوتا ہے وہ سورج کی طرح شہرۂ آفاق ہوتا ہے۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اس کا عطف اس فعل پر ہے جو ظرف کا مقتضی ہو۔ یہ عبارت در اصل ان اللہ یثبت عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث تھی۔ کما فی المدارک۔

ف : بارش کو غیث اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ خلقِ خدا کا فریادرس ہے۔ اسی سے اس کا رزق اگتا ہے اور اسی پر اس کی زندگی کا دار و مدار ہے۔

(**ردِّ وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ** حقیقی فریادرس اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ ایک سبب سے بارش کو فریادرس کہا گیا ہے تو یہ شرک نہیں۔ ایسے ہی اولیاء کرام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فریادرس ہیں جیسے مجازاً بارش کو فریادرس کہنا جائز ہے تو ان حضرات کو بطریقِ اولیٰ مجازاً فریادرس کہنا جائز ہے اس لیے کہ بارش ہمارے لیے سبب ہے اور بارش کا سبب اور وسیلہ یہی حضرات ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)

ف : مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ اسی بارش کو غیث کہا جائے گا جو نافع ہو گی۔

اب آیت کے جملہ کا معنیٰ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے اسی وقتِ معین میں جس میں اس کے نزول کا وقت مقدر ہے اور اسی جگہ پر جو اس نے نزولِ بارش کے لیے مقرر فرمائی۔ اس میں تقدیم و تاخیر اور پس و پیش نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا علم صرف اسی کو ہے کسی اور کو کوئی علم نہیں کہ نزولِ بارش کب اور کہاں ہو گا اور یہ بھی صرف اسی کو معلوم ہے کہ اس کے قطرات کتنے ہوں گے (ہم نے حاشیے پر روایات نقل کی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارش کے نزول کا علم تھا بلکہ آپ نے باذنہٖ و عطائہٖ تعالیٰ بارش کے غیر امکانی وقت میں بارش نازل کرا دی)[1]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف ۱ مرفوعاً مروی ہے :
ما من ساعة من لیل ولا نہارا الا السماء تمطر فیہا یصرفہ اللّٰہ حیث یشاء۔
(دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں بارش نہ ہوتی ہو جہاں اللّٰہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں بارش ہوتی ہے)

حدیث شریف ۲ حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا :
ما سنة با مطر من اخری ولکن اذا عمل قوم بالمعاصی حول اللّٰہ ذلك الی غیرھم فاذا اعصوا جمیعا صرف اللّٰہ ذلك الی الفیافی والبحار۔
(ہر سال کی بارش بہ نسبت پہلے سال کے زیادہ ہوتی ہے لیکن جب بندے معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اللّٰہ تعالیٰ اسے (بارش کو) دوسرے بندوں کی طرف پھیر دیتا ہے اور جب سب گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اسے جنگلوں اور دریاؤں پر برساتا ہے)

نسخۂ روحانی جو اللّٰہ تعالیٰ کی رحمت کا موسلا دھار بارش کی طرح طالب ہے اسے توبہ و ندامت اور قاضی الحاجات کی طرف نہایت خلوص سے اور بہتر مناجات سے عاجزی کا اظہار کر کے اللّٰہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے ؎

تو از فشاندن تخم امید دست مدار
کہ در کرم نکند ابرِ نو بہار امساک

ترجمہ ، تمہیں بیج بونے میں پُرامید ہونا چاہئے اس لیے ابرِ نوبہار بارش برسانے میں دیر نہیں کرتا ۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ[1] رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں ۔ یعنی وہ جگہ جہاں نطفہ ٹھہرنے کے بعد انسانی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے ۔ یعنی یہ صرف اللّٰہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ پیٹ میں نر ہے یا مادہ ، زندہ ہے یا مُردہ ، اور اس کے صفات کیا ہیں ، مثلاً وہ صحیح سالم ہے یا ناقص ، حسین ہے یا قبیح ، سعادت مند ہے

---

[1] اس موضوع پر فقیر نے ایک رسالہ مرتب کیا ہے ، ملاحظہ فرمائیے ۔
اویسی غفرلہٗ

یا بدبخت سے

۱ بر احوال نابودہ علمش بصیر
بر اسرار ناگفتہ لطفش خبیر

۲ قدیمی نکو کار نیکو پسند
بکلک قضا در رحم نقش بند

۳ ز ابر افگند قطرۂ سوے یم
ز صلب آورد نطفہ در شکم

۴ ازاں قطرہ لؤلؤے لالہ کند
وزیں صورتے سرو بالا کند

ترجمہ :(۱) جو شے ابھی ناپید ہے اسے بھی اس کا علم محیط ہے اور ان کہے اسرار سے بھی اس کا لطف باخبر ہے۔

(۲) وہ قدیم ہے بہتری کرنے والا اور نیکی کو پسند کرنے والا ہے۔ قضا کی قلم سے رحم میں نقش بنانے والا ہے۔

(۳) بادل سے دریا کی طرف قطرات بھیجتا ہے باپ کی پشت سے ماں کے پیٹ میں نطفہ لاتا ہے۔

(۴) بادل کے قطرہ سے چمکدار موتی بناتا ہے اور اس دوسرے پانی (نطفہ) سے سرو کی طرح سیدھے قد والے انسان پیدا فرماتا ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ نفوس میں سے کوئی نفس بھی نہیں جانتا۔

حل لغات : الدرایۃ بمعنے کسی شے کو حیلہ، بہانہ سے معلوم کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اسے الدادری نہیں کہا جا سکتا۔

سوال : ایک مسلمان شاعر نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا: ع

لاھم لا ادری و انت تدری

(اور وہ اور میں نہیں جانتے تو جانتا ہے)

جواب : یہ جاہلیت اور بدوی عربوں کے استعمالات سے ہے۔

(۲) مشاکلت کے اعتبار سے جواز ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ نفس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے قرآن میں استعمال ہوا ہے کما قال :

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك۔

(جو میرے ارادے میں ہے اسے تو جانتا ہے۔ اور جو تیرے ارادے میں ہے وہ میں نہیں جانتا۔

(ف : یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفی کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیلہ سے جاننے کی اگر نفی ہے تو اعطائے ایزدی کی نفی بھی ہو گئی۔ فقیر اویسی نے اس موضوع پر ایک رسالہ بنام "نور الہدیٰ فی علوم ماذا تکسب غدا" لکھا ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ کل کیا کسب کرے گا۔

حلِ لغات : الکسب بمعنے کسی ایسے امر کے لیے انسان کا کوشش کرنا جس میں اسے نفع ہو۔ مثلاً کسب المال وغیرہ۔ اور کبھی اس کا استعمال انسان کے اس گمان میں ہوتا ہے جس میں حصول نفع پر دفع ضرر بھی ہو جائے گا۔ الغد وُہ یوم جو آج کے دن کے بعد متصلاً واقع ہو جیسے امس، وہ یوم جو آج کے دن سے پہلے متصلاً گزرا ہو۔ یعنی کسی کو کیا خبر کہ وہ کل کیا کام کرے گا، اچھا یا بُرا، موافق یا مخالف۔ مثلاً بارہا انسان پختہ ارادہ کرتا ہے کہ کل اچھا کام کرے گا لیکن اس سے بُرا فعل صادر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بالعکس۔ جب انسان کو یہ معلوم نہیں کہ کل کی گھڑی میں مَیں نے کون سا عمل کرنا ہے تو پھر اسے کل کے بعد آنے والے لمحات کی لاعلمی لازم امر ہے ؎

۱ نداند کسے چوں شود امر او
چہ حاصل کند در پس عمر او

۲ بجز حق کہ علمش محیط کلست
برابر باو ماضی مستقبلست

ترجمہ : (۱) جب اس کا حکم ہوتا ہے تو کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا اس عمل سے کیا حاصل جو عمر کے ختم ہونے کے بعد ہو (بر امید غلط) (۲) ہر شے کو محیط صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے اس کے آگے ماضی و مستقبل برابر ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ اور کسی نفس کو کیا معلوم اگرچہ اس میں کئی طرح کی حیلہ سازیاں کرے۔ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ کون سی زمین پر مرے گا، دریا میں یا جنگل میں، ہموار اور نرم زمین پر یا پہاڑوں پر، اور نہ ہی اسے معلوم ہے کہ وُہ کب مرے گا! ہاں عین وقت پر اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی موت فلاں علاقے میں ہو گی تو کوئی حرج نہیں۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں ملک الموت ایک شخص کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: یہی ملک الموت ہے۔ کہا کہ شاید یہ میری جان لینے آیا ہے آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اڑا کر ہندوستان کے کسی دُور کے شہر میں پہنچا دے۔ آپ نے ہوا کو فرمایا تو وہ اسے لے اڑی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے پُوچھا) آپ اس شخص کو غور سے کیوں دیکھتے تھے؟ فرمایا: میں متعجب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے حکم فرمایا ہے کہ اس کی روح ہندوستان کے فلاں شہر میں قبض کرلے اور وہ یہاں بیٹھا ہے

(اس لیے اس نے سلیمان علیہ السلام سے عرض کی جس پر ہوا نے اڑا کر اسے وہاں پہنچا دیا جہاں اس کی روح قبض کی جانی تھی)

حکایت مقاصد الحسنہ میں ہے کہ ایک شخص سورج کے فرشتے کے لیے کہتا تھا:
اللھم صل علیٰ ملک الشمس۔

ایک دن ملک الشمس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

یا الہٰ العٰلمین! مجھے اس شخص کی زیارت کی اجازت بخشئے جو میرے لیے دعا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی تو وہ فرشتہ اسی بندے کے ہاں تشریف لایا اور کہا:

بھائی جان! میں صرف تیرے لیے زمین پر آیا ہوں اور میں ہی ملک الشمس ہوں، بتائیے میرے لائق کوئی خدمت!

اس نے کہا: حضرت! میں نے سُنا ہے کہ آپ کی ملک الموت کے ساتھ دوستی ہے میرے لیے ان سے کہئے کہ ایک تو مجھے موت کے مقررہ وقت سے مہلت دیں، دوسرا میری رُوح قبض کرتے وقت آسانی فرمائے۔

ملک الشمس اس شخص کو لے کر سورج میں پہنچ گئے اور اسے سورج میں بٹھا کر ملک الموت کے ہاں تشریف لے گئے اور اس کی سفارش کی تو ملک الموت نے اس کا نام اور ولدیت وسکونت پوچھی، ملک الشمس نے اس کا تعارف کرایا۔ ملک الموت (علیہ السلام) نے لوحِ محفوظ کو دیکھ کر فرمایا کہ اس شخص کی موت سورج کے اندر لکھی ہے اور اس کی رُوح ہمارے خدام نے نکال بھی لی ہے۔ چنانچہ ملک الشمس سورج میں واپس تشریف لائے تو اس شخص کو مُردہ پایا۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مدینہ کے گرد ونواح میں سَیر کو تشریف لے گئے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی قبر کھودی جارہی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی کہ یہ ایک حبشی جوان ہے۔ آپ نے فرمایا: وہی اللہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اس نے اس بندے کو زمین وآسمان میں اسی جگہ پر پہنچایا جہاں اس نے دفن ہونا تھا اور اسی سے ہی اس کا خمیر ہوا تھا۔ قیامت کے دن زمین عرض کرے گی یا اللہ! یہ ہے تیری وُہ امانت جو تُو نے میرے اندر رکھی۔

کسی شاعر نے کہا:

اذا ما حمام المرء کان ببلدۃ
دعتہ الیہا حاجۃ فیطیر

ترجمہ: جس کسی کی موت کسی شہر میں واقع ہونا مقدر ہوتا ہے تو کوئی ضرورت اسے ادھر کی طرف اٹھا کے لے جاتی ہے۔

سبق: اس میں انسان کو تنبیہ ہے کہ وہ ہروقت موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر اس کی تیاری میں لگا رہے۔ یعنی طاعاتِ الٰہی اور نیک اعمال کا سرمایہ جمع کرے یہاں تک کہ اگر کسی کا دل دکھایا ہو تو اس سے معافی چاہے اور اس کا حق ادا کرے۔ قرض دینا ہو تو فوراً دے اگرچہ گھر میں ہو تب بھی اپنے اقارب و احباب کو وصیت کرے جو مرنے کے بعد اسے پورا کرسکے۔ اگر سفر کو جائے تو بطریقِ اَولیٰ اسے وصیت کرنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی موت سفر میں آجائے۔ اور کسی کو کیا معلوم کہ کس علاقے میں موت واقع ہوگی۔ کسی شاعر نے کہا:

۱ مشینا فی خطی کتبت علینا
ومن کتبت علیہ خطی مشاھا

۲ وارزاق لنا متفرقات
فمن لم تأته منا اتاھا

۳ ومن کتبت منیته بارض
فلیس یموت فی ارض سواھا

(کما فی عقد الدار)

ترجمہ: (۱) ہم ان قدموں پر چلیں گے جو ہمارے لیے تقدیر میں لکھے گئے کیونکہ جس کے لیے جتنے قدم (تقدیر میں) لکھے گئے وہ ضرور چلے گا (۲) ہمارے رزق کے لقمے متفرق جگہوں پر ہیں ہم میں سے اگر کوئی رزق کے مقام پر نہ پہنچ سکا رزق اس کے پاس ضرور آئے گا (۳) اور جس شخص کی موت زمین کے جس حصے میں لکھ دی گئی ہے وہ اس کے علاوہ کسی جگہ نہیں مرے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ بیشک اللہ تعالیٰ جملہ اشیاء کو جانتا ہے خَبِیۡرٌ ع وہ باطنی امور کو ایسے جانتا ہے جیسے ظاہری کو۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا:
مفاتیح الغیب خمس وتلا ھٰذہ الآیۃ فمن ادعی علم شئ من ھٰذہ المغیبات الخمس فھو کافر باللہ تعالیٰ۔

(غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے آیت ہذا تلاوت فرمائی (ترجمہ) جو شخص انہی غیوب خمسہ میں سے کسی ایک کا دعویٰ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے)

سوال : صرف انہی پانچوں کو غیوب کا خزانہ کیوں کہا گیا ہے حالانکہ جملہ غیوب ایسے ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
جواب : چونکہ کفار نے صرف انہی کے متعلق سوال کیا تھا اسی لیے انہیں خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے۔
ازالۂ وہم وہابیہ دیوبندیہ چونکہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ اس قسم کے سوالات منجمین سے کیا کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ (اسی لیے اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کو اپنا خاصہ بتایا تاکہ جاہلوں کا عقیدہ مٹ جائے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو پھر حضور علیہ السلام کو اپنے بہت سے غیوب بتائے اور اظہار و اخفاء کا حکم فرمایا۔ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے)[1]
مسئلہ : کاہن جب غیب کی خبریں دیں جو بھی اس کی تصدیق کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔
حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
من اتی کاھنا فصدقه فیما یقول فقد کفر بما انزل الله علی محمد۔
(جو شخص کاہن کے پاس آکر اس کی غیبی خبروں کی تصدیق کرے تو وہ حضور علیہ السلام پر نازل کردہ آیات سے کفر کرتا ہے)
ف : کاہن وہ ہے جو مستقبل کی خبریں دے اور معرفتِ اسرار کا دعویٰ کرے۔ اہلِ جاہلیت کے کاہن تھے جو وہ معرفتِ اسرار کے مدعی تھے۔ بعض ان میں وہ تھے جو کہتے کہ ہمارے جنات تابع ہیں وہی ہمارے ہاں غیبی خبریں بتاتے ہیں۔
مسئلہ : ابوالحسن آمدی نے مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے سنا کہ جو شخص اگرچہ اہلِ عدالت ہو اور دعویٰ کرے کہ اس نے جن کو دیکھا ہے تو وہ گواہی دینے کے قابل نہ رہا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
انه یراکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم۔
آیت میں اللہ تعالیٰ نے عوام سے جنات کے دیکھنے کی نفی فرمائی ہے۔ ہاں اگر مدعی نبی علیہ السلام ہوں تو ماننا فرض ہے۔ کذا فی حیوٰۃ الحیوان۔
مسئلہ : نجومی جو کاہن کی طرح آنے والے حالات کا دعویٰ کرے تو وہ بھی کاہن کی طرح ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف میں ہے:

من سأل عرافا فالم تقبل له صلاة اربعین لیلة -

(جو عرّاف (مستقبل کے علوم کے مدعی) سے کوئی بات پُوچھے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی)

ف: عرّاف وہ ہے جو چور کی چوری اور گم شدہ اشیائ کے مقامات کی خبر دے۔

مسئلہ: اس سوال سے اس کی مراد یہ ہو کہ اس کی خبر کو واقعی سچّا سمجھے اور مسئول کی عظمت کا اعتراف کرے۔

مسئلہ: جب یہ اعتقاد ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ سے الہام ہُوا ہوگا یا اُسے جنّات بتا جاتے ہوں گے وہ جنّات جو ملائکہ سے سُن کر بتاتے ہیں۔ اس کی تصدیق اور ایسا اعتقاد حرام ہے۔ اگر یہ اعتقاد ہو کہ وہ عالم غیب ہے تو ایسا اعتقاد کفر ہے (صرف اس لیے کہ یہ لوگ منجانب اللہ علم غیب نہیں رکھتے بلکہ اٹکل پچّو سے کام چلاتے ہیں ورنہ انبیائ و اولیائ علیٰ نبینا علیہم السلام کا معاملہ کچھ اور ہے وہ اس لیے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کا دیا ہُوا ہوتا ہے اولیسی غفرلہٗ)

مسئلہ: اگر ان لوگوں (منجمین وکاہنین) سے امتحان کے طور سوال کرے یا ان کے باطن کے متعلق معلومات کا ارادہ ہو اور اس کے ہاں صدق وکذب کا امتیاز بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: خلاصہ یہ کہ علمِ غیب خاصۂ خدا ہے۔

(**ردِّ وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ** ہم اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے کہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے لیکن وُہ کریم اپنے فضل وکرم سے انبیاء و اولیاء کرام کو اپنے غیوب کے بہت سے جزئیات سے آگاہ فرماتا ہے اسے ہم علم عطائی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن وہابی نجدی دیوبندی نہیں مانتے اس کا فیصلہ ہم صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ سے کراتے ہیں جو اس دیوبندی بریلوی اور سُنّی وہابی کے اختلاف سے سینکڑوں سال پہلے تھے۔ وُہ اپنی تفسیر میں اس کا فیصلہ لکھتے ہیں:)

وما روی عن الانبیاء والاولیاء من الاخبار عن الغیوب فبتعلیم اللہ تعالیٰ اما بطریق الوحی او بطریق الالہام والکشف فلا ینافی ذٰلك الاختصاص علم الغیب مما لا یطلع علیه الا الانبیاء والاولیاء والملائكة کما	وہ جو انبیائ و اولیاء سے غیبی خبریں مروی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم (عطا) سے ہیں یا بطریق وحی یا بطریق الہام و کشف، یہ اس کے منافی نہیں کہ علمِ غیب تو خاصۂ خداوندی ہے ہاں اس کا خاصہ ہے مگر انبیاء و اولیائ و ملائکہ میں سے جسے چاہے مطلع فرما دے۔ جیسا کہ اس کی طرف

اشار الیہ بقولہ ؛ — اشارہ فرمایا اپنے قول ذیل میں ؛

"عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول" — "وہ عالم غیب ہے اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلّط نہیں فرماتا مگر اس رسول کو جس سے وہ راضی ہو"

اشار الیہ بقولہ ؛ — جیسا کہ اشارہ فرمایا اپنے قول ذیل سے ؛

وعندہٗ مفاتح الغیب لایعلمہا الا ھو۔ — اور اس کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔

(روح البیان ج، ص ۱۰۵)

مسئلہ ؛ بعض ایسے غیوب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص فرمائے ہیں جنہیں نہ کوئی ملک مقرب جان سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔ چنانچہ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو اسی لیے فرمایا گیا۔

مسئلہ : علم الساعۃ بھی منجملہ ان علوم کے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخفی رکھا ہے ہاں اس کی علامات بتائی ہیں جنہیں صاحبِ شرع نے ظاہر فرمایا۔ مثلاً خروجِ دجّال اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام اور مغرب سے سورج کا طلوع اور دیگر وہ امور جو قربِ قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ مثلاً بدعات سیئہ کا غلبہ اور خواہشات اور شہوات کا دور دورہ وغیرہ۔

مسئلہ ؛ بعض اولیاءِ کرام نے بعض اوقات نزولِ بارش کی خبر دی ایسے ہی بتایا کہ ماں کے پیٹ کے اندر بچہ ہے یا بچی۔ تو ویسے ہی ہُوا جیسے انہوں نے خبر دی۔ اسے ہم الہامِ صحیح پر محمول کریں گے۔

حکایت حضرت ابوالعزم الاصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیراز میں تھے اور بیمار ہو گئے۔ فرمایا ؛ میں یہاں نہیں مروں گا۔ اگر میری بات غلط ہو اور میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے یہودیوں کے گورستان میں دفن کر دینا اس لیے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا کہ میری موت طرطوس میں واقع ہو اور میں وہیں مدفون ہوں۔ چنانچہ اس مرض سے شفا پا کر طرطوس پہنچے اور وہیں پر فوت ہُوئے۔ یعنی اللہ والے نے پہلے ہی کہہ دیا کہ وہ شیراز میں فوت نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے انہوں نے فرمایا۔

حکایت فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریروں میں اپنی وفات کی خبر بیس سال پہلے لکھ دی تھی۔ چنانچہ جیسے فرمایا ویسے ہی ہُوا۔ یہی ولایتِ صحیحہ اور وراثتِ نبویہ کی علامت ہے۔

سوال : جب یہ غیوب بعض اولیاءِ کرام کے لیے ممکن ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے کیوں نفی فرمائی ؟

جواب : اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے بندوں کو دُوسری طرف متوجہ فرمایا کہ انسان عبادات و طاعات

میں مشغول ہو تاکہ آخرت کی سعادت سے نوازا جائے اور ایسی باتوں کے درپے نہ ہو جو اسے فائدہ نہ دیں اور نہ ہی ایسے امور میں مشغول ہو جو فضول ہوں ۔ ایسے اعمال کا خوگر ہو جو اسے آخرت میں کام دیں ۔

(صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) تفسیر سورۂ لقمان ۸ شعبان ۱۱۰۹ھ بروز بدھ ختم ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۹۸ھ شبِ جمعرات بعد نمازِ عشاء فراغت پائی ۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم ۔

سُورَةُ السَّجْدَة

سورة السجدة مكية وآيها ثلاثون
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
الٓمٓ ○ تَنزِيلُ الْكِتَٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ○ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰهُ ۚ
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّآ أَتَىٰهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُونَ ○ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ○
يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ○ ذَٰلِكَ عَٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَٰدَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ○ الَّذِي
أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۖ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَٰنِ مِن طِينٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ
مِن سُلَٰلَةٍ مِّن مَّآءٍ مَّهِينٍ ○ ثُمَّ سَوَّىٰهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ ۖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَٰرَ وَالْأَفْـِٔدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ○ وَقَالُوٓا أَءِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ
أَءِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُم بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كَٰفِرُونَ ○ قُلْ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ

الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ کتاب کا اتارنا بیشک پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔ کیا کہتے ہیں ان کی بنائی ہوئی ہے بلکہ وہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے کہ تم ڈراؤ ایسے لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا نہ آیا اس امید پر کہ وہ راہ پائیں اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا اس سے چھوٹ کر تمہارا کوئی حمایتی اور نہ سفارشی تو کیا تم دھیان نہیں کرتے کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کو جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں یہ ہے ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا عزت و رحمت والا وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور پیدائش انسان کی ابتدا مٹی سے فرمائی پھر اس کی نسل رکھی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے پھر اسے ٹھیک کیا اور اس میں اپنی طرف کی رُوح پھونکی اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے کیا ہی تھوڑا حق مانتے ہو اور بولے کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے کیا پھر نئے بنیں گے بلکہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری سے منکر ہیں تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔

سورۃ السجدہ مکیہ ہے اور اس کی تیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تفسیر عالمانہ

الٓمّٓ ۝ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر کتاب خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا خلاصہ حروفِ مقطعات ہیں۔ اور فرمایا کہ الف کا مخرج اقصائے حلق ہے اور یہی مخارج کا پہلا مخرج ہے اور لام کا طرف لسان ہے اور یہ مخارج کا اوسط مخرج ہے اور میم کا دولب ہیں اور یہی مخارج کا آخری مخرج ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے اول و اوسط و آخر احوال و اقوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہو۔

ف : حضرت البقلی نے فرمایا کہ الف میں اعلام کی طرف اور لام میں لزوم کی طرف اور میم میں ملک کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا کہ ان پر عبودیت لازم ہے اور قہراً و جبراً ان کا مالک صرف وہی ہے یہاں تک کہ طوعاً و کرہاً ہر ایک اسی کی عبادت کرتا ہے جو صرف علم تک محدود ہے وہ اسم میں اور جس نے عبادت کی وہ صفت میں اور اس کے ارادہ و مشیت کا مسخر ہوا وہ نور ذات میں پہنچا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف میں محبین کی الفت کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے وصال کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایسے ہی عارفین کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے انس کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اور لام میں محبین کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ لقائے حق کے طالب ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ مجھے ان کی پروا نہیں کہ وہ صفائی پر مقیم رہیں یا وفا میں کوتاہی کریں۔ اور میم میں ان اولیا کرام کی طرف اشارہ ہے جو اپنے مراد و تمنا کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کو مقدم سمجھتے ہیں اسی لیے میں نے بھی انہیں اپنے تمام بندوں سے ممتاز فرمایا ہے۔

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کُن سے پہلے حضورِ حق میں کشف الاسرار میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ فطرت کو پیدا فرمایا تو اسے اپنے حضور میں رکھا جیسے چاہا۔ یہاں تک کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک لاکھ سال بعض روایات میں دو ہزار سال رہے۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر روز ستر ہزار بار نظر کرم سے نوازتا اور ہر نگاہِ کرم پر جدید نور کے لباس سے سنوارتا اور بہت بڑے الطاف سے نوازتا اور ہر نظرِ کرم پر آپ سے فرماتا کہ آپ کو قرآن مجید کی عصمت سے معزز فرمایا جائے گا۔

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالمِ دنیا میں بھیجا گیا تو نزولِ وحی کے وقت اسی فطرۃ قدیم کی یاددہانی کرا کر آپ کے قلب مبارک کو تسکین دی جاتی اسی فطرت قدیم کی تصدیق میں فرمایا؛ الٓمّٓ۔ اس کے الف میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور لام جبریل علیہ السلام کی طرف اور میم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وہی وحی ہے جس کے متعلق میں نے آپ سے ازل میں وعدہ فرمایا تھا کہ وہی وحی (قرآن) آپ کی عزت و عظمت کی عصمت ہوگا اور وہی آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہوگا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ الٓمّٓ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے در اصل عبارت یوں ہے؛ هٰذِهِ السورة مسمّاة بالٓمّٓ۔ اس کا معنی صاحب روح البیان نے کہا کہ الٰہیت میری اور تقدیس جبریل علیہ السلام کی اور بزرگی (مجد) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

تفسیر عالمانہ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ اس کی ترکیب میں کئی وجوہ ہیں، مناسب ترین یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن کو آسمان سے زمین پر بھیجنا لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ الکتاب سے حال ہے یعنی درانحالیکہ اس میں اہلِ عقل کو کوئی شک نہیں مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ مبتدا مذکور کی خبر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس لیے بھیجا کہ اس سے استفادہ کیا جائے اور اس کی طرف سے آنے میں اشارہ ہے کہ سراسر معجزہ ہے۔

شانِ نزول جب قرآن مجید کے تنزیل من رب العالمین کا انکار کیا تو ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ۔ یہ منقطعہ ہے بمعنے بَلْ أَ۔ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ کیا وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید خود گھڑ لیا ہے۔ یہ قول تعجب خیز اور نہایت درجہ کا غلط کہ جس کا بطلان ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب احباب کا ملنا دشوار ہو تو پھر ان کا مراسلہ ہی محبوب ترین ہوتا ہے ؎

ذوقے رسد از نامۂ تو روز فراقم
گر نامۂ طاعت نرسد روز قیامت

ترجمہ: جدائی و فراق کے وقت اتنا ذوق بخشتا ہے کہ اگر قیامت میں نامۂ طاعت میسر نہ ہو تو بھی غم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کی طرف اپنا مراسلہ (قرآن مجید) بھیجا تاکہ ظاہر بین اسے پڑھ سن کر اہلِ غفلت اپنی غفلت دور کریں اور اہلِ خدمت کو بشارت نصیب ہو اور اہلِ باطن کو باطنی اسرار کو نور و سرور حاصل ہو تاکہ ان کے قلوب و اسرار انوار و تجلیاتِ ربانی سے مالا مال ہوں نیز اس سے اہلِ قرابت کو ڈرایا جائے تاکہ نہ وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور نہ مانوس۔ کیونکہ اس کے خلاف عمل کرنے سے ایسے بلند مراتب سے گر جاتے ہیں نیز اس سے اہلِ محبت کو وعدۂ رویت لقا کی خوشخبری دی جائے اس لیے کہ ان لوگوں کو بساط وصال پر لقا نصیب ہوتا ہے اور انھیں فنا کے بعد عالمِ وحدت میں بقا حاصل ہوتی ہے جس میں وہ حق کے ساتھ حق کے لیے حق سے بولتے ہیں اسی لیے جب اہلِ غفلت ان کا حقائق بھرا کلام سنتے ہیں تو انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی ؎

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہل دل
المرء لایزال عدوا لما جہل

ترجمہ: اہلِ اسرار کے کلام پر شیخ شہر نے طعنہ مارا لیکن مرد ہمیشہ اس کا دشمن ہوتا ہے جس سے وہ لاعلم ہوتا ہے۔

ربط: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کی حقیقت کو بیان فرمایا بَلْ یعنی وہ بات نہیں جو کافروں نے کہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ هُوَ وہ قرآن الْحَقُّ حق ہے یعنی یہ کلامِ الٰہی ہے جو درست اور صحیح اور ثابت ہے مِنْ رَّبِّكَ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اب اس کی غرض و غایت بیان فرمائی لِتُنْذِرَ تاکہ آپ عذابِ الٰہی سے ڈرائیں قَوْمًا قوم یعنی اہلِ عرب کو مَّآ نافیہ ہے اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ نہیں آیا ان کے ہاں کوئی بھی ڈر سنانے والا مِنْ

قَبْلِكَ آپ کے ڈرسنانے سے یا آپ کے زمانۂ اقدس سے پہلے، یہ اس لیے کہ قریش حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ فترت سے تھے اور لوگوں میں گمراہ ترین اور ہدایت سے کوسوں دور ہو گئے تھے اس لیے کہ یہ بالکل ان پڑھ تھے (اور اَن پڑھ جب راہِ حق سے بھٹکتا ہے تو دُور جا پڑتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لیس بینی و بینه نبی۔

(میرے اور عیسٰی علیہ السلام کے درمیان (عرب میں) کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا)

اگرچہ اسماعیل علیہ السلام عرب میں تشریف لائے لیکن وہ عیسٰی علیہ السلام سے پہلے تھے اور عیسٰی علیہ السلام کی نبوت بھی صرف ان کی قوم تک محدود تھی اور پھر ان کے وصال کے بعد ان کی نبوت (کے احکام) منقطع ہو گئے اور خالد بن سنان اگرچہ عیسٰی علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے لیکن انھیں ان کی قوم نے ضائع کر دیا۔ یعنی وہ اتنا وقت نہ گزار سکے کہ وُہ اپنی قوم کو من حیث النبوت دعوت دیتے۔ ان کا قصہ مفصل طور ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں اسلام اور توحید سمجھنے کے لیے حجتِ عقلیہ کا استعمال ضروری تھا اس لیے کہ وہ عقلاً اور استدلال پر قدرت رکھتے تھے اگرچہ ان پر حجتِ رسالیۃ لازم نہ تھی۔ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ تاکہ وُہ آپ کے ڈرسنانے سے ہدایت پاسکیں اور یہ ترجی (امید دلانا) حضور علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ یعنی آپ ہی انھیں ڈرسنانے سے امید رکھیں کہ ممکن ہے کہ انھیں توحید و اخلاص نصیب ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعثتِ انبیاءؑ کی اصلی غرض یہی ہے کہ انھیں راہِ حق کی پہچان کرائی جائے۔ پھر ہر ایک اپنی استعدادِ ازلی کے مطابق ہدایت پاتا ہے۔ ہاں جس کی ازل سے استعداد نہیں تو وہ محروم رہتے ہیں جیسے کفر پہ اصرار کرنے والے، اس لیے کہ ان پر نہ تربیت اثر کرتی ہے نہ کسی نبی علیہ السلام کا ہدایت کی راہ پر لگانا۔ ایسے ہی وہ لوگ جن کی فطرۃ میں خامی ہے ؎

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: شیشے سے زنگ اتارا جا سکتا ہے لیکن پتھر کبھی شیشہ نہیں بن سکتا۔

(سوال:) مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر تو سنگ صخرہ و مرمر شوی
چون بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ : اگر تم سخت پتھر یا سنگِ مرمر ہو، جب ولی اللہ کے ہاں حاضری دو گے تو جوہر بن جاؤ گے۔

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرۃ ازلی بھی بدل سکتی ہے۔

جواب : یہ شعر اس فطرۃ کے لیے ہے جو حقیقت میں تو سعادت مند ہوتی ہے لیکن صحبتِ بد یا دیگر عوارض سے خراب ہو جاتی ہے۔ ورنہ ابوجہل کے متعلق کیا کہو گے جبکہ اس نے امام اولیاء و انبیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کی بارہا زیارت کی لیکن اس کا دیکھنا بہ نظرِ حقارت ہوتا تھا اور وہ آپ کو یتیم ابی طالب سمجھ کر دیکھتا تھا اگر وہ بہ نظرِ تعظیم و تکریم دیکھتا تو ضرور کامیاب ہو جاتا۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اس نے آپ کو بہ حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی آپ کی نبوت و رسالت کو قبول کیا تھا۔ کیونکہ یہ نگاہ محبت و عشق سے نصیب ہوتی ہے اور وہ اس نگاہ سے محروم تھا ورنہ وہ واصل باللہ ہوتا۔ اس نے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرانہ نگاہ سے دیکھا اسی لیے جوہر نہ بن سکا۔

شانِ اولیاءؒ یہی جواب اولیاء کرام کے دیکھنے والوں کے لیے ہوگا کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل وارث ہیں اسی لیے انہیں نگاہِ عقیدت سے دیکھنے سے قربِ حق نصیب اور نگاہِ انکار سے دیکھنے سے غضب الٰہی (نعوذ باللہ)۔

ف : آیت میں اهتداء سے جنت اور اس کے درجات کی ہدایت مراد ہے اور یہ مرتبہ عشقِ الٰہی اور ترک ماسوی اللہ اور فناء سے نصیب ہوتا ہے۔ پہلا عوام کے لیے ہے دوسرا مرتبہ اہل اللہ یعنی خواص کا ہے جو پہلے لوگوں سے کامل بلکہ اکمل ہوتے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ ارشادات اولیاءؒ پر التزام اور اہل ہوا اور خواہشات نفسانی کے پرستاروں سے اجتناب کرے اس لیے کہ اہل ہوا اہلِ ہدٰی سے نہیں اور ظاہر ہے کہ مُردہ زندے کو کوئی تلقین نہیں کر سکتا البتہ زندہ مُردے کو تلقین کر سکتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ نجم الدین اصفہانی قدس سرہٗ مکہ معظمہ میں ایک نیک کے جنازے میں شریک ہوئے اور ان کی تدفین کے لیے قبرستان تک چلے گئے۔ جب قبر پر تلقین کے لیے ایک مرد تلقین کرنے بیٹھا تو شیخ موصوف ہنس پڑے حالانکہ آپ کی عادت تھی کہ آپ ہنستے نہیں تھے۔ دوستوں نے سبب پوچھا تو آپ نے جھڑک دیا لیکن جب اپنے مسکن پر لوٹے تو فرمایا کہ میں اس لیے ہنسا تھا کہ تلقین کرنے والا جب اس بزرگ کو تلقین کرنے بیٹھا تو اندر سے ولی اللہ یعنی صاحبِ قبر نے فرمایا تعجب ہے کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا : ؎

زبے دردان علاج درد خود جستن بدان ماند   کہ خار از پا برون آرد کسی بانیش عقربہا

ترجمہ: بے دردوں سے درد کا علاج تلاش کرنا اس شخص کی طرح ہے جو پاؤں سے بچھو کے ڈسنے سے کانٹا نکلوانا چاہتا ہے۔
حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بلاف ناخلفان زمانہ غرہ مشو
مرو چو سامری از رہ ببانگ گوسالہ

ترجمہ: زمانہ کے نااہل لوگوں کی لاف سے غرہ نہ ہو، سیدھی راہ سے بچھڑے کی آواز پر سامری کی طرح نہ ہٹنا۔
حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

ترجمہ: راہِ عشق میں بہت سے شیطان ہیں، ہوش رکھنا اور دل کے کان غیبی فرشتے کی طرف متوجہ کردے۔
دُعا: اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا دے جو تیری جناب کی راہ پانے والے اور تیرے حُسن و خطاب کے لائق ہیں اور اس خطاب کی برکت ہمیں گمراہی اور گمراہوں سے بچالے گی اور ہمیں غوایۃ اور غوایۃ والوں کی اقتدا سے محفوظ فرمائے گی اس لیے کہ ہادی و رہبر تو صرف تُو ہی ہے۔
تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ یہ مبتدا اور اس کی خبر اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ السمٰوٰت سے اجرام علوی اور الارض سے اجرام سفلی مراد ہیں وَمَا بَیْنَھُمَا اور انھیں پیدا فرمایا آسمان اور زمین کے درمیان ہیں جیسے بادل اور ہوا وغیرہما فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ چھ دنوں میں، یعنی دنیا کے چھ دنوں کی مقدار۔
ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہاں کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر تھا۔
مسئلہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں صرف ایک لمحہ میں پیدا فرما دیتا لیکن بندوں کو امور میں تدریج کا سبق دیا۔
ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر عرش پر اس کا حکم مستولی (غالب ہوا) عرش کا نام اس لیے لیا کہ یہ تمام مخلوق سے عظیم تر ہے۔ اس کی تحقیق بارہا گزری ہے۔ اگر تمہارا ایمان سلامتی میں ہے تو تمہیں ہماری تحقیق سورہ فرقان کی کافی ہے اسی میں حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی بھی ہے مَا لَکُمْ

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرنے والے ہو تو تمہارے لیے نہ کوئی مددگار ہوگا جو تمہاری مدد کر سکے اور نہ کوئی تمہارا سفارشی ہوگا جو تمہاری شفاعت کر سکے تاکہ تمہیں عذابِ الٰہی سے بچا سکے اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ کیا تم مواعظ ربانی و نصائح قرآنی سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو۔

ف : الارشاد میں ہے کہ کیا تم یہ مواعظ سُن کر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس تقریر پر انکار عدم استماع و عدم تذکر کی طرف راجع ہوگا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا تم مواعظ سُن کر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس تقریر پر استماع کا تحقق ہوگا لیکن انکار ان کے عدمِ تذکر کی طرف راجع ہوگا۔

ف : تفکر و تذکر میں فرق یہ ہے کہ مطلوب کے فقدان کے وقت صفاتِ نفسانیہ کی وجہ سے قلب کے حجاب کے لیے تفکر استعمال ہوتا ہے اور رفع حجاب اور رجوع الی الفطرۃ الاولیٰ کے وقت تذکر ہوتا ہے۔ اسی وقت اسے ازلی استعداد کی توحید و معارف کو یاد آتا ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ تدبر بمعنے انجام کار کا فکر کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بمعنے تقدیر اور اسباب کا تیار کرنا۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے آسمان میں مدبر مقرر کر رکھے ہیں۔ مثلاً جبریل علیہ السلام ریاح وجنود کے مؤکل ہیں اور میکائیل علیہ السلام بارش کے قطرات اور نباتات کے، عزرائیل علیہ السلام قبضِ ارواح کے اور اسرافیل علیہ السلام ان کے ہاں امور نازل کرتے ہیں۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کریم اسبابِ سماویہ جیسے ملائکہ وغیرہ ہیں سے امرِ دنیا کی تدبیر فرماتا ہے کہ وہی فرشتے انہی اسباب کو آسمان سے زمین کی طرف لاتے ہیں تدبیر کا اپنی طرف منسوب کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے بندوں کی تدبیر کا کوئی کام نہیں۔

ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ العروج بمعنے اوپر کو چڑھنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے عرج (بفتح الرا) و یعرج (بضمہا) بمعنے صعد یعنی وہ امر اللہ کی طرف اوپر کو چڑھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بالفعل ثابت ہے فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ ایک ہی دن میں جس کا اندازہ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ ایک ہزار سال ہے جو تمہاری گنتی میں ہے یعنی بہت بڑے عرصہ کو وہ تھوڑے سے زمانہ میں طے کر لیتا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ تدبیر امور میں بہت بڑے عرصہ گزرنے کے امکان کے باوجود وہ تھوڑے سے وقت میں سرانجام دیتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امورِ دنیا کی سرانجامی کے لیے مؤکلین ملائکہ کو حکم فرماتا ہے من السماء آسمان سے الی الارض زمین کی طرف۔ پھر وہ فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آ کر آسمان کی طرف لوٹتا ہے اور اس کے لیے آنے جانے میں صرف ایک روز صرف ہوتا ہے جہاں تم

اگر اسے طے کرتے تو تمہیں ہزار سال گزر جاتا وہ اس لیے کہ آسمان سے زمین تک پانچسو سال کی مسافت ہے اور آنے جانے میں لازماً ہزار سال بسر ہونا چاہیے۔

سوال: سورۂ معارج میں مقدارہٗ خمسین الف سنۃ ہے۔

جواب: وہاں سدرۃ المنتہیٰ کی مسافت مراد ہے کہ زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے میں پچاس ہزار سال بسر ہوں گے لیکن فرشتہ اسے بھی ایک ہی دن میں طے کر لیتا ہے۔

ف: الیہ میں ضمیر کا مرجع فرشتے کا وہ مکان ہے جہاں کا وہ مکین ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ زمین سے ہوکر اسی اپنے مکان میں لوٹتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امورِ دُنیا کو ایامِ دنیا کی مقدار میں تدبیر فرماتا ہے یہاں تک کہ قضاء وقدر آسمان سے زمین پر نازل ہوتی ہے پھر امر و تدبیر آسمان کی طرف لوٹتے ہیں تو امراء کے اوامر اور حکام کے احکام منقطع ہوکر رہ جاتے ہیں باقی صرف اللہ تعالیٰ کا امر اسی دن کے لیے رہ جاتا ہے جسے قیامت کے دن سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس دن میں نہ کسی آمر کا امر چلے گا نہ کسی حاکم کا حکم۔ اور وہ دن ایسا ہے کہ اس کی مقدار ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وان یوما عند ربک کالف سنۃ۔

اسے خمسین سنۃ کہنا بھی اسی اعتبار پر ہے کہ وہ دن کفار و مشرکین کے لیے ایسا سخت ہوگا کہ وہ پچاس ہزار سال کا ہے لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ ایمان کے لیے نہایت آسان اور اتنی قلیل مقدار میں کہ جتنا ایک نماز کی ادائیگی میں وقت صرف ہوتا ہے۔

مسئلہ: قیامت کا دن ہر ایک کے عمل کے مطابق چھوٹا بڑا ہوگا اور حشر میں کئی مواقف اور مواطن ہیں لیکن وہ اشخاص واعمال واحوال ومقامات کے لائق طویل قصیر ہوں گے۔

ف: صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کرام نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ بعض حضرات نے خاموشی کو سلامت سمجھ کر اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا اس لیے کہ ہر وہ وجہ جو ہمارے وہم وقیاس میں آتی ہے اس پر کئی وجوہ سے جرح اور اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں اور پھر ہمارے بیان میں قصور اور کوتاہی کا امکان ہے فلہٰذا اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔

فیصلہ از صاحبِ رُوح البیان

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ علماء کرام کے نزدیک یوم کے چند مراتب ہیں اور ہر ایک مرتبہ کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ مثلاً یوم صرف ایک آن کا بھی ہے اور آن اس جزو کو کہا جاتا ہے جو

غیر منقسم ہو ۔ کل یوم ھو فی شان میں اسی یوم آنی کی طرف اشارہ ہے ۔ اسی سے وہ یوم منفصل ہوتا ہے جس کی مقدار ہزار سال ہے اور وہ قیامت کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اپنے بندوں سے حساب لے گا اور جس کے لیے جتنی مقدار کا یوم بنانا چاہے گا بنائے گا ۔ بعض ایسے خوش قسمت بھی ہوں گے جن کا حساب آنکھ جھپکنے سے پہلے ختم ہو جائے گا ۔ کما قال تعالیٰ :

وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر۔

شانی یوم مذکور میں یہی راز ہے ۔

ملائکہ کے مقامات و مراتب کی تقسیم عالم ملکوت ہر فرشتے کے علیحدہ علیحدہ مراتب و مقامات معلومہ ہیں بعض ان میں ایسے ہیں جو مصعد معلوم سے مسقط الامر تک ایک ساعۃ سے کم بلکہ ایک لمحہ آتے جاتے ہیں جیسے سیدنا جبریل علیہ السلام کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ جو احکامِ الٰہیہ کے مرکز سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک لمحہ میں حاضر ہو جاتے ۔ ایسے ہی بارہا ایسا کیا کرتے تھے نزول و صعود مبداء کے اعتبار سے کم مدت کا ذکر ہے ۔ مثلاً پہلا آسمان سدرۃ المنتہیٰ کی پہلی منزل شمار ہوتا ہے وہاں کے صعود و نزول کو ہزار سال سے تعبیر کیا گیا ہے اور سدرۃ المنتہیٰ عرش الٰہی سے نزول کے احکام کا مبدا ہے وہاں کے نزول و صعود کو پچاس ہزار سال سے تعبیر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرآن کی بعض آیات دوسری بعض کی تفسیر کرتی ہیں اسی پر آیت تعرج الملئکۃ والروح (الآیۃ) دلالت کرتی ہے یعرج کا فاعل ملک ہے یعنی یہی یعرج جو اسی سورۂ سجدہ میں واقع ہے ۔

سوال : الیہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ مکانیت سے پاک ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی منتہیٰ ہے ۔

جواب : اس میں اس کے تقرب اور شرف عندیہ مرتبیہ کی طرف اشارہ ہے دراصل اس سے مقام علوی معین مراد ہے (یہ جملہ مضمون صاحبِ روح البیان کا ہے ۔ چنانچہ مذکورہ بالا تقریر لکھ کر فرمایا :)

ھذا ما سنح لی والعلم عند اللہ الملک العلی ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے : ھو الذی **یدبر الامر من السماء** ۔ یہاں یہ امر سے امرِ کن مراد ہے جو روح و قلب کے آسمان کا ایک طبقہ ہے الی الارض میں ارض سے ارضِ نفس و بدن ہے یعنی امر کن کے ساتھ سماء روح و قلب سے نفس و بدن کی زمین کی تدبیر فرماتا ہے **ثم یعرج الیہ** پھر وہ نفس جسے **ارجعی الیٰ ربک** کا خطاب نصیب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرتا ہے **فی یوم** اس ایک دن میں جس میں قلب کا سورج چمکتا ہے اور نور جذبات حق تعالیٰ

سے زمین روشن ہو جاتی ہے کان مقدارہ جذبۂ الٰہی کے ساتھ اس کی پرواز کی مقدار الف سنۃ مما تعدون ایک ہزار سال کی ہوتی ہے جسے تم جذبۂ الٰہی کے بغیر پرواز کرتے ہو۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین۔
(جذبات حق ایک جذبہ ثقلین کے عمل کے برابر ہے)

شیخ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کشف الحقائق میں ہے کہ نفس جزوی کو بلندی بھی حاصل ہے اور پستی اس کی بلندی فلک الافلاک تک ہوتی ہے اور وُہ فلک الافلاک عرش الٰہی ہے جو جملہ عالم کو محیط ہے اور اس کی پستی یہی عالم خاک ہے اس کے نزول سے زمین پر آنا مراد ہے۔ کما قال :

تنزل الملائکہ والروح۔

اور اس کے عروج سے فلک الافلاک مراد ہے۔ کما قال :

تعرج الملائکہ والروح۔

اس کے نزول وعروج کی مدت ایک ہزار سے کم اور پچاس ہزار سال سے زائد نہیں۔ کما قال :

تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ اللہ جو اپنی ذات وصفات وافعال میں عظیم الشان جس کی صفت تخلیق واستوار اور مدد دینا اور تدبیر امر کائنات ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ جو مخلوق سے غائب اسے جانتا ہے وَالشَّهَادَةِ اور جو ان کے ہاں حاضر ہے اسے بھی جانتا ہے اور اپنی حکمت بالغہ کے تقاضے پر ان کے امور کی تدبیر فرماتا ہے۔

ف : جناب کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ امورِ دنیا وآخرت کو جانتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا اسے بھی جانتا ہے۔

ف : صوفیائے کرام نے فرمایا کہ غیب سے رُوح اور شہادۃ سے نفس وبدن مراد ہیں۔

الْعَزِيزُ وہ اپنے امر پر غالب ہے الرَّحِيمُ ۙ اپنے بندوں کے امور کی تدبیر میں رحیم ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق امور کی تدبیر اس پر واجب نہیں بلکہ یہ اس کا ایک فضل وکرم ہے۔

الَّذِيٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وہ اللہ جس نے ہر شے کی تخلیق کو بہتر بنایا ہے یہ ذٰلک کی دوسری خبر ہے۔

حلِ لغات امام راغب نے فرمایا کہ احسان دو قسم ہے بمعنے انعام علی الغیر۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
احسن الیٰ فلان۔ یعنی فلاں نے اسے انعام سے نوازا۔
دوسرا کسی کے فعل میں حسن کا پایا جانا۔ مثلاً کوئی کسی اچھی شے کو معلوم کرے یا اچھا عمل کرے۔ اسی دوسرے معنے پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:
الناس علی ما یحسنون۔ (لوگ اپنے افعال حسنہ کے علم کی طرف منسوب ہیں)
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو صورۃً و معناً اچھا بنایا ہے جیسا کہ بندے کی استعداد اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ موجبہ کا تقاضا تھا۔
اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ اللہ تعالیٰ اپنی ہر پیدا کردہ شے کو اچھا بنایا یعنی اپنے تقاضائے حکمت پر ہر شے کو اچھے طریقے سے سنوارا ؎

۱	کردن آنچہ در جہان شاید	کردۂ آنچنانکہ مے باید
۲	از تو رونق گرفت کار ہمہ	کہ تو پی آفرید کار ہمہ
۳	نقش دنیا بلوح خاک از تست	دل دانا و جان پاک از تست

ترجمہ: (۱) جو جہان میں لائق ہے اسے کرنا، تُو نے وہ کرلیا جو کرنا چاہیے۔
(۲) تجھ سے ہی تمام امور نے رونق پکڑی، تُو نے ہی تمام کام پیدا کئے۔
(۳) لوحِ خاک پر نقشِ دنیا تجھی سے ہے۔ دلِ دانا اور جانِ پاک تجھ سے ہے۔

حکمتِ الٰہی کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے جانور کے پاؤں بڑے اور پرندوں کی گردن طویل بنائی تاکہ قوت کا حصول ان پر متعذر نہ ہو۔ اگر ان میں کچھ تفاوت ہوتا تو ان پر حصول قوت مشکل ہو جاتا۔
اسی طرح ہر انسان کے ہر عضو کو مبنی بر حکمت و مصلحت اسی طور بنایا گیا ہے جو اس کی معاش میں اس کی مدد کرے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق بہتر ہے اگرچہ شکل و صورت کے لحاظ سے مختلف ہے اور ان میں بعض حسن اور بعض احسن ہیں۔ کما قال تعالیٰ:
لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
انسان بہ حیثیت تخلیق حسن ہے۔
حضرت البقلی نے فرمایا:
انسان از جہت امتحان قبیح ہے لیکن بایں معنی کہ امر رحمٰن سے ظاہر ہوا ہے اس لیے احسن ہے۔

اور الشیخ ایزدی نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ نے حُسن و قبح کو پیدا فرمایا لیکن قبیح وہ ہے جو اس کے علم میں تھا کہ یہ قبیح ہوگا تو اس کا قبیح ہونا بھی احسن و اصوب ہوگا اس لیے کہ وہ اسی طرح عالم ظہور میں آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور مستحسنات کو حسن اس وقت کہا جائے گا جب ان کے مقابلہ میں مستقبحات ہوں اور قبیح حسن کی نقیض ہے اور قبیح ہونا اسی لیے ہے کہ حسن کا ظہور ہو۔ اس تقریر پر وہ قبیح بھی حسن ہوگا کہ حسن کے ظہور کا سبب بنا ہے اور قاعدہ حسن کا سبب بھی حسن ہوتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کا فیصلہ فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حسن و قبح کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل اور اس کی ہر صنعت جمیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مطلق تخلیق کی مدح فرمائی ہے۔ کما قال :

افمن یخلق کما لا یخلق۔

ازالۂ وہم وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ (وہابی دیوبندی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کے انکار پر کہا کرتے ہیں کہ کیا حضور علیہ السلام گندی اور بری جگہوں پر بھی حاضر و ناظر ہیں ؟ ہم انھیں کہتے ہیں کہ کہنا بے ادبی و گستاخی ہے لیکن ماننا ضروری۔ انھیں مندرجہ ذیل طریق سے سمجھایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالقِ کل کائنات ماننا ضروری ہے لیکن زبان سے یہ کہنا کہ وہ بندروں، خنزیروں، سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ کا خالق ہے بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہٗ کا رسالہ "تنبیہ الغبی فی ان النجس لایقدح مشہود النبی" کا مطالعہ ضروری ہے۔ صاحبِ روح البیان نے اوپر والی دلیل لکھ کر فرمایا :)

لکنہ لا یقال فی مقام المدح انہ تعالیٰ خالق القردۃ والخنازیر والحیات والعقارب و نحوھا من الاجسام القبیحۃ والضارۃ بل یقال خالق کل شئ۔ (روح البیان، ج ۷، ص ۱۱۱)

لیکن مقام مدح میں یہ نہ کہا جائے کہ وہ الخنزیر (سؤر) اور الحیات (سانپ) اور بندروں اور بچھوؤں وغیرہا کا خالق ہے تمام اجسام ضرر رساں کی نسبت اس کی طرف نہ کی جائے۔ ہاں بالاجمال کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر شے کا خالق ہے۔

ف : خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق قبیح نہیں بلکہ مخلوق کو صورۃ کے لحاظ سے قبیح کہا جا سکتا ہے جو حسن کے لحاظ سے اسے قبیح سمجھا جائے گا ورنہ فی نفسہ قبیح نہیں۔ مثلاً گدھا اپنے استعداد کے اعتبار سے قبیح ہے۔

ایسے ہی کُتا وغیرہ۔ ان کی صورت کو قبیح اسی معنے پر کہا جائے گا کہ مقتضائے حکمتِ الٰہیہ نے اسے ایسے ہی پیدا فرمایا ہے ایسے ہی کُتے کو نجس کہنا دنیوی اور صوری لحاظ سے ہے ورنہ بحیثیت تخلیقِ ایزدی کے صورۃً بھی باکمال اور حقیقت میں مرتبہ کے اعتبار سے بھی باکمال۔ اگر مخلوقِ خدا اسی استعداد پر ظہور پذیر نہ ہوتی جیسے اس کی حکمت کا تقاضا تھا تو ہم ہر ناقص کو قبیح کہتے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر حرف آتا ہے اس لیے اس ناقص کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے اور اس کی صنعت کو ناقص یا قبیح کہنا کفر ہے۔

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ اور جمیع مخلوقات میں انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا مِنْ طِينٍ ج گارے سے۔ الطین مٹی اور پانی کی ملاوٹ کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس سے پانی زائل ہو جائے تب بھی اسے طین کہا جائے گا۔

ف : حضرت شیخ عبدالعزیز نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو اربعہ عناصر سے پیدا فرمایا۔ لیکن چونکہ مٹی ظاہر ہے اسی لیے اس کا بار بار نام لیا اور وہ خاکِ آدم مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان سے لی گئی۔ اس کی ایک روایت میں چالیس سال تک اور دوسری روایت میں چالیس ہزار سال تک تربیت کی گئی۔ (چنانچہ حدیث قدسی میں ہے :)

حدیث قدسی خمرت طينة آدم بيدى اربعين صباحا۔

(میں نے آدم (علیہ السلام) کے گارے کو اپنے دستِ قدرت سے چالیس روز گوندھا)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اس انسان کو کون سا نقصان ہے جبکہ اسے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا لیکن اس کا کمال قلب میں رکھا مگر شان ایسی کہ نہ عرش کو نصیب ہوئی نہ کرسی کو نہ افلاک کو اور نہ ملائکہ کو۔ اس لیے وہ اشیاء صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور انسان بندہ بھی اور محبوب بھی۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ پھر بنایا اس کی اولاد کو۔ ذریتِ آدم کو نسل سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ نسل بمعنے انفصال، اور چونکہ اولادِ آدم علیہ السلام سے جُدا ہوئی ہے اسی لیے اس نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ المفردات میں ہے :

النسل بمعنى الانفصال من الشئ والنسل الولد۔

وہ اس لیے کہ وہ والد سے جُدا ہوا ہے مِنْ سُلٰلَةٍ اسی نطفہ سے جو انسان کی پیٹھ سے جدا ہوا ہے۔

ف : جناب کاشفی نے لکھا کہ پشت سے ایک خلاصہ باہر فرمایا۔ اس سے بدل ہے مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ حقیر و ضعیف پانی سے۔ (کذا فی القاموس) یعنی ضعیف و خوار پانی سے۔ اس سے منی مراد ہے۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ پھر اس انسان کو جیسے اس کے اعضاء کی تصویر و تشکیل لائق تھی، رحم میں

مکمل کر کے برابر کیا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ پھر آدم کے قالب کو سیدھا کیا۔

اور نسفی نے فرمایا :

تسویۂ آدم سے اس کے ارکان کی برابری مراد ہے یعنی ہر چہار ارکان کے اجزا برابر ہوئے۔ اسے یوں سمجھیے کہ جیسے کاریگر اپنی صنعت میں جہاں اس میں خامی دیکھتا ہے تو اسے بزور بازو یا آلات سے صحیح کرتا ہے۔ ایسے ہی تمثیلاً انسانی ڈھانچہ کے لیے فرمایا وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ یہاں پر روح کی اضافۃ الی اللہ تشریفی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عجیب اور شریف مخلوق ہے بلکہ اسے ذاتِ باری تعالیٰ سے ایک خصوصی تعلق و مناسبت ہے۔

حدیث شریف اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا :

من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہ۔

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

ف : الکواشی نے لکھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک مخصوص شے انسان میں رکھی جس سے انسان میں زندگی کا مادۂ حساس پیدا ہوا حالانکہ یہ بھی تو ایک جماد محض ہے یہاں نفخ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔

ف : الشیخ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ رُوح جسم نہیں کہ وہ ایسے حلول رکھتا ہو جیسے پانی برتن میں۔ اور نہ وُہ عرض ہے جو قلب یا دماغ میں سواد کی طرح اسود میں یا علم عالم میں حلول کیے ہوئے ہو بلکہ وہ ایک جوہر لا یتجزیٰ ہے۔ اسی پر اہلِ بصائر کا اتفاق ہے اور تسویۃ فی المحل القابل کے فعل کا نام ہے وُہ آدم علیہ السلام کے لیے مٹی اور اولاد کے لیے نطفہ، کہ آدم علیہ السلام کی مٹی صاف ستھری کر کے اور نطفہ دیگر آلائش سے صاف ہو کر تعدیل مزاج کے ساتھ پروان چڑھا اور ان کے اجزاء نہایت اعلیٰ درجہ کی مناسبت سے بنائے گئے اور اس میں قبول روح اور اسے بند کرنے کی استعداد رکھی گئی النفخ سے المحل القابل میں نور روح کا شعلہ مارنا مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفخ اسی شعلہ زدنی کا سبب تھا ورنہ نفخ کا لغوی معنی تو اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے ایسے ہی اس کے لیے مسبب بھی محال ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ یہاں نفخ سے اس کا نتیجہ مراد ہے یعنی اشعا (شعلہ مارنا) اور وہ سبب جس سے نور روح مشتعل ہوا وہ صفت فی الفاعل و المحل القابل ہے۔ فاعل کی صفت سے اس کا جود مراد ہے جو عالم وجود کا سرچشمہ ہے اور وہ کریم ہر موجود کا حقیقی فیاض بذاتہٖ ہے اور اسی کا وجود ہر موجود کی حقیقت ہے یعنی ہر موجود اسی سے قائم ہے متکلمین اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے سورج کے نور کا فیض ہر اس جگہ پر پہنچے گا جس میں ارتفاع حجاب کے بعد اس کے نور سے استفادہ

کی استعداد ہو گی اور قابل طونات ہیں نہ ہوا کہ جس میں تلون کا مادہ ہی نہیں اور محل قابل کی صفت وہ استواء و اعتدال ہے جو تسویہ سے حاصل ہوئی۔ اس قابل کی صفت کی مثال شیشہ سے زنگ صاف کرنے کی ہے۔

ف : روح جہت و مکان سے منزہ ہے اور اس کی قوت کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر شے کو جانتا ہے اور ہر شے کو محیط ہے یہی مناسبت و مشابہت اعضائے انسانی میں اور کسی عضو کو حاصل نہیں۔ اسی معنے پر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا گیا۔

روح کے اقسام انسانی روح چند اقسام پر مشتمل ہے،

(۱) روح طبعی، اس کا محل جگر جو انسان کے دائیں پہلو میں واقع ہے۔

(۲) روح حیوانی، اس کا محل دل ہے جو بائیں پہلو میں ہے۔

(۳) روح نفسانی، اس کا محل دماغ ہے۔

(۴) روح انسانی، اس کا محل وہی روح نفسانی ہے۔

(۵) روح قدسی، یہ بمنزلہ بتی کی بٹ کے ہے اور روحانی بمنزلہ زجاجہ کے ہے۔

روح طبعی بمنزلہ مشکاۃ کے ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ف : چونکہ وہی روح انسانی ہے روح طبعی و حیوانی میں حیوان و انسان ایک دوسرے کے شریک نہیں۔ روح انسانی سے انسان حیوان سے ممتاز ہے اس لیے کہ یہ عالم امر سے ہے اور عام انسان ان ارواح میں برابر ہیں لیکن اولیاء اللہ روح قدسی میں ان سے ممتاز ہیں لیکن یہ روح قدسی فنائے تام کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں میں پھونکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی روح سے زندہ فرمائے اور ہم پر فتوح کے انواع تک پہنچائے۔ آمین

وَجَعَلَ لَكُمُ اے بنی آدم! تمہارے منافع کے لیے پیدا فرمایا **السَّمْعَ** تاکہ ان آیات تنزیلیہ کو سنو جن میں بعث و توحید کا بیان ہے **وَالْاَبْصَارَ** اور پیدا فرمائیں تمہاری آنکھیں تاکہ تم آیاتِ تکوینیہ کو دیکھو، جن کا ان آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے **وَالْاَفْئِدَةَ** اور پیدا فرمائے تمہارے کان تاکہ سمجھو اور ان سے اللہ تعالیٰ کے آیاتِ تنزیلیہ و تکوینیہ پر استدلال کر سکو۔

حلِ لغات : الافئدۃ، فواد کی جمع ہے بمعنے قلب۔ لیکن قلب کو فواد اس وقت کہتے ہیں جب اس میں توقد کا معنی ہو۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان نعمتوں کے مالک کا شکر ادا کرتے ہیں یہاں قلت بمعنے نفی ہے اس میں کفار کی نعمتوں اور اپنے رب کی ناشکری کا بیان ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بہت تھوڑے انسان ہیں جو اپنے نفس کو مرآتیۃ سے پہچانتے ہیں تاکہ وہ اپنی محسنیۃ کو پہچانیں جو اسی مرآتیۃ نفس میں متجلی ہے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ کما قال:

وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون۔

یہاں پر لیعبدون بمعنے لیعرفون ہے۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفتِ حقیقۃ کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے وارثین اولیاءِ کاملین کی رہبری سے نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی انسان سے محبّت کی دلیل اللہ تعالیٰ نے عرش کرسی، لوح قلم اور بہشت دوزخ اور آسمان وزمین وغیرہ پیدا فرمائے لیکن ان میں سے کسی سے محبّت وپیار کا اظہار نہیں فرمایا سوائے انسان کے، کہ اس سے محبت وپیار کا کمال فرمادیا، اس کے ہاں پیغمبر علیہم السلام بھیجے کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور انوار واسرار اور تجلیات و برکات سے نوازا جائے بلکہ نوری ملائکہ کو ان کا خادم اور نگران ونگہبان بنایا اور ان کے اندر سوز ومحبّت اور عشق کا مادّہ رکھا اور ایمان کے خطوط ان کے دل پر منقش فرمائے اور اپنی محبت ان میں پیدا فرمائی اور دنیوی نعمتیں اور پاکیزہ رزق انہیں بخشا۔ کما قال:

قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔

اور کافر جو دنیوی نعمتیں کھاتا ہے وہ مومن کے طفیل کھاتا ہے اور قیامت کی نعمتیں صرف اہلِ ایمان کے لیے خاص ہیں۔ کما قال:

خالصۃ یوم القیٰمۃ۔

اس سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوگا۔

سبق داناوہ ہے جو نعمتوں اور منعم کو پہچانتا اور خدمت شکر میں جدّ وجہد کرتا ہے اگر اس کے خلاف کرے گا تو اہلِ بطالت سے ہو جائے گا۔ اگر بدل وجان ظاہری باطنی نعمتوں کا شکر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں سے نوازے گا۔ یعنی اس کی ہر طرح سے طاعت وعبادت کرے گا اور ملأ الاعلیٰ کے ہاں اس کی تعریف کرے گا اور اسے احسن جزا عطا فرمائے گا یعنی بہشت اور اس کی نعمتیں، اور اس کے بلند درجات عطا فرمائے گا جو دائمی وسرمدی ہیں۔ یہ عوام کے لیے ہے۔ اور خواص کے لیے یہ ہے کہ انھیں قربات ومواصلات اور سرمدی تجلی سے نوازے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے شکر وطاعت کی ہر گھڑی ہر آن

تعریف کرتا ہے اور ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو تضییع اوقات و استعداد کو فاسد کرتے اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں تو ان کی مذمت فرماتا ہے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْٓا کفارِ قریش، جیسے اُبی بن خلف وغیرہ نے کہا یہی لوگ بعد الموت اُٹھنے کے منکر تھے ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ۔

حلِ لغات: القاموس میں ہے:

ضلّ بمعنے صار ترابا وعظاما وخفی وغاب۔

دراصل اس کا استعمال ضل الماء فی اللبن ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی دودھ میں مل کر گم ہو جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ہلاک ہو کر مٹی میں مٹی ہو جائیں، پتا نہیں چلے گا کہ ہمارا بھی کوئی وجود تھا۔ (یہی بات آج وہابی دیوبندی پارٹی کا قائد مولوی اسمٰعیل دہلوی حضور سرورِ کونین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف غلط الفاظ منسوب کر کے لکھتا ہے کہ "میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں" دیکھیے تقویۃ الایمان۔ اویسی غفرلہٗ)

یعنی کفار کا عقیدہ تھا کہ ہمارے اعضاء کی خاک زمین کی مٹی سے ایسے مل جائے گی جیسے دودھ میں پانی مل جاتا ہے تو دودھ اور پانی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے ایسے ہی مرنے کے بعد ہمارا حال ہو گا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم مدفون ہو کر زمین میں لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں گے اس کا عامل نبعث یا یجدد خلقنا ہے۔ جیسا کہ اس پر ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ دلالت کرتا ہے۔ ءَاِنَّا کا ہمزہ انکار سابق کی تاکید و تذکیر کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ہم مرنے اور معدوم ہو جانے کے بعد ایسے زندہ اٹھائے جائیں گے جیسے ہم مرنے سے پہلے تھے یہ بہت ہی عجیب وغریب معاملہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کا انکار مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر مبنی ہے ورنہ موت سے انھیں انکار نہ تھا اس لیے کہ موت کا روزانہ مشاہدہ کرتے تھے۔ ان کے عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد نئی تخلیق میں ہوں گے حالانکہ ہم تو مرتے ہی مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ ان کے کفر بالبعث کے بیان کے بعد ان کے گندے اور بُرے عقیدے کو بیان فرمایا کہ وُہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے بھی منکر ہیں۔ چنانچہ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ○ لقاءِ رب سے قیامت اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مراد ہے۔ کافروں بمعنے جاحدون یعنی انکار کرنے والے یعنی وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے منکر ہیں۔

مسئلہ: جو اللہ تعالیٰ کا منکر ہے وُہ قیامت میں حاضر ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو گا اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ قیامت میں حاضر ہو گا تو اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

قُلْ یہاں سے حق عقیدہ کا بیان اور کفّار کے غلط عقیدے کا رد شروع فرمادیا کہ اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم! انھیں فرمائیے یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ۔

حلِ لغات: التوفی بمعنے شے کو پورے طور لینا اور گنتی پوری کرنا۔ الصحاح میں ہے:
توفاہ اللّٰہ بمعنے قبض روحہ اور لوفاۃ بمعنے الموت۔

الملک ایک لطیف نورانی جسم ہے جو مختلف شکلوں میں متشکل ہو سکتا ہے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ ملائکہ کی وہ جماعت جو سیاسی امور پر متعین ہے اسے ملک (بالفتح) کہا جاتا ہے جیسے انسانوں کے سیاسی امور کو سرانجام دینے والے کو ملک (بالکسر) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ملک ملائکہ سے ہے لیکن ملائکہ کا ہر فرد ملک نہیں بلکہ ملک وہ ہیں جنہیں مدبرات، مقسمات، نازعات وغیرہا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ الموت یہ صفت وجودیہ اور مخارق ہے اور حیاۃ کی نقیض ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ تم سب کے ارواح عزرائیل (علیہ السلام) قبض کرے گا کسی ایک فرد کو بھی نہیں چھوڑے گا اور سخت ترین تکلیف دے کر روح قبض کرے گا، کسی کو منہ پر اور کسی کو پیٹھ پر تھپڑ لگے گا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم سب کی ارواح عزرائیل علیہ السلام قبض کرے گا اور جن پر موت مقرر ہے ان کا کوئی ایک فرد بھی نہیں چھوڑے گا۔ خود عزرائیل علیہ السلام پر بھی موت ہے جن کی روح خود اللّٰہ تعالیٰ قبض کرے گا۔

ملک الموت کی موت کا بیان مروی ہے کہ جب اللّٰہ تعالیٰ کی تمام مخلوق مرجائے گی تو اللّٰہ تعالیٰ ملک الموت سے پوچھے گا (حالانکہ اسے تمام علم ہے) کہ اے ملک الموت! کون باقی رہ گیا؟ ملک الموت عرض کرے گا: اے اللّٰہ! صرف یہ تیرا کمزور بندہ باقی ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے میرے انبیاء و اولیاء اور میرے بندوں کو موت کا ذائقہ چکھایا اور یہ میرے علم قدیم میں تھا کہ سب کو فنا ہوگی اور بقا صرف میری ذات کو ہے۔ اے ملک الموت! تم تیار ہو جاؤ کیونکہ اب تمہاری باری ہے۔ ملک الموت عرض کرے گا: الٰہی! میں ایک کمزور بندہ ہوں لہٰذا اپنے کمزور بندے پر لطف و کرم فرمانا۔ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا: بہشت و دوزخ کے درمیان اپنے دائیں چہرے پر ہاتھ رکھ کر لیٹ جائیے، ایسے ہی تجھ پر موت آئے گی۔ چنانچہ جونہی وہ لیٹیں گے ان پر اللّٰہ تعالیٰ کے حکم سے موت آجائیگی۔

مسئلہ: آیت میں کفار کا رد ہے کہ وہ موت کو احوالِ طبعیہ سے سمجھتے تھے اور کہتے کہ جب بموجب جبلت وہ حال حیوان پر طاری ہوتا ہے تو وہ مرجاتا ہے۔

اَلَّذِیْ وُکِّلَ التوکیل کسی غیر پر بھروسا کرنا اور اسے اپنا نائب بنا لینا یعنی کسی کو کسی کام پر کھڑا کرنا اور اسے اپنا کام سونپ دینا بِکُمْ یعنی وہ ملک الموت جو تمہارے ارواح قبض کرنے اور تمہارے

آجال کے احصار پر مقرر ہے ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ○ پھر تم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں حساب و جزا کے لیے مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر کیے جاؤ گے۔ یہی لقاء اللہ کا معنیٰ ہے۔

ف : اس آیت میں ملک الموت کو متوفی اور قابضِ ارواح فرمایا گیا ہے اور دوسری آیت رسل ملائکہ یعنی متعدد فرشتوں کو موت دینے کا فرمایا اور تیسری آیت میں خود اپنے لیے فرمایا : اللہ یتوفی الانفس الخ ان آیات میں تطابق یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبضِ ارواح ملک الموت کرتا ہے اور دوسرے فرشتے ان کی معاونت میں ہوتے ہیں اس لیے کہ ہر فعل کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی معنے پر جمیع مخلوق کی ارواح قبض کرنے والا بھی صرف وہی ہے اور ملک الموت اور اُس کے اعوان ارواح قبض کرنے کا ایک واسطہ و ذریعہ ہیں۔

ف : ابن عطیہ نے فرمایا کہ تمام جانوروں کی ارواح خود اللہ تعالیٰ قبض فرماتا ہے ان سے ملک الموت کا کوئی واسطہ نہیں یعنی ان کی حیات کو معدوم کر دیتا ہے جس سے وہ مر جاتے ہیں اور بنو آدم کے ساتھ بھی ایسے ہی ہے لیکن ان کے شرف و بزرگی کے پیشِ نظر ان کی قبضِ ارواح کے لیے ملک الموت کو واسطہ اور ذریعہ بنایا اور دوسرے ملائکہ ان کی معاونت کرتے ہیں۔

ملک الموت حاضر و ناظر

مروی ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بنو آدم کی ارواح قبض کرتے ہیں حالانکہ وہ مختلف مقامات پر ہوتے ہیں اور وہ خود اپنی مخصوص جگہ پر رہتا ہے اور یہ طاقت اسے اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ابلیس ایک جگہ پر رہ کر جملہ بنو آدم کے قلوب میں وسوسہ ڈالتا ہے (لیکن وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ کے عقول اندھے ہو گئے کہ وہ نبی علیہ السلام کے لیے ایسی طاقت کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ایسے عقیدے کو شرک گردانتے ہیں۔ نعوذ باللہ)

ملک الموت کے کمالات

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فارس میں ملاقات ہوئی تو جبریل علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ وبا کے وقت کس طرح کرتے ہیں جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مختلف مقامات پر مرتے ہیں؟ ملک الموت نے فرمایا : تمام زمین لپیٹ کر میری ران پر رکھ دی جاتی ہے اس میں جن پر موت مقدر ہوتی ہے اپنے ہاتھ سے ان کی ارواح قبض کر لیتا ہوں۔

(۲) مروی ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کے لیے تمام دنیا ہاتھ کی ہتھیلی یا تھال کی مانند ہے اس میں جس کی روح قبض کرنا چاہتے ہیں بلا تکلف قبض کر لیتے ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مشرق و مغرب کا درمیانی فاصلہ حضرت ملک الموت علیہ السلام کا ایک قدم ہے۔

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ملک الموت علیہ السلام کے پاس ایک چابک ہے جو مشرق و مغرب کے ایک ایک کونے تک پہنچ سکتا ہے اور حضرت ملک الموت علیہ السلام تمام لوگوں کے چہرے ہر وقت دیکھ سکتے ہیں اور شب و روز میں ہر ایک کو دو بار دیکھتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کسی کی موت کا وقت آپہنچا ہے تو وہ چابک اس کے سر پر مارتے ہیں جس سے وہ مر جاتا ہے۔

(۵) مروی ہے کہ ملک الموت علیہ السلام آسمان و زمین کے درمیان ایک سیڑھی پر جلوہ افروز ہیں، ان کے ہاں رحمت و عذاب کے اعوان فرشتے ہیں وہی اعوان ملائکہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں۔ جب حلقوم کے قریب مُردہ کی رُوح پہنچتی ہے تو اسے ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں۔

(۶) مروی ہے کہ حضرت ملک الموت کے چار چہرے ہیں، ان کا ایک رُخ نار کی طرف ہے، اس سے کفار کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ دوسرا ظلمت میں ہے اس سے منافقین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ تیسرا رحمت میں ہے اس سے مومنین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ چوتھا نور میں ہے اس سے انبیا اور صدیقین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ جب اہلِ ایمان کی روح قبض کرتے ہیں تو اسے ملائکۂ رحمت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جب کافر کی رُوح قبض کرتے ہیں تو عذاب کے فرشتوں کی طرف بھیج دیتے ہیں۔

(۷) ملک الموت علیہ السلام زمانۂ اول میں روح قبض کرتے تو بلا سبب موت واقع ہوتی تھی لیکن موت کے وقوع پر لوگ ملک الموت علیہ السلام کو گالی دیتے اور (معاذ اللہ) آپ پر لعنت بھیجتے۔ حضرت ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے موت کا سبب امراض و اوضاع کو بنایا۔ اس لیے اب موت کے وقوع پر ہم کہتے ہیں کہ فلاں فلاں بیماری سے اور فلاں فلاں درد سے مرگیا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے کہ امراض و اوجاع موت کے قاصد اور پیغام رساں ہیں جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو حضرت ملک الموت مُردہ کے ہاں تشریف لا کر فرماتے ہیں کہ اے بندۂ خدا تیرے ہاں اطلاعات بھجوائی گئیں اور میرے متعدد قاصد تیرے ہاں آئے لیکن اب میں خود آیا ہوں۔ اس کے بعد تیرے ہاں کوئی نہیں آئے گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ موت کا آخری رسول ہوں اب تو چاہے نہ چاہے تیری روانگی کا وقت آگیا۔ جب ملک الموت علیہ السلام روح قبض کر لیتے ہیں تو لوگ چیختے چلاتے ہیں، تو ملک الموت علیہ السلام فرماتے ہیں کس پر اور کیوں روتے ہیں جبکہ بخدا میں نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کا رزق کھایا ہے بلکہ اسے تو اس کے مالک نے بنایا ہے انھیں تو اپنے اوپر رونا چاہیے

اے بندگانِ خدا! تم بھی تیار رہو میں تمہارے ہاں بار بار آؤں گا اور ایک ایک کو ایسے ہی لے جاؤں گا جیسے اسے لیے جا رہا ہوں یہاں تک کہ میں تمہارے کسی ایک کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔

ف : کاشفی نے لکھا اس شخص پر تعجب ہے جس کے لیے در پے ایسا حریف ہے پھر بھی وہ آسودگی کا طلبگار ہے ؎

آسودگی مجوے کہ از صدمت اجل
کس را ندادہ اند برات مسلمی

ترجمہ : اجل کے صدمات سے آسودگی کیسی! اس سے تو کسی کو برأت نہیں۔

بوستان میں ہے :

بیا اے کہ عمرت بہفتاد رفت
مگر خفتہ بودی کہ برباد رفت

کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پر شد بدور زمان

ترجمہ : آ اے فلاں کہ تیری عمر ستر سال کو پہنچی ہے۔ ابھی تم سو رہے ہو عمر برباد ہو گئی وہاں تو ایک ساعت بھی امان نہ ملے گی جب دور زمان کا پیالہ چھلک پڑا۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ اگر انسان کے قلب میں غفلت نہ ہوتی تو اس کی قبضِ روح کا معاملہ حضرت عزرائیل کے حوالے ہرگز نہ کیا جاتا۔

حکایت حضرت خیر نساج قدس سرہٗ بیمار تھے ان کے ہاں ملک الموت تشریف لائے اور ان کی روح قبض کرنے کا ارادہ کیا اُدھر مؤذن نے اذان پڑھی اِدھر آپ نے ملک الموت سے کہا : ٹھہریئے مجھے فرضِ الٰہی ادا کرنے دیجئے تاکہ فریضۂ حق فوت نہ ہونے پائے اور آپ کا حکم بھی سر آنکھوں پر۔ لیکن آپ کا فریضہ فریضۂ حق کے سامنے کچھ نہیں۔ یہ کہہ کر سر بسجود ہوئے اور عرض کی : یا اللہ! جب تُو نے روح کی نعمت بخشی تو کوئی تکلیف نہ ہوئی لیکن اس کے نکلنے کے وقت تکلیف کیوں؟ کیا اچھا ہوتا اگر میری روح بغیر تکلیف کے نکل جائے۔ یہی کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی ؎

یارب ار فانی کنی ما را بہ تیغ دوستی
مر فرشتہ مرگ را با ما نباشد ہیچ کار
ہر کہ از جام تو روزے شربت شوق تو خورد
چوں نماند آں شراب او داند آں رنج خمار

ترجمہ : اے اللہ! اگر محبت کی تلوار سے مجھے فنا کرنا چاہتا ہے تو پھر موت کے فرشتے کو مجھ سے کیا کام! کیونکہ جو بھی تجھ سے شوق کے شربت کا ایک گلاس پیتا ہے جب اس کے ہاں وہ شراب ہی رہے گا تو اسے خمار کیا رہے گا!

تفسیر صوفیانہ بعض محققین نے فرمایا کہ ملک الموت سے محبت الٰہیہ مراد ہے اس لیے کہ یہ صفات انسانیہ سے روح کو قبض کرتی اور اس کے صفات کی محبوب و مرغوب چیزوں سے اسے مٹاتی ہے اس لیے کہ محبت الٰہی روح کو ماسوی اللہ کے تعلقات ختم کر دیتی ہے پھر جذبۂ ارجعی الیٰ ربّک سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ صوفیاء محققین کے نزدیک خواہشات نفسانیہ کے دبانے کا نام موت ہے اس لیے کہ جو بھی خواہشاتِ نفسانیہ کو دباتا ہے اسے حقیقی حیات نصیب ہو جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الموت هو التوبة۔

(موت توبہ کو کہا جاتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فتوبوا الیٰ بارئكم فاقتلوا انفسكم۔

(جو حقیقی توبہ کرتا ہے وہ گویا اپنے نفس کو قتل کر دیتا ہے) ؎

مکن دامن از گرد ذلت بشوی
کہ ناگہ ز بالا بہ بندند جوی

ترجمہ : اپنے دامن کو ذلت کی گرد سے دھو ڈال، اس وقت پچھتائے گا جب اُوپر سے نہر کا پانی بند کر دیا جائے۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ
مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ○ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ
يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ إِنَّمَا يُؤْمِنُ
بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا
يَسْتَكْبِرُونَ ○ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ○ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ○ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ
النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ
الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ○ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ
الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ○ ع

ترجمہ : اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے اے ہمارے رب اب
ہم نے دیکھا اور سُنا ہمیں پھر بھیج کہ نیک کام کریں ہم کو یقین آ گیا اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اس کی
ہدایت فرماتے مگر میری بات قرار پا چکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے اب چکھو
بدلہ اس کا کہ تم اپنے اس دن کی حاضری بھُولے تھے ہم نے تمھیں چھوڑ دیا اب ہمیشہ کا عذاب چکھو اپنے
کیے کا بدلہ ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ انھیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ میں گر جاتے ہیں
اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہُوئے اس کی پاکی بولتے ہیں اور تکبّر نہیں کرتے ان کی کروٹیں جدا
ہوتی ہیں خواب گاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے اور ہمارے دیے ہوئے
سے کچھ خیرات کرتے ہیں تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے
کاموں کا تو کیا جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو بے حکم ہے یہ برابر نہیں جو ایمان لائے
اور اچھے کام کیے ان کے لیے بسنے کے باغ ہیں ان کے کاموں کے صلہ میں مہمانداری رہے وہ جو
بے حکم ہیں ان کا ٹھکانا آگ ہے جب کبھی اس میں سے نکلنا چاہیں گے پھر اسی میں پھیر دئے جائیں گے

اوران سے کہا جائے گا چکھو اس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلاتے تھے اور ضرور ہم انھیں چکھائیں گے کچھ نزدیک کا عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے جسے دیکھنے والا امید کرے کہ ابھی باز آئیں گے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا بیشک ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ یہاں پر مجرمون سے وہی لوگ مراد ہیں جنھوں نے کہا تھا ءَ اذا ضللنا الخ۔ الکواشی میں لکھا ہے کہ لو اور اذا ماضی کے لیے ہیں۔ مضارع پر داخل ہو کر اسے ماضی کے معنے میں لاتے ہیں وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماضی و مستقبل برابر ہیں اور پھر وقوع ماضی میں یقین ہوتا ہے اور مستقبل میں ظن۔ یہاں پر اگرچہ واقعہ مستقبل میں ہوگا لیکن اسے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے یقینی وقوع کے لیے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم دیکھو جب مجرمین نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ النکس بمعنے الٹے سر ہونا یعنی حیا اور حزن وغم سے قیامت میں سرنگوں ہو کر کہیں گے رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار! اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا اب ہم اس لائق ہو گئے ہیں اور ہمیں استعداد حاصل ہو گئی ہے کہ تیری آیات مبصرہ و مسموعہ کا ادراک کر سکتے ہیں حالانکہ اس سے قبل ہم ان میں کسی ایک کا ادراک نہیں کر سکتے تھے فَارْجِعْنَا پس ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے۔ یہ رجع رجعًا بمعنے ردّ و صرفٌ کے ہے نَعْمَلْ صَالِحًا ہم اسی طرح صالح عمل کریں گے جیسے تیری آیات کا تقاضا ہے اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ بے شک ہم اب یقین کر چکے ہیں۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اب انھیں آیات کے معانی کے فہم پر قدرت ہو گی اور ان کے قلوب صحیح و سالم ہوں گے اسی لیے یہ دعویٰ کریں گے ورنہ دنیا میں تو انھیں ان آیات کو سمجھنا تو درکنار ان سے سخت بغض و عداوت تھی اور نہ ہی انھیں سمجھنے کی کوشش کرتے۔

ف : لو کا جواب محذوف ہے وہ لو اَیت امرا فظیعًا ہے۔ یہ معاملہ تحقیقاً مستقبل اور تاویلاً ماضی ہے گویا کہا گیا کہ یہ معاملہ تو یقیناً ہو چکا اگر تم اسے دیکھتے تو ضرور گھبرا جاتے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جملہ اہلِ دنیا مجرم ہیں اور ان کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ دنیا اور اس کی شہوات پر ٹوٹ پڑے اور دنیا کے سامنے سرنگوں ہو گئے حالانکہ اس سے قبل یعنی میثاق میں سربلند تھے اور سر اٹھا کر الستُ بربکم کا خطاب سُنا اور پھر سر کو بہت اونچا کر کے بلیٰ کہا۔ لیکن جونہی عالم دنیا میں پہنچے تو دنیا اور اس کی شہوات اور شیطان کے سامنے سر جھکا دیا اور دنیوی خواہشات

پر جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اولئك كالانعام بل هم اضل۔

نکتہ : یاد رہے کہ جانوروں کی طلب شہوات میں جبلی ضلالۃ (گمراہی) نہیں اور نہ ہی وہ عبودیت الٰہی کے مامور اور شہوات سے روکے گئے ہیں تاکہ ان کے شہوات میں مبتلا ہونے والوں کو اوامر و نواہی الٰہیہ کا مخالف کہا جا سکے اور چونکہ انسان شہوات میں حیوان کا شریک ہے لیکن اسے اوامر و نواہی کا پابند کیا گیا ہے اسی لیے اوامر و نواہی کی مخالفت کی وجہ سے اسے جانوروں سے گمراہ تر کہا گیا پھر جیسے وہ دنیا میں شہوات پر ٹوٹ پڑے تو گویا سرنگوں ہوئے تو اسی کیفیت پر انہیں موت آئے گی اور اسی حالت پر ان کا حشر ہوگا اس وقت انہیں دہشت گھیرلے گی اور خجالت کے مارے سرنگوں ہو کر بارگاہِ حق میں معذرت کریں گے ۔لیکن کیا فائدہ ؎

۱ سر از جیب غفلت بر آور کنون
که فردا نماند بخجلت نگون

۲ کنونت که چشمست اشکی ببار
زبان در دہانست عذری بیار

۳ نه پیوسته باشد روان در بدن
نه همواره گردد زبان در دهن

ترجمہ : (۱) غفلت سے ابھی سے سر باہر کر تاکہ کل شرمساری سے سر نیچا نہ ہو۔

(۲) ابھی آنکھوں سے آنسو بہا زبان تیرے منہ میں ہے عذر لا ۔

(۳) روح ہمیشہ جسم میں نہ رہے گا نہ زبان ہمیشہ منہ میں رہے گی ۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا فعل مقدر کا دبّنا مذکور سے قبل فعل مقدر پر عطف ہے یعنی ونقول لو شئنا الخ اور انہیں کہیں گے کہ اگر ہماری مشیت کا تعلق فعلی ہوتا بایں طور کہ ہم نیک اور بُرے نفوس کو وہ راستہ دکھاتے جو انہیں دولتِ ایمان و اعمال صالحہ سے مالا مال کرتا اور اگر ہم انھیں توفیق بخشتے تو دنیا میں ہی وہ ایمان و اعمال صالحہ سے نوازے جاتے کہ وہ دار الکسب والعمل تھا اسے ہم اس یومِ آخرت پر مؤخر نہ کرتے جو دار الجزا ہے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لیکن اب تو میری قضاء و قدر ثابت ہوگئی اور تم پر میرا وعید کا وقت آچکا اور وہ وعید یہ ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الجنۃ (بالکسر) جنّات کی ایک جماعت (کفار) اس سے شیاطین و کفار جن مراد ہیں وَالنَّاسِ اس سے وہ انسان مراد ہیں جنہوں نے کفر و معاصی اور آثام و جرائم میں

شیاطین ابلیس کے تابعدار رہے۔ یعنی میں جہنم کو جن وانس سے پُر کروں گا۔ اَجْمَعِیْنَ ۝ یہ اجتماع علی الامر کی تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ ولکن حق القول منی بمعنے سبقت کلمتی اس کلمہ سے وہ ارشادِ گرامی مراد ہے جو ابلیس کے لاغوینھم الآیۃ کے جواب میں فرمایا : لاملئن جھنم الخ۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولو شئنا یعنی اگر ہم ازل میں تمہیں اور جملہ اہلِ ضلالۃ کو ہدایت دینا چاہتے لاٰتینا کل نفس ھدٰیھا تو تمام ارواح پر ازلی نور کا چھینٹا مار کر سب کو ہدایت کی راہ پر کھڑا کر دیتے ولکن حق القول منّی لیکن آدم علیہ السلام اور ابلیس کی تخلیق سے پہلے میرا حکم لاملئن الخ کر چکا تھا یعنی میری مشیّت کا تعلق بعض کے لیے ہدایت اور بعض کے لیے گمراہی سے ہو چکا تھا چنانچہ میں نے باقتضائے حکمت ارادہ کر لیا کہ ایک جماعت جہنّم میں تو دوسری جماعت بہشت میں مقیم رہے گی تاکہ میرے دو صفات (۱) لطف و کرم (۲) قہر و غضب کا ظہور ہو اس لیے کہ جنّۃ اور اہل جہنّم مظہرِ قہر و غضب ہیں اور میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

ف : عرائس البیان میں ہے کہ دوزخ قہرِ الٰہی کا دہن (منہ) ہے وُہ کھلتا ہے تاکہ وہ حصہ حاصل کرے اور اس کا حصّہ وہ لوگ ہیں جن میں قہرِ الٰہی کی مباشرت کی استعداد ہے۔ اور جنّۃ لطفِ الٰہی کا منہ ہے وُہ بھی جب کُھلتا ہے تو اپنا حصّہ حاصل کرتا ہے اور وہ لوگ ہیں جن میں لطفِ الٰہی کی مباشرت کی استعداد ہے۔ اس سے ثابت ہُوا لطیف کا رجوع لطیف کی طرف اور کثیف کا کثیف کی طرف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو عارف باللہ بنا دیتا لیکن ازل میں وعدو وعید مقدر ہو چکا وہ ہونا تھا اور ہُوا اور ہو گا۔

ف : حضرت ابن عطا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو اپنی رضا جوئی کی توفیق بخشتے۔ لیکن ایسے نہیں ہُوا تاکہ ہمارے اختیار اور غلبہ کا اظہار ہو اسی لیے وعدو وعید مقدر ہو گیا۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرّہٗ سے اس آیت کا معنیٰ پُوچھا گیا تو آپ نے دُعا مانگی : یا اللہ! صرف شبلی کو ہی جہنّم میں دھکیل کر جہنم کو پُر کر دے اور باقی اپنے تمام بندوں کو بہشت میں بھیج دے تاکہ تیرے بندے شبلی کا جی ٹھنڈا ہو کیونکہ شبلی کو تیرے عذاب سے راحت و سرور نصیب ہوتا ہے جیسے تیرے دوسرے بندے تیرے عفو و کرم سے خوش ہوتے ہیں۔

نکتہ : ان حضرات کے نزدیک لطف و قہر مساوی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں کا سرچشمہ ذاتِ حق کو مانتے ہیں اسی لیے وہ لطف و قہر میں برابر طور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایوب علیہ السلام تکالیف و بلیات میں مبتلا ہُوئے تو خوش ہُوئے اور کہا کہ میری صفائی جتنی ان مصائب

بلیات سے ہوئی ممکن ہے صحت و عافیت سے اتنی نہ ہوتی سے

ما بلا خواہیم و زاہد عافیت
ہر متاعے را خریداری فتاد

ترجمہ : ہم آفات و بلیات کے طالب ہیں اور زاہد سلامت و عافیت کے۔ ہر سامان کا خریدار ضرور ہوتا ہے۔

حدیث شریف مع شرح عجیب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا :

قیامت میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو تین ارشادات سُنائے گا :

(۱) اے آدم (علیہ السلام) ! اگر میں ازل میں کذابین پر لعنت اور کذب اور خلفت پر بغض مقدر نہ کرتا اور یہ نہ لکھتا کہ میں ایسے لوگوں کو عذاب میں ضرور مبتلا کروں گا تو آج تیری اولاد پر ضرور رحم فرماتا جبکہ آج وہ شدید ترین عذاب میں مبتلا ہیں، چونکہ میں لکھ چکا ہوں اور میں لکھا مٹا نہیں سکتا (اسی لیے میں اسے جہنم میں دھکیلوں گا جس نے میرے انبیاء و رسل کی تکذیب کی اور میرے فرمان سے رُوگردانی کی، وہ انسان ہو یا جن !)

(۲) اے آدم (علیہ السلام) ! میں ازل سے جانتا ہوں کہ تیری اولاد میں کون کون لوگ جہنم میں جائیں گے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کی استدعا پر اگر اب بھی میں انھیں دنیا میں بھیجوں تو پہلے سے بھی زیادہ شر و فساد پھیلائیں گے اور پھر توبہ کا تو نام بھی نہ لیں گے۔

(۳) اے آدم (علیہ السلام) ! اب میں آپ کو ہی میزان پر کھڑا کرتا ہوں آپ ہی اپنی اولاد کے کردار دیکھئے اور فیصلہ بھی آپ کے ہاتھ میں ہے کہ ان کے اعمال نیک ہوں یا بُرے لیکن ترازو میں اگر ذرہ برابر نیکی بڑھ جائے تو اُسے بہشت میں بھیج دینا اگر بُرائی بڑھ جائے تو اسے دوزخ میں بھیج دینا۔ لیکن میں تو صرف ان لوگوں کو جہنم میں داخل کروں گا جو ظالم ہوں گے۔

ف : اللہ تعالیٰ دوزخ کو بڑے جابروں اور متکبروں سے پُر کرے گا اور بہشت کو ضعیفوں، کمزوروں اور ناتوانوں سے۔

حدیث شریف میں ہے : جب اللہ تعالیٰ دوزخ میں بڑے بڑے سرکش و متکبر فرعون صفت اور ظالم بادشاہوں وغیرہم سے پُر کرے گا تو بہشت عرض کرے گی : یا اللہ ! دوزخ کو بڑے بڑے لوگوں سے بھرا اور مجھ میں عاجز اور کمزور اور ناتواں لوگ بھیجے مجھے بھی بڑے بڑے لوگ عطا فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ بہشت کی آرزو پُوری کرتے ہُوئے اسی وقت اسی قسم کے لوگ پیدا کر کے بہشت کو بھر دے گا۔ رواہ انس رضی اللہ عنہ۔

ف : وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوں گے جو ابھی پیدا ہُوئے اور اسی وقت بہشت میں چلے جائیں گے نہ موت کا ذائقہ چکھا نہ دُوسرے دنیوی درد و آلام۔

دوزخ و بہشت کا جھگڑا مروی ہے کہ دوزخ و بہشت جھگڑیں گی کہیں گی مجھے بڑے بڑے سرکشوں سے پُر کیا گیا ہے اور بڑے جابر لوگ میرے اندر ہیں۔ بہشت کہے گی میرے اندر کمزور اور ضعیف و ناتواں ہیں (اور یہی افضل الناس ہیں) اللہ تعالیٰ دونوں کا فیصلہ فرماتے ہوئے کہے گا کہ یہ سب میرے بندے ہیں اے دوزخ! تُو میرا عذاب ہے اور میں اپنا عذاب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہُوں دیتا ہُوں اور پھر مَیں نے تم دونوں کو اپنے بندوں سے بھر دیا ہے (یہی تمھاری تمنّا تھی وُہ پوری ہوگئی اب جھگڑا کا ہے کا)

تفسیر عالمانہ فَذُوْقُوْا۔ فا ترتیب کے لیے ہے یعنی امر ذوق کو ما قبل کے مضمون یعنی رجوع الی الدنیا پر مرتّب کرنا مطلوب ہے بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا نسیان بمعنے انسان کا اپنے اندر امانت رکھی ہوئی یادداشت کے ضبط کو ترک کرنا وہ یا تو ضعفِ قلب کی وجہ سے ہونا ہے یا غفلت سے یا قصد سے، یہاں تک کہ اس کا ذکر قلب سے بالکل ساقط ہوجائے۔

قاعدہ : جس نسیان کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے وہ جو عمداً ہو جیسے آیۃ ہذا میں ہے اور باؔ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ہم نے ان کے عذاب کو ان کے لیے مقدر کر دیا ہے لیکن اس کا ایک موجب ان کی جانب سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے قیامت کے دن باری تعالیٰ کی حاضری کو بُھلا رکھا ہے اور اس میں غور و فکر کو بالکل ترک کر دیا ہے اور لذّاتِ دنیویہ میں ایسے منہمک ہیں کہ نہ انھیں اللہ تعالیٰ کی حاضری یاد ہے اور نہ ہی آخرت کے دن کے ہولناک عذاب کا فکر۔ اس طرح سے ان کی استعداد بالکل ختم ہو چکی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو دنیوی مشاغل میں منہمک ہوجائے وہ یادِ الٰہی اور آخرت کے غور و فکر سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس میں جن و انس دونوں برابر ہیں اور جو اس طرح کرتا ہے اس پر نسیان طاری کر دیا جاتا ہے۔

ف : لقاء کی اضافت یوم کی طرف ایسے ہے جیسے مکر کی اضافت لیل و نہار کی طرف ہے کما قال :

مکر الّیل والنھار۔

یعنی اس دن کی اللہ تعالیٰ کی حاضری کو تم نے بُھلا دیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بے شک تم خوابِ غفلت میں ہو اور جو نیند میں ہو اسے کسی قسم کے درد و الم کا احساس نہیں ہوتا جب بیدار ہوتا ہے تو پھر اسے درد و الم محسوس ہوتا ہے ایسے ہی عالم دنیا کے لوگ گویا نیند کر رہے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے اس وقت انھیں کہا جائے گا فذوقوا بما نسیتم لقاء یومکم ھٰذا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا نَسِیۡنٰکُمۡ بے شک ہم نے تمھیں اپنی رحمت سے بھلا دیا یعنی تمہیں عذاب میں مبتلا کرکے ایسے ہی چھوڑ دیا کہ گویا تم ہمیں یاد ہی نہیں ہو اس سے تمہاری ذلت اور تمہیں جزا دینا مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ انّا نسینٰکم بے شک آج ہم نے تمہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے جیسے تم نے دنیا میں ہماری خدمت ترک کر رکھی تھی (کذا فی التاویلات)

تفسیر عالمانہ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ اور تم جہنم کا دائمی عذاب چکھو یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے عذاب الحریق میں اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ہے بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝ بسبب اس کے کہ تم عمل کرتے تھے جیسے کفر و معاصی۔ یہ تکرار تاکید اور ان پر اظہار غضب اور ذوق کے مفعول کے اصلی سبب کی تعیین کے لیے ہے اور بتانا مطلوب ہے کہ دائمی عذاب کا سبب صرف ان کا نسیان نہیں بلکہ دیگر اور اسباب بھی ہیں یعنی وہ کفر و معاصی جن پر وہ دنیا میں مداومت رکھتے تھے۔

حدیثِ شفاعت حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ قیامت میں (انبیاء علیہم السّلام کے بعد) ملائکہ شفاعت کریں گے ان کے بعد شہداء ان کے بعد اہلِ ایمان اِن سب کی شفاعت قبول ہوگی ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت شفاعت فرمائے گی یہاں تک کہ دوزخ میں کوئی ایک بھی باقی نہ رہے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ بخشنا چاہے گا اس کے بعد دوزخیوں کا رونا اور بڑھ جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کا دروازہ بند کر دے گا یہاں تک اس میں کسی قسم کی راحت نہ پہنچے گی اور نہ وہاں کا کوئی غم باہر نکالا جائے گا ۝

الٰہی ز دوزخ دو چشم بدوز
بنورت کہ فردا بنارت مسوز

ترجمہ: یا اللہ! دوزخ سے میری دونوں آنکھیں اپنے نور سے سی دے اور کل قیامت میں مجھے اس کی آگ میں نہ جلانا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا بے شک اے مجرمو! تم ہمارے اوپر ایمان نہیں لاتے ہو اور اس کے موجب پر عمل صالح نہیں کرتے ہو اگر ہم تمہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں، تو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو بھی تم وہی بُرائی کرو گے جیسے پہلے کرتے تھے۔ کما قال ؛

ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ بیشک ہمارے آیات پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا وُہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں خَرُّوْا سُجَّدًا تو گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے۔ المفردات میں ہے کہ خر بمعنے سقط سقوطا۔ اور الخریر اسی سے ہے بمعنے پانی اور ہوا وغیرہ کی آواز۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ اس میں دونوں امر موجود ہیں کہ جب سجدہ کرنے والا سجدہ میں گرتا ہے تو اس سے تسبیح کی آواز بھی آتی ہے چنانچہ اس کے بعد فرمایا و سبحوا بحمد ربهم اس میں تنبیہ ہے کہ ان کا سجدہ میں گرنا بھی تسبیح و تحمید کے طور ہو نہ کوئی اور امر، یعنی وہ لوگ سجدہ میں گرتے ہیں درانحالیکہ وہ عذابِ الٰہی سے خوفزدہ ہوتے ہیں وَسَبَّحُوْا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ان امور سے بیان کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے شرک اور شبہ اور عجز عن البعث وغیرہ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یہ محلاً حال ہے دراصل عبارت متلبس بحمده تعالیٰ الخ تھی یعنی درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والے ہوتے ہیں کہ اس کریم نے انہیں ایمان کی اور عمل صالح وغیرہما کی توفیق بخشی وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور وُہ تکبر نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ اس کا عطف الذین کے صلہ پر ہے یعنی وُہ لوگ ایمان وطاعت سے نصیحت حاصل نہیں کرتے جیسے کہ ایک متکبر کا کام ہوتا ہے کہ وُہ کسی کی سُنتا ہی نہیں اگر سُنتا ہے تو اَن سُنی بات کی طرح۔

مسئلہ: یہی آیت بالاتفاق سجدہ (تلاوت) کا محل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ بقول امام اعظم رضی اللہ عنہ یہ نواں سجدہ ہے اور بقول امام شافعی دسواں ہے۔ حضرت امام شیخ اکبر قدس سرہٗ نے اس سجدے کو سجدۂ تذکر کہا ہے اور سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ اسے پڑھ کر غفلت کو دور کرے اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل سوچے اس لیے کہ اس کے وجود کے دلائل ہر شے میں موجود ہیں ؎

ہمہ ذرات از مہ تا بماہی

بوحدانیتش داد گواہی

ہمہ اجزای کون از مغز تا پوست

چو وا بینی دلیل وحدت اوست

ترجمہ: تمام ذرات میں ماہ سے ماہی تک اس کے واحد ہونے پر گواہ ہیں۔ مغز سے پوست

تک تمام اجزا اس کی وحدت کی کھلی دلیل ہیں۔

مسئلہ: اس آیت کے لائق الفاظ پڑھے جائیں۔ مثلاً کہے:

اللھم اجعلنی من الساجدین لوجھك المسبحین بحمدك واعوذ بك من اکون من المستکبرین عن امرك۔

مسئلہ: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیۃ السجدہ کو نماز میں پڑھنا مکروہ لکھا ہے وہ نماز سرّی ہو یا جہری، اگر پڑھ لیا تو سجدۂ تلاوت کرے یا نہ! اس میں دو قول ہیں۔ کذا فی فتح الرحمٰن۔

خلاصۃ الفتاوٰی میں ہے کہ کسی نے نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی اگر وہ آیت سورہ کے آخر میں ہے یا اس کے بعد صرف ایک دو آیتیں بچتی ہیں تو وہ مختار ہے چاہے رکوع کرے اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرے یا چاہے تو سجدہ کرے پھر قیام کی طرف لوٹ کر رکوع و سجود کرے اگر اس کے ساتھ اور سورۃ ملائے تو افضل ہے۔

اگر سجدۂ تلاوت کی سورۃ کو ختم کر کے رکوع اور سجدہ میں چلا گیا تو اس سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وھم لا یستکبرون یعنی وُہ لوگ تیرے سجدہ سے تکبر نہیں کرتے جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام کو قبلہ بنا کر سجدہ کرنے سے انکار کیا اس لیے کہ اگر وہ آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کر سجدہ کرتا تو وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ ہوتا کیونکہ آدم علیہ السلام اس وقت سجدہ کا قبلہ تھے جیسے ہمارے سجدوں کا قبلہ کعبہ معظمہ ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا ہر انسان نماز میں ابلیس کی شرارت سے نہیں بچ سکتا۔ ہاں سجدہ کی حالت میں وسوسہ پر شیطان کو قدرت نہیں اس لیے کہ اس وقت شیطان اپنی حالت کو یاد کرتا ہے تو غم اور حزن میں ڈوب جاتا ہے گویا وہ اپنی میں پڑ کر نمازی کو کچھ نہیں کہہ سکتا اس لیے بحالتِ سجود انسان ابلیس کی شرارت سے تو محفوظ ہوتا ہے لیکن نفس کی شرارت سے محفوظ نہیں ہوتا۔

ف: سجدہ کی حالت میں کتنے خیالات گزرتے ہیں۔ وہ ربانی ہوتے ہیں یا ملکی یا نفسانی۔ ان سب پر شیطان کو کسی قسم کی قدرت نہیں ہوتی پھر جب وُہ قیام کی طرف کھڑا ہوتا ہے تو شیطان سے وہ حُزن و غم کی کیفیت دُور ہو جاتی ہے اسی لیے وُہ پھر نمازی کو وسوسہ میں ڈالتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ نماز کی ادائیگی میں عجلت کرے، نماز فرضی ہو یا نفلی۔ تاکہ شیطان ذلت میں ہو اور رب رحمان راضی ہو، بلکہ اس کیفیتِ نماز میں روح ملک متعال کا قُرب پاتی ہے اور مناجات حق سے لذت اور ذوق وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے ؎

ذوق سجدہ زائد است از ذوق سکہ نزد جان   ہر کرا ایں ذوق نے بے مغز باشد در جہان

ترجمہ : روح کو شکر کی لذت سے سجدہ میں بہت بڑا ذوق حاصل ہوتا ہے جسے یہ ذوق نصیب نہیں اسے جہانِ دنیا میں بے مغز سمجھو۔

اے اللہ! ہمیں سجدۂ فنا کا اہل بنا، تُو ہی ہماری دعاؤں کو سننے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ یہ جملہ مستانفہ اہلِ ایمان کے بقایا محاسن کا بیان ہے۔

حلِ لغات : التجافی بمعنے بُعد اور دُوری۔ الجفاء سے ہے۔ جو شخص کسی کے ساتھ موافقت نہ کرے اسے سمجھو کہ اس نے اس پر جفا کیا یعنی اس سے علیحدہ ہوا اور کنارہ کشی اختیار کی۔ الجنوب، جنب کی جمع ہے۔ انسان وغیرہ کی کروٹ کو کہا جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کی کروٹیں دور رہتی ہیں عَنِ الْمَضَاجِعِ بستروں یعنی نیند کی جگہوں سے۔ المضاجع، مضجع کی جمع ہے جیسے مقعد کی جمع مقاعد آتی ہے یعنی خواب گاہیں۔

نکتہ : تجافی کا اسناد جنوبہم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اہلِ یقظہ وکشف کا حال نرالا ہے وہ اہلِ غفلت و حجاب کی طرح نہیں ہیں اس لیے کہ وُہ مناجات کی حرص میں خواب گاہوں سے کروٹوں کو دُور رکھتے ہیں ۔ وہ اپنے اختیار سے نہیں سوتے بلکہ بسیار بیداری سے زمین پر گر جاتے ہیں گویا زمین نے انہیں جبراً نیچے دے مارا اگر اس طرح نہ ہوتا تو وہ کبھی زمین پر نہ سوتے بخلاف اہلِ غفلت کے کہ وُہ خواہ مخواہ ہی بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور جب وُہ نیند میں ہوتے ہیں تو غفلت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہیں جب تک کوئی دھکّے دے کر نہ اٹھائے اُٹھتے نہیں۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ یہ جنوبہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں خَوْفًا اللہ تعالیٰ کے غصہ وغضب اور اس کے عذاب سے اور اس خطرہ سے کہ مبادا ان کی عبادت قبول نہ ہو وَّطَمَعًا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طمع ولالچ میں۔

تفسیر نبوی : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے تہجّد مراد ہے۔ کیونکہ یہ آیت ان حضرات کے متعلق نازل ہُوئی جو رات کو تہجد کے نوافل کے لیے اُٹھتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فرض روزے کے بعد ماہِ محرم کے روزے اور کوئی روزہ افضل نہیں اور نہ ہی فرض نماز کے نوافل تہجد سے اور کوئی نفل افضل نہیں۔

ف : کاشفی نے فرمایا جب رات آتی ہے اور لوگ آرام کے لیے بستر بچھاتے ہیں اور غفلت کی نیند سوتے ہیں تو یہ حضرات نرم اور گرم بستروں کو چھوڑ کر عجز و نیاز کے ساتھ درازئ شب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ سہیل یمنی یعنی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کسی وقت کہتے: ھذہ لیلۃ الرکوع (یہ رات رکوع کے لیے ہے)
تو ساری رات رکوع میں گزار دیتے۔ اور کبھی فرماتے:
ھذہ لیلۃ السجود (یہ سجدہ کی رات ہے)
تو ساری رات سجدہ میں گزار دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جب آپ کو طاعت الٰہی کی اتنی بڑی طاقت حاصل ہے تو پھر آپ صرف رکوع میں یا صرف سجدے میں اتنی بڑی راتیں کیوں گزار دیتے ہیں؟ جواباً فرمایا کہ راتیں بڑی ہیں کہاں! کاش ایک رات از ازل تا ابد میرے نصیب ہوتی اور میں اسی میں سجدہ کر کے بارگاہِ حق میں زار و قطار روتا۔

بنیم شب کہ ہمہ مست خواب خوش باشند
من و خیال تو و نالہائے درد آلود

ترجمہ: آدھی رات کے وقت جبکہ دوسرے لوگ میٹھی نیند سو جائیں میں تیرے خیال میں آنسو بہاؤں (اسی میں مزہ ہے)

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تعالیٰ ان دو بندوں پر بہت خوش ہوتا ہے، ایک وُہ جو اپنے محبوب (زوجہ) کے ساتھ آرام کر رہا ہو اور سردی کا موسم ہو، بستر نہایت نرم گرم بچھا ہو، وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے ایسے بندے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے: میرے بندے کو دیکھو کہ وہ اپنی محبوبہ (زوجہ) اور نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر میرے شوق میں اور میرے خوف سے نماز میں مشغول ہے۔ دُوسرا وہ جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکست کھا کر گھر لوٹتا ہے لیکن دل میں خیال کرتا ہے گھر جا کر کیا کروں گا کیوں نہ ہو کفار سے لڑ بھڑ کر مارا جاؤں۔ چنانچہ واپس ہُوا، یہاں تک کہ کافروں سے لڑ بھڑ کر خُون میں لت پت ہو گیا۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہشت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر و باطن برابر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو بات میں نرمی کرتے، مسکینوں غریبوں کو کھانا کھلاتے اور مسلسل روزے رکھتے ہیں اور رات عبادت میں گزارتے ہیں جبکہ دُوسرے لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔

حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی فرماتے ہیں:

و فینا رسول اللہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع

۲ اَرٰنا الھدیٰ بعد العمی فقلوبنا
به موقنات ان ما قال واقع

۳ یبیت یجافی جنبه عن فراشه
اذا استثقلت بالکافرین المضاجع

ترجمہ :(۱) ہم میں اللہ کے رسول کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں جب پھٹتی ہے صبح روشن ہو کر۔
(۲) اندھے پن کے بعد ہمیں راہِ ہدایت دکھائی کیونکہ ہمارے قلوب کو یقین ہے کہ جو کچھ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا۔
(۳) وہ رات کو بستر سے کروٹ دور رکھتے ہیں جبکہ کافروں پر کروٹیں بوجھل ہوتی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا دے گا جسے تمام مخلوق سُنے گی وہ فرمائے گا: آج اہلِ کرم اس مجمع میدان حشر میں اپنا حق حاصل کرے۔ اس کے بعد واپس آئے گا اور اعلان کرے گا کہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ وہ لوگ رات کے وقت جن کی کروٹیں خشک رہتی تھیں اس اعلان پر بہت تھوڑے لوگ اُٹھیں گے۔ اس کے بعد لوٹ کر تیسرا اعلان کرے گا کہ جو لوگ پوشیدہ اور ظاہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے رہے وہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ چنانچہ اس اعلان پر بہت تھوڑے لوگ اُٹھیں گے پھر ان سب کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ جب یہ حضرات بہشت میں چلے جائیں گے تو پھر باقی لوگوں کا حساب ہوگا۔

ف : رات کا قیام قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بھی ایک عطیۂ الٰہی ہے جسے چاہتا ہے یہی عطیہ بخشتا ہے۔ جسے یہ دولت نصیب ہو اسے چاہیے کہ وہ کسی وقت بھی اسے نہ چھوڑے اور جو اوراد و وظائف اس وقت ادا کرنے ہوں ان میں ہرگز کوتاہی نہ کرے۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک رات میں اپنے روزانہ کے ورد وظیفہ سے فارغ ہو کر سو گیا پھر خواب میں دیکھا کہ میں ایک حور کے پاس کھڑا ہوں وہ مجھے کہہ رہی ہے کہ اے ابو سلیمان! آپ سو جاتے ہیں حالانکہ میں بہشت کے ایک خیمہ میں پانچ سو سال سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔

حکایت حضرت شیخ ابوبکر ضریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری ہمسائیگی میں حسین و جمیل نوجوان رہتا تھا جو دن کو روزے رکھتے اور رات کو نوافل پڑھتے گزارتا تھا اسے نیند کرتے کسی نے نہیں دیکھا تھا ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہا استاذ جی! ایک رات میں ایک وردِ معلوم سے سو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ

میری عبادت گاہ سے چند حوریں نمودار ہوئیں جن کا حسن و جمال ایسا بے نظیر تھا کہ دنیائے عالم میں ان کا ثانی ناممکن ہے لیکن ان میں ایک حور نہایت قبیح اور بدشکل تھی کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں دیکھی گئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کس کے لیے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تیری راتوں کی عبادت کا صلہ ہیں اور یہ سیاہ اور بدشکل بھی تیرے لیے ہے لیکن اس کی شکل وصورت اسی لیے تبدیل ہوئی ہے کہ تُو نے شب گذشتہ عبادت میں کوتاہی کی یعنی اپنے معلوم وظیفہ کو پورا نہیں کیا اگر تو اسی شب کو فوت ہو جاتا تو مرنے کے بعد تجھے پہلے یہی قبیح شکل اور بدصورت حور ملتی۔ پھر اس بدشکل حور نے یہ اشعار پڑھے ؎

اسأل لمولاك واردد نى الى حالى

فانت قبحتنى من بين اشكالى

لاترقدن الليالى ما حييت فان

نمت الليالى فهن الدهر امثالى

ترجمہ: میں نے تیرے مولیٰ سے سوال کیا ہے کہ وہ مجھے اپنی پہلی حالت میں لوٹا دے اس لیے کہ ہجولیوں میں اس شکل وصورت کے ساتھ رہنا نامناسب ہے۔ تم آئندہ رات کے وقت نہ سویا کرو جب تک کہ زندہ رہو ورنہ دوسری حوریں بھی میری طرح ہو جائیں گی۔

اس کے جواب میں ان حسین حوروں سے ایک نے کہا: ؎

۱ ابشر بخير فقد نلت الغنى ابدا

فى جنة الخلد فى روضات جنات

۲ نحن الليالى اللواتى كنت تسهرها

تتلو القرآن بترجيع و رنات

۳ ابشر وقد نلت ما ترجوه من ملك

بريجود بافضال و فرحات

۴ غدا تراه تجلى غير محتجب

تدنى اليه و تخطى بالتحيات

ترجمہ: (۱) تمھیں مژدہ باد کہ تم نے دائمی غنا کو پالیا یعنی جنت الخلد میں تجھے بہترین باغات نصیب ہوں گے۔

(۲) ہم تیری وہی راتیں ہیں جن میں تم بیدار رہتے تھے اور خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔

(۳) خوش ہو جائیو بیشک تمہیں مالک کریم سے وہ کچھ مل گیا جس کی تمہیں امید تھی وہی ہر ایک پر فضل و کرم فرماتا ہے۔

(۴) کل دیکھنا تجھے وہ کریم بے پردہ زیارت کرائے گا تو اس کے قریب ہو کر تحیات پیش کرے گا۔

اس کے بعد وُہ نوجوان چیخ مار کر مرگیا (رحمہ اللہ تعالیٰ)

حکایت یحییٰ علیہ السلام کے ہاں ابلیس حاضر ہُوا اسے یحییٰ علیہ السّلام نے فرمایا، تو مجھ پر کوئی قدرت رکھتا ہے اور مجھ سے کوئی برا عمل کرایا؛ اس نے عرض کی، صرف ایک بار، وُہ اس طرح کہ آپ کے ہاں طعام پیش ہُوا تو آپ نے ضرورت سے زیادہ کھا لیا اس وجہ سے آپ ایک رات نوافل کے لیے نہ اُٹھ سکے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: بخدا آیندہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ اس نے کہا، میں بھی قسم کھاتا ہُوں کہ آئندہ کسی انسان کو نصیحت نہیں کروں گا ؎

باندازہ خود زاد اگر مردمی

چنین پرشکم آدمی یا خمی

ندارند تن پروران آگہی

کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ، ساتھ اندازہ خرچ کھائیے اگر تم آدمی ہو۔ اتنا زیادہ کھاتا ہے تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔ تن پرور لوگ اس سے کوئی خبر نہیں رکھتے کہ پُر معدہ انسان حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اور جسے ہم نے مال وغیرہ دیا یُنْفِقُوْنَ ○ وجوہ خیرات وحسنات سے۔ بعض نے فرمایا یہ حکم عام ہے واجب ہو یا نفلی۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) زکوٰۃ، جس کے ہاں نصاب کامل ہو۔

(۲) جس کے ہاں نصاب کے علاوہ زاید خرچ کرنے کی توفیق ہو۔

(۳) اپنی ضرورت پر فقراء و مساکین کو ترجیح دے کر، یعنی خود بھُوکا رہ کر دوسرے کو کھلائے۔

؎

بدو نیک را بذل کن سیم و زر

کہ آن کسب خیر است و آن دفع شر

از آن کس کہ خیرے بماند روان

دمادم رسد رحمتش بر روان

ترجمہ: نیک اور بد پر سیم وزر خرچ کر اس لیے کہ نیک پر خرچ کرنے سے ثواب ملے گا اور بُرے پر خرچ کرنے سے اس کی بُرائی کا دفعیہ ہوگا جس سے ہمیشہ نیکی جاری رہے گی اس کی رُوح پر ہمیشہ رحمت نازل ہوگی۔

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ کوئی نفس نہیں جانتا خواہ کوئی ملک مقرب ہو یا نبی مرسل جب ایسے قدسی نفوس نہیں جانتے پھر دوسروں کا کیا کہنا **مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ** جو ان حضرات کے لیے مخفی تیار رکھی ہوئی ہیں جن کی صفات اوپر مذکور ہوئیں مثلاً وہ رات کو شب بیداری کی وجہ سے اپنی کروٹیں بستروں سے دُور رکھتے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پکارتے اور راہِ حق میں مال لٹاتے ہیں یہ جملہ محلاً منصوب لا تعلم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے **مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ** آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی وہ نعمتیں کہ جن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور ان کے نفوس کو تسکین نصیب ہوگی۔

ف: کاشفی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انہیں آنکھوں کی روشنی میں اضافہ کرنے والی چیزیں ملیں گی یعنی وہ امور جنہیں دیکھ کر آنکھیں روشن ہوں۔

حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر بل ما اطلعتم علیہ اقرأوا ان شئتم فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔

(میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار فرمائی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ ہی کسی دل پر ان کا خیال گزرا اس کی تائید میں یہ آیت فلا تعلم نفس ما اخفی لھم الخ پڑھ لو)

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ یہ انھیں اس کی جزا نصیب ہوگی جو انھوں نے دنیا میں اخلاص کے ساتھ اور صدق دلی سے نیک عمل کیے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب عمل پوشیدہ ہو تو جزا بھی پوشیدہ ملے گی یہاں تک کہ کسی نے کوئی ایسا عمل کیا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہوئی تو قیامت میں اسے جب جزا دی جائے گی تو کسی کو علم نہ ہوگا ○

روزے کہ روم ہمرہ جاناں بچمن
نہ لالہ وگل بینم و نہ سرو وسمن
زیرا کہ میان من واو گفتہ شود
من دانم واو داند واو داند و من

ترجمہ: کسی روز اپنے محبوب کے ساتھ باغ میں جاؤں گا تو باغ میں نہ گل دیکھوں گا نہ سرو اور نہ سمن۔ اس لیے کہ میرے اور محبوب کے درمیان کیا بات کہی جائے گی جبکہ میں صرف محبوب کو جانتا ہوں اور وہ مجھے محبوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے تتجافی جنوبھم ان کی ہمتوں کی کروٹیں خالی ہیں عن المضاجع دارین کے بستروں سے۔ یعنی احوال دارین سے ان کے قلوب دور ہیں۔ نہ وہ اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں نہ احوال کو بلکہ وہ اپنی محبوب و مرغوب چیزوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے معارف کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں یدعون ربھم وہ اپنے رب کے ساتھ رب کے لیے رب کو پکارتے ہیں خوفاً تاکہ ہجر و فراق اور دوری کے عذاب میں مبتلا نہ ہوں وّطمعًا قربات و مواصلات میں و ممّا رزقنٰھم ینفقون اور ہماری دی ہوئی نعمتِ وجود سے اسے خرچ کرتے ہیں تاکہ اپنی جدو جہد کو خرچ کرتے ہیں تاکہ مقصود حاصل ہو اور ان کے لیے جو نقود مخفی رکھے گئے ہیں انھیں نصیب ہو جائیں۔ کما قال تعالیٰ فلا تعلم الخ درحقیقت ان سے مخفی رکھا ہوا ان کا اپنا جمال ہے جو ان کا عین ہے جو ان سے مخفی ہے اور صوفیاء کے نزدیک عین حق ہے۔ یاد رہے کہ جب تک تمہارا عین فانی باقی رہے گا تو تمہارا جمال باقی رہے گا تم سے مخفی اس لیے رکھا تاکہ تمہارے اوپر نظرِ بد کا اثر نہ ہو۔ اگر وصال کی صبح سعادت طلوع کرے اور درمیان میں جدائی کی ظلمت چلی جائے اور عین عین سے متبدّل ہو تو نہ جفا رہے نہ کچھ اور، بلکہ خفاء ظاہر ہو کر دائمی لقا نصیب ہو جائے۔ کما اقول: ؎

منذ جاء هواكم ذاهبا بالبين

لم يبق سوى وصالكم فى البين

ما جاء بغير عينكم فى عينى

والآن محت عينكم ولى عينى

ترجمہ: جب سے تمہاری محبت اور عشق نصیب ہوا تو سب کچھ میری نظروں سے نکل گیا اور اب تو تمہارا وصال ہی میرے ہاں ہے اور بس۔ اور میری آنکھ میں فقط تمہارا ہی تصوّر ہے۔ اور میری آنکھ سے تو تیرے ماسوا تمام تصوّرات مٹ گئے ہیں۔

جزاء بما كانوا يعملون یہ اس کی جزا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا ما اخفی لھم کا عدم علم اور اس کے علم کے حصول کا جہل ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ان کے اعمال کا یہ معنی ہے کہ حق سے اعراض اور غیر حق کی طلب اور ماسوی اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ تو کیا وہ جو مومن ہے وہ فاسق کی طرح ہوسکتا ہے یعنی فاسق وُہ جو ایمان سے خارج ہو اس لیے کہ مومن کا بالمقابل وہی ہو سکتا ہے جو ایمان سے خارج ہو نیز قرینہ بھی بتاتا ہے کہ یہاں فاسق سے خارج از ایمان مراد ہے اس لیے کہ اس کے بعد دوزخ کے دائمی عذاب کی خبر دی جا رہی ہے اور دائمی عذاب کا مستحق صرف کافر ہوتا ہے لَا يَسْتَوٗنَ ۝ شرف اور جزا فی الآخرۃ برابر نہیں ہیں اگرچہ اس جملہ کی تصریح کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب بتایا گیا ہے کہ انھیں آپس میں کسی طرح کا تشابہ نہیں لیکن پھر بھی لایستوون فرماتے ہیں تاکید مطلوب ہے اور بس۔ نیز آنے والی تفصیل کا تقاضا بھی تھا کہ لایستوون کی تصریح ہو اور جمع کا صیغہ معنیٰ مَنْ کی وجہ سے ہے۔

شانِ نزول حضرت کاشفی نے لکھا کہ ولید بن عقبہ نے فخریہ طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا کہ میری سنان تیری سنان سے سخت تر، اور میری زبان تیری زبان سے تیز تر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے فاسق! خاموش باش۔ تجھے میرے ساتھ برابری کا کیا معنی اور میرے ساتھ جھگڑا کیوں، جبکہ تجھے میرے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ف : اس میں اشارہ ہوا کہ مومن سے حضرت علی اور فاسق سے ولید مراد ہے ایسے ہی قیامت تک آنے والے مومن اور کافر اس میں داخل ہیں اسی لیے لایستوون صیغہ جمع لایا گیا۔

تفسیر صُوفیانہ جو انوار طاعت و ایمان میں ہے اس کے برابر نہیں ہوسکتا جو ظلمت فسق و طغیان میں ہے (کذا قال ابن عطاء)

اور کشف الاسرار میں ہے کہ کیا وہ شخص جو حلہ وصال دامن کھینچ کر چلتا ہے یعنی دائمی وصال میں ہے اس کی طرح وہ کیسے برابر ہوسکتا ہے جو مذلۃ فراق میں ہے جس کا فراق سے قلب سخت ہے جو ہول عقوبت سے کلفت کی مشقت میں ہے یا اس کی طرح جو نور برہان سے مؤید ہے اور اس پر شموس عرفان طلوع کرتے ہیں وہ کس طرح ہوسکتا ہے خذلان سے مربوط اور حرمان سے موسوم ہے ایسے لوگ نہ تو ایک دُوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں نہ آپس میں کہیں یکجا جمع ہوسکتے ہیں ؎

ایھا المنکح الثریا سھیلا

عمرک اللہ کیف یلتقیان

ھی شامیۃ اذا ما استقلت

وسھیل اذا استقل یمانی

ترجمہ :۔ اے سہیل اور ثریا کو جمع کرنے کا خیال کرنے والے ! اللہ تعالیٰ خیر کرے تم ان دونوں کو کیسے جمع کر سکتے ہو جبکہ ایک شامی ہے اور دُوسرا یمنی۔

تفسیر عالمانہ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ بہرحال وُہ لوگ جو مومن ہیں اور نیک عمل کیے تو وہ استحقاق رکھتے ہیں کہ ان کے لیے جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ہے ۔ امام راغب نے فرمایا کہ الماوٰی، اوی کا مصدر ہے بمعنے انضم ۔ اور جنت الماوٰی ایسے ہے جیسے دار الخلود ۔ اس اعتبار سے دار مصدر کی طرف مضاف ہوگا ۔

الارشاد میں ہے کہ جنۃ کی طرف ماوٰی کی اضافت اس لیے ہے کہ وہی حقیقی ماوٰی ہے ورنہ دار دنیا تو کُوچ کا مقام ہے اسی لیے دُنیا کو پُل سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ آخرت کے لیے عبور کا مقام ہے اسے دار القرار سمجھنا حماقت ہے ۔

بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ان لوگوں کے لیے باغ و بہشت ہے کہ ان کا یہی ماوٰی حقیقی ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت الماوٰی ساری کی ساری سونے کی ہے اور آٹھوں بہشتوں کی ایک ہے اور وہ آٹھ بہشتیں یہ ہیں :

۱ ۔ دار الجلال	۲ ۔ دار القرار
۳ ۔ دار السلام	۴ ۔ جنت عدن
۵ ۔ جنۃ الماوٰی	۶ ۔ جنۃ الخلد
۷ ۔ جنۃ الفردوس	۸ ۔ جنۃ النعیم

نُزُلًا درانحالیکہ وہ جنّات وغیرہ اجر و ثواب اور مہمانی ہیں ۔ نزل دراصل ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لیے تیار کی جائے، کھانے کی ہو یا پینے کی یا اور طرح کی یا اور طرح کا صلہ، پھر ہر طرح کی عطا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ بسبب ان کے ان اعمال حسنہ کے جو انہوں نے دنیا میں کیے ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے افمن کان مؤمنا کیا وہ شخص جو طلب حق تعالیٰ کا خواہشمند ہے وہ اس کی طرح ہے جو فاسق ہے یعنی ماسوی اللہ کی طلب میں رہتے ہیں لا یستوون وہ برابر نہیں ہیں یعنی طالبین مولیٰ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی طلب میں نہیں ہیں مساوی نہیں اما الذین اٰمنوا بہرحال وُہ لوگ جو طلبِ حق میں زندگی بسر کرتے ہیں وعملوا الصّٰلحٰت اور نیک عمل کرتے ہیں یعنی اقبال علی اللہ و اعراض عما سواہ میں ہیں فلھم جنّٰت الماوی نزلا یعنی جنات ماوٰی الابرار اور ان کے منازل مقربین اور سیر الی اللہ کرنے والوں کے لیے ہے بہرحال ان کی ماوٰی و منزل اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند و بالا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا بہرحال وہ لوگ جو فاسق ہیں یعنی ایمان وطاعت سے خارج ہوئے جبکہ وہ کفر ومعصیت کو طاعت و ایمان پر ترجیح دیتے ہیں فَمَاْوٰىھُمُ یہ اسم مکان ہے یعنے ملجا ومنزل النَّارُ جہنم ہے یعنی جیسے اہل ایمان کی ماوٰی ومنزل بہشت ہے تو اہل کفر وفسق کی منزل وماوٰی جہنم ہے كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَآ اُعِیْدُوْا فِیْھَا جب وُہ جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو وہ پھر اسی میں لوٹائے جائیں گے اس میں دائمی خلود کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہا جائے گا کہ جب وہ دائمی طور پر جہنم میں ہوگا تو پھر وہاں سے نکلنے کا کیا معنی ! چنانچہ فرمایا :

کلما خبت زدناھم سعیرا۔

(جب خسارہ والے ہُوئے تو ہم نے ان کی آگ بڑھائی)

اگرچہ نارِجہنم بجھنے کی نہیں لیکن یہ اس لیے کہا گیا کہ جب کوئی کہے گا کہ جہنم کی آگ ٹھنڈی پڑگئی تو پھر اور گرم ہوجائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آگ نیچے سے اوپر شعلہ مارے گی تو نیچے والے کافر اوپر کو آجائیں گے یہاں تک جہنم کے دروازے کے قریب پہنچیں گے اور وہ ارادہ کریں گے کہ وہ یہاں سے نکل جائیں تو انہیں جہنم کے شعلے نیچے گرادیں گے یا انہیں جہنم کے نگران فرشتے چابک مار مار کر جہنم میں دھکیل کے لے جائیں گے اور ایسے زور سے چابک ماریں گے کہ وہ جہنم کی تہ میں چلے جائیں گے حتیٰ کہ ستر سال کی مسافت جہنم میں تہ میں پہنچ جائیں گے ایسے ہی ان کے ساتھ ہمیشہ کیا جائے گا یا یہ معنی ہے کہ انھیں ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں دھکیلا جائے گا ۔

وَقِیْلَ لَھُمْ اہانت اور تشدد کے طور زیادہ غضب دکھانے کے لیے کہا جائے گا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ جہنم کا عذاب چکھو جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد نہیں اُٹھنا ہے پھر کاہے کی بہشت اور کاہے کی دوزخ ۔

ف : برہان القرآن میں ایک سوال کا جواب دیتے ہُوئے لکھا کہ یہاں بہا ضمیر مؤنث کی ہونی چاہیئے تھی لیکن بہٖ ضمیر مذکر کی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں النار کنایۃً واقع ہُوئی ہے کیونکہ نار کا ذکر پہلے ہوچکا ہے اور کنایات وصف عذاب سے موصوف نہیں ہوتے اور سباء میں بہا ہے ۔ یعنی اس میں ضمیر مؤنث کی ہے اور وہاں نار کا ذکر پہلے بھی نہیں ہوا اسی لیے سورۂ سباء میں نار موصوف احسن ہُوا ۔ یہ ایک لطیفہ ہے جسے یاد رکھنا ضروری ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ و امّا الذین فسقوا بہرحال وہ لوگ جو سیدھی راہ سے ہٹ گئے اور بعد و البعاد کے کنویں میں گر پڑے فماوٰھم النار کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا تو ان کا ماوٰی دوزخ ہے جب وہ اس سے نکلنے کا

ارادہ کریں گے تو پھر وہ اسی میں لوٹائے جائیں گے کیونکہ اسی صفت پر انہوں نے زندگی بسر کی اور اسی پر انہیں موت آئی اور اسی پر قیامت میں اٹھیں گے وہ اس لیے کہ جب انہیں داعیانِ حق نے دعوتِ حق دی اور بہترین پند و نصیحت فرمائی تاکہ وہ طبیعت کے نچلے حصے سے نکل جائیں اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ آدابِ طریقت سے شریعت کے آداب کی رسی کو مضبوط کریں اس سے ان کی توجہ وطن اصلی علوی کی طرف ہو گی جب ان کو شوق روحانی کا غلبہ ہو گا لیکن یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور درکات شہوانیہ سے نکلنے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں طبعیہ لطفانیہ حیوانیہ سفلیہ گھیر لیتی ہے پھر وہ اسے اسفل طبعیہ کی طرف لوٹا دیتی ہے وقیل لھم اور انہیں قیامت میں کہا جائے گا ذوقوا الخ چکھو جہنم کا عذاب، جسے تم دنیا میں جھٹلاتے تھے اگرچہ تم دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا تھے لیکن تمہیں آخرت کے عذاب کا شعور نہ تھا کیونکہ تمہیں اخروی عذاب بڑا محسوس ہوتا تھا ورنہ تم ان اعمال سے باز رہتے جو عذابِ آخرت کا سبب بنتے تھے ایسے ہی تمہیں جہنم کے عذاب کا دنیا میں احساس ہوتا تو تم کفر و معاصی کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔

ف : اس سے ثابت ہُوا کہ احتراق کا فرو فاسق کی صفت ہے لیکن مومن ومطیع کی شان ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تقول جہنم للمؤمن جز یا مؤمن فقد اطفأ نورك لھبی۔

(دوزخ مومن سے کہے گی اے مومن! مجھ میں سے جلد تر گزر جیئے اس لیے کہ تیرے نُور نے میرے شعلے بجھا دیئے)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

گویدش بگذر سبک اے محتشم
ورنہ ز آتشہاے تو مرد آتشم

ترجمہ : اسے آگ کہے گی اے حشمت والے! جلدی گزر جا ورنہ تیرے عشق کی گرمی سے میری آگ بجھ جائے گی۔

ف : یاد رہے اس سے وہی نورِ توحید مراد ہے جو ازل میں ہر مومن کو نصیب ہُوا اور اس کی تاثیر یہی ہے کہ وہ کسی آگ سے نہ جلایا جا سکے۔

حکایت ایک مجذوب شیخ حاجی بیرام قدس سرہٗ کا ساتھی تھا اور وہ شیخ سے بہت محبت کرتا تھا جب شیخ کا وصال ہُوا تو وہ مجذوب شیخ الشہیر بآق شمس الدین کے ہاں حاضر ہوا اور یہ صاحب شیخ حاجی بیرام کا خلیفہ تھا ایک دن اس مجذوب کو شمس الدین نے فرمایا : تُو نے شیخ حاجی بیرام سے کوئی پوشاک نہ پہنی، اگر

میں پوشاک پیش کروں تو قبول کرلو گے ؟ اس نے فرمایا : مجھے کوئی انکار نہیں ۔ اس سے شیخ شمس الدین مریدین سمیت بہت خوش ہوئے اور اس کے لیے ایک دن مقرر فرمایا تاکہ ہر خاص وعام کو اس میں دعوت دے کر شامل کیا جائے چنانچہ ایک جماعت کے سامنے مجذوب کو پوشاک پہنائی گئی مجذوب نے پوشاک پہن کر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ وہ آگ میں اتنی دیر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ وہ پوشاک جل گئی لیکن مجذوب آگ سے محفوظ رہا اور آگ سے صحیح و سالم باہر نکل آیا ۔ اس کے بعد فرمایا : اے شیخ ! وہ پوشاک اچھی نہیں جسے آگ جلا ڈالے ۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ اگر بہشت میں رہ کر بھی جمالِ یار کا اشتیاق نہ ہو تو اس پر حیف صد حیف ۔ اگر جہنم میں رہ کر شوقِ دیدارِ الٰہی ہو اس پر صد آفریں ۔ اور یہ یاد رہے کہ محبوب کا ساتھ ہو تو اسے جہنم کی آگ نہیں جلاتی ۔ دیکھیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم اور اس کے جملہ طبقات کا معائنہ فرمایا لیکن اس سے آپ کے ایک بال کو بھی نقصان نہ پہنچا۔

لطیفہ : جیسے جہنم مومن کو اپنے میں سے جلد تر گزرنے کا کہے گی ایسے ہی مومن کامل کو بہشت کہے گی کہ اے مومن ! تم میرے بیچ میں سے جلد تر گزر جاؤ اور اپنے حقیقی مقام (وصالِ الٰہی) پر چلے جاؤ ، اس لیے کہ تمہارے نور سے میری بے رونقی ہوتی ہے اور میری ساری کی ساری زیب و زینت ماند پڑ جاتی ہے۔ جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے : ؎

گویدش جنّت گزر کن ہمچو یاد
ورنہ گردد ہر چہ من دارم کساد

ترجمہ : اسے بہشت کہے گی کہ ہوا کی طرح گزر جا ورنہ میرا تمام کام بیکار ہو جائے گا ۔

وہ اس لیے کہ مومن کا نور تجلیٔ حق کا نور ہے اور یہ صرف اہلِ ایمان کو نصیب ہوتا ہے ۔ بہشت و دیگر اشیاء اس نور تجلیٔ خاص سے محروم ہیں اس معنے پر بہشت پہ یہ خاص نور غالب ہو جائے گا ۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک واعظ وعظ کی کرسی پر بیٹھتا ہے لیکن اس مجلس میں اس سے فائق فی العلم اس کا استاذ یا کوئی اور اہلِ علم بیٹھا ہو تو واعظ و مقرر کی طبیعت منقبض ہو جاتی ہے اور وہ اپنے سے بڑے عالم سے عرض کرتا ہے کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیے ۔ جب یہ ظاہری علم والوں کا حال ہے تو باطنی علوم کے حضرات کا حال اس سے زیادہ اولیٰ ہے کہ ان کے تاثرات و غلبات تجلیات سے ان سے کم درجہ والے ماند پڑ جائیں ۔

سبق جو بھی اولیاء کے مراتب کو جانتا ہے اس پر لازم ہے کہ ان کے حضور میں خاموشی اختیار کرے اس لیے کہ انھیں ہر حال میں غلبہ حاصل ہے بلکہ انھیں ہر مقام کی معرفت نصیب ہے ۔ قدس اللہ اسرارہم ۔

تفسیر عالمانہ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ اور ہم اہلِ مکہ کو مزہ چکھائیں گے الاذاقہ بمعنے چکھانا مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى قریب تر والے عذاب سے۔ اس سے دنیا کا عذاب مراد ہے۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیتیں پہنچائیں تو آپ نے ان کے لیے بد دعا فرمائی، وہ سات سال قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار اور چمڑے اور گلی سڑی ہڈیاں اور گوبر اور خون پر گزارہ کیا اور اونٹوں کی لید میں خون ملا کر کھایا اور درد کے سانس نکالتے تو ان کے سانس کا دھواں آسمان کو چھوتا نظر آتا تھا۔ وہ اسی طرح کے دنیوی مصائب و تکالیف میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ بدر میں ایک دوسرے کے قتل و غارت اور قید و بند کی صعوبتوں میں گرفتار ہوئے دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ بہت بڑے سے پہلے۔ اس سے عذابِ آخرت مراد ہے۔ یہاں پر لفظ دون بمعنے قبل ہے۔ کشف الاسرار میں اس کی تبع میں کاشفی نے لکھا کہ وہ عذاب سخت جو انھیں قیامت میں ہوگا اس سے کم تر عذاب میں انھیں مبتلا کیا گیا۔ اس لیے کہ آخرت میں دائمی عذاب ہوگا اور دنیا کا عذاب چند روزہ، اسی لیے آخرت کے عذاب کو اکبر سے تعبیر کیا گیا۔ دراصل لفظ دون کسی مکان کے قریب تر شے کو کہا جاتا ہے جبکہ وہ شے مکان سے نچلے حصے میں ہو۔ لیکن پھر استعارۃً اموال میں کم درجہ کی اشیاء پر استعمال ہونے لگا۔ ایسے مراتب کے کم مرتبہ پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔

دنیوی عذاب کا نمونہ لباب نے تفسیر نقاش سے نقل فرمایا کہ ادنیٰ عذابِ دنیوی یہ ہے کہ کمر توڑ مہنگائی میں مبتلا کر دیے جائیں گے (جیسے آج ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء سے تین چار سال قبل سے تمام ممالک کو گھیرے ہوئے ہے) اور اکبر عذاب سے حضرت امام مہدی کی تشریف آوری کہ جب دنیا میں تشریف لائیں گے تو آپ کے ہاتھ میں آبدار تلوار ہوگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ادنیٰ عذاب سے ذلتِ دنیا اور نگوں ساریِ عقبیٰ سے عذابِ اکبر یا گناہ میں مبتلا ہو جانے سے عذاب ادنیٰ اور درگاہِ حق کے قرب سے دُور ہو جانے سے عذابِ اکبر مراد ہے ؎

دور ماندن از وصال او عذابِ اکبر است
آتش سوز فراق از ہر عذابے بدتر است

ترجمہ: محبوب حقیقی کے وصال سے دُور ہو جانے کا نام عذابِ اکبر ہے اور فراقِ یار جیسی جلانے والی شے سے بدتر اور کوئی عذاب نہ ہوگا۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ ادنیٰ عذاب سے معرفتِ الٰہی مراد ہے اور عذابِ اکبر سے احتجاب از مشاہدہ معروف ہے۔

ف : ابوالحسن وراق نے فرمایا کہ عذابِ ادنیٰ سے حرص علی الدنیا، اور اکبر سے دنیا کی وجہ سے عذاب مراد ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ جو لوگ ان کے بعد زندہ موجود ہیں انھیں امید رکھنی چاہیے، یہاں پر لَعَلَّ بمعنے کَیْ ہے۔ اور ایسے مقامات پر ہمیشہ لَعَلَّ بمعنے کَیْ استعمال ہوگا۔ وہ کفر و معاصی سے توبہ کریں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے اربابِ طلب و اصحابِ سلوک مراد ہیں کہ ان میں بعض ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جنہیں اثنائے طلب و سلوک میں کچھ ایسا وقفہ آجاتا ہے جس میں وہ عُجب یا ملامت یا نفس کی شامت یا غلط خیالی یا غرور میں مبتلا ہوجاتے ہیں ایسے ہی ان میں سے بعض دنیا اور اس کی زینت و شہوات میں گرفتار ہوجاتے ہیں یہ بھی ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نفس یا مال یا گھریلو معاملات اور اہل و عیال کے امور اور اقرباءُ و احباءُ کے تعلقات وغیرہ میں مبتلا کرکے بلا و محن کا ذائقہ چکھاتا ہے تاکہ وہ باقی زندگی میں خوابِ غفلت سے بیدار رہوں اور اپنی کمزوری اور غلط کاری کا ازالہ کرسکیں اس سے انہیں آخرت کے عذابِ شدید سے بچانا اور اس کی رسوائی و ہجر و قسوۃ قلب سے محفوظ رکھنا مطلوب ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ونقلب افئدتھم (الآیۃ)

لعلھم یرجعون تاکہ وہ اپنی صدق طلب و علو محبت کی طرف رجوع کریں۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ اَظْلَمُ اور اس سے اور بڑا ظالم کون ہوگا مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اس سے کہ جسے آیاتِ ربّانی یعنی قرآن مجید کے مضامین سے اسے نصیحت کی جاسئے ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا تو وہ ان سے روگردانی کرے یعنی نہ ان میں وہ غور و فکر کرتے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرتے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرتے اور نہ ہی ان کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں اور لفظ ثُمَّ میں تراخی زمانی نہیں بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ آیات کے نہایت درجہ کے واضح ہونے اور سعادت دارین کی طرف بہت زیادہ رہبری کرنے میں روشن تر ہیں لیکن یہ بیچارے ان سے رُوگردانی میں بہت دُور پڑے ہوئے ہیں اس کی مثال عبارت دخلت المسجد ثم لم تصل فیہ (تم نے مسجد میں داخل ہونے کے باوجود اس میں نماز بھی نہ پڑھی) ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی سے مسجد میں جاکر بھی نماز پڑھنے کی توقع نہ ہو۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ یہاں پر صرف مطلق اظلم کی نفی مراد ہے۔ اس میں اس کے مساوی کی نفی کی ضرورت نہیں اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○ بے شک ہم

ہر مجرم سے بدلہ لیں گے خواہ وہ کسی قسم کے جُرم کا ارتکاب کریں اگرچہ وہ جرم نہایت معمولی ہی کیوں نہ ہو تو پھر اس ظالم کو تو بہت زیادہ سزا ملنی چاہیئے کہ تمام ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہے اور تمام مجرموں سے زیادہ مجرم ہے۔ الانتقام بمعنے بدلہ لینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: نقمت من الشئ و نقمتہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو بُرا بھلا کہا جائے زبان سے یا سزا دے کر۔ ویسے النقمہ بمعنے عقوبت آتا ہے اور انتقام کا لغوی معنی ہے کینہ کو کھینچ لینا۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے زجر و توبیخ سے اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا اور قسم قسم کی تادیب دے کر حدود شرعیہ منہیہ کے ترک کی ترغیب دلائی لیکن بندے اپنی غلطی سے باز نہ آ سکے بلکہ وہ اپنی صحت و عافیت وسلامت سے دھوکا کھا گئے اور اللہ تعالیٰ کے مہلت دینے اور اس کی پوشیدہ سزاؤں سے بے خوف رہے اور انھیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ جب گرفت فرماتا ہے تو مہلت نہیں دیتا۔ چنانچہ فرمایا:

انا من المجرمین۔

یعنی ہم جرائم پر اصرار کرنے والوں سے منتقمون یعنی دارین کا گھاٹا دے کر بدلہ لینے والے ہیں۔ ؎

کمین گہست و تو خوش تیز می روی ہشدار
مکن کہ گرد بر آید ز شہرۂ عدمت

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی سزائیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور تو تیز جا رہا ہے کچھ ہوش سنبھال تجھے معلوم تو ہے کہ تجھے عدم سے وجود کس نے بخشا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثۃ من فعلھن فقد اجرم من عقد لواء فی غیر حق و من عق لوالدیہ و من نصر ظالما۔

(تین امر ایسے ہیں جن کے کرنے سے بندہ مجرم کہلاتا ہے:

(۱) جس نے ناحق جھنڈا باندھا۔

(۲) جس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی۔

(۳) جس نے ظالم کی مدد کی۔)

سبق: عاقل پر لازم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے اخلاق سے متخلق ہوا سے چاہیے کہ نفس کی موافقت کر کے رُوح کی اذیت سے اجتناب کرے ایسے ہی موافقت طبیعت کی موافقت کر کے اولیاء اللہ کی ایذا سے احتراز کرے۔

ولی اللہ کعبہ سے افضل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کعبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یا کعبة ما اعظم حرمتك على الله لو هدمتك سبع مرات كان احب الیّ من اوذی مسلما مرة واحدة۔

(اے کعبہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری بڑی عزت ہے لیکن میں تجھے سات بار ڈھا دوں تو اتنا گناہ نہ ہوگا جتنا کامل مسلمان کی ایذا رسانی سے ہوگا)

قولِ وہب بن منبہ حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ستّر صندوقوں میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں جمع کیں۔ ہر صندوق کی لمبائی ستر گز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کے ہاں وحی بھیجی اور فرمایا کہ اس عالمِ دین سے فرمائے کہ تجھے یہ جملہ علوم کوئی فائدہ نہ دیں گے بلکہ اس سے کئی گنا زاید کتابیں جمع بھی کر لیں تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ تیرے اندر تین عادتیں پائی جائیں:

۱۔ حُبِّ دنیا

۲۔ شیطان سے نرمی

۳۔ کسی مسلمان بھائی کا دل دکھانا

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کے آسان ترین دروازے کا یہ حال ہے کہ اس کے اندر ستر ہزار پہاڑ آگ کے ہیں، ایک ایک پہاڑ میں ستر ستر ہزار وادیاں ہیں اور ہر وادی میں ستر ستر ہزار گھاٹیاں ہیں اور ہر گھاٹی میں ستر ہزار شہر ہیں اس کے ہر شہر کے اندر ستر ہزار دار ہیں اور ہر دار کے اندر ستر ہزار مکانات ہیں اور ہر مکان میں ستر ہزار صندوق ہیں اور ہر صندوق میں ستر ہزار طریقے کے عذاب ہیں اور ہر عذاب ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ یہ روایت سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش کہ میں ایک بکرا ہوتا اور لوگ مجھے ذبح کر کے کھا جاتے لیکن جہنم کا ذکر میرے سننے میں نہ آتا۔

ف: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش میں جنگل کا پرندہ ہوتا لیکن میں نار کا ذکر نہ سُنتا۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش مجھے ماں نہ جنتی اور میں جہنم کا نام نہ سنتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عذاب کے اسباب کے وقوع سے بچائے اور مواقفِ میدانِ حشر میں کھڑے ہونے سے اور برے حساب سے محفوظ فرمائے۔ وہی ہے جس نے ہمیں پیدا فرمایا اور پھر اپنی رضا کی ہدایت بخشی۔ اس سے ثبات علی الدین ہے اور وہی جنت اور قربت و وصال اور لقا تک پہنچانے والا ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ فَلَا تَكُنۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلۡنٰهُ هُدًى لِّبَنِىۡٓ
اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ وَكَانُوۡا
بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ
يَخۡتَلِفُوۡنَ ۝ اَوَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ
فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَى
الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا تَاۡكُلُ مِنۡهُ اَنۡعَامُهُمۡ وَاَنۡفُسُهُمۡ ؕ اَفَلَا
يُبۡصِرُوۡنَ ۝ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ قُلۡ يَوۡمَ
الۡفَتۡحِ لَا يَنۡفَعُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِيۡمَانُهُمۡ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ۝ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ
وَانۡتَظِرۡ اِنَّهُمۡ مُّنۡتَظِرُوۡنَ ۝ ع

ترجمہ : اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو تم اس کے ملنے میں شک نہ کرو اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کیا اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جبکہ اُنھوں نے صبر کیا اور وُہ ہماری آیتوں پر یقین لاتے تھے بیشک تمہارا رب ان میں فیصلہ کر دے گا ، قیامت کے دن جس بات میں اختلاف کرتے تھے اور کیا انھیں اس پر ہدایت نہ ہُوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک کر دیں کہ آج یہ ان کے گھروں میں چل پھر رہے ہیں بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں تو کیا سنتے نہیں اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہم پانی بھیجتے ہیں خشک زمین کی طرف پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ اس میں سے ان کے چوپائے اور وُہ خود کھاتے ہیں تو کیا انھیں سوجھتا نہیں اور کہتے ہیں یہ فیصلہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو تم فرماؤ فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت ملے تو ان سے منہ پھیر لو اور انتظار کرو بیشک انھیں بھی انتظار کرنا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات کتاب عطا فرمائی فَلَا تَكُنۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ اور شک میں نہ رہو ۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے المریۃ بمعنے التردد فی الامر ہے اور شک سے اخص ہے ۔
مِّنۡ لِّقَآئِهٖ لقاء بمعنے دیکھنا ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں لقیہ ۔ رضیہ کی طرح ہے بمعنے رآہ ۔
الراغب میں ہے کہ یہ ادراک بالحس بالبصر و بالبصیرۃ مستعمل ہے ۔ یہ اپنے مفعول کی طرف

مضاف ہے ۔ یہاں لقائ سے موسیٰ علیہ السّلام کو تورات حاصل ہونا مراد ہے ۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف کتاب تورات القا فرمائی ۔ صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ یہ تقریر موزوں ہے جیسا کہ فا کی ترتیب علی الماقبل کا تقاضا ہے ۔

سوال : جب حضور علیہ السّلام کو بالکل شک تھا ہی نہیں تو آپ کو نہی کیوں کی گئی ۔

جواب : اس میں کفار کو تعریض ہے کہ انھیں موسیٰ علیہ السّلام کے متعلق کتاب کے حصول کا شک تھا اگر انہیں شک نہ ہوتا تو وہ لازماً قرآن مجید پر ایمان لاتے اس لیے کہ قرآن مجید میں ایسے شواہد و آیات و دلائل موجود ہیں جو توراۃ اور جملہ کتب آسمانی کی تصدیق کرتی ہیں ۔ اس معنے پر نبی علیہ السلام کے ہاں کتاب کا آنا نئی بات نہیں کہ جس پر وہ شک و شبہ کریں پھر اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو بھی اس کی آیات کا انکار کرتا ہے تو انہیں فنا کر کے دوسرے ایسے لوگ پیدا فرماتا ہے جو اس کی آیات کا انکار نہ کریں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السّلام کو کتاب ملی تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے لذت پائی ۔

(**موسیٰ علیہ السلام کو برکۃ و شفاعۃ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم** آیت مذکورہ کو لے کر مخالفین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ اقدس میں تنقیص کرتے ہیں حالانکہ آیت مذکورہ میں تنقیص کے بجائے رفعتِ شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے چند توجیہات فقیر نے تفسیر اویسی میں عرض کی ہیں سرِدست صاحبِ روح البیان کا مندرجہ ذیل حوالہ قابل دید و شنید ہے :)

فلا تشك يا محمد ان يحظى عدا حظ بصره بالرؤية و لكن لشفاعتك و بركة متابعتك واختصاصه فى دعائه بقوله اللهم اجعلنى من امة احمد فان الرؤية مخصوصة بك وبامتك بتبعيتك ۔

ترجمہ : اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کل قیامت میں کسی کو بھی رؤیت نصیب نہ ہوگی جب تک آپ شفاعت نہ فرمائیں گے اسے رؤیت نصیب ہوگی جس نے آپ کی تابعداری کی ہوگی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ دعا میں کہا کرتے تھے اے اللہ ! مجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بنا کیونکہ خصوصی رؤیت حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کو نصیب ہوگی آپ کے طفیل ۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى اور ہم نے وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام کو دی وہ گمراہی سے ہدایت بتانے والی تھی لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل کے لیے ، اور

بنی اسرائیل کی تخصیص اسی لیے ہے کہ وہ انہیں کی طرف اُتری اور وہی اس پر عمل کرنے پر مامور من اللہ تھے۔ اس وقت بنو اسماعیل بھی تھے لیکن وہ اس کے مکلف تھے قل من انزل الکتٰب الذی جاء به موسٰی نوراً وهدی للناس میں بھی الناس سے بنی اسرائیل مراد لیا گیا ہے بہ تقریر مذکور وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے انہی سے بنائے اَئِمَّةً پیشوا۔ یہ امام کی جمع ہے ہر وہ شخص کہ جس کے قول و فعل کی اقتداء کی جائے یَهْدُوْنَ جو توراۃ کے شرائع و احکام و حکم کے مطابق مخلوق کو حق کی راہ بتاتے ہیں بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے، جس کا ہم نے انہیں مامور بنایا اور ہماری توفیق سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی لَمَّا صَبَرُوْا جب انہوں نے حق کی وجہ سے جمیع امور و احوال پر صبر کیا۔ یہ شرط ہے جس میں جزا کا معنیٰ ہے مثلاً کہا جاتا ہے: احسنت الیك لما جئتنی والتقدیر لما صبروا الائمة یعنی جب بنی اسرائیل کے علماء نے مشقتوں اور طریق حق پر صبر کیا تو ہم نے انہیں جملہ بنی اسرائیل کا پیشوا بنا دیا۔ یہ لمّا ظرف ہے بمعنے حین۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس وقت انہوں نے صبر کیا تو ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا اور وہ ہماری بھیجی ہوئی کتاب کے جملہ احکام پر یُوْقِنُوْنَ ۝ یقین رکھتے تھے کیونکہ وہ گہری نظر کے مالک تھے۔ الایقان بمعنے بے گمان ہونا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسان کو مخاطب فرمایا کہ تم توراۃ میں شک نہ کرو جیسے مکّہ کے کافروں نے ہماری نازل کردہ کتاب قرآن پر شک کیا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جیسے توراۃ بنی اسرائیل کے لیے ہادی اور رہبر تھی ایسے ہی قرآن مجید اہلِ اسلام کے لیے ہادی و رہبر ہے پھر جیسے بنی اسرائیل نے اپنی کتاب توراۃ سے اپنی دینی و دنیوی مصلحتوں کی راہ پائی ایسے ہی اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ قرآن مجید سے شرائع و حقائق کی رہبری و ہدایت حاصل کریں پھر جیسے توراۃ کے عاملین کو عوام بنی اسرائیل کا قائد بنایا گیا ایسے ہی قرآن مجید کے عاملین کو نہ صرف مسلمانوں کا قائد بنایا جائے گا بلکہ جملہ عالم کے اہلِ کمال کا پیشوا بنایا جائے گا اس لئے کہ انہیں فضیلت کُلّی نصیب ہوگی۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جملہ فضائل و کمالات کا حامل ہو وہ علی الاطلاق افضل ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ کمال

حضرت الشیخ العارف ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک رات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا تو آپ امام غزالی کا نام لے کر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا علیہما السلام پر فخریہ طور فرما رہے تھے کہ کیا تمہاری اُمّت میں بھی کوئی ایسا عالم دین ہے؟ انھوں نے

عرض کی، نہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کو کیا شرف بخشا اور کتنی فضیلت بخشی کہ انہیں معرفت سے بھرپور فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قیامت میں ہر طرح کی نورانی پوشاک سے ملبوس فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جملہ اولیاؑ اور علماؑ باعمل سے راضی ہو اور ہمیں ان کے برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین

حکایت بعض اکابر نے فرمایا کہ میں نے ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ سفید لباس سے ملبوس اور سر پر تاج نورانی تھا میں نے عرض کی: یہ سفید لباس کیسا؟ جواب دیا کہ طاعت کی برکت سے نصیب ہوا اور تاج علم کی برکت سے۔

اولیاؑ کی شان بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ احکام جو معصوم انبیاء علیہم السلام لائے ان پر ایمان نہ لانا نا انصافی ہے ایسے ہی محفوظ اولیاؑ جو کچھ الہامی امور بتائیں تو انھیں نہ ماننا بھی نا انصافی ہے کیونکہ اولیاء و انبیاؑ علیہم السلام کے علوم ایک دریا سے ہیں اور اگر وحی ربانی جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہُوئی وہ اصل ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے تو اس کی فرع یعنی الہام پر بھی لازمی ہے جب کہ وہ وحی سے موافقت رکھتا ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ علماء (باعمل) انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اولیاء کے علوم بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے علوم ہیں۔ اولیاؑ کے اقوال و افعال و احوال کی اتباع میں اجرِ کثیر اور ثوابِ عظیم ہے بلکہ جملہ ہلاکتوں و صعوبتوں سے نجات کا موجب ہے۔ حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

یار مردانِ خدا باش کہ در کشتیٔ نوُح
ہست خاکی کہ بآبی نخرد طوفان را

ترجمہ: اللہ والوں کے ساتھ ہو جا اس لیے کہ نوح علیہ السّلام کی کشتی میں نوح علیہ السلام کے ساتھ صرف مِل بیٹھنے والوں نے نجات پائی۔

اِنَّ رَبَّکَ ھُوَیَفۡصِلُ بَیۡنَھُمۡ بیشک تمہارا انبیاء علیہم السلامؑ اور مکذبین کا یا اہلِ ایمان اور کفار کا فیصلہ فرمائے گا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ قیامت میں پھر حق اور باطل والوں کا خودبخود امتیاز ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا و سزا دے گا۔

ف: کلمۂ ھو تخصیص و تاکید کے لیے ہے اس لیے قیامت میں فیصلہ صرف اسی کے ہاتھ ہو گا اس پر کسی کو طاقت نہ ہو گی اور نہ ہی کوئی اس کے سوا کسی اور کے سپرد ہو گا۔

فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ۝ ان امورِ دین میں جو دنیا میں آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔

فیصلہ کی اقسام بعض مشائخ نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دس وجوہ سے اپنے بندوں کے فیصلے فرمائے گا:

(۱) ان کے اعزاز و احترام میں کہ ان کے فیصلے خود فرمائے کسی غیر کے پاس انہیں نہ جانا پڑے۔

(۲) ان پر غیرت کی وجہ سے کہ ان کے حالات کسی غیر کے سامنے منکشف نہ ہوں۔

(۳) ان پر رحم اور لطف و کرم کی بنا پر اس لیے کہ وہ ستّار ہے ان کے عیوب غیر پر نہیں کھلنے دے گا بلکہ خود بھی انہیں پوشیدہ رکھے گا۔

(۴) وہ کریم ہے اور کریموں کی عادت ہے کہ جب کسی لغو امر سے گزرتے ہیں تو گزر ہی جاتے ہیں۔ اسی بنا پر جب وہ کریم ہمارے فیصلے فرمائے گا تو اس کے فضل و کرم پر امید ہے کہ وہ درگزر ہی فرمائے گا۔

(۵) اپنے فضل و کرم اور عدل کا اظہار فرمائے گا اس لیے کہ خالق ہے اور حکیم بھی ہے اس نے بندوں کو پیدا فرمایا تو وہ جو کام کرتے ہیں وہ اس کی حکمت و مشیّت کے تحت کام کرتے ہیں اگر ان سے نیکی کا صدور ہے تو سمجھو کہ یہ اس کریم کے احسان و فضل کا نتیجہ ہے اگر ان سے برائی صادر ہو تو یہ اس کی حکمت و عدل کے موجبات سے ہے اور یہ اس کی شان ہے کہ وہ ذرّہ برابر بھی بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ کما قال:

لا یظلم مثقال ذرۃ و ان تک حسنۃ یضاعفھا۔ الآیۃ

(وہ ذرہ برابر ظلم نہ کرے گا اگر نیکی ہوگی تو اسے دوہرا کیا جائے گا)

ہاں نیکی ہو تو اس کے جتنا گُنا زاید اجر و ثواب عطا فرمائے وہ مالک ہے۔

(۶) اس کی عنایت و شفقت بے پایاں ہے اور مخلوق کو اسی لیے پیدا فرمایا "تاکہ وہ اس سے نفع پائے اس لیے پیدا نہیں فرمایا کہ اسے اس سے کوئی ضرورت تھی۔ اس معنے پر وہ اپنے بندوں کو نقصان نہ دے گا۔

(۷) اس کی رحمت اور بندوں سے محبت بھی بے پایاں ہے۔ اسی محبت سے تو پیدائش کا سلسلہ جاری فرمایا۔

حدیث قدسی چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف۔

(تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اور میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ پہچانا جاؤں)
اور محبت کے لیے ہی انہیں پیدا فرمایا۔ کما قال:

یحبھم و یحبونہ۔
(وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے)

اسی لیے بندوں کے ہر معاملہ کو بہ نظرِ محبت و خوشنودی دیکھتا ہے ع

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ
(محبت کی آنکھ ہر عیب سے چشم پوشی کرتی ہے)

(۸) بندوں پر اس کا لطف و کرم اور تکریم بھی بے پایاں ہے۔ کما قال:

ولقد کرمنا بنی آدم۔
(اور ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا)

جسے وہ معزز و مکرم بنائے اسے ذلیل و خوار کوئی نہیں کرتا۔

(۹) اس کا جود و عفو بھی بے نہایت ہے۔ عفوٌ اس کی صفت ہے اور عفو (معافی) سے اسے محبّت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی بندے میں جُرم و خطا دیکھتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ وہ اسے معاف فرما دے۔ وہ جواد ہے اپنے بندوں کو مغفرۃ و رضوان کے جُود و عطا سے نوازتا ہے۔

(۱۰) بندوں کو اپنے اسرار کا خزانہ بنایا اسی لیے وہ ان کے احوال کو خوب جانتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کو خوب پہچانتا ہے۔ اسی نے اس کے خمیر کو چالیس دن گوندھا۔ انھیں اپنے جمال کا آئینہ بنایا ان کو اپنے جملہ صفات کا مظہر بنا کر اپنے صفات کو دیکھتا ہے۔ دوسری تمام مخلوق اس دولت سے محروم ہے اگرچہ ملائکہ مقربین اونچی منزلت رکھتے ہیں لیکن انھیں ایسے اعزاز و اکرام سے نہیں نوازے گا۔ چنانچہ انّی جاعلٌ فی الارض خلیفہ کا بڑا عہدہ اسی کو بخشا، اگرچہ فرشتے کہتے رہے اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء۔ دراصل ملائکہ کو انسان کی شان کا علم نہ تھا اور نہ ہی اس کی معرفت انھیں حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر و منزلت کا اظہار ملائکہ کرام کو خود فرمایا۔ کما قال:

اِنّی اعلم مالا تعلمون۔

یعنی میں ہی انسان کے فضائل اور شمائل کو جانتا ہُوں اس لیے کہ وہ میرے اسرار کے گنجینہ اور میرے جمال و جلال کا آئینہ ہیں تمھیں اس کی شان کا کیا پتا! تم اسے بنظرِ غیرت دیکھ رہے ہو میں اسے بنظر محبت و رحمت دیکھ رہا ہوں۔ تمھیں تو اس کی قبائح و عیوب ہی نظر آئیں گے اور میں تو اس کا صرف

فعل جمیل دیکھتا ہُوں میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں اس کا حاکم بنا دوں بلکہ اپنے فضل و کرم سے میں خود ان کے اختلاف کا فیصلہ فرماؤں گا اسی لیے نیک کو احسن جزا سے نوازوں گا بُرے کی برائی سے درگزر فرماؤں گا اور ان کا اختلاف مجھ پر سخت بھی نہیں اس لیے کہ میں ان کے حال سے زیادہ باخبر ہوں اور میں جانتا ہُوں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف رہیں گے سوائے اس کے کہ جس پر میں رحم کروں اسی لئے تو میں نے انہیں پیدا فرمایا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ آپس کے اختلاف سے دُور رہے کسی کے ساتھ جھگڑنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید عطا فرما کر اپنے قربات کے طریقے بتائے۔ جو سیدھے راہ سے بھٹک گیا وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحم فرمائے وہ ارحم الراحمین ہے۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ کفارِ مکہ کو خوف دلانا مطلوب ہے یعنی ان پر غفلت چھا گئی ہے کہ انہیں اپنے انجامِ کار کا علم نہیں ہو رہا اس کا فاعل کَمْ اَهْلَکْنَا ہے یعنی کیا انھیں راہ نہیں دکھائی۔ یہ امر ہے کہ ہم نے کتنے کثیر التعداد لوگوں کو تباہ و برباد کیا یہاں پر کَمْ سے پہلے کثرۃ کا لفظ محذوف ہے اس لیے لفظ کم فاعل واقع نہیں ہوتا اسی لیے جاء نی کم رجل نہیں کہا جاتا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ان سے پہلے بہت بڑی سنگتیں۔ اس سے عاد و ثمود و قوم لوط وغیرہا مراد ہیں۔ القرن زمین پر ایک عرصہ گزارنے والے لوگ مراد ہیں القرون اسی کی جمع ہے یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِهِمْ یہ جملہ ھُم ضمیر سے حال ہے۔ اس سے اہلِ مکہ مراد ہیں۔ یعنی یہ اہلِ مکہ تجارتی امور کے سلسلہ میں ان تباہ شدگان کے گھروں اور شہروں سے گزرتے ہیں تو ان کی تباہی و بربادی اور ان کے گھروں اور شہروں کی ویرانی کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک ان کی تباہ حالیوں و دیگر امور میں لَاٰیٰتٍ البتہ دلائل و مواعظ ہیں ہر اس انسان کے لیے جو ان کے دیکھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات و مواعظ کو سُن کر تدبر اور پند و عبرت حاصل نہیں کرتے تاکہ کفر و تکذیب کی غفلت کی گرفتاری سے بیدار ہوں ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقایق بباران نروید ز سنگ

ترجمہ: جس کے ذہن میں کبر وغرور ہو اس سے امید مت رکھو کہ وہ نصیحت حاصل کرے گا کیونکہ جس کے سر میں ایسے گندے خیال ہوں اسے علمی گفتگو سے ملال اور وعظ و نصیحت سے عار ہوتی ہے اور شقائق کا پھول پتھر سے پیدا نہیں ہو سکتا۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ ۔ السوق بمعنے چلانا۔ اس سے بادل چلنا مراد ہے جو پانی اٹھا کر چلتا ہے اگرچہ اس کی حقیقی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یا اس سے نہری پانی کا چلنا مراد ہے تو اس میں من وجہ نسبت بندوں کی طرف ہوگی اگرچہ اس کا حقیقی چلانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

ف: چونکہ سوق اور اس کے بعد اخراج وغیرہ افعال حسیہ سے ہیں اسی لیے اس رؤیۃ سے بعض مفسرین نے رؤیۃ بصری مراد لی ہے اور اس آیت کا آخری حصہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کما قال افلا یبصرون۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس سے انجام کا دیکھنا مراد ہے یعنی انہیں معلوم ہے کہ ہم پانی کو بہاتے چلاتے ہیں وغیرہ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا یہ لوگ دیکھتے اور جانتے نہیں کہ ہم پانی کو بادل میں چلاتے ہیں **اِلَى الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ** ویران زمین کی طرف۔

الجرز وہ زمین جس سے کھیتی باڑی کا سلسلہ منقطع ہو جائے جبکہ اس پر نہ بارش کا پانی برسا اور نہ ہی اس پر نہری پانی پہنچا۔ اس سے وہ زمین مراد ہے جس پر کھیتی اُگنے کی اُمید نہ ہو۔

فَنُخۡرِجُ تو ہم اس زمین سے نکالتے ہیں **بِهٖ** بسبب اس دریائی اور بادل کے چلائے ہوئے پانی کے **زَرۡعًا** کھیتیاں، باغات، درخت۔ یہ دراصل مصدر ہے بمعنے مزروع **تَاۡكُلُ مِنۡهُ** اس سے کھاتے ہیں اسی کھیتی وغیرہ کو **اَنۡعَامُهُمۡ** ان کے چارپائے۔ اس سے گھاس اور پتے یعنی جانوروں کی خوراک مراد ہے اور بعض اناج جو جانوروں کی خوراک سے متعلق ہے **وَاَنۡفُسُهُمۡ** ان کے نفسوں کے لیے یعنی وہ دانے جسے انسان خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں ایسے ہی پھل وغیرہ **اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ** ○ کیا وہ دیکھ کر غور و فکر کریں پھر ان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کمال قدرت اور اس کے فضل و کرم پر استدلال کریں اور یقین کریں کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے، اس کی بعض مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں جیسے بعض لوگ فرشتوں کو اور بعض انسانوں کو معبود بناتے رہے جب اللہ تعالیٰ کی شریک اعلیٰ مخلوق نہیں ہو سکتی تو ادنیٰ مخلوق کیا نفع نقصان دے سکتی ہے جیسے پتھر کہ وہ نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔ اس سے انہیں معلوم ہوگا کہ ہم انہیں قیامت میں لوٹانے اور پھر زندہ کرنے پر قادر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ابن عطائنے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مواعظ کے برکات ان سخت قلوب میں پہنچاتے ہیں جو حق سے روگرداں ہیں تو وہ مواعظ حاصل کرتے ہیں۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تجلیات جلال کے دریاؤں سے معرفت کا پانی چلا کر مُردہ قلوب کو زندہ کرتا ہے تو اس سے نرگس وصال و یاسمین محبت و ریحان موانست اور بنفشۂ حکمت اور زہرہ فطنت و ورد مکاشفہ و شقائق حقیقت اُگتے ہیں۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ہدایت کا پانی چلا کر مردار قلوب کو پہنچاتے ہیں تو باوجودیکہ ان کے باغات وصال کے خشک ہو چکے تھے لیکن ہمارے پانی پہنچانے سے وہ باغات سرسبز و شاداب ہوجاتے ہیں اور اس پرانے انس کی تازگی سے مانوس کر کے ان باغات کی خشک ٹہنیوں کو سرسبز کرتے ہیں بعد اس کے کہ ان کے احوال زبوں تھے لیکن جوں ہی انہیں رحمت کا پانی پہنچا ان ویران قلوب واردات کی کھیتیاں پیدا ہونے لگیں کہ جن سے زینت نفوس کو صلاحیت نصیب ہوتی ہے اور ان قلوب مشاہدات کا ظہور ہوتا جن سے قلوب کو غذا حاصل ہوتی ہے۔

ہدایت کے اقسام ہدایت کئی قسم ہے :

(۱) کافر کو ایمان کی ،

(۲) مومن و فاسق کو طاعات کی ،

(۳) مومن مطیع کو زہد و ورع کی ،

(۴) زاہد متقی کو معرفت کی ،

(۵) عارف کو وصال الٰہی کی ، اور

(۶) واصل باللہ کو حصولِ مشاہدہ کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ واصل کو جب [illegible] تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے تو فیض الہام صریح سے قلب کے اندر ایسا بیج پیدا ہوتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ کے بعد انسان کامل کو حیاتِ ابدی و بقاء دائمی حاصل ہوتا ہے۔

سبق : طالبِ حق پر لازم ہے کہ وہ طریقِ عبودیت میں جدو جہد کرے۔ فیض و نما طریقِ عبادات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طاعت کو بندوں کے لیے رحمت بنایا ہے لیکن جب انسان صبح کی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مناجات کے دریا میں ڈوب جاتا ہے پھر یہ حالت ظہر تک منقطع ہوجاتی ہے اور وہ بھی انسان ناقص کے لیے کیونکہ ناقص انسان ایسے مشاغل میں مشغول ہوجاتا ہے جو فیض الٰہی کی مدد کے اسباب کے لیے انقطاع کا موجب ہیں لیکن نمازِ ظہر اس کے لیے فیض الٰہی کی تجدید

کرتی ہے اسی طرح ہر نماز کی یہی کیفیت ہے اور ان کے تکرار میں بھی یہی نکتہ ہے کہ نمازیں بمنزلہ بارش کے ہیں کہ جس طرح بارش سے ویران زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے اسی طرح صبح و شام کی نمازوں سے ویران قلوب آباد ہوتے ہیں ایسے ہی روزوں کی کیفیت ہے کہ رمضان المبارک قلب کا دروازہ کھولتا اور طبیعت یعنی خواہشاتِ نفسانی کا دروازہ بند کرتا ہے۔ یہاں سے بندے کو صفت صمدیہ کا جلوہ نصیب ہوتا ہے اور وہ ملائکہ کرام کے منصب کو پہنچ جاتا ہے اور رمضان مبارک کے ہر سال تشریف لانے میں ایک نکتہ یہی ہے اور نماز و طاعات کا عوام پر اس لیے اثر ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ طاعات کو صحیح طریق اور ان کے شرائط کے مطابق ادا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شہوات سے بچائے اور انھیں دائرۂ غفلت سے نکالے۔

مسئلہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔

ف: شرح الحکم میں ہے کہ اگر تم اپنی امید کو تقویت بخشنا چاہتے ہو تو اپنے جیسے کے احوال پر نگاہ ڈالو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنا قرب عطا فرمایا جیسے ابراہیم بن ادھم و فضیل بن عیاض، و ابن المبارک و ذوالنون مصری و مالک بن دینار وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان کا ابتدائی حال نہایت زبوں تھا لیکن بعد کو انتہائی درجہ کے اولیاءِ کاملین ہوئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	سایۂ حق بر سر بندہ بود	عاقبت جوینده یابنده بود
۲	گفت پیغمبر کہ چون کوبی دری	عاقبت زان در برون آید سری
۳	چون نشینی بر سر کوی کسی	عاقبت بینی تو ہم روی کسی
۴	چون زچاہی میکنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک
۵	جملہ دانند این اگر تو نگروی	ہرچہ میکاریش روزی بدروی

ترجمہ: (۱) سایۂ حق بندے کے سر پر ہوتا ہے بالآخر تلاش کنندہ مطلب پالیتا ہے۔

(۲) فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے کہ جب دروازے پر دستک دو گے تو کوئی نہ کوئی دروازے سے باہر سر نکالے گا

(۳) جب تم کسی کی گلی میں بیٹھو گے تو بالآخر کسی مبارک کو ضرور دیکھو گے۔

(۴) جب روزانہ کنویں سے مٹی باہر نکالو گے تو بالآخر پانی تک ضرور پہنچو گے۔

(۵) یہ تو سب جانتے ہیں اگرچہ تو نے نہیں کیا جو کچھ بوؤ گے وہی پھل اٹھاؤ گے۔

دوسری جگہ پر فرمایا: ؎

چون صلای وصل بشنیدن گرفت	اندک اندک مردہ جنبیدن گرفت

۲	نی کم از خاکست کز عشوۂ صبا	سبز پوشد سر برآرد از فنا
۳	کم ز آب نطفہ نبود کز خطاب	یوسفان زایند رُخ چون آفتاب
۴	کم ز بادی نیست شد از امر کن	در رحم طاؤس و مرغ خوش سخن
۵	کم ز کوہ و سنگ نبود کز ولاد	ناقۂ کان ناقہ ناقہ زاد زاد

ترجمہ : (۱) جب وصال کی آواز سنی تو مردہ آہستہ آہستہ حرکت میں آنے لگا۔
(۲) بادِ صبا کی گرد خاک سے کم نہیں، سبز پوشاک پہن کر وہ سر پردے سے باہر لاتی ہے۔
(۳) نطفے سے کم نہیں کہ اس نے خطاب سنا تو اس سے کیسے کیسے حسین وجمیل انسان پیدا ہوئے۔
(۴) امر کن ہوا سے کیا کم ہے کہ اس سے رحم میں طاؤس و مُرغ خوش سخن پیدا ہوتے ہیں۔
(۵) کوہ و سنگ سے کم نہیں وہ ناقۂ کان جو ناقہ زاد سے پیدا ہوئی۔

تفسیر عالمانہ وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے تھے۔
شانِ نزول : کفارِ مکّہ کو اہلِ ایمان فرماتے تھے کہ ایک دن فتح ہمارے قدم چُومے گی لیکن اس کا ایک دن مقرر ہے ذرا انتظار کر لو تمہارے اور ہمارے مابین من جانب اللہ فیصلہ ہو ہی جائے گا۔ کفار سن کر انھیں جواب میں استہزاءً و تکذیباً کہتے فیصلہ جلدی ہونا چاہیے مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ کون سے وقت میں یہ حکم اور فیصلہ یا فتح و نصرت ہوگی اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم سچے ہو کہ وہ فیصلہ ہو کر رہے گا قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں خاموش کرا کر اور حق کو ثابت کرتے ہوئے فرمائیے کہ عجلت نہ کرو اور نہ ہی استہزاء کرو اس لیے کہ يَوْمَ الْفَتْحِ فتح کا دن یعنی وہ دن جس میں تمام شبہات زائل ہو جائیں گے۔ اس سے قیامِ قیامت مراد ہے در اصل اغلاق و اشکال کے ازالہ کو کہا جاتا ہے یا اس سے وہ دن مراد ہے جب اہلِ اسلام کو کفار پر غلبہ ہوا لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ کافروں کو ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ ایمانھم، لاینفع کا فاعل اور الذین کفروا اس کا مفعول ہے وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے اور نہ ہی ان سے عذاب موخر ہوگا الانظار بمعنے مہلت دینا۔ اگر اس سے قیامت کا دن مراد ہو تو ظاہر ہے کہ کافر کو ایمان نفع نہ دے گا کیونکہ ان کے ایمان لانے کا وقت فوت ہو گیا۔ انہیں ادراکِ عذاب کے وقت مہلت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اس وقت کوئی عذر قبول ہوگا کیونکہ وہ وقت عذر قبول کرنے کا نہیں۔ اگر اس سے یومِ نصرۃ جیسے غزوۂ بدر میں ہوا مراد ہو تو بھی انہیں قتل کے وقت ایمان فائدہ نہ دے گا اس لیے کہ وہ ایمان یاس (ناامیدی) کہلاتا ہے جیسے فرعون نے دریا میں غرق ہوتے وقت ایمان کا اظہار کیا۔ ایسے کافر کے قتل میں توقف نہیں کیا جائے گا۔

سوال: ان کے سوال کے مطابق جواب نہیں دیا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کافروں کو تنبیہ ہے کہ ان کا سوال ہی لایعنی ہے۔ اور نہ وہ اس لائق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ کیونکہ تمہارے سوال کا جواب تو واضح ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قیامت میں ان کے ایمان کا قبول نہ ہونا اور انہیں مہلت نہ دینے کا معاملہ بیان طلب تھا اسی لیے اسے بیان کیا گیا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ تو ان سے اعراض فرمائیے یعنی ان کی تکذیب کی پروا نہ کیجئے اور جب تک آیۃ السیف کا نزول نہ ہو ان کی اہانت کے درپے نہ ہوں وَانْتَظِرْ اور ان کی نصرت اور ہلاکت کا انتظار کیجئے اس لیے کہ میرا وعدہ سچا ہے اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ بیشک وہ بھی آپ کا ان پر غلبے کا انتظار کر رہے ہیں اور انہیں خیال گزرتا ہے کہ ان پر حوادثِ زمانہ کس طرح گھیرے گا وہ کس طرح قتل کئے جائیں گے تاکہ وہ آپ کی روزانہ کی نصیحت وغیرہ سے جان چھڑائیں کیونکہ وہ اسے ایک مصیبت تصور کرتے ہیں یا اس سے ان کا تباہ و برباد ہونا مراد ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:

هل ینظرون الا ان یأتیهم الله (الآیۃ)

یہ اسی معنی کے قریب ہے جو بعض مفسرین نے لکھا کہ آپ ہمارے عذاب کا انتظار کیجئے اور وہ بھی انتظار کر رہے ہیں ان کے انتظار کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ کفر و معاصی و تکذیب میں ایسے منہمک ہیں کہ گویا انھیں عذاب بھی گھیرنے والا ہے اس لیے کہ ان کے عذاب کا موجب ان کا کفر و معاصی و تکذیب وغیرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ چنانچہ بعد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو فتح و نصرت نصیب ہوئی اور وہ جو دل میں آرزو رکھتے تھے وہ پوری ہوئی ؎

شکر خدا کہ ہرچہ طلب کردم از خدا — بر منتہاے ہمت خود کامران شدم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو کچھ میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا، اس نے مجھ پر احسان فرمایا اور میں کامیاب ہوا۔

کسی اور نے فرمایا: ؎

ہر کرا اقبال باشد رہنمون
دشمنش گردد بزودی سرنگون

ترجمہ: جس کا بخت رہبری کرتا ہے اس کے دشمن بہت جلد سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

ف: آیت میں انتظار و صبر کی ترغیب دی گئی ہے ؎

قد یدرك المتأنی بعض حاجته — وقد یکون مع المستعجل الزلل

ترجمہ: کبھی صبر سے کام بن جاتا ہے اور کبھی عجلت سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ان اہلِ ہوا کی طرف اشارہ ہے جو اولیاء کرام پر انکار کرتے اور ان سے اظہارِ کرامات کی استدعا اور عرض فتوحات کی استدعا کرتے ہیں لیکن جب اولیاء کرام کے قلوب کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے تو ان کے زمرۂ اعداء کو ان کے فتوح پر ایمان لانا نفع نہ دے گا جبکہ نہ وہ اقتدا کرتے ہیں نہ ان کی سیرت سے ہدایت کرتے ہیں انہیں بعد کو حسرتوں اور پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، جو اولیاء کرام کو ماننے والے اور ان کے کمالات کا اقرار کرنے والے ہیں انھیں غضب الٰہی اور قہر اور خفیہ تدبیر کا انتظار کرنا چاہیے۔ (نعوذ باللہ منہا)

فضائل سورہ الٓمّٓ السجدۃ حدیث شریف[۱] میں ہے:

من قراء الٓم و تبٰرك الذی بیده الملك اعطی من الاجر كانما احیی لیلة القدر۔

(جو شخص سورہ الم و تبارک پڑھتا ہے وہ اتنے ثواب کا مستحق ہوگا کہ گویا اس نے لیلۃ القدر کی شب تمام رات عبادت میں گزاری)

حدیث شریف[۲] میں ہے:

من قراء الٓم تنزیل فی بیته لم یدخل الشیطان بیته ثلاثة ایام۔

(جو شخص اپنے گھر میں سورہ الم السجدہ پڑھتا ہے اس کے گھر میں تین دن شیطان داخل نہیں ہوتا) کما فی الارشاد

حدیث شریف[۳] میں ہے:

تجیئ الٓم تنزیل السجدة یوم القیامة لها جناحان تطایر صاحبها وتقول لا سبیل علیك۔ کما فی بحر العلوم

(قیامت میں جب سورہ الم السجدہ حاضر ہوگی تو اس کے دو نورانی پر ہوں گے جو پڑھنے والے کو اپنے پروں پر اٹھائے گی اور فرمائے گی آج تجھے کسی قسم کی فکر نہیں کرنی چاہئے)

حدیث شریف[۴] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے سورۂ الم السجدہ اور سورۃ تبارک الذی پڑھ کر سوتے تھے اور فرماتے:

هما تفضلان كل سورة فی القرآن بسبعین حسنة فمن قرأهما كتب له سبعون حسنة ومحی عنه سبعون سیئة ورفع له سبعون درجة۔

(یہ دونوں سورتیں ایسی ہیں جو تمام قرآنی سورتوں میں ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہیں جو انہیں

پڑھتا ہے اس کے اعمال نامے میں ستر گنا زیادہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے ستر گنا گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ستر درجات بلند ہوتے ہیں)

حدیث شریف ۵ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الم السجدہ اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔ کذا فی کشف الاسرار

فرمانِ امام شافعی وامام احمد امام شافعی و امام احمد (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یوم جمعہ کی فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں الم السجدہ اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھنا مسنون ہے۔

مسئلہ : امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا : اس طرح پر مداومت کرنا مکروہ ہے تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ یہ سورۃ بوجہ سجدہ تلاوت کے دوسری سورتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

مسئلہ : امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سورتوں کو اس نماز میں پڑھنا مسنون نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کسی دوسری سورۃ کو معین کرکے کسی بھی نماز میں پڑھنا مکروہ ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ باقی سورتوں کو ان نمازوں میں پڑھنا جائز نہیں۔ کذا فی فتح الرحمٰن

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ عارفین کے آداب میں ہے کہ کسی بھی نماز میں کسی سورۃ و آیت کو معین کرکے نہ پڑھا جائے کیوں کہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس مناجات کے ذریعہ پہنچنا نصیب ہو۔ عارف پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے لیے حسبِ استطاعت پڑھے یا قرآن مجید کا وہ حصّہ پڑھے جو منجانب اللہ اس کے دل میں القا ہو کما فی الکبریت الاحمر ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو رات دن نماز پڑھتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں پھر سراً و جہراً مناجات الٰہی کی برکت سے ان کے دلوں پر قرآنی حقائق کے واردات ہوتے ہیں۔

تمت سورۃ السجدہ بعون اللہ تعالیٰ یوم الاحد الرابع من شہر رمضان المنتظم فی شہور سنۃ الف و مائۃ و تسع

یقول الفقیر الاویسی الرضوی و تمت ترجمہ سورۃ السجدہ بعون اللہ تعالیٰ یوم الاثنین من شہر ربیع الآخر المنتظم فی شہور سنۃ الف و ثلث و مائۃ و ثمان و تسعین فصلی اللہ تعالیٰ علٰے حبیبہ الکریم و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

بہاولپور ○ ۴/۱۰/۹۸ھ

سُورَةُ الاحزاب

اٰیاتہا ۷۳	سورۃ الاحزاب مدنیۃ	رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ
وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ
اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ
اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ
اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا

مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا
مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
اَلِيْمًا ۝

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ کا یونہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سُننا۔ بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے اور اس کی پیروی رکھنا جو تمہارے رب کی طرف سے تمہیں وحی ہوتی ہے اے لوگو اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اور اے محبوب تم اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ بس ہی کام بنانے والا۔ اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے اور تمہاری ان عورتوں کو جنہیں تم ماں کے برابر کہہ دو تمہاری ماں نہ بنایا اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے انھیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہُوا ہاں وہ گناہ ہے جو دل کے قصد سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اور مسلمانوں اور مہاجروں کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرو یہ کتاب میں لکھا ہے اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر عالمانہ سورۃ الاحزاب مدنیہ ہے اس کی تہتر آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!

حلِ لغات نبی، نباء سے ہے بمعنے وہ خبر جو بہت بڑے فائدے پر مشتمل ہو جس سے علم یا غلبۂ ظن حاصل ہو۔ اور نبی علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ سے ایسے خبر دیتے ہیں جس سے

عقول زکیہ سکون پاتے ہیں اسی لیے انہیں نبی کہا جاتا ہے۔ یا نبوۃ سے ہے بمعنے رفعت۔ چونکہ بہ نسبت عوام کے نبی کا مقام بلند ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ورفعناہ مکانا۔

(ہم نے انہیں مرتبہ میں بلند فرمایا)

اسی لیے اس نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے یہاں پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر کیوں نہیں پکارا۔ مثلاً فرماتا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر پکارا۔ مثلاً فرمایا: یا آدم، یا نوح، یا موسیٰ، یا عیسیٰ، یا زکریا، یا یحییٰ (علیٰ نبینا وعلیہم السلام)۔

جواب: اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و شرافت کا اظہار ہے کیونکہ یہ آپ کے ان القابات میں سے ہے جو آپ کی بارگاہ کی بلندی پر دلالت کرتے ہیں۔

سوال: سورۃ فتح میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نام کی تصریح ہے۔

جواب: لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے تاکہ آپ کو رسول سمجھ کر اعتقاد صحیح رکھیں بلکہ اپنے عقاید حقہ کا اسے جزو بنائیں۔

ف: اس کے سوا حضور سرورِ عالم کے بہت سے اسمائے صفاتی اور القاب ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ کثرت اسماء و القاب مسمّٰی کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں۔

شانِ نزول اسبابِ نزول میں مذکور ہے کہ واقعہ اُحد کے بعد ابوسفیان، عکرمہ اور ابو الاعور مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ میں آئے اور مرکزِ نفاق یعنی عبد اللہ بن ابی سلول کے پاس آکر ٹھہرے۔ آمد کے دوسرے روز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمائندہ بھیجا کہ آپ انھیں امان دے کر گفتگو فرمائیں۔ آپ نے انہیں امان دے دی تو ابوسفیان وغیرہ چند منافقین کو لے کر بارگاہِ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہنچے اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی مذمت چھوڑ کر فرمائیں کہ قیامت میں یہ بھی شفاعت کریں گے اور جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں انہیں یہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ہم تمہیں اور تمہارے معبود کو کچھ نہ کہیں گے۔ آپ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری اور آپ نے ان سے چہرۂ مبارک پھیر لیا اس پر عبد اللہ بن اُبی بن سلول او رمعتب بن قشیر و جد بن قیس (منافقین) نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اشرافِ مکہ کی بات مان لیں اسی میں مصلحت ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم سے رہا نہ کیا گیا حمیت اسلامی و صلابتِ دینی سے جوش میں آکر کافروں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے عمر (رضی اللہ عنہ)! میں نے انہیں پناہ دی ہے تم میرے معاہدے کو توڑتے ہو۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں (منافقین کو) مسجد نبوی سے ہی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے نکال کر فرمایا:

اخرجوا فی لعنۃ اللہ وغضبہ۔

(اے لعینو! اللہ تعالیٰ کی لعنت وغضب سر پر اٹھا کر نکل جاؤ) [1]

اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

اتَّقِ اللّٰہَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو عہد کے توڑنے اور امان کے ختم کرنے کے بارے میں، اور تقویٰ پر ثابت قدم رہو بلکہ اس میں بڑھتے رہو کیونکہ تقویٰ کے درجات کی کوئی حد نہیں۔ ہم نے اسے دوام کے معنیٰ پر اس لیے محمول کیا ہے کہ جو پہلے بھی فعل میں مشغول ہے پھر اسے اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا جب ایک آدمی کھڑا ہوا سے یہ نہ کہا جائے گا کہ کھڑا ہو۔ ہاں اگر کہا جائے گا تو اس سے اس کی مداومت مراد ہو گی اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو تقویٰ کا حکم دے کر اس کی اہمیت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ منادی کی تعظیم منادی کی تعظیم کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے۔

ف: قرآن مجید میں تقویٰ کے امر کی کثرت ہے اس سے اس کے مابعد والے امر و نہی کی تاکید مطلوب ہوتی ہے مثلاً:

اتقوا اللہ واٰمنوا برسولہ۔

(اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ)

اس میں ایمان بالرسول کی تاکید مطلوب ہے۔ ایسے ہی لوط علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا اللہ ولا تخزون فی ضیفی۔

(اللہ سے ڈرو مجھے مہمانوں کے آگے رسوا نہ کرو)

نکتہ تفسیر کبیر میں ہے کہ آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقویٰ کے حکم کو غفلت پر محمول نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ یہ لفظ نبی کے منافی ہے کیونکہ نبی خبیر اور غفلت سے منزّہ ہوتا ہے۔

ف: ابن عطا نے فرمایا اس کا معنیٰ ہے اے میری طرف سے سچی خبریں دینے والے اور مجھے حقیقتاً

---

[1] اس سے واضح ہوا کہ گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مساجد سے نکالنا سنّت ہے۔ بلکہ حقیقی اسلام کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مترجم غفرلہٗ

پہچاننے والے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس بارے میں کہ تم میں سے میرے سوا کی طرف تمہاری التفات ہو۔

حل لغات لغت میں ہے تقویٰ بمعنے اتقاء یعنی بچاؤ کی صورت اختیار کرنا اور اہلِ حقیقت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ اس کے عقاب سے احتراز اور فعل و شرک کے بارے میں نفس کو ان امور سے بچانا جو اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا حقدار بناتے ہیں۔

ف: بعض کبار مشائخ نے فرمایا: متقی وہ ہے جو خود کو حق سے بچائے یا حق کو اپنے سے بچائے۔ اول یہ تمام نقائص اپنی طرف منسوب کرے حق تعالیٰ کی طرف اسناد سے بچے خود حق تعالیٰ کے لیے ڈھال بنا رہے۔ دوم جملہ کمالات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا۔ اپنی طرف کسی کمال کا تصور تک نہ لائے۔ اس وقت ہر کمال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا رہے گا۔ اس معنی پر حق تعالیٰ اس کے نفس کے آگے کمال کی نسبت نہ ہونے کے لیے ڈھال کی طرح ہوگا کیونکہ عدم نقصان ہے وہ بندہ کی طرف منسوب ہو اور وجود کمال ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو۔

ف: تقویٰ سے وہ لوگ آشنا ہیں جو طاعت گزار ہیں اور ہر معصیت و حرام سے پرہیز کرتے ہیں اور تقویٰ کے خدام وہ ہیں جو احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتے اور جو شبہات سے بھی بچتے ہیں وہی تقویٰ کے عاشق ہیں کہ نیکیوں پر عمل کرنے کے بعد اس سے پرہیز کرتے ہیں کہ سمجھیں وہ ان کی نیکیاں ہیں اس سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے ارتکابِ معاصی سے ؎

۱ ماسوائے حق مثال گلخنست
تقوی از وے چوں حمام روشنست

۲ ہر کہ در حمام شد سیمائے او
ہست پیدا بر رخ زیبائے او

ترجمہ: (۱) حق کے ماسوا باقی سب کچھ کوڑا کرکٹ کی طرح ہے اس سے تقویٰ کی امید حمام کی طرح ہے۔

(۲) جس کی ہر وقت حمام میں جانے کی عادت ہے اس کے چہرے کا اندازہ خود کر لو۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ اور کھلم کھلا کفر کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور منافقین کی جو کفر کو دل میں چھپاتے ہیں یعنی جس طرح آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہیں کرتے اسی پہ مداومت کیجئے کہ جو ان کے امور آپ کی شریعت کے مخالف ہیں اور تمہارے دین کے لیے نقصان دہ ہیں ان سے آپ پرہیز کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کریں۔ ہم نے مداومت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ ان کی اطاعت تو نہیں کرتے تھے کہ جس سے آپ کو روکا گیا ہے بلکہ آپ تو ان کی اطاعت کو خود بھی پہلے سے حرام سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مداومت کا حکم فرمایا ہے۔

ف : اطاعت وعبادت میں فرق یہ ہے کہ طاعت امر کے بعد لازم ہوتی ہے اور عبادت میں امر کی قید نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور دائماً ہے۔ یہ نہیں کہ وہ پہلے تھا اور اب نہیں عَلِيْمًا مصالح ومفاسد کو خوب جانتا ہے تمہیں اس کا حکم دے گا جس میں تمہاری مصلحت ہو گی اور ان امور سے روکے گا جن میں تمہارا نقصان ہو گا حَكِيْمًا ۙ۝ حکمت والا ہے جو حکم دیتا ہے اس کی حکمتِ بالغہ کا تقاضا ایسے ہی ہے وَّاتَّبِعْ امورِ دین میں (جو امور عمل میں لانے کے اور جو چھوڑنے کے ہیں) اتباع کیجئے مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وہ جو وحی کی جاتی ہے تمہارے پروردگار سے تقویٰ اور ترک طاعت کافرین ومنافقین وغیرہ کے بارے میں یعنی آپ صرف قرآن کے مطابق عمل کیجئے کفار ومنافقین کی آرا کا خیال تک نہ لائیے۔

ف : حضرت سہل (تستری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن پر عمل کرنے کا حکم اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک احسن طریقہ شریعت ہے اس کے علاوہ باقی جملہ غلط طریقے اور ظلم وبدعات (سیئہ) ناقابل قبول ہیں۔

ؔ

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع این مرحلہ با مرغِ سلیمان کردم

ترجمہ : میں عنقا کی منزل تک راستہ نہ پا سکا یہ مرحلہ مرغِ سلیمانی کے واسطہ سے طے ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہے ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو، فرماں برداری اور ترک منہیات کے یہ خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ اہلِ ایمان کو ہے۔ ہر عامل کے عمل کی جزا وسزا مرتب ہو گی اس میں ترغیب وترہیب دونوں ہیں وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ پر توکل کیجئے یعنی اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کیجئے وَكَفٰى بِاللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے وَكِيْلًا ۝ نگہبان۔ اسی لیے جملہ امور اسی کی طرف سپرد ہوں کیونکہ وہی کارساز ونگہبان اور مہمات میں کفایت کرنے والا ہے۔

ؔ

چون رو لطف عنایت کند
جملہ مہمات کفایت کند

ترجمہ : جب از راہِ لطف مہربانی کرتا ہے تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

ف : حضرت شیخ زورقی شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ وکیل وُہ ہے جو بندوں کی جملہ مصالح کی کفالت فرمائے اور ان کے ہر امر میں انہیں کافی ہو اور جس کا عقیدہ ہے کہ وہی وکیل ہے تو وہ اپنے جملہ امور میں اسی پر اکتفاء کرے اور اس کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا ورد رکھنے والا کبھی محتاج نہ ہوگا اور نہ ہی مصیبت کا شکار رہو گا جیسے اندھی اور کڑک گرج بادل سے خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ اس اسم شریف کو بکثرت پڑھے۔ یہی اسم جملہ مصائب کو ہٹائے گا اور اس پر خیر و رزق کے دروازے کھول دے گا۔

حکایت بایزید بسطامی قدس سرّہٗ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ اپنے مریدین کے ساتھ ایک عرصہ توکل پر گزارنے کا عہد کیے بیٹھے تھے چند دن فتوحات بند ہو گئیں۔ کسی نے بھی ایک لقمہ نہ کھایا۔ مریدوں نے کہا اگر اجازت ہو تو ہم روزی کی تلاش میں نکلیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں روزی کا یقین ہے کہ فلاں جگہ پڑی ہے تو جاؤ لے آؤ۔ عرض کی، تو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ؎

ارباب حاجتیم و زبان سؤال نیست
در حضرت کریما تمنا چہ حاجتست

(ترجمہ: ہم ضرورتمند تو ہیں لیکن سوال کی زبان نہیں رکھتے لیکن کریم کے دروازے پر تمنا ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے!

مریدین نے کہا تو پھر توکل کر کے خاموش بیٹھے رہیں آپ نے فرمایا: تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو آزماتے (امتحان لیتے) ہو۔ عرض کی: آپ ہی فرمائیں کہ ہم کیا چارہ و حیلہ کریں۔ آپ نے فرمایا:

الحیلۃ ترك الحیلۃ۔

(حیلہ ترک حیلہ کا نام ہے)

یعنی حیلہ یہ ہے کہ اپنی مراد و اختیار کو قضا و قدر کے ماتحت کرو جو کچھ اس کی قضا و قدر ہو وہی بھلائی اور خیر ہے۔ حقیقی توکل یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار و مراد سے بالکل فارغ ہو جائے۔ اور اپنے تصرف کا تصور دل سے اڑا دے اور رضا و تسلیم کا خیمہ قضا و قدر کے سامنے لگا دے جو خیال دل میں آئے سب کو بیکار کر دے۔ جب انسان اس منزل کو طے کرتا ہے تو مملکتِ الٰہی کی چابی اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں اور وہ دل کا بادشاہ ہو جاتا ہے۔

ف : دانا پر لازم ہے کہ وُہ غیر اللہ کے التفات کو ترک کرنے کی جد و جہد کرے اور محبوب کی راہ پر مشقت و تکالیف کے گھوڑے دوڑا دے۔ پختہ دل وُہ انسان ہے جو عزائم کا دامن تھامے اولوا العزم پیغمبر علیہ السلام بھی وہی ہیں جنھوں نے تکالیف و شدائد بہت زیادہ برداشت فرمائے جو رخصت پر عمل کرنے کا پروگرام بناتا ہے اسے غصہ

پینے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اسی لیے مقولہ مشہور ہے: جو آج دکھ درد سر پہ اٹھاتا ہے اسے کل آسانی اور آرام ملے گا۔ جو آج بوجھ پیٹھ پر رکھتا ہے کل اس کے گناہ ہلکے ہوں گے۔ یہاں پر بوجھ ہلکے کرتے ہیں ورنہ کل اقوال و افعال کے بوجھ پیٹھ توڑیں گے اتباعِ سنت میں بدعت (سیئہ) کا چھوڑنا ضروری ہے۔

ف: انسان کو نعمتوں کا حصول بالاصالۃ ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے تو وکالت سے (یعنی اسباب سے یعنی اعمالِ صالحہ وغیرہ سے) اور نیک انجام تقویٰ سے نصیب ہوتا ہے۔

سبق: بعض اکابر نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا آدابِ عبودیت سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنے سے ہی سوال کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اس لیے کہ ہم فقیر ہیں فلہذا ہم ایسے کریم سے سوال کرتے ہیں جہاں بخل ہے ہی نہیں وہ بہت بڑے فضل والا ہے جو خواہشات کی اتباع کرتا ہے وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا جو کسی سے خدمت کا متمنی ہوا اور اپنی عزت و حرمت کا تصور کیا اور حشمت و جاہ کا طالب ہوا اور خائب و خاسر ہوا اسے کبھی کامیابی نصیب نہ ہو گی ایسا آدمی کبھی نفع یاب نہیں ہو سکتا اور جو خادم اپنے مخدوم کے ہاں حاضر ہو کر اس پر اعتراض کرنے شروع کر دے یقین کر و اس کے دل میں مرض ہے ہاں تسلیم و رضا اور توکل سے ہی جمیع مناصب کے مراتب حاصل ہو سکتے ہیں اللہ ہی علیم و خبیر ہے وہ جملہ دقائق اور مخفی امور کو وہی جانتا ہے جس کا یہی عقیدہ ہو گا وہ جملہ غیر سے توجہ ہٹا کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گا بلکہ دوسروں کا ذکر بھلا کر صرف اسی کے ذکر میں محو رہے گا دعویٰ و ریاء و تصنع کو چھوڑ کر اخلاص فی العمل میں گامزن رہے گا اس لیے آگے پرکھ کرنے والا البصیر ہے ؎

بروے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

ترجمہ: ریاء کی گدڑی سینا آسان ہے۔ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بے رواج کرنا چاہیے۔

دُعا: ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ تقویٰ و اخلاص سے بنائے اور اربابِ اختصاص میں ملا دے اور جب تک بدن میں رُوح ہے ہمارے اوپر خیرات و فتوح کھول دے۔

مَاجَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ اللہ تعالیٰ نے کسی کے اندر دو دل نہیں بنائے۔

حلِ لغات: جعل بمعنے خلق ہے اور الرجل انسان ہیں مرد کے ساتھ مخصوص ہے اور تنکیر من استغراقیہ تعمیم افادہ کے لیے ہے اور قلب صنوبری شکل کا ایک لوتھڑا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے سینے کے بائیں جانب پیدا فرمایا ہے جو الوتین (رگ) کے قریب لٹک رہا ہے اسی کو ہی علم کا محل بنایا ہے جوف بمعنے پیٹ (کذا فی اللغات) اسے زیادۃ تقریر کے لیے لائے ہیں جیسے:

ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

(اور لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں)

یہاں فی الصدور کا لفظ تاکید کے لیے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کسی کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں پیدا فرمائے کیونکہ قلب روح حیوانی کا خزانہ اور اس کی قوت کا سرچشمہ ہے تو اسے صرف ایک ہونا ضروری ہے اس لیے کہ روح حیوانی ایک ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو دل پیدا فرمائے، ایک کفر و گمراہی اور گناہوں پر اصرار کرنے اور ان کا خوگر ہو جانے کے لیے ہے اور دوسرا ہدایت و ایمان اور طمانیت کے لیے۔ اس میں منافقین کے لیے طعن و تشنیع ہے کہ اے منافقو! تم کیا کر رہے ہو کہ دل میں کچھ ہے اور زبان پہ کچھ۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ منافقین کہتے تھے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دو دل ہیں، ایک ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے یاروں کے ساتھ۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی ہے۔

ف: بعض دوسرے مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں ان عربوں کا رد ہے جو کہا کرتے کہ سمجھدار انسان کے دو دل ہوتے ہیں اسی لیے ابو معمر کو ذوقلبین کہا جاتا۔ کیونکہ عرب سے حافظہ میں تیز تر اور زیادہ سمجھدار اور شہروں کے حالات اور ان کے راستے ان سے کوئی زیادہ نہ جانتا تھا لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتھ سخت بغض رکھتا تھا وہ یا جمیل بن اسد کہتا تھا میرے اندر دو دل ہیں اسی لیے میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ سمجھتا ہوں۔ عوام کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے جب اہل مکہ کو بدر میں شکست ہوئی تو وہ گرمی کے باوجود ایسا حواس باختہ ہو کر بھاگا کہ ایک جوتا پاؤں میں اور دوسرا ہاتھ میں۔ اسے ابوسفیان ملے تو ان سے پوچھا: میاں میرا دوسرا جوتا تمہیں معلوم ہے کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ ایک جوتا تیرے ہاتھ میں اور دوسرا تیرے پاؤں میں ہے (ان کے علاوہ اور جوتا کیسا) اس کی اس حالت سے عوام سمجھے کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنا جوتا نہ بھولتا (کیونکہ جوتا ہاتھ میں ہے)

ازالۂ وہم فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ عرب کا ذوقلبین کہنا بوجہ حقیقی دو دلوں کے نہ تھا، بلکہ اسی عرف کے مطابق تھا کہ جو زیادہ سمجھدار ہو اس کی کمال قوت علمی مراد لیتے تھے، جیسے 
مرد بہادر کو رجلان کہا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں دو مردوں کی بہادری اور شجاعت ہے۔ تو گویا وہ رجلان دو مردوں کے برابر ہے۔ ایسی قوت علمی کے کمال والے کے لیے کہا جاتا تھا: ولہ

قلبان (اس کے دو دل ہیں)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کا دل محبت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جیسے دل ایک ہے تو دل بھی ایک سے ہو۔ اور محبوب وہ ہے جو لاشریک ہے۔ جیسے کسی نے کہا: ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ: میرا دل تو صرف یار کی محبت کا گھر ہے اسی لیے اس میں کسی کے کینہ کی گنجائش نہیں۔

جو شخص دنیا میں بدل و جان مشغول ہو کر محبتِ آخرت کا دعویٰ کرے بلکہ محبِ الٰہی بنا پھرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے ؎

جمشید جز حکایت جام از جہان نبرد
زنہار دل مبند بر اسبابِ دنیوی

ترجمہ: جمشید جہانِ دنیا سے صرف جام (پیالہ) کی شہرت لے چلا۔ خبردار اسبابِ دنیا سے دل نہ لگانا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ اور تمہاری عورتوں کو نہیں بنایا۔ نساء کی جمع زوج۔ جیسے زوجہ کی جمع زوجات ہے اور زوج زیادہ فصیح ہے لیکن زوجہ مشہور تر ہے۔

الّٰئِ وہ عورتیں، التی کی جمع ہے تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی انہیں کہتے ہو تم ہمارے لیے ہماری ماؤں کی پیٹھوں کی طرح ہو۔ ان کا ارادہ اس سے حرام کرنے کا ہوتا کیونکہ اہلِ عرب کا دستور تھا کہ جب کسی سے سنا جاتا ظاھر من امراٗتہ تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ اس نے اپنی عورت سے ظہار کیا۔ یہ بحسب اللفظ ظہر سے ماخوذ ہے جیسے کوئی کہے:

لبی المحرم۔

تو اس سے اس کی لبیک مراد ہوگی۔ ایسے اُفّ الرجل کہنے والے کی مراد بھی یہی ہوگی کہ اس نے اف کی۔ اس کا مِن سے متعدی ہونا تجنب کے معنیٰ کو متضمن ہے اور ظہار جاہلیت میں طلاق سمجھا جاتا۔ یہ یہ لفظ کہہ کر عورت سے اجتناب کرتے تھے کیونکہ وہ اسے طلاق تصور کرتے تھے۔ مثلاً کسی عورت کو فارغ کرنا ہوتا تو کہتے:

انت علیّ کظھر امی۔

بمعنٰے انت علیّ حرام (تو مجھ پر حرام ہے) جیسے اس کا پیٹ مجھ پر حرام ہے۔ یہاں بھی بطن سے

ظہر (پیٹھ) مراد لیتے تھے اس لیے پیٹ کا قوام اور جسم کی بنیاد پیٹھ ہی ہے۔ اُمَّهٰتِكُمْ تمہاری ماؤں کی طرح۔
امہات، ام کی جمع ہے ہا اہراق کی طرح زاید ہے کہ وہ بھی دراصل اراق تھا۔ ام (واحد) میں ہا کا اضافہ شدت کا باعث ہے۔ مثلاً امّہ کہنا زبان پر سخت لگتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ عورت میں ماں کا ہونا اور زوجہ ہونا مجتمع نہیں ہو سکتا کیونکہ ماں مخدومہ ہے اس سے خدمت نہیں لی جا سکتی اور زوجہ خادمہ، اس سے خدمت لی جاتی ہے۔

ف : اس آیت میں جاہلیت کے عربوں کا ردّ ہے کہ وہ اپنی عورت کو ماں کی طرح کہنے کو طلاق سمجھتے تھے۔

ف : اسلام اور شریعت نے ایسے کلمات کہنے کی علت اور کفارہ بیان کیا ہے کہ یہ طلاق نہیں بلکہ اس کا نام ظہار ہے۔ یعنی ایسے کلمات کہنے والا طلاق کے حکم میں ہوتا لیکن شرع پاک نے اسے طلاق کے بجائے کفارہ کا حکم فرمایا ہے۔

مسئلہ : ظہار کا کفارہ ہے غلام آزاد کرنا۔ یہ نہ ہو سکے تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا جس میں روضۂ رمضان اور ایّام منہیہ نہ ہوں اور وہ یہ ہیں: عید الفطر، عید الاضحیٰ (۳ تا ۵) ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ماہ ذوالحج) اگر روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو ساٹھ مساکین کو طعام کھلائے یعنی ہر مسکین کو فطرانہ کے نصاب یا اس کی قیمت دینا۔

مسئلہ : انت علیّ کظھر امی ظہار کے سوا کوئی دیگر احتمال ہو ہی نہیں سکتا اس میں نیت ہو یا نہ ہو۔ اس سے نہ طلاق ہوگی نہ ایلاء۔ کیونکہ یہ الفاظ ظہار کے لیے صریح ہیں۔

مسئلہ : اگر کہا انت علیّ مثل امی (تُو میرے لیے میری ماں جیسی ہے) اگر اس سے اس کی عزت و احترام کی ہے مثلاً کہے کہ ان الفاظ سے میرا ارادہ یہ تھا کہ میری عورت میرے لیے ایسے ہی مکرم و محترم ہے جیسے میری ماں۔ ہم اسے اس تاویل میں سچا مان لیں گے اگر اس سے اس کی نیّت ظہار کی ہے تو ظہار ہے۔ اگر طلاق کی ہے تو طلاق بائنہ متصوّر ہوگی اگر کوئی نیّت نہیں تو کچھ واقع نہ ہوگا۔

مسئلہ : اگر عورت کو کہا : انت علیّ حرام کامی (تُو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں)۔ ظہار کی نیت ہے یا طلاق کی، تو جو نیت کی ہے وہی ہے۔

مسئلہ : اگر کہا کہ انت علیّ حرام کظھر امی (تُو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) اس سے طلاق اور ظہار کی نیت ہے تو وہ ظہار ہے لیکن صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وہی ہے جو اس کی نیت ہے۔

مسئلہ : ظہار صرف اپنی زوجہ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ : لونڈی کے ساتھ ظہار نہیں ہوتا کیونکہ ظہار و طلاق سے اس لیے منقول ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق تھی اور لونڈیوں کی کوئی طلاق نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر اپنی بہت (چار، تین، دو) عورتوں کو کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔ یہ سب سے ظہار ہوگا اور سب کے لیے علیحدہ علیحدہ کفارہ دینا ہوگا جیسے تکرار یمین میں علیحدہ علیحدہ کفارہ ہے۔

مسئلہ: کفارۂ یمین و ظہار ایک دوسرے میں داخل نہیں ہو سکتے بخلاف کفارۂ رمضان و سجدۂ تلاوت کے، اس میں تلاوت میں سجدۂ تلاوت بار بار پڑھا جائے تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو۔

حل لغات: ادعیاء دعی (فعیل) بمعنے مفعول کی جمع ہے وہ جسے کہا جائے کہ میرے بیٹے ہو اور اسے متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنایا جائے (متبنّی میں تقدیم الباء الموحدۃ علی النون ہے) اس کا قیاس یہ تھا کہ جرحٰی کی طرح ہوتا اسے دُعٰی پڑھا جاتا لیکن فعیل کی جمع افعلاء کے ساتھ مخصوص ہے اور فعیل بمعنے فاعل ہے۔ جیسے تقی کی جمع اتقیاء آتی ہے تو گو اس فعیل کو جو بمعنے مفعول آتی ہے اسے فعیل بمعنے فاعل سے تشبیہ دے کر اس کی جمع فاعل کی طرح لائی گئی ہے۔

اَبْنَآءَكُمْ تمہارے حقیقی بیٹے کہ میراث و حرمت و نسب حقیقی بیٹوں کی طرح ہوں یعنی ایک ہی مرد میں بنوۃ (بیٹا ہونا) اور دعوۃ (منہ سے بول کر بیٹا بنانا) جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ دعوت (منہ سے بیٹا بولنا) عرض ہے اور بنوۃ (حقیقی بیٹا ہونا) نسب میں اصل اور اصل و فرع یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ ان کا رد ہے جو منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھ کر اسے بھی میراث کا حقدار رکھتے تھے اور ان کی جورو سے نکاح ایسے حرام سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی جورو سے، کہ اس کے طلاق دینے یا اس کے مرجانے کے بعد اس کی جورو سے نکاح نہیں کرتے تھے۔

نکتہ دو قلبوں کا ایک جان میں تمہید تھا ان دونوں مسئلوں کے لیے کہ جیسے ایک جسم دو قالب نہیں ہو سکتے ایسے ہی ماں زوجہ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہو سکتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جیسے دو قلب ایک جسم میں ہونا اجتماع التناقض ہے۔ ایسے ہی زوجہ کا ماں ہونا یا متبنّٰی کا حقیقی بیٹا اجتماع النقیضین ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ قرابت نسبیہ قرابت سببیہ کی طرح نہیں ہو سکتا اسی لیے ظہار کر کے زوجہ کو ماں کا درجہ دیا جائے یا منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا مرتبہ دیا جائے کیونکہ الولد سرابیہ کا جوہر کسی کی طاقت میں نہیں کہ وہ دوسرے میں بنا سکے۔

ذٰلِكُمْ یہ اشارہ مظاہرہ کو مطلقہ اور متبنّٰی کو بیٹا بنانے کی طرف اشارہ ہے یا صرف پچھلے کی طرف ہے کیونکہ سیاق کلام میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا بنانا ہے قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ تمہارے منہ کی باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں جیسے مجنونوں کی باتیں ہوں انہیں بنوت کے احکام سے کوئی تعلق نہیں، جیسے

حل لغات : الافواہ ، فم کی جمع ہے اور اس کا اصل فوہ (بالفتح) ہے جیسے توب کی جمع اثواب ہے یہی سیبویہ اور بصریوں کا مذہب ہے ۔ اور فوہ (بالضم) سوق کی جمع اسواق کی طرح ہے ۔ یہ فرا کا مذہب ہے، ہا ، کو علیٰ خلاف القیاس حذف کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد واؤ کو بوجہ قاعدہ معلومہ کے پھر واؤ کو میم کے ساتھ ہم جنس ہونے کی وجہ سے تبدیل کیا گیا ۔ ہم جنس اس لیے ہیں کہ دونوں حروف شفویہ ہیں ۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی حکم کو فم (منہ) سے معلق کیا اس میں اس کے جھوٹے عقیدہ کی طرف اشارہ اور تنبیہ ہے کہ یہ جھوٹا عقیدہ ہے جو واقع کے مطابق نہیں ۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے یعنی واقع کے مطابق فرماتا ہے کیونکہ حق حق سے ہی صادر ہوتا ہے وُہ یہ کہ غیر ابن حقیقی ابن نہیں ہوسکتا **وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ** اور وہی راستہ سیدھا دکھاتا ہے نہ اس کا غیر ۔ اسی لیے ان باتوں کو چھوڑو اور اسی حق بات کو لو ۔

ف : سبیل بمعنے وُہ راستہ جس پر عادۃً چلتے ہیں اور اس پر چلنے میں آسانی ہو ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے واللہ یقول الحق اور حق کہتا ہے جس کا جو نام رکھتا ہے اس کی حقیقت اور معنیٰ بھی وہی ہوتا ہے وھو یھدی السبیل اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے ہر اس اسم کی طرف جو اس کے معنی کے مناسب ہے جیسے آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو کل اسماء کی تعلیم دی اور انہیں اس علم سے خاص کیا اور مقرب ملائکہ اس علم سے بے خبر تھے ۔

ف : جمیع آداب شریعت ہمارے مندرجہ ذیل اصول پر ہیں : بندہ مقرر کردہ حکم سے متجاوز نہ ہو وہ جو ہر ہو یا عرض ، زمان ہو یا مکان ، وضع میں ہو یا اضافت میں یا حال میں مقدار یا عدد میں ہو یا مؤثر میں یا مؤثر فیہ میں ۔

مسئلہ : آداب شرع کا اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ بندہ حکم شرع کا معلوم کر کے اُسے حسن وکمال کے ساتھ ادا کرے اور اعراض وہ احکام جو بندے سے متعلق ہیں مثلاً : ۔

وجوب ، حظر ، اباحۃ ، مکروہ ، ندب ۔

اور زمان وہ احکام جو اوقات سے متعلق ہیں ، ہر حکم کا وقت مقرر ہے ۔ بعض وُہ ہیں جن کے احکام وسیع ہیں ۔ بعض وہ ہیں جو تنگ ہیں ۔ اور مکان وہ احکام جو مکان سے متعلق ہیں جیسے بیوت اللہ یعنی مساجد وغیرہ ۔ یعنی جس مکان کو بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کر کے اس میں اس کا ذکر کریں ۔ وضع العبادت یہ ہے کہ کوئی کام بھی ایسا نہیں جس کا نام مقرر نہ ہو جونہی نام بدلے گا حکم شرع میں تغیر آجائے گی ،

حدیث شریف : جیسے حدیث شریف میں ہے :

سیأتی علی امتی زمان یظھر فیہ اقوام یسمون الخمر بغیر اسمھا[1]۔

(عنقریب میری اُمّت میں ایسے لوگ آئیں گے جو شراب کے مختلف نام بنائیں گے)

ف: اس طرح اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے کا دروازہ کھولنا ہے۔

حکایت حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اسے خوب سمجھا۔ جب ان سے عرض کی گئی: خنزیر البحر کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا: وہ حرام ہے۔

پھر عرض کی گئی: وہ تو دریائی مچھلی ہے۔

فرمایا: خود ہی اسے خنزیر کہتے ہو (اب اس کے حلال ہونے کی بات کرتے ہو)

دیکھیے اسم کی وجہ سے آپ پر حلت وحرمت کا مسئلہ ملتبس ہوگیا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے خمر کا نام نبیذ رکھ لیا یا اسے ابریز کہہ کر حلال جان لیا۔ اور عذر یہ کیا کہ ہمارے بعض لوگوں کے لیے وہ شے حرام ہے جس کا نام خمر ہے۔ اضافت کی مثال حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا وہ قول جو آپ نے فرمایا:

فاردت ان اعیبھا۔

(میرا ارادہ ہوا کہ میں اسے عیب دار گردان لوں)

اور فرمایا:

فاردنا ان یبدلھما ربھما۔

(تو تیرے پروردگار نے ان کو بدل دینے کا ارادہ فرمایا)

یہ اس لیے کہ ایسا کلام مدح پر محمول ہوسکتا ہے اور ذم پر بھی۔

اور فرمایا:

فاراد ربّك۔

(تیرے رب کا ارادہ ہے)

اس میں انہوں نے اشارہ فرمایا کہ ایک ہی شے مذموم بھی ہوسکتی ہے اور محمود بھی لیکن اضافت سے۔ تو اس

---

[1] یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی واضح دلیل ہے کہ دورِ حاضرہ میں شراب کے درجنوں نام بدل کر اسے استعمال کیا جارہا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو نئی روشنی کے 'مہذب' لوگوں سے ان ناموں کے متعلق دریافت کرلیجئے۔ مترجم غفرلہٗ

میں تغیر بوجہ اضافت کی ہوئی اور احوال کی مثال سفر ہے کہ طاعت و معصیت کے سفر میں احکام میں تغیر آجاتی ہے۔ اور اعداد کی مثال وضو ہے کہ اعضائے وضو میں مقرر کردہ افعال طہارت میں کمی بیشی نہ ہو سکے گی۔ ایسے اعداد الصلوٰۃ والزکوٰۃ کا حال ہے ایسے غسل میں صاع مقرر ہے اور وضو میں ایک مد۔ اور موثر کی مثال قتل ہے کہ اس کی نسبت قاتل کی طرف ہوگی، ایسے ہی غصب کی غاصب کی طرف۔ اسی لیے قاتل و غاصب پر حد قایم ہوتی ہے اور مؤثر فیہ کی مثال مقتول ہے کہ قصاص کے وقت وجہ دیکھی جائے گی کہ اس کا سبب قصاص ہے یا نہیں، اگر ہے تو قصاص ورنہ نہیں۔ ایسے ہی مغصوب کے متعلق دیکھا جائے گا کہ غصب کا غاصب خود ہے تو حد ہے ورنہ کوئی اور طریقہ ہے تو نہیں۔ یہ آدابِ شریعت کی اقسام ہیں انھیں سمجھ کر یاد کر لو مہتدین الی السبیل الحق سے ہو جاؤ گے اور گمراہی سے مطلقاً بچ جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ

اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ (انھیں آبا کی نسبت سے بلاؤ)

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

فلان یدعی لفلان۔

(فلاں فلاں سے منسوب ہے)

لآبائهم کی لام استحقاق کی ہے۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں نازل ہوئی چھوٹی عمر میں قیدی ہو گئے تھے۔ دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب کی عادت تھی کہ ایک دوسرے کو لوٹ کھسوٹ کر انہیں قیدی بنا لیتے تھے۔ حضرت زید بھی قیدی ہو کر آئے تو انھیں حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے لیے خرید لیا۔ جب بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو بی بی نے حضرت زید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہبہ کر دیا۔ حضرت زید کا باپ اور چچا تلاش کرتے مکہ معظمہ میں پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت زید کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے حضرت زید کو اختیار دیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس چلے جائیں چاہے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پاس رہیں۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہنے کو پسند کیا۔ آپ نے اسے آزاد کر کے اپنی اولاد کی طرح اپنی تربیت میں لے لیا اور اپنا منہ بولا بیٹا مقرر فرما لیا۔ یہ نزولِ وحی سے پہلے ہوا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کے مابین مواخات قائم کر دی۔

ف: مقداد بن عمرو بہرانی، مقداد بن الاسود اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور ابن ابی حذیفہ وغیرہم کو غیر ایک کی طرف منسوب کر کے پکارا جاتا کیونکہ یہ ان کی تربیت میں رہے۔

حدیث شریف بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ جب تک یہ آیت نازل نہ ہوتی ہم زید کو ابنِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر بلاتے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم انھیں زید بن حارثہ کے نام سے پکارنے لگے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ لے پالک بیٹوں کو اُنہی کے بیٹے کہو جن کی وہ اولاد ہیں۔ مثلاً کہو زید بن حارثہ۔ ایسے ہی دُوسروں کو۔

هُوَ وہی انھیں اپنے باپوں سے منسوب کرکے پکارنا۔ هُوَ ضمیر کا مرجع اُدْعُوا کا مصدر ہے، جیسے آیت اعدلوا هو اقرب للتقوٰی میں (هُوَ کا مرجع عدل ہے۔ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی قریب تر ہے۔

حلِ لغات: القسط (بالکسر) بمعنے العدل۔ و بالفتح وہ جو دوسرے کا حصہ چھین لے، جسے ناانصافی کہاجاتا ہے۔ اسی لیے کہاجاتا ہے:

قسط الرجل بمعنے اس نے ظلم کیا۔ اور اقسط بمعنے انصاف کیا۔

حکایت: کسی عورت نے حجاج سے کہا: انت القاسط (تو ظالم ہے) اس نے اسے کوڑے مارے۔ اس عورت نے کہا: میرا مطلب قاسط از قسط (بالفتح) بمعنے انصاف ہے۔

ف: آیت میں اقسط افعل تفضیل ہے۔ اس سے مطلق زیادتی مراد ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا: زیادۃِ عدل وصدق یعنی راستر و دادتر۔

کشف الاسرار میں ہے: هو اعدل واصدق من دعا ئهم ایاهم لغیر ابائهم (یہی زیادہ زیادہ انصاف اور زیادہ سچ ہے کہ انہیں غیروں کے بجائے اپنے باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارو)

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا پس اگر تم نہیں جانتے اٰبَآءَھُمْ ان کے آباء کو تاکہ تم انہیں ان کی طرف منسوب کرو۔

قاعدہ: جب اِنْ کا معنیٰ اپنے محل میں استعمال نہ ہو سکے تو اسے بمعنے اذا لانا جائز ہے۔ اس وقت اس کا مدخول ماضی کے مفہوم میں ہوگا اسی لیے اب سوال رفع ہو گیا کہ ان کے داخلہ کے باوجود مستقبل کے بجائے ماضی کا معنیٰ کیوں!

قاضی بیضاوی کی وضاحت قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فان لم تفعلوا الخ کے تحت لکھا کہ یہ عبارت ان تفعلوا تھی پھر لم کی وجہ سے مجزوم کیا گیا اس لیے کہ جب اسے مضارع سے ماضی کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا تو وہ لم اس کا جز بن گیا

اور حرف شرط اس کے مجموع پر داخل ہے نہ کہ بحیثیت لم تفعلوا فعل جحد کے ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فان ترکتم الفعل و لذلك ساغ اجتماعهما ای حرف الشرط ولم ۔

(اگر تم نے فعلِ شرک کیا ۔ اسی لیے لَم اور اِنْ کا اجتماع جائز ہے)

اسی لیے نحو میں اِنْ اور لم کا یکجا ہونا جائز ہے ۔ فَاِخْوَانُكُمْ تو وہ تمہارے بھائی ہیں فِی الدِّیْنِ دین میں ۔ یعنی جو اسلام قبول کرلے وہ تمہارا بھائی اور تمہاری جنس کا ہے وَ مَوَالِیْكُمْ اور تمہارے موالی یعنی تمہارے اولیاء ہیں فلہذا انھیں تم اخوتِ دینیہ اور مولیٰ والی صفت سے پکارو یعنی کہو یا اخی یا مولائی ۔ یعنی ان کی دینی اخوت و ولایت کی وجہ سے موالاۃ و محبت کا یہی تقاضا ہے ۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یُوں کیا ہے کہ تم انہیں برادر کہہ کر پکارو اگر وہ تمہارے آزاد شدہ ہیں کہ انھیں مولائی کا خطاب کرو ۔ ان کے اس ترجمہ پر حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ پہلے حضرت سالم کو سالم ابن ابی حذیفہ سے پکارتے ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر انہیں سالم مولیٰ ابی حذیفہ (رضی اللہ عنہما) سے پکارا جاتا جیسا کہ ابھی ہم نے شانِ نزول میں بیان کیا ہے وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اور تم پر کوئی گناہ نہیں ۔ جناح بمعنے اثم یعنی گناہ ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ؛

جنحت السفينة ۔ (کشتی ایک طرف جھکی)

اور اثم اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کا حق سے دُوسری طرف میلان محسوس ہو ۔ لیکن بعد میں ہر گناہ کو جناح کہا جانے لگا ۔ اور بعض نے کہا کہ یہ گناہ کا معرب ہے جیسے عرب کی عادت ہے کہ اس قسم کے الفاظ اپنے استعمال میں لاتے ہیں جیسے گوہر سے جوہر وغیرہ ۔

فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ اس کا ہمزہ قطعی ہے کیونکہ افعال کا ہمزہ قطعی ہوتا ہے یعنی جو کام تم نے نہی کے ورود کے باوجود کیا تو غلط کیا ۔ الخطاء یعنی کسی جہت سے ہٹ جانا ۔ خاطی و مخطی میں یہ فرق ہے کہ جو خطا کو خطا سمجھ کر عمل کرے وہ خاطی ہے اور جو لاعلمی میں کرے وہ مخطی ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے ؛

اخطاء الرجل فی کلامه و امره ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ڈگمگا سے ۔

اور کہتے ہیں ؛

خطاء الرجل ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی دین میں اور اس کے کسی فعل میں غلطی ہو جائے ۔ اسی سے ہے :

لا یاکله الا الخاطئون ۔ (اسے نہیں کھاتے مگر خطا کار)

وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ لیکن وہ جو تمہارے دلوں نے عمداً کیے۔ یعنی وہ گناہ ہے جو نہی کی ورود کے باوجود تمہارے دلوں نے عمداً برائی کی لفظ ما فی کا مجرور (محلاً) ہے اس لیے کہ اس کا ما اخطأتم پر عطف ہے یا ما تعمدت قلوبکم فیہ الجناح مرفوع علی الابتداء اور اس کی خبر محذوف ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
من دعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔
(جس نے خود کو غیر اَب کی طرف منسوب کیا حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ یہ غلط ہے تو اس پر جنّت حرام ہے)

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یعنی بہت بڑی مغفرت والا ہے۔ وہ خطائیں معاف کرکے رحم فرماتا ہے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سے سُنا وہ دعا میں کہہ رہا تھا:
اللھم اغفر خطایای۔
(اے اللہ! میری خطائیں معاف فرما)

آپ نے اسے فرمایا:
یا ابن آدم استغفر العمد واما الخطاء فقد تجاوز لک عنہ۔
(اے ابن آدم! ان گناہوں کی معافی مانگ جو تجھ سے عمداً ہُوئے خطائیں تو معاف ہو چکیں)

ف: فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ آیت و حدیث میں تناقض نہیں کیونکہ خطا کار سے مراد وہ ہے جو گناہوں کا ارادہ تو نہیں لیکن قصور ہوگیا یا ایسے اسباب سامنے آ گئے جو اس سے بلا قصد علی الاثم گناہ ہوگیا۔ ایسے خطاء کی معافی کی امید ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: متبنّی یعنی کوئی کسی کے لیے کہے یہ میرا بیٹا ہے جب وہ مجہول النسب ہو اور جس نے اسے بیٹا بنایا۔ سن میں یہ اس سے چھوٹا ہے تو اس کا نسب مدعی کے لیے ثابت ہو جائے گا۔

مسئلہ: کسی کا غلام اس سے آزاد ہوا اور اسے کہتا ہے یہ میرا بیٹا ہے تو فوراً آزاد ہو جائے گا، اگر وہ معلوم النسب ہے اگر مجہول النسب غلام ایسا ہے کہ اس جیسے سے ایسے سن والے بیٹے نہیں ہو سکتے تو نسب تو ثابت نہ ہوگا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلام بہرحال آزاد ہو جائے گا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا: اس صورت میں غلام آزاد نہ ہوگا۔

مسئلہ: جس نے کسی کو متبنّی بنا کر اس سے اپنے نسب کا انکار کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک

کوئی گناہ نہیں کیونکہ وہ اس کا حقیقی بیٹا تو نہیں کہ اس پر گناہ لازم آئے۔

مسئلہ: حقیقی بیٹے کے نسب کا انکار کرنا ہے تو اس پر لعان ہے کہ وہ اپنی منکوحہ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے اگر خود کو جھٹلائے تو اس پر حد (قذف) ہے۔ (لعان فقہ کا ایک مستقل باب ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ)

شانِ نبوّت حقیقی نسب وہ ہے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے کیونکہ آپ کا نسب تاقیامت غیر منقطع ہے۔ کیونکہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی۔

(جملہ حسب ونسب ختم ہو جائے گا سوائے میرے حسب ونسب کے)

ف: حسب سے فقرا اور فقر سے نبوت مراد ہے۔

سبق: ترکِ سنّت کرکے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قطع رحم (تعلق) نہ کیا جائے۔ آپ کی سنّت وسیرت پر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ مجازی قطع رحمی سے حقیقی قطع رحمی کا بہت زیادہ گناہ ہے۔

انتباہ بسا اوقات کفر ومعصیت قطع رحمی کا سبب بنتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان جاھدٰک علی ان تشرک بی الخ

اگرچہ تیرے ماں باپ تجھے شرک کرانے کی جدوجہد کریں ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: جب قریبی رشتہ دار میں تقویٰ و دینداری نہ ہو تو اس سے قطع رحمی بہتر ہے نہ کہ اس سے قُربت کی وجہ سے محبت کی جائے۔

لیکن رحمِ حقیقی کا انقطاع تو ممکن ہی نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اب حقیقی وہ ہے جو رحم قلب سے نشاۃ ثانیہ یعنی عالمِ ملکوت میں تولید پر قادر ہوں اور وہ ہیں انبیاء اور ان کے وارثین کامل اولیاء۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے اور اپنی ایسی نسبت قائم فرما جو دنیا و آخرت میں کبھی منقطع نہ ہو۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل تقی ونقی ولی۔

(ہر تقی نقی میری اولاد ہے)

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی آل سے بنائے۔ آمین)

تفسیر عالمانہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں اہلِ ایمان کو ان کی جانوں سے۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں فلان ادنی بکذا بمعنی احری والیق یعنی لائق تر۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرما کر لوگوں کو اس کے لئے اعلان فرمایا تو انہوں نے کہا؟ ہم اپنے والدین سے مشورہ کرلیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں مومنوں کے لیے جملہ امورِ دین و دنیا میں ان کے نفسوں سے جیسا کہ اس کا اطلاق بتاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی کام کے لیے بلائیں اور ان کے نفوس اس کے خلاف چاہیں تو نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں اس امر کی اجابت کے جو ان کے نفوس چاہتے ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام انھیں اس طرف بلاتے ہیں جس میں ان کی نجات اور کامیابی ہے بخلاف ان کے نفوس کے کہ ان کا بلانا کبھی خسارہ و ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا قول حکایتاً بیان فرمایا:

ان النفس لامارۃ بالسوء۔ بے شک برائی کا بہت بڑا حکم دینے والا ہے

اسی لیے نبی علیہ السلام انھیں ان کے نفوس سے زیادہ محبوب ہونے چاہئیں اور ان کا حکم ان میں زیادہ موثر ہو بلکہ اپنے جملہ حقوق میں ان کے حکم کو زیادہ ترجیح دیں کیونکہ ان کی شفقت ان کے لیے اپنے نفوس کے بہ نسبت زیادہ ہے اسی لیے اپنے نفوس کو ان پر قربان کردیں اور جملہ حروب و مصائب میں خود کو ان پر فدا کردیں۔ ان کی دعوت پر لبیک پکاریں یعنی ان کے ہر فرمان کو اپنے لیے ضروری اور فرض سمجھیں۔

حدیث شریف ۱ مع شرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میری اور تمہاری مثال اس شخص کی ہے جو آگ جلائے تو اس کے ارد گرد پروانے اور کیڑے جمع ہوجائیں۔ الجنادب، جندب کی جمع ہے۔ جندب (بضم الجیم وفتح الدال وضمہا) سے مراد ٹڈی کی ایک قسم ہے۔ الفراش فراشۃ کی جمع ہے۔ الفراشۃ بفتح الفاء ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو اڑ کر آگ میں گرتا ہے (جسے پروانہ کہا جاتا ہے) اور وہ اس میں واقع ہوتے ہیں اور وہ انہیں آگ سے ہٹاتا ہے، اور میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں۔ الحجز (بضم الحاء وفتح الجیم) حجزہ کی جمع ہے بمعنے مقعد الازار۔ حجزۃ السراویل یعنی التکہ کی جگہ۔ اور تم مجھ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہو تاکہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرکے جہنم میں داخل ہوجاؤ۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر مومن کا دنیا و آخرت میں میں شفیق تر ہوں ان کے نفسوں سے اور ان کے

آبا سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۳ تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس اور اس کی اولاد اور اس کے مال اور تمام لوگوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے فرمایا:

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ کا ارشاد من لم یر نفسه فی ملك الرسول ولم یر ولایته علیه فی جمیع احواله لم یذق حلاوة سنته بحال۔ (جس نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہ سمجھا (کیونکہ آپ کی ہر وقت ہر امتی جمیع احوال میں ملکیت حاصل ہے) تو اس نے سنت کی چاشنی نہ چکھی۔ (روح البیان ج ۷ ص ۱۳۹) ؎

۱ در دو عالم غیب وظاہر اوست دوست
دوستیٔ دیگراں بر بوے اوست

۲ دوستیٔ اصل باید کرد و بس
فرع را بہر چہ دارد دوست کس

۳ اصل داری فرع گوہر کن مباش
تن بمان وجان بگیر اے خواجہ تاش

ترجمہ: (۱) دونوں جہانوں میں یعنی غیب وشہادت میں دوست ہی دوست ہے دوسروں کی دوستی اسی کی خوشبو سے ہے۔

(۲) دوستی اصل سے کرنی چاہیے اور بس، فرع سے محبت اور دوستی کا کیا فائدہ!

(۳) جب تیرے پاس اصل ہے تو فرع کو خیر باد کہہ دے۔ اصل کو جان، دل سے حاصل کر اے بندۂ خدا!

مذہب اہل سنت اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ قیاسات و آراء سے کتاب و سنت کی اتباع مقدم ہے جیسا کہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ اور آپ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں ان کی تعظیم وتکریم اور تحریم نکاح میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

ولا ان تنکحوا ازواجه من بعدہٖ ابدا۔

(اور ان کے وصال کے بعد ہمیشہ تک ان کے ساتھ نکاح نہ کرو)

مسئلہ: اس کے سوا باقی مسائل ہیں۔ مثلاً ان سے خلوت (تنہائی میں بیٹھنا) اور ان کے ساتھ سفر کرنا اور ان کی میراث اجنبیہ کی طرح ہیں اسی لیے بلا پردہ انھیں نہیں دیکھنا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء الحجاب۔

(اور جب تم ان سے کسی شے کا سوال کرو تو پردے کی اوٹ میں سوال کرو)

مسئلہ: ان سے خلوت اور سفر کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: وہ اہلِ ایمان کی وارث نہیں ہو سکتیں اور نہ وہ ان کے وارث ہو سکتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عجیب موقف

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ ایمان صرف بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محرم سفر ہیں نہ کہ دیگر ازواجِ مطہرات کے۔ اس کی وجہ ہم نے سورۂ نور قصۂ افک میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔

مسئلہ: اس سے ظاہر ہُوا کہ یہ تحریم صرف نکاح تک محدود ہے اسی لیے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، ہم مردوں کی مائیں ہیں نہ کہ عورتوں کی۔

مفسرین کی غلطی کا ازالہ

اس سے بعض مفسرین کی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مردوں اور عورتوں سب کی مائیں ہیں۔

مسئلہ: جب ثابت ہُوا کہ یہ امومت خاص ہے تو اس اعتبار سے ان کا قبیلہ بھی محرم نہیں مثلاً ان کی بنات کو اخوات المؤمنین نہ کہا جائے گا اور نہ ہی ان کی بہنوں کو خالات المؤمنین اور ان کے بھائیوں کو اخوالُ المؤمنین[1] کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نکاح بی بی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہُوا۔ اگر یہ اصطلاح صحیح ہوتی تو ان کا بی بی اسماء کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا کیونکہ حضرت زبیر کی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں تو بی بی اسماء حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی خالہ ہُوئیں اور خالہ سے نکاح حرام ہے۔ نہ ہی انہیں کسی نے خالۃ المومنین کہا۔ (اس سے خال المومنین کی اصطلاح بھی غلط ٹھہری)

---

[1] اس معنیٰ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المومنین کہنا صحیح نہ ہوا جیسا کہ دیوبندیوں نے خصوصاً یہ اصطلاح گھڑ رکھی ہے۔ اور یہ بدعت بھی ہے کہ پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اویسی غفرلہٗ

مسئلہ: یہ حرمت نکاح بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کے پیشِ نظر ہے کیونکہ آپ کا احترام (ہر حالت میں) واجب ہے۔

مسئلہ: (ایسے ہی آپ کے کاملین ورثہ (اولیائے کرام) کا احترام بھی واجب ہے) اسی لیے بعض کامل اولیائے کرام نے فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ وہ مرشد کی زوجہ سے (ان کے وصال کے بعد یا ان کے طلاق دینے کے بعد) نکاح نہ کرے۔ ایسے ہی ہر شاگرد کا اپنے استاد کے احترام کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ ایسے نکاح میں دنیا و آخرت میں کوئی بھلائی نہیں۔ اگرچہ فتویٰ سے ایسا نکاح جائز ہے لیکن تقویٰ کے خلاف ہے۔ اور قاعدہ ہے:

التقویٰ فوق الفتویٰ۔ (تقویٰ فتویٰ پر فوقیت رکھتا ہے)

مومنین کے روحانی باپ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابی کے مصحف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ہے:

وھواب لھم وازواجہ امہاتھم۔

(اور وہ (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم) اہلِ ایمان کے باپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں)

اس میں آپ کی شفقت تمام اور رحمت عام کی طرف اشارہ ہے۔

ف: بعض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے لحاظ سے اہلِ ایمان کے باپ ہیں اس لیے کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیوں کہ وہی ان کے اصل اور ان کی حیاتِ ابدیہ کے سبب ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: مومن بھائی بھائی ہیں۔

اَبْ کے معانی

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اَبْ باپ کو کہا جاتا ہے۔ اسی لیے ایجاد الشیٔ اور اس کی اصلاح و ظہور کے سبب کو بھی اَبْ کہتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ ایمان کا اَبْ (باپ) کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امہاتھم۔

اور بعض قرأتوں میں وھواب لھم ہے۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا:

انا وانت ابو ھذہ الامۃ۔

(میں اور تم اس امت کے باپ ہیں)

اسی طرف دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا:

حدیث شریف کل سبب و نسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی۔
(ہر سبب و نسب قیامت میں منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب و نسب کے)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ اور رشتہ دار (قرابت والے) بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں۔

ناسخ و منسوخ ابتدائے اسلام میں مسلمان ایک دوسرے کی وراثت موالات فی الدین اور مواخات (بھائی چارہ) اور ہجرت کی وجہ سے حقدار بنتے تھے۔ وراثت قرابت داروں کو نہیں ملتی تھی جیسے صدقات تالیفِ قلوب کے طور پر تقسیم ہوتے تھے۔ ایسے ہی تقسیم وراثت کا مسئلہ تھا۔ جب اسلام کو تقویت ملی اور اہلِ اسلام کو غلبہ ملا تو ترکہ کی تقسیم قرابت پر ہونے لگی۔

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں۔ اس سے لوحِ محفوظ یا قرآن مجید مراد ہے۔

ف: یہ آیت آیۃ المواریث یا فیما فرض اللہ کی طرح ہے کقولہ کتاب اللہ علیکم اور یہ جار و مجرور اولیٰ کے متعلق ہے اور افعل التفضیل بھی جار مجرور میں عمل کرتا ہے (یعنی اس کا متعلق ہوسکتا ہے)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اہلِ ایمان یعنی انصار سے اور مہاجرین سے۔ یعنی وہ انصار و مہاجرین جن کے درمیان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔ مِن بیانیہ ہے یہ اولی الارحام کا بیان ہے یعنی اقربا ان میں سے ہیں کہ ان کے بعض دوسرے بعض کے وارث ہیں اور بہ نسبت غیروں کے یہی زیادہ حقدار ہیں۔ یا مِن صلہ کا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اہلِ ایمان کی وراثت میں قرابت والے قرابت کے لحاظ سے زیادہ حقدار ہیں نہ کہ بہ لحاظ دین اور ہجرت کے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ النبیّ اولیٰ الخ ان کی تولید میں نبی علیہ السلام زیادہ حقدار ہیں وازواجہ امہاتہم اور ان کی ازواج اہلِ ایمان کی مائیں ہیں اور امہات سے قلوب مراد ہیں یعنی نبی علیہ السّلام ان کے قلوب پر تصرف کا ایسے حق رکھتے ہیں جیسے ازواج اپنی زوجات پر تصرفات کا ایسے حق رکھتے ہیں جیسے ازواج اپنی زوجات پر تصرفات کے مالک ہوتے ہیں بشرطِ تسلیم کے تاکہ صلب نبوت سے ارحام القلوب میں نطفہ ولایت کا حاصل کریں جب وہ نطفہ ولایت کے حامل ہوں تو پھر وہ جملہ آفات سے ان کی حفاظت کریں تاکہ حُبّ دُنیا و شہوات کی معمولی سی بدبو سے وہ نطفۂ ولایت گر نہ جائے کیونکہ جب جنین (کچا بچہ) نطفہ ولایت سے پیدا شدہ آثار گر جائیں گے تو وہ پھر اپنی پچھلی حالت کی طرف عود کر آئیں گے گویا اس سے قبل وہ ایمان لائے ہی نہیں تھے۔ اس کے بعد

فرمایا : وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ یعنی نبی علیہ السلام کی اولویت کے بعد تعلیم و تربیت میں ان کے لیے وہ زیادہ لائق ہیں جو مومنین کے اکابرین کاملین ہیں جو اصاغر طالبین کی تربیت و اصلاح کریں ، فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ کی کتاب میں یعنی سنّت الٰہی اور اس کی تقدیر کے مطابق جو اس نے نشاۂ ثانیہ میں تولید کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مقرر فرمائی ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنین میں سے نشاۂ ثانیہ میں وَالْمُهٰجِرِیْنَ وہ جو ما سوی اللہ کو چھوڑنے والے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓىٕكُمْ مَّعْرُوْفًا مگر یہ کہ تم اپنے رشتہ داروں سے کوئی احسان و مروّت کرو ۔ یہ اولویۃ میں جس قدر منافع ہے اس سے اعم الاستثنا ہے ۔ جیسے تم کہتے ہو القریب اولٰی من الاجنبی الا فی الوصیۃ ۔ اس سے تمہاری مراد یہ ہوتی ہے قریبی رشتہ دار میراث و ہبہ و ہدیہ و صدقہ وغیرہ کے منافع کا زیادہ حقدار ہے سوائے وصیت کے ۔ اولیاء سے اس کے موالات و مواخات کے تعلق دار مراد ہیں اور معروف سے تہائی حصہ تک وصیت مراد ہے یا اس سے کم جتنا چاہے تہائی سے زاید وصیت جائز نہیں ۔ یعنی قریبی رشتہ دار ہر نفع کے حقدار ہیں سوائے وصیت کے کیونکہ وارث کے لیے وصیت کا اجراء نہیں ہوتا ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ میراث کے حق دار قریبی رشتہ دار ہیں نہ کہ بعیدی ۔ لیکن وصیت اجانب (غیروں) کے لیے ہے نہ کہ رشتہ داروں کے لیے ، کیونکہ وارثوں کا وصیت سے کوئی حق نہیں کَانَ ذٰلِكَ وہ جو مذکورہ دونوں آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے ؛

(۱) اولویت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) توارث اولوالارحام (رشتہ داروں کا وارث ہونا)

فِی الْكِتٰبِ کتاب میں ۔ یہ مَسْطُوْرًا ○ کے متعلق ہے ، لکھا ہوا ۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے : سطر فلان کذا (فلاں نے ایسے ایسے لکھا) یہ کتابت کے ایک وصف کا نام ہے یعنی وہ لوحِ محفوظ میں مثبت و محفوظ ہے یا قرآن میں لکھا ہے ۔

مسئلہ : مسلم و کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ۔ لیکن مال مسلم سے ذمی کافر کے لیے وصیت ہو سکتی ہے کیونکہ معاملات میں وہ بھی مسلم کی طرح ہے ایسے ہی بالعکس یعنی مسلمان کے لیے ذمی کافر کے مال سے وصیت کا اجراء ہو سکتا ہے ۔ اسی لیے بعض کہتے ہیں کہ اولیاءً سے مراد وہ رشتہ دار مراد ہیں جو غیر مسلم ہیں وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ مگر وصیت کا اجراء کرو رشتہ داروں کے لیے اگرچہ غیر مسلم ہوں اس لیے کہ غیر مسلم رشتہ دار اجنبی کی طرح ہے اسی لیے اس جیسے کے لیے وصیت جائز ہے ۔

مسئلہ : جمہور کے نزدیک وصیت امورِ خیر میں ہونی چاہیے تاکہ زندگی کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو سکے ۔

مسئلہ: وصیت کئی قسم ہے:

۱۔ وصیتِ مباح، جیسے غیر رشتہ دار اغنیاء کے لیے وصیت مباح ہے۔

۲۔ وصیتِ مکروہ، جیسے اہلِ معصیت کے لیے۔

۳۔ وصیتِ مستحبہ۔ جیسے ادائیگی کفارات وفدیہ صیامات وصلوٰۃ

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب نفس اخلاقِ مذمومہ سے پاک وصاف ہو کر اخلاقِ محمودہ اختیار کرلیتا ہے تو اس کی عداوت محبت سے بدل جاتی ہے اور اب وہ اعداء کی صف سے نکل کر اولیاء میں شامل ہو جاتا ہے پھر اولیاء کے موافق ہو کر نیک کام کرتا ہے اور انہی کے عادات وخصائل میں ڈھل جاتا ہے اور نفس کے بارے میں یہ نیکی اُم الکتاب میں لکھی ہوئی تھی مگر تزکیہ سے پہلے اس میں یہ بات نہ تھی اور نہ اس سے نرمی کا مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت نفس عداوتِ الٰہی میں تھا، اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کے ساتھ سختی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے پیار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لیے حربی کے لیے وصیت ناجائز ہے کیونکہ وہ اس کے اہل نہیں کہ اس کے ساتھ احسان کیا جائے یہ سانپ کو گھر میں پالنے کے مترادف ہے تاکہ وہ ڈسے۔ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ مثنوی میں لکھتے ہیں:

دست ظالم را ببرچہ جائے آن
کہ بدست او نہی حکم و عنان

ترجمہ: نفس ظلم کا ہاتھ کاٹ دے۔ اس کے ہاتھ حکم اور باگ پکڑا دینے کا کیا فائدہ!

تو بدان بزمانے اے مجہول داد
کہ نژاد گرگ او شیر داد
نفس بے عہدست کان رو کشتنیست
او دنی وقبلہ گاہ او دنیست

ترجمہ: اے مجہول اس سے انصاف کیا پائے گا یہ تو گرگ زادے کو دودھ پلانے والا معاملہ ہے۔ نفس بے وفا اسے ذبح کرنا چاہیے وہ خود بھی کمینہ ہے اور اس کا قبلہ گاہ بھی کمینہ۔

حکایت مجیر اُمِّ عامر کا قصہ اس جیسوں (دشمنوں مثلاً نفس) کے لیے مشہور ہے۔ ہوا یوں کہ بعض لوگ گرمی میں شکار کے لیے نکلے انہیں راستہ میں ام عامر الضبع[۲] ملی اس کے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ وہ ایک اعرابی (بدو) کے گھر میں گھس گئی۔ اعرابی باہر آیا، شکاریوں سے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: ہمارا شکار تیرے گھر میں گھس آیا ہے ہم اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ اعرابی نے

---

[۱] پناہ دینے والا [۲] بجو

کہا ، خبردار ! تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ اور تلوار لے کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا ۔ شکاریوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑا اور چل دئے ۔ اعرابی اٹھا ، اونٹنی کو دوہا ، دودھ اور پانی اس کے آگے رکھ دیا ۔ اس نے سیر ہو کر دودھ اور پانی پیا ۔ اعرابی ایسے ہی دودھ اور پانی سے اس کی تواضع کرتا رہا ۔ ایک دن اعرابی اپنے گھر میں کھڑا تھا کہ ضبع (بجّو) نے اس پر حملہ کر کے اس کا پیٹ چیر دیا اور اس کے خون سے خوب مزے لوٹے ۔ پھر اسے مردہ چھوڑ کر بھاگ نکلی ۔ اس کا چچا زاد آیا تو دیکھا کہ اس کا بُرا حال ہے ۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ساری کارروائی کفتار کی ہے ، تلوار لے کر اس کے تعاقب میں چل نکلا یہاں تک کہ اسے پا لیا اور اسے قتل کر ڈالا اور یہ اشعار پڑھے ؎

۱ ومن یصنع المعروف مع غیر اھلہ
یلاق کما لاقی مجیر ام عامر

۲ ادام لھا حین استجارت بقربہ
قراھا بالبان اللقاح الغزائر

۳ فقل لذوی المعروف ھذا جزاء من
غدا یصنع المعروف مع غیر شاکر[1]

ترجمہ :- (۱) جو غیر اہل سے احسان کرتا ہے اسے وہی ملے گا جو ام عامر کو پناہ دینے والے کو ملا ۔

(۲) وہ اس کے ساتھ رہا اور ام عامر کو اس نے پناہ دی اور بہترین بکریوں کا اسے دودھ پلایا ۔

(۳) احسان کرنے والوں کو کہہ دو کہ یہ اس کی جزا (سزا) ہے جو نااہل پر احسان کرتا ہے ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عنایت و توفیق کا سوال کرتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ اور یاد رکھیے اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنی قوم کو یاد دلانا چاہیے کہ یہ ذکر تمہارے سامنے ہو اور نہ بھولیے اس وقت کو جبکہ ہم نے رسالت عطا کرنے کے وقت جملہ انبیاء علیہم السلام سے لیا مِیْثَاقَهُمْ ان سے وعدہ ۔ المیثاق وہ پختہ عقد ہوتا ہے جس میں قسم بھی ہو یعنی یہ وعدہ لیا کہ وہ تبلیغ الرسالۃ اور دین حق کی دعوت دیں گے وَمِنْكَ اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ سے بھی وعدہ لیا تھا ۔

---

[1] حیوٰۃ الحیوان للدمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲

نکتہ : دوسرے انبیاء علیہم السلام سے پہلے آپ کا ذکر مبنی بر تعظیم ہے اور متنبہ کرتا ہے کہ آپ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں بلکہ جملہ مخلوق میں سب سے پہلے آپ ہیں[1]۔ اگرچہ بعث میں آپ انبیاء علیہم السلام سے بعد ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : انا سیّد ولد آدم ولا فخر۔

(میں جملہ اولادِ آدم (اور آدم کا بھی) سردار ہوں اور یہ فخر سے نہیں کہہ رہا) (بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں)

وَمِنْ نُّوْحٍ اور نوح علیہ السلام سے۔ نوح علیہ السلام شیخ الانبیاء اور طوفان کے بعد سب سے پہلے رسول آپ ہیں وَّاِبْرٰهِيْمَ اور ابراہیم علیہ السلام سے۔ آپ خلیل اللہ ہیں (علیہ السلام) وَمُوْسٰى اور موسٰی علیہ السلام سے، اور آپ کلیم اللہ ہیں (علیہ السلام) وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور عیسٰی بن مریم (علیہما السلام) اور آپ رُوح اللہ ہیں (علیہ السلام) ان جملہ حضرات کا دوبارہ ذکر اس لئے ہوا کہ یہ سب من النّبیّن میں داخل تھے صرف اظہار مزید فضیلت کے لیے اور ارباب شرائع (انبیاء) میں ان کی شہرت کی وجہ اور اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام بلند پایہ ہونے کے اعتبار سے، وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے ان سے لیا مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ ایفائے عہد کے لیے وعدہ پختہ اور مضبوط کہ وہ تبلیغ پیغامات اور ادائے امانات میں التزام کریں گے یہ عہد وہی ہے جس کا ذکر آیت کے اوّل میں ہے تکرار صرف میثاقا غلیظا کی وجہ سے ہے لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ یہ مضمر سے متعلق ہے اس بیان کے لیے لایا گیا ہے کہ اخذ المیثاق کا اصل مقصد کیا ہے اور اس کی غرض وغایت کیا اخذ نا کے متعلق نہیں اس لیے تذکیر میثاق کے بعد اصلی غرض اور مقصد کا اظہار ہے جیسا کہ تعبیر اسلوب بتاتا ہے کہ پہلے اسے جمع متکلم کے صیغہ سے پھر صیغۂ غیب سے بیان فرمایا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی نے ان حضرات سے یہ وعدہ اس لیے لیا تا کہ ہم قیامت میں ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق سوال کریں کہ اپنی قوم تک پیغامات پہنچانے میں سچے ہیں یا نہیں یعنی جو کچھ قوم نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں۔

قلم سے سوال مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالٰی قلم سے سوال کرے گا کہ تُو نے میری امانت سے کیا کیا؟ قلم عرض کرے گا : اے اللہ ! وہ امانت میں نے لوح کے سپرد کر دی تھی۔ پھر قلم

---

[1] ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون اویسی غفرلہٗ

کانپ رہا ہوگا کہ کہیں لوح اس کی تکذیب نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ لوح سے سوال کرے گا: کیا قلم درست کہہ رہا ہے؟ لوح عرض کرے گی: قلم نے درست کہا اس نے امانت میرے سپرد کی اور میں نے وہ اسرافیل علیہ السلام کو دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل سے پُوچھے گا کہ تُو نے میری امانت سے کیا کیا؟ عرض کرے گا: میں نے وہ امانت جبریل علیہ السلام کو دے دی تھی اللہ تعالےٰ جبریل علیہ السّلام سے پُوچھے گا تو وہ عرض کرے گا: میں نے انبیاء علیہم السّلام کو دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السّلام سے سوال کرے گا: میری امانت کہاں گئی؟ عرض کریں گے: ہم نے تیری مخلوق تک پہنچادی۔ یسألَ الصادقین عن صدقھم کا یہی مطلب ہے۔

سبق: جب انبیاء علیہم السلام سے سوال ہوگا تو پھر ہم تم کون لگتے ہیں کہ اس کے سوال سے بچ جائیں گے[1]

۱ دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوا العزم را تن بارزد ز ہول

۲ بجاے کہ دہشت خورد انبیا
تو عذر کنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: (۱) اس دن جو فعل و قول کا سوال ہوگا اس وقت اولوا العزم (پیغمبروں) کے جسم لرزاں ہوں گے۔

(۲) جہاں انبیاء علیہم السّلام دہشت زدہ ہوں اس دن تو کیا عذر رکھتا ہے اگر کچھ ہے تو لا شئے۔

نکتہ: انبیاء علیہم السلام سے سوال کہ وہ سچے ہیں کہ نہیں، واللہ اعلم۔ اس کی مراد کیا ہے لیکن ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس سے کافروں پر اتمامِ حجت اور ان کو ڈرانا دھمکانا مطلوب ہوگا۔ یہ معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والوں کے متعلق سوال ہوگا کہ اُنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی یا نہیں؛ اس لیے کہ صادق کا مصدّق بھی صادق ہوتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ صدق سے سوال کا کیا معنیٰ، وہاں تو اس کے صدق پر ثواب ملنا چاہیے نہ کہ الٹا اس پر سوال ہو۔

جواب: صدق سے یہاں کلمۂ شہادت کی تصدیق مراد ہے کہ ایسے ہی جو کلماتِ شہادت بولے گئے اور

---

[1] القرطبی ۱۲۔

ان کے شعائر ثابت ہوئے یعنی اس سے یہ سوال ہوگا کہ کیا تو نے ان کے احکام کو محقق کیا اور ان پر اخلاص سے عمل کیا اور سچا اور صحیح اعتقاد رکھا یا نہ۔ جیسا کہ امام راغب نے بھی یہی معنی کیا ہے کہ اس سے سوال ہوگا کہ زبان سے اقرار کے ساتھ اس کی تصدیق بھی کی تھی یا نہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ حکم کا صرف اعتراف کافی نہیں جب تک کہ اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہ کی جائے ؎

از عشق دم مزن چو نگشتی شہید عشق
دعوئے ایں مقام درست از شہادتست

ترجمہ: عشق کا دم نہ مار جب تو شہیدِ عشق نہیں۔ اس مقام کا دعویٰ صرف شہادت کے لائق ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

وقت ذکر غزو شمشیرش دراز
وقت کروفر تیغش چوں پیاز

ترجمہ: جنگ کی باتوں کے وقت تو تلوار دراز ہوتی ہے لیکن میدان میں اس کی تلوار پیاز سے بھی کمتر۔

ملفوظِ جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے اس صدق کا سوال کرے گا جو اس کے ہاں صدق ہے نہ کہ بزعم خویش خود کو سچا کہتا پھرے۔

واہ واہ جنید رضی اللہ عنہ یہ تفسیر جو حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے نہایت ہی لطیف تفسیر ہے کیونکہ مخلوق کے نزدیک صدق و اسلام کا مطلب تو آسان ہے لیکن حق تعالیٰ کے نزدیک بھی صدق و اسلام کا حق ہونا مشکل ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقی صدق و اسلام عطا فرمائے۔ آمین!

وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں یعنی رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے عَذَابًا اَلِيْمًا ○ دردناک و درد نما عذاب۔ اس کا عطف اس فعل پر ہے جو مضمر ہے اور وہ جس پر لیسأل الخ دلالت کرتا ہے۔ گویا فرمایا:

فاثاب المؤمنين و اعد للكفرين عذابا اليما۔

یعنی اہلِ ایمان کے لیے ثواب تیار فرمایا اور کافروں کے لیے عذاب دردناک۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ واذاخذنا من النبیین میثاقھم اور ہم نے انبیاء علیہم السلام سے ازل میں اس وقت وعدہ لیا تھا جب وہ کتمِ عدم میں مخفی تھے ومنك اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے حبیبیت کا ونوح اور نوح علیہ السلام سے دعوت کا وابراھیم اور ابراہیم علیہ السلام سے خُلت کا وموسٰی اور موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ کا وعیسی ابن مریم اور عیسیٰ علیہ السلام سے عبدیت کا وعدہ لیا واخذنا منھم میثاقا غلیظا اور ان سے ایفائے عہد کا سخت وعدہ لیا۔ لفظ غلیظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے تائید و توفیق للوفا سے ان سے پختہ وعدہ لیا یسأل الصادقین تاکہ ہم ان سے 'جو عہد ووفا میں سچے ہیں' سوال کریں عن صدقھم ان کے صدق سے جو انہوں نے سچ کہا تاکہ ان کے صدق کا اظہار ہو جائے۔ اسی لیے ان کی تعریف فرمائی:

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔

(اہلِ ایمان میں سے بعض ایسے ہیں جو معاہدہ کے سچے ہیں)

گویا یہ سوال تشریف (اظہارِ شرافت) کا ہے نہ کہ تعفیف (جھڑکنا) کا۔ یہ سوال ایجابی ہوگا نہ کہ عتابی۔ صدق یہ ہے کہ کسی حال میں غیریت کی ملاوٹ نہ ہو اور نہ کسی عمل میں عیب و نقص ہو اور نہ ہی اعتقاد میں شک کی کوئی گنجائش ہو۔ معاملات میں صدق کی علامت یہ ہے کہ بلا لحاظ مخلوق کے خلوص ہو اور احوال میں اتنی صفائی ہو کہ اس میں اعجاب کو دخل نہ ہو اور قول میں تعریض کا شائبہ تک نہ ہو اور مخلوق میں کسی قسم کی تلبیس و تدلیس (ہیرا پھیری) نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں حول وقوت سے دائمی خارج ہو جانا بلکہ وجود مجازی سے بھی اس شوق سے وجودِ حقیقی نصیب ہو اور کافرین یعنی ان منکرین کے لیے جو ان مقامات سے روگردانی کرنے والوں اور ان کرامات سے محروم ہونے والوں کے لیے عذابِ دردناک تیار کیا کہ انھیں ہمیشہ حسرتیں اور دل پر چوٹیں لگتی رہیں گی۔

ف: امام بقلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سوال سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو صادقین کے منازل سے روشناس کرائے کیونکہ بہت سے قلوب حسرت سے پگھل جاتے ہیں کہ ہائے ہم نے انھیں اور ان کی قدر و منزلت کو کیوں نہ پہچانا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلك یوم التغابن۔

(وہ حسرت کا دن ہے)

اور ان کے صدق سے مراد ان کے مقامِ محبت و اخلاص میں حق تعالیٰ کے ساتھ اسرار پر استقامت کرنا۔

ف: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ تم نے کسی کے لئے

اور کیوں عمل صالح کیے؛ عرض کریں گے تیرے لیے اور صرف تیری رضا کے لیے۔ فرمائے گا سچ کہہ رہے ہو۔
حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛ خدا تعالیٰ کی عزت کی قسم کہ جب اللہ تعالیٰ مشاہدہ میں فرمائے گا کہ تم نے سچ کہا، انھیں جنّت کی تمام لذتوں سے یہ کلمہ لذیذ تر محسوس ہو گا ؎

لذّت شیرینیٔ گفتار جانان لذتیست
کز دماغ جان کے بیرون شود پر حالتست

ترجمہ: محبوبوں کی شیرینیٔ گفتار لذیذ ہے وہ دماغ سے باہر کیسے ہو کیونکہ اس سے صرف دماغ ہی پر رہتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا کہ سب سے بڑا درجہ کون سا ہو گا؟ فرمایا کہ گفتار بحق اور کردار بحق۔

ف: مشائخ کہتے ہیں کہ صدق کے دو درجے ہیں؛

(۱) ظاہر
(۲) باطن

پھر ظاہر میں تین چیزیں ضروری ہیں:

(۱) دین میں تصلب
(۲) خدمت سنت
(۳) معاملات میں خشیت

اور باطن میں تین چیزیں ضروری ہیں:

(۱) جو کچھ زبان سے کہو اس پر عمل کرو۔
(۲) وہ دکھاؤ جو تم میں ہو۔
(۳) جو کچھ ہے وہ راہِ خدا میں لٹاؤ۔

ارشاد شیخ اکبر قدس سرّہٗ حضرت ابن العربی شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا حق تعالیٰ سے منہ سیاہ کیا جاتا ہے جو غیبت، چغلخوری، افشائے راز کا ارتکاب کرتا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے سچوں سے پُوچھے گا کہ میں نے کب کہا تھا کہ ایسے امور عمل میں لاؤ۔ اگرچہ بظاہر یہ باتیں سچ ہیں لیکن انہیں منہ پر نہیں لانا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ہر صدق حق نہیں ہوتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ
وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ
الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ
طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ
النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ
دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝
وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْــــُٔـوْلًا ۝ قُلْ
لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قُلْ
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا
يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ
الْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ۙ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ
فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ
الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ
يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ
يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ
اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ۧ

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے جب کافر تم پر آئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جبکہ ٹھٹک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آگئے اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے (امید و یاس کے) وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا ہمیں اللہ و رسول نے وعدہ نہ دیا مگر فریب کا اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے مدینہ والو یہاں تمہارے ٹھہرنے

کی جگہ نہیں تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اذن مانگتا تھا یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں اور وہ بے حفاظت نہ تھے وہ تو نہ چاہتے تھے مگر بھاگنا اور اگر ان پر فوجیں مدینہ کے اطراف سے آتیں پھر ان سے کفر چاہتیں توضرور ان کا مانگا دے بیٹھتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی اور بیشک اس سے پہلے وہ اللہ سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ کا عہد پوچھا جائے گا تم فرماؤ ہرگز تمہیں بھاگنا نفع نہ دے گا اگر موت یا قتل سے بھاگو اور جب بھی دنیا نہ برتنے دیئے جاؤ گے مگر تھوڑی تم فرماؤ وہ کون ہے جو اللہ کا حکم تم پر سے ٹال دے اگر وہ تمہارا بُرا چاہے یا تم پر مُہر فرمانا چاہے اور وہ اللہ کے سوا کوئی حامی نہ پائیں گے نہ مددگار بے شک اللہ جانتا ہے تمہارے ان کو جو اوروں کو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہماری طرف چلے آؤ اور لڑائی میں نہیں آتے مگر تھوڑے، تمہاری مدد میں کمی کرتے ہیں پھر جب ڈر کا وقت آئے تم انھیں دیکھو گے تمہاری طرف یُوں نظر کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں جیسے کسی پر موت چھائی ہو پھر جب ڈر کا وقت نکل جائے تمہیں طعنے دینے لگیں تیز زبانوں سے مال غنیمت کے لالچ میں یہ لوگ ایمان لاتے ہی نہیں تو اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے اور یہ اللہ کو آسان ہے، وہ سمجھ رہے ہیں کہ کافروں کے لشکر ابھی نہ گئے اور اگر لشکر دوبارہ آئیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ کسی طرح گانوں میں نکل کر تمہاری خبریں پُوچھتے اور اگر وہ تم میں رہتے جب بھی نہ لڑتے مگر تھوڑے۔

تفسیر عالمانہ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو!

شانِ نزول : مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ و بنو نضیر کے ساتھ صلح فرمائی اور ان سے عہد لیا کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے بلکہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ لیکن بنو نضیر نے معاہدہ توڑ دیا اور بنو نضیر یہود خیبر کا ایک قبیلہ تھا اور قریہ زہرہ میں سکونت رکھتے تھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے ہاں کسی کام کے لیے تشریف لے گئے آپ کے ساتھ خلفاء بھی تھے آپ ان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودیوں کی نیت بد تھی آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ان کا ایک آدمی مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر گرانے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے اس غلط منصوبے کی اطلاع کر دی تو آپ جلدی سے اٹھ کر مدینہ طیبہ کو چل دیئے۔ آپ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی اپنے قاصد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر فرمایا کہ

کہ اے یہودیو! میرے شہر مدینہ سے نکل جاؤ کیونکہ زہرہ بستی (جہاں یہودی رہتے تھے) مدینہ طیبہ کے حدود میں تھی یہودیوں نے وہاں سے نکلنے سے انکار کر دیا کیونکہ انھیں ان کے سردار حیی بن اخطب نے روکا تھا اور یہی بن اخطب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دشمنی میں ایسے تھا جیسے مکہ معظمہ میں ابو جہل۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تشریف لائے اور چھ دن رات ان کا محاصرہ فرمایا۔ اس سے ان یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُعب چھا گیا تو مجبوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلا وطنی کی درخواست کی اور سوال کیا کہ ہمیں امان دی جائے۔ آپ نے انھیں نکلنے کی اجازت عام فرمائی۔ ان میں سے بعض تو بلادِ شام میں سے اذرعات کو نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن ان کا سردار حیی سیدھا مکہ معظمہ پہنچ کر مکہ معظمہ کے لیڈروں سے مل کر کہا کہ تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرو ہم تمام (یہود) تمہارے ساتھ ہیں۔ دیکھ لینا ہمارے تمہارے اتحاد سے ان کی کیسی بیخ کنی ہوتی ہے (معاذ اللہ) مکہ معظمہ کے لیڈر خوش ہوئے۔ وہ تو پہلے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں جل بھن رہے تھے پھر وہ غطفان (محرکۃ، قیس کا قبیلہ) کی طرف آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے پر انھیں اُبھارا اور خبر دی کہ اس معاملہ میں قریشِ مکہ بھی ہمارے ساتھ ہیں بلکہ ان کے اور مختلف قبیلے اس کام میں ان کے حامی ہیں۔ یہ کہہ کر دار الندوہ میں جھنڈا لہرایا۔ احزاب میں کفار (قریشِ مکہ، غطفان، بنی مرہ، بنی اشجع، بنی سلیم، بنی اسد، یہود قریظہ و نضیر) کی مجموعی فوج بارہ ہزار افراد پر مشتمل ہو گئی۔ ان سب کا قائد ابوسفیان تھا قریشِ مکہ و دیگر کفار تیار ہو کر چلے تو خزاعہ کے سوار روانے چار راتوں میں سفر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ جنگ مدینہ کے باہر ہو یا شہر میں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم فارس میں جنگ کا خطرہ محسوس کرتے تو شہر کے اردگرد خندق کھودتے (اور یہ خندق فارسیوں کے کارناموں سے ہے) سب سے پہلے یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تیار کی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپ کے ساتھ تین ہزار انصار و مہاجر تیار ہوئے۔ آپ نے حکم فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا جائے۔ اور شہر کو ہر طرف سے خندق کے ذریعہ محفوظ فرمایا۔ وہ بھی ایک محفوظ قلعہ کی طرح ہو گیا اور اپنے لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ یوں متعین فرمائی کہ سلع پہاڑ لشکر کی پشت پر ہو اور خندق دشمن اور لشکر کے درمیان ہو۔ لشکر کو خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا خندق کا طول چالیس ہاتھ اور عرض دس ہاتھ ہو۔ اور ساتھ ہی صحابہ کرام کو نصرتِ الٰہی کی نوید سنا دی اور ساتھ ہی صبر کی تلقین فرمائی اور خندق کھودنے میں خود بنفسِ نفیس بھی کام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کھودی ہوئی مٹی اپنی پیٹھ مبارک پر رکھ کر باہر پھینکتے۔ یہ صحابہ کرام کی تسلی اور جہاد کی ترغیب کے طور پر تھا اور اسلام کے لیے یہ دور تنگی اور بھوک کا تھا۔ اور ہجرت کے

پانچویں سال ماہِ شوال میں یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ نے جب صحابہ کرام میں تھکان محسوس کی تو یہ شعر پڑھا ؎

اللھم لا عیش الا عیش الآخرہ
فارحم الانصار والمھاجرہ

ترجمہ: اے اللہ! سوائے آخرت کے اور کوئی عیش نہیں۔ انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجر و انصار خود ہی تیر تیار کرتے اور خود ہی کام میں مصروف رہتے کیونکہ اس وقت ان کے پاس نہ کوئی نوکر تھا نہ مزدور، کیونکہ تنگی کا دور تھا اور موسم سخت سرد تھا لیکن خندق کا کام نہایت خوشی اور فرحت سے سرانجام دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال دیکھ کر یہ شعر پڑھا: ؎

لاھمّ ان العیش عیش الآخرہ
فاکرم الانصار والمھاجرہ

ترجمہ: ہمارا کوئی مقصد نہیں سوائے آخرت کے عیش کے، اے اللہ! مہاجرین و انصار کا اکرام فرما۔

صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے جواب میں عرض کرتے: ؎

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجھاد ما بقینا ابدا

ترجمہ: ہم ہیں جنھوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے جب تک جان میں جان ہے ہم خدا کی راہ میں لڑتے رہیں گے۔

جب صحابہ کرام خندق کی کھدائی سے تھک گئے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھکان کا اظہار کیا تو آپ نے بہ نفسِ نفیس کدال لے کر خندق کھودنی شروع کر دی۔ ایک ہی ضرب سے خندق کا وہ حصہ پاش پاش ہو کر ریت کی طرح ہو گیا۔ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا کہ میں نے اپنی کدال لے کر ایک حصہ پر ماری تو وہ حصہ مجھ پر گراں ہو گیا (یعنی کھودا نہ جا سکا)۔ حالاں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ طاقت ور مرد تھے دس آدمی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ اسی لیے مہاجرین نے فخریہ کہا: سلمان ہمارا جوان ہے۔ انصار نے کہا: نہیں سلمان ہمارا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ کرم فرمایا:

سلمان منا اھل۔ (سلمان ہمارا ہے)

اسی لیے ایک شاعر نے کیا خوب کہا: ؎

لقد رقی سلمان بعد رقہ

منزلة شامخة البنیان

وکیف لا والمصطفیٰ قد عدہ

من اهل بیته العظیم الشان

ترجمہ : سلمان کے مرتبہ کو کیسی عظمت نصیب ہوئی باوجودیکہ وہ غلام تھے۔ شان بلند کیونکر نہ ہو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے اہلبیت میں شمار فرمایا۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کدال لے کر فرمایا: بسم اللہ۔ اور کدال سخت جگہ پر مارا تو وہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس سے یمن کی جانب سے ایسی روشنی نمودار ہوئی جیسے اندھیری رات میں چراغ روشن کیا گیا ہو۔ آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے فرمایا:

اعطیت مفاتیح الیمن واللہ انی لابصر ابواب صنعاء من مکانی الساعة کانھا انیاب الکلاب۔

(میں یمن کے خزانوں سے نوازا گیا ہوں بخدا ابھی اسی جگہ پر میں صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں گویا وہ کتوں کی داڑھ کی طرح ہیں)

پھر دوسری بار کدال مارا تو پہلے کی طرح شام کی طرف سے روشنی نمودار ہوئی تو آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا:

اعطیت مفاتیح الشام واللہ لابصر قصورھا۔

(میں شام کے خزانے دیا گیا ہوں بخدا میں اس کے محلات دیکھ رہا ہوں)

پھر آپ نے تیسری بار کدال مارا تو پتھر کا بقایا حصہ بھی ٹوٹ گیا، اس سے بھی فارس کی طرف سے نور نمودار ہوا تو آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے فرمایا:

اعطیت مفاتیح فارس واللہ لابصر قصورة الحیرة ومدائن کسریٰ کانھا انیاب الکلاب۔

(میں فارس کے خزانے دیا گیا ہوں بخدا میں حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دیکھ رہا ہوں، گویا وہ کتوں کی داڑھ کی طرح ہیں)

پھر آپ سلمان فارسی کے سامنے فارس کے مکانات کے نشانات سنانے لگے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ عرض کرتے:

صدقت یارسول اللہ ھذہ صفتہا۔

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سچ فرمایا، واقعی یہی ان کے صفات ہیں)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

ھذہ فتوح یفتحہا اللہ بعدی یاسلمان۔

(سلمان! یہ وہی فتوحات ہیں جو میرے بعد اللہ تعالیٰ فتح کرکے (میری امت کو عطا فرمائے گا)

یہ سن کر منافقین کی ایک ٹولی، جن میں معتب بن قشیر بھی تھا، نے کہا:

الا تعجبون من محمد یمنیکم و یعدکم الباطل ویخبرکم انہ یبصر من یثرب قصور الحیرۃ ومدائن کسریٰ وانہا تفتح لکم وانتم تحفرون الخندق من الفرق لاتستطیعون ان تبرزوا ای تجاوزوا الرحل وتخرجوا الی الصحرا وتذھبوا الی البراری ما ھذا الا وعد غرور ولما فرغ رسول اللہ من حفر الخندق علی المدینۃ۔

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب باتیں تو دیکھو کہ وہ تمہیں دلاسے دے کر خیالی باتوں کا وعدہ دے رہا ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ وہ مدینہ سے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دیکھ رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہیں اور اپنا حال یہ ہے کہ لوگوں سے خندق کھدوا رہا ہے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اس خندق سے ڈر کے مارے ایک گز بھی باہر نہیں جا سکتے اور نہ ہی جنگلوں کی طرف بھاگ سکتے ہو۔ یہ صرف دھوکے اور ڈھکوسلے ہیں اور بس!)

(حضور نے سُنی اَن سُنی کردی) کاشفی نے کہا:

چھ روز کے بعد یہ خندق مکمل ہوئی۔ جب قریشِ مکہ یہاں پہنچے خندق کو دیکھ کر کہا کہ یہ عرب کا کام نہیں بہرحال کفارِ مکہ مجمع الاسیال میں آ کر ٹھہرے ادھر بنی قریظہ نے حیی بن اخطب کے کہنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ معاہدہ توڑ دیا اور چاہا کہ وُہ شہر مدینہ شریف پر حملہ کر دیں اور ان کے اس ارادۂ بد کو پورا کرنے کے لیے قریشِ مکہ کا ایک گروہ بھی ساتھ تھا۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے نقضِ عہد کی خبر پہنچی تو صحابہ کے لیے پریشانی اور بڑھ گئی مدینہ طیبہ میں ٹھہرے ہوئے بچوں اور عورتوں کی فکر لاحق ہوئی ان کی حفاظت کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو بہادر بھیجے تاکہ دشمنوں سے دفاع کر سکیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خندق میں ایک ماہ ٹھہرے رہے۔ یہی قول سب سے قوی ہے۔ اس جنگ میں تیر برسائے جاتے یا پتھر پھینکے جاتے۔ اس کے سوا اور کسی دوسرے طریقے سے جنگ نہیں ہو سکتی تھی۔

دشمنوں کی شکست کے قصّے

نوفل بن عبداللہ نے جوش میں آکر گھوڑے کو خندق سے عبور کرنے کے لیے چابک مارا تو گھوڑے سمیت خندق میں گر پڑا۔ سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے خندق میں اتر کر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ایسے بڑے بڑے بہادروں نے زور آزمائی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اپنے گھوڑوں کو زبردستی خندق عبور کرانے کی کوشش کرتے لیکن کامیاب نہ ہوتے۔

عمرو بن ود اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مقابلہ

عمرو بن ود بڑا بہادر تھا۔ نوّے سال اس کی عمر تھی۔ خندق کے باہر سے اعلان کیا کہ میرا بالمقابل کون ہے؟ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جواب میں فرمایا: میں حاضر ہوں۔ عمرو بن ود نے کہا: بھائی! میں آپ کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن میں تجھے فی النار والسقر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر عمرو بن ود کو جوش آ گیا، بڑا غیور اور بہادر شخص مشہور تھا۔ گھوڑے سے اُتر کر تلوار نیام سے نکالی اور تلوار سورج کی طرح چمکتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا آپ نے اسے اپنے تیر سے روکا لیکن اس نے تلوار اتنے زور سے ماری کہ حضرت علی کے خَود کو چیر کر آپ کے سر مبارک تک پہنچ گئی۔ حضرت علی نے تلوار اس کی گردن کی جگہ پر ایسے زور سے ماری کہ عمرو بن ود کا سر پھٹ گیا۔ وہ گرا تو مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ود لعین کو قتل کر دیا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

لا فتیٰ الّا علی لا سیف الّا ذوالفقار۔

(نہ کوئی جوان بہادر سوائے علی کے اور نہ کوئی زبردست تلوار سوائے ذوالفقار کے)

جب عمرو بن ود مارا گیا تو کفار شکست کھا کر بھاگے۔

کتنے کافر مارے گئے

کشف الاسرار میں ہے کہ احزاب میں تین کافر مارے گئے اور مسلمانوں میں کوئی بھی شہید نہ ہُوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اس وقت اعلان کیا کہ کوئی میرے مقابلے کے لیے آئے، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو کر میدان میں آ گئے۔ جب عبدالرحمٰن نے باپ کا چہرہ دیکھا تو پیچھے ہٹ گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پُوچھا گیا کہ اگر تمہارا بیٹا واقعی جنگ کے لیے سامنے آجاتا تو؟ تو آپ نے فرمایا: اس مالک کی قسم جو یگانہ و یکتا ہے میں ضرور مقابلہ کرتا، میں اسے قتل کر دیتا یا وہ مجھے۔

عصر کی قضا کا بیان اسی خندق میں حضور نبی پاک اور صحابہ کرام کی ایک دن نمازِ عصر رہ گئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

شغلونا عن الصّلاۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر ملاء اللہ قبورھم و بیوتھم نارا ۔

(کافروں نے ہمیں نمازِ عصر سے باز رکھا اللہ تعالیٰ ان کی قبریں اور ان کے گھر آگ سے بھر دے)

اس کے بعد آپ نے ان کے لیے دارین کی بربادی کی دُعا کی ، دنیا میں یُوں کہ ان کے گھر برباد ہوں یعنی فتنوں میں مبتلا ہوں ، اسے نار سے استعارہ کیا اور مرنے کے بعد ان کی قبور آگ سے پُر ہوں ۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وعظ اور دعا برائے صحابہ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو فرمایا کہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی دعا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو ۔ اگر دشمن کا مقابلہ ہو تو صبر کرنا ۔ یقین کرو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے ۔ یعنی تلوار کی ضرب بہشت کے داخلے کا سبب ہے ۔

اس کے بعد آپ نے احزاب والوں کے لیے دعا کی :

اللھم منزل الکتٰب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وانصرنا علیھم و زلزلھم ۔

(اے کتاب نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے ! احزاب کو شکست دے ۔ اے اللہ ! انھیں شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما اور ان کو زلزلہ میں مبتلا فرما)

دیگر دُعا ایک اور دعا فرمائی :

اللھم یا صریخ المکروبین یا مجیب المضطرین اکشف ھمی وغمی وکربی فانک تری ما نزل بی وباصحابی ۔

(اے دُکھ والوں کے فریادرس اور پریشانوں کی پریشانی دور کرنے والے ! میرا غم وہم اور دُکھ دُور کرنا ، تُو دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر اور میرے یاروں پر کیا مشکل پڑی ہے)

صحابہ کا وظیفہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی : اس وقت ہم کیا پڑھیں جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری جان لبوں پر ہے ۔

آپ نے فرمایا : ہاں ، تم یہ دُعا پڑھو :

اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا ۔

(اے اللہ ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف وخطر سے امن دے)

دعا مستجاب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستجاب فرمائی۔ چنانچہ بدھ کے دن ظہر و عصر کے درمیان حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کافروں پر آندھی اور ایسے لشکر بھیجے گا جنہیں وہ دیکھ نہ سکیں گے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یاروں کو نوید سنائی تو وہ خوش ہوگئے۔ آپ اپنا دستِ مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر فرماتے تھے :

شکراً شکراً۔ (شکریہ، شکریہ !)

چنانچہ اگلے مضمون میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل مذکور[1] بیان فرمائی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

---

[1] بعض باتیں تفسیر میں مذکور نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہٗ عرض کرتا ہے : جس دن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ود قریشی کافر کو مارا۔ وہ دن بہت سخت حملے کا تھا۔ دشمن ہر طرف سے پتھر برسا رہے تھے اور مسلمان ڈٹ کر خندق کے اندر سے مقابلہ کر رہے تھے۔

تمام مسلمان خواتین کو ایک بڑی حویلی میں جمع کر دیا گیا تھا۔ یہ مکان یہودی قبیلہ بنی قریظہ کے محلہ کے قریب تھا بنی قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو اس طرف پھنسے ہوئے ہیں اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لیے قلعہ کے دروازے پر پہنچا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہودی کو دروازے کے قریب دیکھا تو معاملہ کو بھانپ گئیں۔ انھوں نے لکڑی کا ایک بھاری لٹھ اٹھایا اور اس کے سر پر ایسا مارا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر اس کا سر کاٹ کر دروازے کے سامنے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر بنی قریظہ سمجھے کہ یہاں بھی کچھ فوج ہے۔ اس لیے ادھر رُخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

یہودیوں کا محاصرہ کافی طول پکڑ گیا تو دشمن کے قبیلوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہی دنوں میں ایک رات ایسی آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اُکھڑ گئیں۔ کھانے کی ہانڈیاں چولھوں پر اُلٹ گئیں۔ ان واقعات سے دشمن سخت بددل ہو گئے اور ایک ایک کر کے واپس جانے لگے۔

یہ دیکھ کر قریش نے بھی محاصرہ چھوڑ دیا اور اس طرح بیس بائیس دن کے بعد مدینہ کی سرزمین دشمنوں کے وجود سے پاک ہو گئی۔ خیبر کے یہود اور مکہ کے قریش کی ناکامی کا اثر ملک پر بہت گہرا پڑا۔ مسلمانوں کی جنگی قابلیت کا سکہ عربوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔

اس لڑائی کو غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ خندق اس لیے کہ مدینہ کی حفاظت کے لیے خندق

(باقی برصفحہ ۴۵۹)

عَلَيْكُمْ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں۔ نعمتوں کو یاد کرنے سے اس کا شکر مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو اس نے تمہیں فتح و نصرت بخشی۔ اِذْ ظرف ہے نعمۃ کے لیے، جبکہ جَآءَتْكُمْ تمہارے پاس آئے جُنُوْدٌ کافروں کے لشکر آئے۔ اس سے وہ قریش و غطفان وغیرہ کے احزاب مراد ہیں عسکر (لشکر) کو جُند کہا جاتا ہے اس کے غلیظ ہونے کی وجہ سے دراصل جند وہ ارض غلیظہ جس میں پتھر ہوں۔ استعارۃً ہر مجمع کو جُند کہا جانے لگا۔

کہا جاتا ہے:

الارواح جُنْدٌ مُجَنَّدۃ۔ (ارواح ایک مجمع لشکر تھا)

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ تو ہم نے اسم قہار کی جانب سے رات کے وقت بھیجی۔ اس کا عطف جاءتکم الخ پر ہے۔ رِیْحًا بادِ صبا۔ یہ ہوا مشرق سے اور دبور مغرب سے چلتی ہے۔

بے ادبی کی سزا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بادِ صبا نے دبور سے کہا چلئے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی مدد کریں۔ جواب دیا کہ آزاد ہوائیں رات کو نہیں چلتیں۔ (گویا اس سے اس نے اپنی بڑائی دکھائی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کا شائبہ ہوا) اللہ تعالیٰ دبور پر ناراض ہو گیا کہ اسے تا دمِ زیست عقیم (فائدہ سے محروم) بنا دیا۔

حدیث شریف اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نصرتُ بالصبا و اھلکت عاد بالدبور۔ (میں صبا سے مدد دیا گیا اور عاد کی قوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۸)

کھو دی گئی تھی۔ اور احزاب اس لیے کہ بہت سی فوجیں متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی تھیں۔

غزوۂ خندق کے موقع پر یہودیوں کے آخری قبیلہ نے بھی غداری کی، مکہ کے کافروں کا باقاعدہ ساتھ دیا اور پھر عورتوں کے قلعہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ دونوں جُرم ناقابلِ معافی تھے۔ کفار کی طرف سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے بنی قریظہ کو گھیر لیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر ان کے سرداروں نے ہتھیار ڈال دئے۔

اب سوال یہ تھا کہ یہودیوں کے اس آخری قبیلے سے کیا سلوک کیا جائے۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارا فیصلہ سعد بن معاذ سے کرایا جائے۔ فیصلہ کی تفصیل آگے آئے گی اِن شاءُ اللہ۔

(اویسی غفرلہٗ)

دبور سے تباہ وبرباد ہوئی)

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ایسا لشکر جسے تم نے نہ دیکھا۔ اس سے فرشتے مراد ہیں جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔

غزوۂ خندق میں مشرکین کی تباہی وبربادی

مروی ہے کہ رات کو سخت سرد ہوا چلی جو صرف مشرکین کے لشکر تک محدود رہی، سردی کے علاوہ ان کو گرد وغبار سے بھر دیا۔ ملائکہ نے خدا کے حکم سے ان کے خیموں کی میخیں اکھاڑ دیں، جن سے طنابیں کٹ گئیں اور آگ بجھ گئی، ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے دلوں پر رُعب چھا گیا اور فرشتوں نے ان کے لشکر کے اردگرد نعرۂ ہائے تکبیر بلند کئے اور ہتھیاروں جیسی آوازیں ان کے کانوں میں ڈالیں۔ اس سے ان کے گھوڑے بدکتے ہوئے بھاگے۔ اس پر ہر قبیلے کا سردار پکار کر کہتا: ادھر آؤ۔ جب ایک جگہ جمع ہو گئے بالاتفاق کہا:

النجاء النجاء۔ یعنی یہاں سے جلدی نکلو۔

اُنھوں نے یہ سمجھا کہ ان پر جادُو چل گیا ہے۔ اس طرح جنگ کے بغیر شکست کھا کر رات کے وقت بھاگ نکلے اور جو سامانِ حرب وغیرہ ساتھ لائے تھے سارے کا سارا وہیں چھوڑ گئے (جو مسلمانوں میں مالِ غنیمت بن کر تقسیم ہُوا)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ اور اللہ تعالیٰ اس عمل کو جسے تم کرتے ہو، مثلاً خندق کھودنا اور سامانِ جنگ کا مرتب کرنا۔ بصیرا دیکھنے والا۔ اسی لیے جو کچھ کیا اس پر تمہاری مدد فرمائی اور ان کے شر سے تمہیں بچایا۔ اس لیے تمہیں اس کا شکر کرنا چاہیے کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے زبان سے، دل سے، اعضائے اس کا شکر کرو۔

ف: زبان کا شکر یہ ہے کہ ہمیشہ خدا کو یاد کرو جب اس کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہو تو فوراً کہو الحمد للہ۔ دل کا شکر یہ ہے کہ خلقِ خدا کی خیر چاہو کسی کی نعمت پر حسد نہ کرو۔ اور اعضاء کا شکر یہ ہے کہ ہر عضو کو اس کام میں لگاؤ جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو آخرت کے لیے پیدا کیا ہے ؎

عطا ایست ہر موے ازو برتنم
چگونہ بہر موئے شکرے کنم

ترجمہ: میرے جسم پر ہر بال اس کی عطا ہے تو ہر بال کی نعمت کا شکر میں کس طرح ادا کرسکتا ہُوں!

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ظاہری باطنی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے:

(۱) اس نے ہمیں کتمِ عدم سے نکال کر وجود بخشا۔

(۲) عدم سے نکالنے کے بعد ارواح طاہرہ انسانیہ مع احسن تقویم جیسی صورت عطا فرمائی، نہ حیوان بنایا نہ نباتات اور نہ جمادات۔

(۳) یوم میثاق میں "الستُ بربکم" کے خطاب سے نواز کر اس کے سننے کی اور سن کر صحیح جواب دینے کی بھی توفیق بخشی۔

(۴) قالبِ انسانی میں بھیجنے کے وقت نفخہ خاصہ سے نوازا تاکہ یہ بمنزلہ سماویہ وکوکبیہ وجنیہ وشیطانیہ وناریہ و ہوائیہ، ارضیہ، نباتیہ، حیوانیہ وغیرہ کے نہ ہو اسی لیے خصوصیت سے مقام انسانیہ میں مقام بخشا۔

(۵) اپنے دستِ قدرت سے انسان کے ڈھانچے کا گارا خود تیار کیا پھر ارحام میں اسے خصوصی صورت کا نقش دیا اور بہترین ڈھانچہ تیار کر کے اس میں رُوح پھونکی۔

(۶) انسانی روح کی خصوصیت کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کما قال: من روحی۔ یہ وہ شرافت وعظمت ہے جو کسی بھی ملک مقرب کو نصیب نہیں ہوئی۔

(۷) ماں کے پیٹ سے نکالا جہاں کوئی علم نہ تھا کہ کیا ہوگا، پھر خصوصی الہامات سے دنیا کی معاش کے اسباب بتائے۔

(۸) فجور وتقویٰ کا الہام فرمایا تاکہ قیامت میں لوٹنے سے پہلے تم صحیح اور سیدھا راستہ پا سکو۔

(۹) تمہارے ہاں انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے تاکہ تمہیں ظلماتِ خلقیہ سے نکال کر نور خالقیۃ تک پہنچائے۔

(۱۰) ایمان، ایقان، احسان، عرفان، عیان، عین کی دولتیں بخشیں بلکہ ہر سوال کے مطابق عطا بخشی۔

انعامات کا سرتاج انعام ہے ویسے اس کی اتنی نعمتیں ہیں کہ ہم انھیں گن نہیں سکتے۔ اس نے نعمت کو اس کی عبودیت میں استعمال کرنے کا بھی طریقہ بتایا ہے تاکہ نعمت کے شکر کی ادائیگی ہو اور وہ شکر نعمت رؤیت نعمت کا نام ہے اور رؤیت نعمت یہ ہے کہ اس دینے والے نے اس کی ادائیگی کی توفیق بخشی ہے کہ یہ عقیدہ دیا ہے کہ ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور شکر انسانی منتہی ہے اپنے میں ادائیگی شکر کے عجز کا اظہار بھی ادائیگی شکر ہے۔ اور یہ بھی ادائیگی شکر ہے کہ سابق زمانہ میں جو اس نے تم سے کئی طرح کی بلاؤں اور مصائب ومشکلات کو دفع فرمایا منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جس کا ذکر اذ جاءتکم الخ میں ہے کہ اے انسان! جب تیرے پاس شیاطین اور صفات نفس وصفات دنیا کے لشکر اور دنیا کی زینت نے تجھ پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر اپنے قہر کے روک تھام کرنے والے بھیجے اور ایسا لشکر اپنی حفاظت وعصمت کا بھیجا کہ جسے تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال مثلاً دنیا اور اس کی شہوات کی طرف تمہارے جھکاؤ کو دیکھتا ہے۔ وہی ان بلاؤں اور مصیبتوں کو بندے سے دفع کرے گا جس کا بندے کو علم تک نہ ہوگا

کیونکہ بہت سے امور میں بندہ مشغول ہوتا ہے اور وہ مشغولیت اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس سے اس کے نقصانات دفع کرتا ہے جن کا اسے علم تک نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بہت سے امور میں بندہ گھر جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کاش یہ آسان ہو جائے حالانکہ وہ آسانی اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اسی لئے اپنی رحمت سے بندے کو ان امور میں رکھ کر اس کا فائدہ کرتا ہے یہ اس کی خاص عنایت و رحمت ہے کہ بندے کو خبر بھی نہیں اور اس کے لیے خیر و بھلائی ہو رہی ہے ؎

۱ ہر چہ آمد ز آسمان قضا
بقضا می نگر بعین رضا

۲ خوش دل شو ز ماجرائے قلم
زانکہ حق از تو بحالت اعلم

ترجمہ: (۱) جو آسمان سے قضا آئے اسے عینِ رضا سے دیکھ۔

(۲) تقدیر کے قلم پر خوش دل ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال کو تجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِذْ جَآءُوْکُمْ یہ اذ جاء تکم الخ سے بدل ہے یعنی یاد کرو جب تمہارے پاس آئے مِّنْ فَوْقِکُمْ تمہاری اُوپر کی جانب سے یعنی وادی کی اعلیٰ یعنی مشرق کی طرف سے، اس سے بنو غطفان اور ان کے تابعین نجدی مراد ہیں۔ ان کا قائد عُیینہ بن حصین الفزاری اور عامر بن الطفیل تھا انہی کے ساتھ یہودی تھے وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ اور تمہاری نچلی طرف سے یعنی وادی کی غربی جانب سے۔ اس سے قریش مراد ہیں اور وُہ دیگر جماعات متفرقہ جو ان کے تابع ہو کر آئیں ان کا قائد ابو سفیان تھا۔

ف: نیز فوق سے آفاتِ سماویہ اور اسفل سے متولدات بشریہ مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ بھی منجملہ بلاء و قضاء ہیں۔

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ اس کا عطف ماقبل پر ہے اور یہ بھی تذکیر (یاد دہانی) کے احکام میں ہے۔ زیغ بمعنے استقامت سے جُھک جانا۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے وہ خوف بھی مراد ہو سکتا ہے جو انھیں کافروں کی وجہ سے ہوا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا نیز یرونہم مثلیھم رای العین کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ البصر عضو خاص جس سے انسان دیکھتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یاد کرو اس وقت کو جب تمہاری آنکھیں حیرت اور خطرے سے سیدھی نظر دیکھنے سے ہٹ گئیں جب تم نے کفار کی فوج اور اس کی کثرت کو دیکھا کیونکہ قریش مکّہ کے ساتھ اس وقت تین سو گھوڑے

اور پانچسو اُونٹ تھے۔

ف : بعض مفسرین نے کہا اس سے منافقین مراد ہیں کیونکہ وہی بہت زیادہ ڈرپوک تھے لیکن مؤمن بھی مراد ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ضعفِ انسانیہ کا تقاضا یہی ہے کہ مصائب و تکالیف کے وقت اس کی یہی حالت ہو اور یہ قوتِ یقین کے منافی نہیں اور نہ ہی کمال اعتماد علیٰ رب العالمین کے خلاف ہے جیسا کہ آنے والے مضامین بتاتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دُوسرے مقام پر فرمایا :

حتیٰ یقول الرسول والذین اٰمنوا معہ متیٰ نصراللہ ۔

(یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مومنین کہتے کہ اللہ تعالےٰ کی مدد کب آئے گی)

جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزرچکا ہے۔

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور پہنچ گئے قلوب حنجروں تک۔

حلِ لغات : الحناجر، حنجرہ کی جمع ہے منتہائے حلقوم اور کھانے پینے کے داخل ہونے کی جگہ یعنی رعب کی وجہ سے قلوب حلقوم تک پہنچ گئے اور غم لاحق تھا اور یہ عام ہے کہ جب پھیپھڑے غم اور گھبراہٹ سے پھولتے ہیں تو اُوپر اٹھنے سے دل بھی اوپر حلقوم تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ عموماً غلبۂ سودا سے خفقان کے مرض میں دیکھا جاتا ہے۔

ف : حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دل اپنی جگہ سے ہٹ گئے اگر ان کے آگے حلقوم نہ ہوتے تو وہ نکل کر باہر آجاتے۔

بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قریب تھا کہ دل یہاں تک پہنچ جاتے کیونکہ جب دل حلقوم تک پہنچ جائے تو انسان مرجاتا ہے اس معنیٰ پر یہ انسان کے اضطراب کی تمثیل ہے اگرچہ دل حقیقۃً حلقوم تک نہیں پہنچے۔

خوف کی وجہ اہلِ ایمان کو دو وجہوں سے خوف ہوا :

(۱) احزاب بہت سے گروہوں کے اتفاق و اجماع سے گھبرائے۔

(۲) اپنی اولاد کے لیے گھبرا گئے جو مدینہ طیبہ میں تھے کہ خدانخواستہ اگر بنو قریظہ بھی عہد توڑ کر اپنے بچوں پر حملہ کردے تو پھر کیا ہوگا ایسے ہی خود بھی شدید سردی کے علاوہ بھوک میں مبتلا تھے جیسا کہ بعض صحابہ نے کہا : ہم نے تین دن تک کچھ نہ کھایا اور بھوک سے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیٹ مبارک پر پتھر باندھا۔

ازالہ وہم اور یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے منافی نہیں :

انی لست مثلکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ربی ویسقینی ۔

(میں تمہاری مثل نہیں میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں، میرا رب ہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

اس لیے کہ کبھی کبھی ثواب کے اظہار کی عظمت کی خاطر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام ایسے کر لیتے تھے۔

نکتہ بشریت بعض عارفین رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا بسبب بھوک کے نہ تھا بلکہ کمال لطافت سے تھا کہ کہیں آپ کی بشریت مبارکہ ملکوت کی طرف نہ چلی جائے بلکہ اسے ارشادِ خلق کے لیے یہاں زمین پر رہنا چاہیے (اور یہی بات حق ہے کیونکہ) جس کے دریائے فیض کے سامنے دُنیا و ما فیہا ایک قطرے سے بھی کم ہو اسے ایسی باتوں کی کیا ضرورت۔ لیکن ایسے مصائب و تکالیف کے وقت صبر سے کام لینا اس کا مقام ہے جسے رب رحمٰن کی عظمت حاصل ہو۔

در بزم احتشام تو سیارہ ہفت جام
بر مطبخ نوال تو با فلاک نہ طبق

ترجمہ: تیری باحشمت بزم میں سات ستارے ایک پیالہ ہیں۔ تیری عطا کے مطبخ میں ساتوں آسمان تیرا دستر خوان ہیں۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ اے وہ لوگو جو ایمان کے مدعی ہو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کرتے ہو **الظُّنُوْنَا** ○ مختلف قسم کے گمان، یہاں پر مخلصین اور وہ حضرات جن کے قلوب مضبوط اور وہ اللہ پر پورا یقین کرنے والے تھے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا کہ اس نے دینِ اسلام کو بلند کرنا ہے یا ہمارا امتحان ہے اسی کش مکش میں وہ حضرات ڈگمگانے سے خوف زدہ تھے اور انہیں خطرہ تھا کہ کہیں اُحد (جنگ) جیسا حال نہ ہو جائے۔ اور منافقین اور کمزور دل والوں نے وہی کہا جو مذکور ہوا کہ ہائے اب ہم نہ بچ سکیں گے یہ ان کا غلط خیال تھا۔

ف: اس جملہ کا عطف زاغت پر ہے لیکن مضارع کا صیغہ استحضارِ صورت اور دلالت علی الاستمرار کے لیے ہے۔

ف: الظنونا، السبیلا، الرسولا میں الف کا ہونا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ کے عین مطابق ہے کیونکہ اس میں ایسے تھا تو تا قیامت تمام قرآن مجید کے نسخوں میں اسی طرح رکھا گیا یعنی جب وقف ہوگا تو الف ہوگا وقف کے بجائے وصل یعنی آگے ملا کر پڑھا جائے گا تو الف نہ پڑھنا ہوگا۔ وقف و وصل میں الظنون بھی پڑھا گیا ہے یعنی اشباع کا ترک کر کے الف کو حذف کر دینا اور یہی اصل ہے اور الف بڑھانے کا قیاس یہ ہے ایسا الف زایدہ ہے اور صرف فواصل کی وجہ سے لایا جاتا ہے تا کہ قوافی سے تشبیہ ہو کیونکہ بلغاء قوافی میں الف کو فتح سے مشابہت کی وجہ سے الف کا اضافہ کرتے ہیں۔

هُنَالِكَ یہ مابعد کے لیے ظرف زمان یا مکان ہے اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ مکان سے زمان اور

زمان سے مکان مراد لیتے رہتے ہیں ۔ اب دونوں معنے ہوسکتے ہیں یعنی اس وقت ڈراؤنے وقت میں یا ڈگمگا نے والی جگہ میں کہ جہاں بڑے سمجھداروں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ رعب اور جنگ سے رکنے سے اہلِ ایمان کی آزمائش کی گئی یعنی ان کے ساتھ ایسے شخص جیسا معاملہ کیا گیا جس کا امتحان ہوتا کہ مخلص اور منافق کھل کر سامنے آجائیں اور یقین ہوجائے کہ ان میں پکا مومن کون ہے اور متزلزل کون وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۱۵

حل لغات : زلزال، زلت سے ہے بمعنے بلاارادہ کسی کا لڑھکنا ۔ زلۃ الرجل سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ ایسے ہی التزلزل بمعنے اضطراب ۔ ایسے ہی الزلزلہ بمعنے شدۃ الحرکۃ اور حروف کا تکرار معنی کے تکرار پر دلالت کرتا ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ حرکوا تحریکاً شدید او ازعجوا ازعاجا قویا یعنی اس لیے کہ خائف سخت قلق میں مضطرب ہوتا ہے اسی لیے وہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اسی لیے عجمی کہتے ہیں فلاں کو غصہ یا خوف یا شرمساری سے اپنی جگہ سے لے گئے ۔ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ یہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے بمنزلہ ان لوگوں کے جو این المفر کے سفر کا عزم رکھتے ہیں اور بے صبر لوگ سنن المرسلین سے ہٹ کر اوراق فرار کا تکرار کرتے ہیں ؎

آرام ز دل شد و دل از جاے
ہوش از سر رفت و قوت از پاے

ترجمہ : آرام تو دل سے ہوتا ہے لیکن دل اپنی جگہ پر نہیں ہوش سر سے گر گیا اور قوت پاؤں سے ۔

اعجوبہ یہ صحیح ہے کہ اس وقت جن کے دل میں کھوٹ تھا وہ بھاگ کر مدینہ (شہر) میں پہنچ گئے اور جن کے دل پختہ اور مضبوط تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ۔

ف : اگرچہ یہ حالت اضطرابی کا بیان ہے مگر یہ انہیں ابتداء میں تھا ۔ بعد کو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ مرحلہ آسان کردیا تو پھر ان کی یہ کیفیت نہ تھی ۔ ان سے غم کے بادل چھٹ گئے اور ان کے دلوں پر سکینہ کے چشمے پھوٹ پڑے پھر تو شاد و مسرور تھے ۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ ہے کہ غم دے کر خوشی بخشتا ہے لیکن صرف مخلصین کو ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : فرادیس اعلیٰ میں بہت بڑے درجات و منازل ہیں بندہ از خود وہاں نہیں پہنچ سکتا

جب تک مصائب و بلایا میں مبتلا نہ ہو نیز یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریتِ آدم کو ایک ہزار قسم کا بنایا ان سے ازراہِ محبت دنیا کو سنگار کر پیش کر دیا، جو دنیا کے عاشق تھے وُہ دنیا کے نقش و نگار اور زیب و زینت میں مست ہو گئے۔ صرف ایک گروہ ایسا تھا جس نے دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اس ایک گروہ کو ہزار قسم پر منقسم فرمایا ان کے سامنے آخرت کی بے شمار رنگینیاں اور نعمتیں پیش کیں۔ کہیں بہشتی درختوں کے سائے تو کہیں چھلکتا شراب اور کہیں حور و قصور، تو وہ ان کے شیفتہ ہو گئے۔ لیکن ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جس نے بہشت کی طرف معمولی سی بھی توجہ نہ کی بلکہ وہ اسی طرح عشق و محبتِ خداوندی میں سرمست کھڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے:

انك تعلم ما نريد۔ (تو ہی جانتا ہے جو کچھ ہم چاہتے ہیں)

اے اللہ! ہم بے زبان ہیں تُو ہی عالم الخفایا والاسرار ہے تو ہی خود جانتا ہے تُو ہمارا مقصود نہ ہے ؎

ما را ز جہانیاں شماری دگر ست
در سر بجز از بادہ خماری دگر ست

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو امتحان گاہوں اور ہلاکت گاہوں اور تکالیف کے جنگلات میں پہنچاتا ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو۔ ہم عوام تو ایسی تکالیف برداشت نہیں کر سکتے جیسے وہ حضرات برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسی تکالیف کو راحتِ جان سمجھتے ہیں اور اپنے محبوب سے یُوں عرض کرتے ہیں: ؎

۱ من کہ باشم بر تن رخت وفائے تو کشم
دیدۂ جمال کنم بار جفائے تو کشم

۲ گر تو بر من بہ تن و جان و دلے حکم کنی
ہر سہ را رقص کناں پیش ہوائے تو کنم

ترجمہ: (۱) میں کون ہُوں کہ تیری وفا کا دم بھروں۔ دیدۂ جمال سے سرشار ہوں اور جفا کا بوجھ اٹھاؤں۔

(۲) ہاں اگر تیرا حکم ہو تو جسم و جان اور دل تینوں رقص کرتے ہوئے تیرے حوالہ ہوں۔

ایسے حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولئك عبادی حقا (یہی میرے حقیقی بندے ہیں)

ف: درد کی قدر و قیمت وہی جانتا ہے جو درد کو سمجھتا ہے۔ جو اسے پہچانتا ہی نہیں اسے درد کی قدر د

منزلت کا کیا علم ہے۔

جامیا دل بغم و درد نہ اندر رہ عشق
کہ نشد مرد رہ آنکس کہ نہ این درد کشید

ترجمہ:۔ اے جامی! رہِ عشق میں غم اور درد دل میں نہ رکھ کیونکہ وہ کون سا مرد ہے جس نے اس راہ میں درد نہ اٹھایا ہو۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کی خط و کتابت

ابوسفیان نے غزوۂ احزاب سے بھاگنے کے بعد ایک خط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا:
"باسمك اللهم (اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں) مجھے قسم ہے لات وعُزّیٰ واساف و نائلہ اور ہبل کی کہ میں اور دوسرے گروہ محض اس لیے تمہاری طرف آئے تھے کہ تمہاری جڑ کاٹ کر ہی واپس آئیں لیکن تم نے ہمارا مقابلہ نہ کرنا چاہا اور پناہ لے کر خندق میں چھُپ بیٹھے۔ ایک روایت میں ہے کہ تم تو ایک لکردانی میں چھپے جسے اہل عرب نہیں جانتے وہ تو تیر و تلوار کے سایہ کو جانتے ہیں۔ (گویا اس نے اس سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بزدلی کا طعنہ دیا) اور جو کچھ تم نے کیا ہے ہمارے سامنے سے بھاگنے کا نمونہ ظاہر کیا اور ہمارا ملنا تمہارے لئے ایک سخت کام محسوس ہوا اب ہم تمہیں وہ دن دکھائیں گے جیسے اُحد کا دن دیکھا تھا۔"

اس کے جواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھا:

"ای بعد بسم الله الرحمٰن الرحیم، من محمد رسول الله الیٰ صخر بن حرب فقد اتانی کتابك وقد بما غرّك بالله الغرور اما ما ذکرت انك سرت الینا وانت لا ترید ان تعود حتی تستأصلنا فذلك امر یحول الله بینك وبینه ویجعل لنا العاقبة ولیأتین علیك یوم اکثر فیه اللات والعزی واساف ونائلة وحبل اذکرك یا سفیه بنی غالب۔"

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد، یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صخر بن حرب کی طرف خط ہے، تیرا خط آیا تجھے عرصہ سے دھوکہ ہے کیا تجھے یاد ہے کہ تو ایک دفعہ اس ارادہ پر آیا تھا کہ ان کی بیخ کنی کر کے لوٹوں گا۔ لیکن حکم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس نے ہمیں اچھا انجام بخشا تجھ پر ایک وقت آئے گا کہ تجھے تیرے بُت ملامت کریں گے اور میں تجھے یاد دلاؤں گا اے بنو غالب کے قبیلہ کے بے وقوف!)

ف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حق کی راہ میں سخت تکالیف برداشت کیں یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا اور اسلام کو وسعت ملی اور بہت سے ملک اسلام کے زیر تسلط آ گئے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ اور جب منافقوں نے کہا۔ اس کا عطف اذ زاغت پر ہے اور صیغہ مضارع (بمعنے ماضی) قول اور اس کی صورت کے استحضار پر دلالت کے لیے ہے وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور جن کے قلوب میں مرض ہے یعنی ضعیف الاعتقاد ہیں۔

سوال : منافقین اور مریض القلب میں کیا فرق ہے؟

جواب : منافق وہ ہے جسے تکذیب کے بعد شک بھی نہ ہو کہ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ غلط ہے۔ اور مریض القلب وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خير اطمأن به وان اصابته فتنة انقلب على وجهه۔ كذا فی اسئلة المقحمہ

(اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کنارہ پر کرتے ہیں اگر انھیں بھلائی (مال وغیرہ) پہنچے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں فتنہ (آزمائش) ہو تو وہ اپنے چہرے کی طرف لوٹ جاتے ہیں یعنی بدل جاتے ہیں)

اقسامِ مرض مرض بمعنے اعتدالِ خاص سے نکل جانا۔ یہ دو قسم ہے:

(۱) جسمانی

(۲) نفسانی

نفسانی جیسے جہل، بزدلی، منافقت و دیگر رذائل مخرب الاخلاق۔ اور منافقت و کفر کو مرض سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس میں یہ بیماری ہو وہ فضائل کے ادراک سے محروم رہتا ہے جیسے جسمانی مریض تصرف کامل سے محروم ہوتا ہے یا اس لیے کہ منافقت حیاتِ اُخرویہ کی تحصیل سے روکتی ہے۔ حیاتِ اُخرویہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

وان الدار الآخرة لهى الحيوان۔

(بے شک دارِ آخرت ہی حقیقی زندگی ہے)

یا اس لیے کہ منافقت میں نفس کا میلان اعتقادیات ردیہ کی طرف ہوتا ہے جیسے مرض جسمانی میں بدن مضرات (ضرر رساں اشیاء) سے خراب ہو جاتا ہے ایسے ہی روح اعتقادات ردی سے۔

مَاوَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ ہمیں اللہ و رسول نے ظفر و اعلائے دین کا جو وعدہ دیا تھا۔

ف: رسولہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ورنہ وہ تو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے کیونکہ انھیں آپ کی رسالت پر ایمان نہیں تھا اس لیے وہ رسولہٗ کیسے کہتے۔

اِلَّاغُرُوْرًا ۝ مگر دھوکہ (بالضم) بمعنے دھوکہ۔ اس کا قائل معتب بن قشیر اور اس کے متبعین۔ جیسا کہ گزرا۔ وَاِذْقَالَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ اور جب کہا ان کے ایک گروہ نے۔ اس سے اوس بن قیظی اور اس کے متبعین مراد ہیں۔ اور یاد کرو جب کہا ان کے ایک گروہ نے یعنی منافقین نے کہا یَآاَھْلَ یَثْرِبَ اے یثرب (مدینہ) والو۔ یثرب' مدینہ طیبہ کا ایک نام ہے تعریف اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اس میں تانیث بھی ہے۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے روکا تھا بلکہ فرمایا وہ طیبہ ہے' طابہ ہے اور مدینہ ہے۔ گویا آپ اپنے مدینہ پاک کے لیے یثرب کہنے کو مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ یثرب بروزن تفعیل تثریب سے ہے بمعنے ملامت۔ اکثر اس کا اطلاق مکروہ امور پر ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اس کی نفی فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم۔

چونکہ منافقین نے مخالفت کے طور مدینہ پر یثرب کا اطلاق کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت کے طور یثرب فرما دیا۔

یثرب کی وجہ تسمیہ حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عمالیق سے جو اس شہر میں آکر آباد ہوا اس کا نام یثرب بن عبیل بن مہلاییل بن عوص بن عملاق ابن لاود بن ارم تھا اور یہ عبیل وہی قبیلہ ہے جو جحفہ میں ٹھہرا' یہی اہلِ شام کا میقات ہے۔ چونکہ انھیں پانی بہا کر لے گیا اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

بعض نے کہا کہ یہ ثرب (بالتحریک) بمعنے فساد سے ہے۔ ہوا کی بدبو اور کثرتِ بخار کی وجہ سے یہ شہر فساد و ملامت سے مشہور تھا۔ اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

مدینہ طیبہ کی وجہ تسمیہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس کا نام طیبہ رکھا بروزن بصرہ۔

واہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اس شخص کے بارے میں' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پاک کی مٹی کو ردی کہے' یہ حکم ہے کہ اسے

تیس کوڑے مارے جائیں اور قید میں رکھا جائے ۔ اور فرمایا : ایسا بدبخت انسان گردن اڑا دینے کے لائق ہے جو اس مبارک مٹی کو ردی کہتا ہے جس میں خدا تعالیٰ کا محبوب آرام فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

من سمی المدینة بیثرب فلیستغفر اللہ فلیستغفر اللہ ھی طیبة ھی طیبة ۔

(جو شخص مدینہ کو یثرب کہے اسے چاہیے کہ دوبار استغفار کرکے دوبار کہے طیبہ طیبہ)

سوال : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یثرب کہا ہے چنانچہ فرمایا :

لا اراھا الا یثرب ۔

(میں تو اپنی ہجرت یثرب کی طرف خیال کرتا ہوں)

جواب : یہ آپ نے ورود سے پہلے فرمایا تھا۔

ف : اسے طیبہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جو بھی اس میں اقامت رکھتا ہے اس سے خوشبو محسوس کرتا ہے اور اس کی خوشبو میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس میں طاعون و دجال داخل نہیں ہوسکتے اور نہ اس میں جذام کی بیماری داخل ہوسکتی ہے بلکہ اس کی خاک مبارک جذام (کوڑھ) دفع کرتی ہے ۔ جذام بروزن غراب وہ بیماری ہے جو انتشارِ سودا کی وجہ سے تمام بدن میں پھیل کر اعضا اور ان کی ہیئات کو فاسد کردیتی ہے بلکہ بسا اوقات زخموں کے بڑھنے سے یہ بیماری اعضا کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیتی ہے (پناہ بخدا) اسے ہم کوڑھ کہتے ہیں۔

لَا مُقَامَ لَكُمْ اب یہاں تمہارا ٹھہرنا ممکن نہیں کیونکہ دشمن کثیر التعداد ہیں اور مختلف گروہ آئے ہیں غلبہ ان کو ہوگا احزاب سے لشکر کی کثرت مراد لیتے ہیں۔ مقام 'اذا قام بمعنے مصدر ہے فَارْجِعُوا فلهذا مدینہ کی طرف گھروں کو لوٹ جاؤ ۔ اس سے ان کی مراد بھاگنا ہے لیکن اسے رجوع سے تعبیر کیا تاکہ لوگ ان کی بات مان کر چل پڑیں اگر صاف بھاگنے کا کہتے تو ان کی مذمت ہوتی ۔ اسی لیے چند لوگ غزوۂ احزاب میں نہ آئے بوجہ منافقت اور اس مرض کے جو ان کے دل میں تھا اسی لیے موافقت صرف منافقین نے کی جو ان کے ہمنوا تھے ورنہ مخلصین اہل اسلام نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے اہل فساد اور مفسدین کی طرف جو قیامت تک اسی امت میں پیدا ہوتے رہیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نہجِ صواب پر رکھے اور ان میں سے بنائے جو حق و صبر کی وصیت کرتے ہیں ، ان سے نہ بنائے جو ہمیشہ تزلزل و اضطراب میں

رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ اور ان کا ایک گروہ نبی علیہ السلام سے اجازت مانگتا تھا۔ اس سے بنی حارثہ و بنو سلمہ مراد ہیں۔ يَقُولُونَ کہتے تھے۔ یستاذن سے بدل ہے۔ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۔ عورۃ (بجزم الواؤ) مبالغہ کے طور اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں کسی قسم کا خلل ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

عور المکان عورا۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی مکان میں خلل ظاہر ہو جائے اور اس میں دشمنوں اور چوروں کا خطرہ ہو۔ اور کہتے ہیں:

فلاں یحفظ عورته۔

(فلاں اپنے خلل کی حفاظت کرتا ہے)

اور عورت انسان کے عیوب والی اشیاء کو کہا جاتا ہے یعنی وہ اعضاء کہ جن کے کھل جانے سے شرم و عار محسوس ہو۔ اسی لیے عورتوں کو عورت کہا جاتا ہے کہ ان کا کھلے بندوں رہنا ان کے لیے شرم و عار کا موجب ہے۔ اور اسی سے ہے العوراء۔ کلمہ قبیحہ کو بھی کہتے ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمارے مکانات غیر محفوظ ہیں کوئی بھی ان میں آکر نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اسی لیے آپ ہمیں اجازت بخش دیں ہم گھروں کی مکمل حفاظت کر کے واپس آجائیں گے۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے بلکہ بہت زیادہ محفوظ اور ہر طرح سے امن کی جگہ پر تھے إِن يُرِيدُونَ اس اجازت سے نہیں ارادہ رکھتے تھے إِلَّا فِرَارًا ○ مگر بھاگنا جنگ سے۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم اگر ان پر داخل ہو جائیں۔ یہاں فعل کا اسناد ان کے بیوت کی طرف ہے کہ اس میں ان کا داخل ہونا فرض کیا گیا ہے نہ کہ مطلقاً داخل ہونا جیسے عبارت کا مفہوم ہے اگر اس میں جار و مجرور نہ ہوتا تو مِّنْ أَقْطَارِهَا (قطر (بالضم) کی جمع ہے بمعنے جانب یعنی جمیع کناروں سے نہ کہ بعض سے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں جن میں ہر مفسد اور خبیث داخل ہو سکتا ہے۔

ثُمَّ سُئِلُوا پھر مصیبت کے نزول کے وقت اس منافقین کے گروہ سے سوال کیا جائے الْفِتْنَةَ فتنہ یعنی مرتد ہونے اور رجوع الی الکفر کے متعلق، نہ کہ ایمان وطاعت کے متعلق لَآتَوْهَا تو اس کے ہاں آئیں گے کسی بھی ڈرانے والی شے سے نہ ڈریں گے وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا التلبث بمعنے دیر کرنا۔ جیسے التمکث۔ اس کا معنیٰ بھی یہی ہے یعنی وہ نہیں ٹھہریں گے فتنہ کے لیے جواب دینے میں إِلَّا يَسِيرًا ○

مگر تھوڑی دیر، اتنا وقت کہ جتنی دیر سوال وجواب ہُوا چہ جائیکہ وہاں معذرت کریں کہ ہمارے گھر محفوظ ہیں وغیرہ۔ جیسے اب کہہ رہے ہیں یہ صرف اسلام دشمنی اور اس کے ساتھ بغض رکھنے کا ثبوت ہے اور بس۔ انہیں کفر سے محبت اور کافروں پہ جان چھڑکنے سے خوشی ہوتی ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لیسیراً بمعنے آسان اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

وکان ذالك علی الله یسیرا۔

(اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے)

اور اس کا اطلاق تھوڑی سی شے پر بھی آتا ہے، جیسا کہ فرمایا :

وما تلبثوا بھا الا یسیرا۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں قلوب کی بیماریوں اور نفوس کی صحت کا ذکر ہے۔ ان دونوں (قلب ونفس) کی خاصیت ہے کہ جب انفیں ان کی اپنی حالتیں سپرد کی جائیں۔ مثلاً فساد الاعتقاد وسوء ظن باللہ ورسولہ اور نقض العہود اور تسویلات الشیاطین سے مغرور رہنا اور معاون الصدق سے بھاگنا اور حیل ومکائد (مکاریوں) سے چمٹنا اور جھوٹ بولنا اور بیکار عذر پیش کرنا خوف بشریہ اور بزدلی کے غلبات اور قلۃ الیقین اور قلت صبر اور اذیت پر کثرتِ جزع فزع وغیرہ۔ اگر ان سے بعد الاقرار بالتوحید ارتداد عن الاسلام والاشراک سے سوال کیا جائے تو اسے اختیار کریں گے بلکہ فوراً اس پر عمل کر دکھائیں گے معمولی سی دیر بھی نہ کریں گے یعنی فتنہ میں وقوع کے احتراز میں نہ ٹھہریں گے مگر تھوڑی دیر بلکہ فتنے کو قبول کرنے میں عجلت کریں گے اس لیے کہ ان پہ نفوس کے اوصاف اور ان کے غلبات کا تسلّط ہے اور ان کے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں اور ان پر غفلات کا ہجوم ہے اور جو اللہ تعالےٰ کی طرف جانے کا راستہ جانتا ہے تو اس پر چل پڑے اگر اس سے ہٹ کر پیچھے لَوٹ آئے گا تو اللہ تعالےٰ اسے ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ جہانوں میں اس جیسا کسی کو عذاب نہ ہوگا۔

ف : منافقین کے اقوال وافعال کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ انسان کو ہر راستہ پر چلنے کا اختیار دیا گیا ہے تو راستہ چلنے میں شرمائے تو وہ خود کو ملامت کرے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار و منافقین کی ہدایت واجب نہ تھی تو پھر آپ کے وارثین کاملین پر کیسے واجب ہے کہ لازماً تمام عاصیوں کو ہدایت دیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انما انا رسول ولیس الیّ من الھدایۃ شئ ولو کانت الھدایۃ الیّ لآمن کل من فی الارض وانما ابلیس مزین ولیس الیہ من الضالۃ شئ ولو

کانت الضلالۃ الیہ لاضل کل من فی الارض ولکن اللہ من یشاء ویھدی من یشاء)

(بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، ہدایت کُلی میرے سپرد نہیں کی گئی اگر ہدایت میرے ہاتھ میں ہو تو تمام روئے زمین والے مسلمان ہو جائیں۔ یاد رکھیے کہ ابلیس صرف بُرائی سنگار کر دکھاتا ہے گمراہی اُس کے ہاتھ میں نہیں اگر گمراہی میرے ہاتھ میں ہو تو روئے زمین پر کوئی بھی گمراہ نہ ہو۔ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے گمراہی دے جسے چاہے ہدایت بخشے) ؎

۱ مومن و کافر دریں دیر فنا
صورتے دارد ز نقش کبریا

۲ نقش گرچہ آمد از دست قضا
لیک میدان نقش را از مقتضا

ترجمہ: (۱) مومن و کافر اس فنا کی دیر میں نقش کبریا سے کوئی صورت رکھتا ہے۔
(۲) اگرچہ نقش دستِ قضا سے آتا ہے لیکن نقش کا میدان تقاضا کے مطابق اترتا ہے۔
اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَانُوْا اور وہ گروہ جنھوں نے مدینہ کو اپنے گھروں کی طرف لوٹنے کی اجازت چاہی اس سے بنو حارثہ و بنو سلمہ مراد ہیں عَاهَدُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا۔

حلِ لغات: العہد یعنی شے کی ہر آن حفاظت و رعایت کرنا اور اس پختہ پروگرام کو بھی عہد کہا جاتا ہے جس کی رعایت لازم ہو۔ اور المعاھدہ بمعنی المعاقدہ (ایک دوسرے سے عقد کرنا) تاج المصادر۔

مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے یعنی واقعۂ خندق سے پہلے۔ اس سے یوم اُحد مراد ہے۔ جب انھوں نے شکست کا ارادہ کر کے توبہ کی۔ پھر ان پر وہ آفات و بلیات نازل ہوئے جو سب کو معلوم ہیں (جیسے سورۂ آل عمران میں گزرا) لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے۔ یہ قسم کا جواب ہے کیونکہ عاھدوا بمعنی حلفوا ہے۔ الکواشی۔

حلِ لغات: التولیۃ بمعنے پیٹھ پھیرنا۔ دبر الشیٔ یعنی شے کا پچھلا حصہ۔ خلاف القبل یعنی اگلے حصے کی نقیض۔ اور اہلِ عرب کہتے ہیں:

ولاہ دبرہ بمعنی انہزم یعنی شکست کھائی۔

اب معنی یہ ہُوا کہ وہ دشمن کو پیٹھ کے پیچھے چھوڑ کر جنگ سے فرار اختیار نہ کریں گے اور نہ ہی شکست کھائیں اور نہ ہی اس طرح کا کردار ادا کریں گے جیسے اُحد میں کیا تھا۔ اب ان سے یہ اجازت طلبی کا واقعہ ہو گیا جو ایک قسم کا نقضِ عہد ہے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اور ہے اللہ تعالیٰ کا عہد سوال کیا ہُوا۔ اس کا مقتضیٰ مطلوب ہونا ہے، یہاں تک کہ پُورا کیا جاتے۔

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں :

سألت فلانا حقی۔

(میں نے اس سے اپنا حق مانگا)

یعنی میں نے اس سے مطالبہ کیا یا اس کے متعلق قیامت میں سوال ہو گا کہ کیا اس نے معاہدہ کو نبھایا یا اسے توڑ دیا۔ پھر اس پر جزا و سزا مرتّب ہو گی۔ اور یہ وعید ہے۔

حافظ نے فرمایا : ؎

وفا و عہد نکو باشد از بیاموزے
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ : وفا و عہد اچھی شے ہے اگر سیکھو، ورنہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے ہر کوئی ظلم کرنا جانتا ہے۔

اور : ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ : صبحِ ازل سے شامِ ابد تک دوستی و محبت ایک عہد و میثاق پر ہیں۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمائیے، تمہیں فرار ہرگز فائدہ نہ دے گا۔ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اگر تم موت سے بھاگو گے اَوِ الْقَتْلِ یا قتل ہونے سے۔ کیونکہ فنا و مرنا ہر ایک کو لازم ہے وہ بستر پر مرے یا تلوار سے، اس کا ایک وقت مقرر ہے جسے تقدیر کے قلم نے پہلے

لکھ دیا جو کسی حالت میں تبدیل نہیں ہوتا۔ قتل وہ فعل ہے جس سے رُوح جسم سے نکل جائے۔

ف : حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا : قتل بمعنے جسم سے رُوح کا نکل جانا (موت کی طرح) چونکہ روح کا نکلنا کسی خارجی سبب سے ہوا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے ، قتل (فلان)۔ اگر کسی خارجی سبب سے رُوح کا خروج نہ ہو تو کہتے ہیں مات (فلان)۔

ف : الحتف بمعنے مرنا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ایک کلمہ ایسا ہے کہ میں نے کبھی کسی عربی سے نہیں سنا سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے فرمایا :

مات حتف انفہ۔

اس کا معنیٰ ہے بستر پر مرجانا۔ گویا وہ ناک کے بل گر کر مرا ہے۔ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ مریض کی رُوح ناک سے ہی نکلتی ہے اگر زخمی ہو جائے تو رُوح زخم سے خارج ہوتی ہے۔

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ التمتیع نفع دینا۔ یعنی اگر تمہیں فرار کچھ نفع دے بھی تو تھوڑا سا نفع پاؤ گے لیکن وہ نفع نہیں پاؤ گے مگر تھوڑی مدت کے لیے۔

خلاصہ یہ کہ اگر جنگ سے بھاگ جاؤ گے تو بھی تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ایک عرصہ کے بعد بالآخر فنا کے شربت کا پیالہ پینا ہے اور موت کی گدڑی گلے میں ڈالنی ہے ؎

۱ کہ می نہد قدم اندر سرائے کون و فساد
کہ باز روے براہ عدم نمی آرد

---

۲ الموت کأس وکل الناس شاربہ
والقبر باب وکل الناس داخلہ

ترجمہ : (۱) جو بھی کون و فساد کی حویلی میں قدم رکھتا ہے وہ راہِ عدم کی طرف نہیں جاتا۔
(۲) موت ایک پیالہ ہے جسے سب لوگوں نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس میں سب نے داخل ہونا ہے۔

ف : جب دنیا کی عمر تھوڑی ہے تو پھر اس میں زندگی بسر کرنے والوں کی بڑی عمریں کیسے ہو سکتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ تم دنیا کی بہت بڑی عمر کو آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر سمجھو۔

حکایت ایک مروانی ایک دیوار سے تیزی سے گزرا جس کے متعلق احتمال تھا کہ یہ گرنے والی ہے۔ کسی نے اسے یہی آیت سنائی تو کہا کہ میں بھی اسی الّا قلیلا کا طالب ہوں۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ سیبویہ کا مذہب ہے کہ من استفہامیہ مبتدا اور ذا اس کی خبر۔ الّذی اس کی صفت یا بدل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کون ہے وُہ جو تمہیں بچائے۔ بعض نحویوں نے کہا کہ من خبر مقدم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کون ہے جو تمہیں بچائے۔

العصمۃ بمعنے الامساک والحفظ۔ مِّنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اگر وہ تمہارے لیے بُرائی کا ارادہ کرے۔ سُوْء سے وہ فعل مراد ہے جو انسان کو بُرا محسوس ہو اور اسے غم میں ڈالے۔ یہاں قتل و ہزیمت مراد ہیں۔ اَوْ اَرَادَ بِکُمْ یا تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے کہ تمہیں عافیت و نصرت وغیرہا بخشے۔ اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمہیں برائیوں سے بچالے۔ اسی لیے عصمت، فی السوء کو آثارِ رحمت کا قرینہ بنایا کیونکہ عصمت ہوتی السوء میں ہے کیونکہ اصل مطلب یہ ہے کہ کون ہے وہ جو تمہیں برائی پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے اس طرح سے کلام مختصر ہو گیا۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے:

متقلدا سیفا ورُمحا ای معتقلا رمحا والاعتقال اخذ الرمح بین الرکب و السرج۔

اعتقال بمعنے رکب و سرج کے درمیان تیر رکھنا۔ اور التاج میں ہے پنڈلی اور رکاب کے درمیان تیر رکھنا۔

وَلَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ اور نہیں پائیں گے اپنے لیے مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے سوا وَلِیًّا کوئی دوست جو انہیں نفع پہنچائے وَّلَا نَصِیْرًا ۝ اور نہ ہی کوئی مددگار جو ان سے ضرر اور نقصان کو دفع کرے۔

فوائد الآیۃ آیت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) موت ضروری ہے کسی نے کیا خوب فرمایا: عمر کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، موت آکر رہے گی۔ جب موت نے آنا ہی ہے تو اس کی طوالت کا کیا فائدہ! حضرت نوح علیہ السلام نے ایک ہزار سال دنیا میں زندگی بسر کی لیکن آج ان کو دنیا سے رخصت ہوئے پانچ ہزار[1] سال ہو چکے ہیں ؎

دریغا کہ بگزشت عمر عزیز
بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز

ترجمہ: افسوس عمرِ عزیز گزر گئی اور یہ باقی چند لمحات بھی گزر جائیں گے۔

---

[1] ہمارے دور میں کچھ صدیاں اوپر، کیونکہ روح البیان کی تالیف کا دور گیارھویں صدی کے آغاز کا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب انسان کی عمر چالیس سال ہو جاتی ہے تو غیبی پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ تیرے کُوچ کا وقت قریب آ گیا ہے فلہٰذا زادِ راہ تیار کر لے۔

ملفوظِ ثوری رحمہ اللہ حضرت شیخ ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا : جسے اللہ تعالیٰ نے عقل بخشی ہے اسے لازم ہے کہ جب اس کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے مطابق ہو جائے تو وہ اپنا کفن تیار کر کے رکھے۔

ملفوظِ حاتم اصم رحمہ اللہ حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے روزانہ ابلیس پُوچھتا ہے آج کیا کھاؤ گے، کیا پہنو گے، کہاں گزارو گے ؛ میں اسے جواب دیتا ہوں میں موت کھاؤں گا، کفن پہنوں گا، قبر میں ٹھہروں گا۔

(۲) جنگ سے فرار عمر کو بڑھاتا نہیں، اس سے بڑھ کر برا حال کس کا ہوگا جو اپنی موت کی میعاد اور رزق بڑھانے کی فکر میں ہے اور سب سے برا امیدوار وہ شخص ہے جو سمجھتا ہے کہ وہ تقدیر کے نوشتہ کو دفع کر دے گا۔ اسے پتہ نہیں کہ تقدیر کو ٹالنے والا کوئی بھی نہیں (عموماً ورنہ وہ خصوصی مواقع ہوتے ہیں جہاں بندگانِ خدا تقدیر ٹالتے ہیں)

ملفوظِ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : بہترین موت قتل (شہادت) ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں علی کی جان ہے ہزار تلوار کی دھار بستر کی موت سے بہتر ہے اگر قتل (شہادت) میں (جس سے انسان ڈر کے بھاگتا ہے) راحت از سکرات الموت نہ ہوتی تو اس میں اللہ تعالیٰ ثابت قدمی کی دولت نہ بخشتا اگرچہ اسے مابعد یعنی بہت بڑی کامیابی کا علم نہیں اور نہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اس لیے کہ شہید البحر کو کسی سکرات سے کسی قسم کا درد محسوس نہیں ہوتا اور شہید البر سکرات موت کا درد محسوس کرتا ہے صرف اتنا کہ جیسے چیونٹی نے کاٹا ہو۔

ف : بعض نے کہا کہ جنگ سے بھاگنے والا نفس کو بچاتا ہے اور جنگ لڑنے والا نفس کی مدافعت کرتا ہے لیکن جب موت آتی ہے تو پھر کسی کو کوئی چارہ نہیں رہتا ؎

بروز اجل نیزہ جوشن درد
زپیراہنی بے اجل نگزرد
گرت زندگانی نبشتست دیر
نہ مارت گزآید نہ شمشیر و تیر

ترجمہ: اجل کے دن جوشن کو نیزہ پھاڑ ڈالتا ہے اگر اجل نہ آئے تو تیر پیراہن سے بھی نہیں گزر سکتا۔ اگر زندگی کے چند لمحات باقی ہیں تو نہ تجھے سانپ ڈس سکے گا، نہ تلوار مار سکے گی شیر۔

جنگ سے فرار کی سزا اے جنگ سے بھاگنے والے! تو موت کے خوف سے بھاگ رہا ہے لیکن تجھے اس کا خوف نہیں کہ تو بھاگ کر جہنم کی طرف جا رہا ہے اسی وقت اگر تجھے پیچھے سے دشمن کا تیر لگ جائے تو تو وہیں ڈھیر ہو جائے تو تجھے جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ بھی تجھے خوف نہیں کہ اگر تو اس وقت پکڑا گیا تو تجھے قیدی بنا لیا جائے گا۔ خدانخواستہ تو ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائے جو تجھے تیرے دین سے پھیر دیں یا سخت عذاب میں مبتلا کر دیں۔ جب ہر دانشمند کو معلوم ہے کہ موت کا ایک وقت ہے اس وقت موت کی طرف منہ کرنا اس سے پیٹھ پھیرنے سے بہتر ہے۔ اہل اللہ تو دیدارِ الٰہی کے مشتاق رہتے ہیں۔
حضرت مولانا رحمہ اللہ مثنوی میں فرماتے ہیں: ؎

۱ پس رجال از نقل عالم شادمان
وز بقااش شادمان این کودکان

۲ چونکہ آب خوش ندید آن مرغ کور
پیش او کوثر نماید آب شور

ترجمہ: (۱) اہل اللہ دنیا سے کوچ میں خوش ہیں دنیوی زندگی پر تو بچوں کو خوشی ہوتی ہے۔
(۲) مرغ کور کو جب پانی اچھا نہ لگے تو اس کے لیے آبِ کوثر بھی آب شور ہے۔
(۳) جس نے اللہ تعالیٰ کو مددگار اور حامی و ناصر بنایا تو اس نے اپنی آرزو پالی، وہ قلیل ہو یا کثیر، اور اسے ہر طرف سے مدد ملے گی امیر سے بھی غریب سے بھی اس کا سارا وقت سکون سے بسر ہوگا کسی عام فضا میں ہو یا کہیں بند اور تنگ جگہوں میں۔

سبق: اے سالک! ثابت قدمی پہاڑوں سے سیکھ اور مردانِ خدا جیسا معاملہ کر۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت میں مدعیانِ طلب کی طرف اشارہ ہے کہ طلب کے شروع میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں لیکن جب شیطان اور نفس کے ساتھ مقابلہ کا وقت ہوتا ہے تو اس جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں اگر وہ حرب و جہاد میں مصروف ہوں اور ان کے مقابلہ میں نفس و شیطان کے گروہ ہتھیار لے کر آ جائیں اور ہوں بھی بہت قوی اور بہادر اور جنگجو۔ اور ان کے بالمقابل کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ جنگی تجربے سے بھی فارغ ہیں اگرچہ ان کے پاس ہتھیار ہیں

لیکن وہ ان کے استعمال کا طریقہ نہیں جانتے بوجہ ضعف کے یا بوجہ ناتجربہ کاری کے جب جنگ شروع ہوگی تو لازماً وہ قوی اور جنگجو ان ضعیفوں اور ناتجربہ کاروں پر غالب آجائیں گے اس سے وہ کمزور شکست کھا جائیں گے

ع چاشنی است وخمرہ خوردن نیست این

(یہ ایک چال ہے اور شراب ایسے پینا نہیں ہوتا)

ایسے مدعیوں سے صدق نے موافقت نہ کی اور نہ ہی عشق نے ان کی معاونت کی اور نہ ہی کان عہد اللہ مسئولا کی حقیقت کو معلوم کرسکے اور نہ ہی سمجھ سکے کہ حقیقی بھاگنا کہ جس میں نفع ہو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جو نفس کی موت سے بھاگتا ہے اور اسے مجاہدہ سے قتل نہیں کرسکتا تو وہ کچھ نفع نہ پائے گا، دنیا کے باغات میں بہائم اور جانوروں کی طرح چند روز گزار کر مر جائے گا عمر کی برکت نہ پائے گا۔ بھاگنا تو عمر گھٹانے کا سبب بنتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے دروازے سے بھاگنے سے بچائے اور اپنی جناب سے پیٹھ پھیر کر چلے جانے سے محفوظ فرمائے۔ وہی ولی ہے نصیر ذو الفضل الکثیر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ قد علم بر تعویق کی تاکید ہے اور علم کا مقصد یہاں وعید کی تاکید ہے۔

حلِ لغات: التعویق بمعنے التثبیط بمعنے باز رکھنا۔ اہل عرب کہتے ہیں: عاقہ وعوقہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اس طرف سے پھیر لیا جائے جس کی طرف اس کا ارادہ ہو۔ العائق بمعنے وہ پھیرنے والا جو خیر کے ارادہ سے ہٹالے۔ اسی سے ہے عوائق الدھر۔ یہ خطاب اسے ہے جو ایمان ظاہر کرے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا علم ہے جو دوسرے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے روکتے اور طرقِ خیر سے منع کرتے ہیں یعنی منافقین میں سے کوئی بھی ہو وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ اور مدینہ کے مقیمین دوسرے منافقین کو بھی کہتے ہیں یہاں کفر و نفاق کی اخوت مراد ہے هَلُمَّ اِلَيْنَا هَلُمَّ ایک ہے لیکن اب فعل متعدی مثلاً احضر یا اقرب کا نام ہے۔ اس میں واحد و جمع دونوں برابر ہیں یہی اہلِ حجاز کی لغت ہے اور اہلِ حجاز واحد و جمع میں تفریق کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

هلم یا رجل وهلموا یا رجال۔

اور کلمۂ اِلیٰ صلہ کا ہے اس لیے کہ علم تقریب کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خود کو ہمارے قریب لاؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت لشکر سے باہر نکل کر مدینہ پاک کے قریب ہو چکے تھے وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اور جنگ میں نہیں آتے۔

حلِ لغات : بأس دراصل شدّت کو کہتے ہیں۔

اِلَّا قَلِیْلًا ۝ مگر تھوڑا آنا۔ (قلیلاً، اتیاناً محذوف کی صفت ہے) نہ آنے کی معذرت کرتے ہیں ان سے جہاں تک بن پڑتا ہے پیچھے ہٹتے رہتے ہیں یا مومنین کے ساتھ چل پڑتے ہیں اور انہیں بظاہر دکھاتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہیں لیکن لڑائی میں سستی کرتے اور بہت کم میدانِ جنگ میں اترتے ہیں۔ اور یہ بھی اس وقت جب انہیں مجبور کیا جائے اور یہ بھی جب انہیں فرار کا موقعہ نہ ملے اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ یہ لا یأتون سے حال ہے اور شحیح کی جمع ہے بمعنے بخیل۔ حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا:

الشح بخل مع حرص وذلك فيما كان عادة يقال رجل شحيح وقوم اشحه اى حال كونهم بخلاء عليكم بالمعاونة اوالانفاق فى سبيل الله على فقراء المسلمين۔

(الشح بمعنے البخل مع الحرص اور یہ اس میں جو عادةً ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل شحیح اور قوم اشحہ" یعنی ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ تم پہ مدد کرنے اور فقراء المسلمین پر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے میں بخیل ہیں)

یا یہ کہ وہ دل سے نہیں چاہتے کہ تمہیں فتح ونصرت اور مالِ غنیمت حاصل ہو فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ پس جب دشمن کا خوف آتا ہے رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تو تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ اس حالت میں تمہیں دیکھتے ہیں تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ ان کی آنکھیں اپنی سیاہی میں دائیں بائیں پھرتی رہتی ہیں كَالَّذِىْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ اس شخص کی طرح جسے موت ڈھانپ لیتی ہے۔ یہ غشی اسے سکرات الموت کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسے جنگ کی وجہ سے وہ گویا آپ سے پناہ لینا چاہتا ہے۔ یہ غشی علی فلان سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب خوف والی شے اس کے آگے آجائے اور اسے ڈھانپ لے۔ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ جب خوف چلا جاتا ہے اور غنیمتیں جمع کی جاتی ہیں سَلَقُوْكُمْ یہ سلقہ بالکلام سے ہے اس سے اسے زبان سے دکھایا کما فی القاموس۔

تاج المصادر میں ہے السلق بمعنے زبان سے کسی کو ایذا دینا۔ اسی سے ہے سلقوکم۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ آپ کو زبان سے دکھ اور رنج پہنچاتے ہیں بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ تیز زبانوں سے، یعنی زور زور سے باتیں کہہ کر آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں۔

حلِ لغات : الحداد، حدید کی جمع ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: لسان حدید جیسے کہا جاتا ہے لسان صارم وماض اس وقت جبکہ وہ بات دل میں لوہے اور تلوار کی طرح اثر کر جائے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آپ کو رنج پہنچاتے اور سخت باتیں کرتے اور زبان درازی کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمیں بہت زیادہ حصہ دو کیونکہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں لڑتے رہے ہیں ہماری وجہ سے تم نے غلبہ پایا ہماری وجہ سے تم نے فتح حاصل کی وغیرہ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ سلقوکم کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ مالِ غنیمت کے بارے میں سخت حریص ہیں اور غنیمت کی تقسیم کے وقت جھگڑتے اور شور مچاتے ہیں اور مالِ دنیا کے لیے سخت بخیل ہیں یہاں تک کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نصیب ہو۔ خلاصہ یہ کہ مالِ دنیا میں سب سے بخیل اور جنگ میں جانے میں پرلے درجے کے بزدل ہیں اُولٰٓئِكَ وہ لوگ کہ جن کے بُرے صفات مذکور ہوئے ایسے ہیں لَمْ يُؤْمِنُوْا اخلاص کے ساتھ ایمان نہیں لائے کیونکہ ان کا باطن ظاہر کے خلاف ہے اسی لیے یہ کفار میں خبیث ترین اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہیں فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت اور ضائع کر دئیے یعنی ظاہر کر دیا کہ ان کے اعمال باطل ہیں۔ اس معنیٰ پر ان کے اعمال ثابت نہ ہوئے۔ اسی لیے باطل اور اکارت ہوئے کیونکہ وہ منافق تھے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اعمال قابلِ قبول ہیں جو خالص تصدیق (یعنی عقائدِ صحیحہ) سے ہوں ورنہ ایسے ہے جیسے مکان بے بنیاد (اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اہلسنّت کے سوا تمام بدمذاہب کے اعمال کتنے ہی اعلیٰ اور بلند و بالا ہوں تمام بیکار ہیں کیونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں[1]) وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس سے اس کے ارادے کا تعلق ہے اور وہ امر نہیں ہو سکے گا جس میں اس کا ارادہ نہ ہوگا۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں طلب کے مدعی (کاذب) کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ طلب سے مرتد (بیٹ) ہو جاتے ہیں تو وہ صدق طلب میں حقیقی ایمان نہیں لائے تھے ورنہ طلب سے نہ ہٹتے۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے بدتر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاحبط اللّٰه اعمالھم تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال ضائع کر دئے اس لیے کہ وہ ایمان حقیقی پر نہ تھا بلکہ اس کا ایمان تقلیدی اور مبنی بر ریاء و سمعۃ تھا اور یہ ابطال اللہ تعالےٰ پر آسان ہے۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگرچہ میں قطب الوجود نہیں لیکن مجھے اس پر ایمان ہے مریدوں نے کہا کہ اس طرح تو ہمارا بھی اس پر ایمان ہے (پھر آپ میں اور ہم میں کیا فرق) انھوں نے فرمایا کہ ایمان

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ایمان میں فرق ہے بعض ایمان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ زائل نہیں ہوتے ان کی مثال بہت مضبوط اور پختہ درخت کی جڑ کی ہے اور بعض ایمان وہ ہوتے ہیں جو زائل ہو جاتے ہیں - ان کی مثال ان کمزور انگوریوں کی جڑ کی ہے جو معمولی جھٹکے سے اکھڑ جاتی ہیں - یہی وجہ ہے محسن موقن ارتداد سے مامون و محفوظ ہوتا اور اس کے ارد گرد شک اور ریب نہیں پھٹکتا بخلاف اہلِ غفلت اور ان لوگوں کے جو عبادت کرتے وقت دل میں گڑبڑ رکھتے ہیں

۱ لا یزیل الماء نقشا فی الحجر
بل یزیل النقش فی وجه الورق

۲ باش بر عشق خدا ثابت قدم
رو نمی گردان ز وجه پاک حق

ترجمہ :(۱) نقش پتھر کو پانی نہیں مٹا سکتا - ہاں وہ نقش مٹ جاتا ہے جو پتّے پر ہو۔
(۲) عشقِ خدا پر ثابت قدم رہ وجہ پاک حق سے منہ نہ موڑ۔

تفسیر عالمانہ یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا یہ منافقین گمان کرتے ہیں کہ وہ گروہ شکست کھا کر نہیں گئے اسی لیے وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ کو چلے گئے - الاحزاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو خندق کے موقعہ پر متفق ہو کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوئے - یعنی قریش، غطفان، بنو قریظہ اور نضیر یہود میں سے - تاج المصادر میں ہے : تحزب بمعنے گروہ گروہ ہونا - وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ اور اگر وہ لشکر کفار وغیرہ دوبارہ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کریں یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ ہوتے بادیہ نشینوں میں مدینہ طیبہ سے باہر تاکہ وہ اس جنگ میں شریک نہ ہوتے۔

حلِ لغات : الودُّ بمعنے محبت کسی شے کی، اور ایک قسم کی آرزو۔ بدا یبدو ابدا وہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شہر سے باہر بستیوں کی طرف نکل جائے اسی لیے بادیہ نشین کو بادی (بدّو) کہا جاتا ہے البادون وہ جو شہری نہ ہوں (دیہاتی ہوں) والبدو خلاف الحضر۔

یَسْاَلُوْنَ مدینہ سے سب آنے والے پوچھیں عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ تمہاری خبریں اور تمہارا ماجرا کہ تم پر کیا گزری یعنی وہ حالات جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے مابین گزرے اور یہ بھی ان کی آرزو میں داخل ہے یعنی وہ آرزو کرتے ہیں کہ کاش وہ تم سے غائب ہو کر تمہاری خبریں سنتے اور تمہارے ساتھ نہ ہوں اور دور سے

(باقی بر صفحہ ۴۸۴)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ
وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى
نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ
بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ
وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ
مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ
وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ
تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

ترجمہ: بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے بولے یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انھیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنھوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو عذاب کرے اگر چاہے یا انہیں توبہ دے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ نے کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ پلٹایا کہ کچھ بھلا نہ پایا اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی کی کفایت فرما دی اور اللہ زبردست عزت والا ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انھیں ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالا ان میں ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید اور ہم نے تمہارے ہاتھ لگائے ان کی زمین اور ان کے مکان اور ان کے مال اور وہ زمین جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۸۲)

حالات پُوچھتے رہتے وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ اور اگروہ دوسری بار خندق میں تمہارے ساتھ ہوں اور مدینہ طیبہ کی طرف بھاگ کر نہ جا سکیں اور جنگ چھڑ جائے تو مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ؏ توریاء اور عار کے خوف سے نہیں جنگ کریں گے مگر تھوڑی اور وُہ بھی ثواب کی نیّت سے نہیں (بلکہ ریاء اور عار کے خوف سے)۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بے شک تمہارے لیے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عادات اچھی۔ اے ایمان والو! جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے یہ ظاہر ہے جس کی تائید آنے والے مضمون لمن کان یرجوا اللہ الخ سے بھی ہوتی ہے۔

حلِ لغات : امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الاسوۃ قدوۃ کی طرح ہے وہ عادت جو انسان میں کسی دوسرے کی اتباع میں ہو وہ اچھی ہو یا بُری، وہ باعثِ مسرّت ہو یا باعثِ مضرّت۔ جیسے کہا جاتا ہے:

تاسیت بہ بمعنے اقتدیت (میں نے اس کی اقتداء کی)

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے مومنو! تمہارے لیے ہے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اچھی خصلت اور بہتر طریقہ۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جیسے جنگ میں ثابت قدم رہنا شدائد و تکالیف جھیلنا۔ اُحد میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو مبارک کے اوپر زخم آئے اور دندان مبارک شہید ہُوئے۔ آپ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں مختلف طریقوں سے آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں۔ آپ جنگ میں ٹھہرے رہے۔ جنگ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کا رُخ نہ کیا۔ صبر فرمایا۔ گھبراہٹ کا اظہار نہ فرمایا۔ فلہٰذا تم ان کی اقتداء کرو بلکہ ان کی مدد کرو ان کے خلاف نہ چلو۔

ف : فی رسول اللہ میں کلمہ فی کو خالی کر لیا جائے اور صرف اور صرف آپ کی ذاتِ کریمہ مراد لی جائے۔ یعنی آپ ہی کی ذات قدوۃ ہے یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہٖ اُسوہ ہیں ان کی اقتداء مستحسن ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے فی البیضہ عشرون منا حدیدا یعنی اس سے خُود کا بیس سیر لوہا ہونا بتانا ہے کہ وہ بیس سیر کا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے اندر بیس سیر لوہا ہے۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور آخرت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالےٰ اور آخرت کا خوف رکھتا ہے۔ الرجاء خوف وامید دونوں معنوں کا حامل ہے اور لمن کان الخ، الحسنۃ کا صلہ یا اس کی صفت ہے لکم کا بدل نہیں کیونکہ اکثر نحویوں کا خیال ہے کہ کوئی شے ضمیر کا بدل نہیں بن سکتی وَ ذَكَرَ

اللّٰہَ کَثِیۡرًا ۝ اور وُہ اللہ تعالیٰ کو بہت کرتا ہے یعنی ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتا ہے ۔کثرتِ ذکر کو رجآ کے بعد لانے میں طاعت کے التزام کی طرف اشارہ ہے اور اس طرح سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا نصیب ہوتی ہے ۔

ف : حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اُسوۂ رسول کا مطلب ہے کہ ان کی اقتداء اور آپ کی سنّت کی اتباع کی جائے اور کسی قول وفعل میں مخالفت نہ کی جائے ۔حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ دریں بحر جز مرد ساعی نرفت
گم آن شد کہ دنبال راعی نرفت

۲ کسانے کزین راہ برگشتہ اند
برفتند بسیار و سرگشتہ اند

۳ خلاف پیمبر کسی راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۴ محالست سعدی کہ راہ صفا
توان رفت جز بر پے مصطفیٰ

ترجمہ : (۱) اس راستہ پر وُہ چلا جو جدّو جہد کرنے والا ہے وہ گم ہوا جو راعی کے پیچھے نہ گیا۔
(۲) وہ لوگ جو اس راہ سے بھٹکے ، دُور تک چلے لیکن پریشان ہُوئے ۔
(۳) پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے کوئی راستہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا۔
(۴) اے سعدی ! راہِ صفا پر پہنچنا اتباعِ مصطفیٰ کے بغیر محال ہے ۔

مسئلہ : ہر مسلمان مرد و عورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے تاکہ رجائے آخرت کا تحقق ہو اور عمل صالح کا اچھا ثمر ملے اس لیے کہ آپ ہی واسطہ و وسیلہ ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : مقامِ نفس میں ایمان بالغیب کے لیے رجاء لازم ہے اس کے بعد ذکر کثیر میں اشارہ ہے کہ اس مقام کو عمل ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ ابتدائے سلوک میں متابعت فی الاعمال والاخلاق اور مجاہدات بالنفس والمال لازم ہے کیونکہ جس کی ابتدا مستحکم نہیں وہ انتہا میں کس طرح کامیابی حاصل کر سکتا ہے ۔ پھر جب سالک نفس کے تجزیہ و تجرد سے فارغ ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم کی موارد قلب میں اتباع کرے جیسے صدق واخلاص و تسلیم ۔ تاکہ آپ کی متابعت کی برکت سے مقامِ قلب میں مواہب و احوال و تجلیات صفات سے محفوظ ہو جیسے مقامِ نفس میں مکاسب و مقامات و

تجلیات افعال سے محفوظ ہوا ایسے مقام روح میں یہاں تک کہ مقام فنا نصیب ہو۔

صوفیانہ تفسیر ۲

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس امت پر جو ازل میں عنایت کا وعدہ ہو چکا ہے کی طرف اشارہ ہے جیسے لقد کان لکم میں لفظ ماضی کی خبر دیتا ہے یعنی تھا تمہارے لیے ازل میں مقدر ہو چکا کہ تمہارا نکلنا ہوگا عدم سے وجود میں فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا مستحسن ہے۔

سب سے اوّل کون

اس لیے کہ جو سب سے پہلے ایجاد و قدرت سے متعلق ہُوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک ہے جیسا کہ فرمایا:

اوّل ما خلق اللہ روحی۔

(سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح (اقدس) ہے)

اس معنیٰ پر اُسوۂ حسنہ سے مراد تعلقِ قدرت ہے جو اس امت کی ارواح سے متعلق ہُوا کہ عدم سے وجود کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس کے بعد اس امت کی ارواح لائی گئیں تو جو اس متابعت سے عدم سے وجود کی طرف نوازا گیا عالمِ اشباح سے متعلق ہونے سے پہلے عالمِ ارواح میں بھی اس کے اثرات پڑے ایسے ہی ارواح کے اشخاص سے متعلق ہونے سے پہلے اثرات مرتب ہُوئے۔ عالمِ ارواح میں اثرات یُوں مرتب ہُوئے کہ آسے عالمِ ارواح میں روحِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قُرب تھا اتنی ہی متابعتِ اعلیٰ نصیب ہُوئی پھر دُوسری پھر تیسری، اسی طرح جتنی متابعت میں کمی تھی اتنی ہی روحِ اقدس سے دُوری۔ ایسے قبولِ الٰہی کی استعداد کو سمجھیے ایسے ہی متابعت کی برکات کا اثر ذریات کا صلبِ آدم علیہ السلام ذرات میں آنے کو سمجھئے۔ ایسے ہی بارگاہِ حق میں ارواح کی حاضری کو سمجھیے ایسے ہی الستُ بربکم کے خطاب کو سننے اور بلیٰ کے جواب کو سمجھئے ایسے ہی معاہدۂ مع اللہ اور پھر صلبِ آدم کی واپسی کو سمجھئے۔ ایسے ہی اصلاب آبا سے ارحامِ امہات کے خروج کا تاثر، ایسے ہی روح کے جسم سے تعلق کا تاخر وغیرہ۔ ان تقدمات و تأخرات میں اس کی حکمتیں ہیں۔ اس میں تاثیراتِ عجیبہ ہیں جن کے ذکر میں طوالت نہ ہوتی تو بیان کی جاتیں۔

تعلق مابین جسم و روح

جیسے عالمِ ارواح میں متابعت کا اثر آپ نے پڑھا ایسے ارواح کے عالمِ اشباح کو سمجھیے کہ متابعت کا اثر عالمِ ارواح میں بھی ظاہر ہوتا ہے وہ اس طرح کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو روح کی نظر اثر سے نطفہ تربیت پا کر مکمل جسم کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ رُوح کے تعلق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ روح مع الجسم کی مثال اس نقش خاتم کی موم کی سی ہے کہ جب اس پر انگشتری رکھی جاتی ہے تو اس پر انگشتری کا تمام نقشہ آ جاتا ہے۔ ایسے

ہی جب روح جسم میں رکھی جاتی ہے تو اس کے وُہ تمام خواص اس میں آجاتے ہیں اس نے ان تقدمات و تأخرات کو اُسوۃ سے حاصل کیا اسی لیے جو اقوال و افعال انسان سے ابتدائے عمر سے آخر عمر تک سرزد ہوتے ہیں انہی خواص کے آثار سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رُوح میں امانت رکھے ہیں۔ اس سے واضح ہُوا کہ جتنا کسی روح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قُرب حاصل ہے اتنا ہی اسے اتباع نصیب ہے اور وہ جتنا دور تھا اتنی ہی اسے متابعت سے محرومی ہُوئی۔ اس کی نیات و اعمال کا دارومدار اسوۂ حسنہ پر ہے۔ جو حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اعتبار سے قریب تر ہیں ان میں متابعت کی جھلک ہے کہ وہ خالص رضائے الٰہی پر اتباع میں ہیں اسی لیے فرمایا:

لمن کان یرجوا اللہ۔

اور جو ان میں سے کچھ کم ہیں وہ درجات میں بھی کم ہیں یعنی ان کے اعمال صرف یومِ آخرت میں نعیم جنت کے حصول کے لیے ہیں ان کے لیے فرمایا:

والیوم الآخر۔

لیکن ایسے مقامات کے حصول کو ایک شرط سے مشروط فرمایا وہ یہ ہے:

وذکر اللہ کثیرًا۔

اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنا۔ اس لیے اس کے ذکر لا الٰہ الا اللہ میں نفی و اثبات ہے۔ یہی سالک کے اللہ تعالیٰ تک چلنے کے دو قدم اور اڑنے والوں کے دو پر۔ انہی سے ہی سالکین ظلمات الوجود المجازی سے نکل کر راہِ ہدیٰ اور وجودِ حقیقی کے نور کو پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ اور جب اہلِ ایمان نے اس گروہِ مخالف کو دیکھا، جو مجتمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے آئے تھے۔ حزب وہ جماعت جو کثرت اور انبوہ دار ہو۔ کما فی المفردات۔ قَالُوْا ھٰذَا کہا یہ بہت بلائے عظیم مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وہ ہے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ و رسول نے وعدہ دے رکھا ہے جس کا ذکر:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأسا والضراء۔

(کیا تمہارا گمان ہے کہ تم بہشت میں داخل ہو گے کیا تا ہنوز تمہارے ہاں ان کی کہاوتیں نہیں جو تم سے پہلے گزرے ہیں انھیں بھی خوف اور ضرر پہنچا)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف:

سیشتد الامر باجتماع الاحزاب علیکم والعاقبۃ لکم علیھم۔
(عنقریب تمہیں ایک بہت بڑے گروہ کا اجتماع گراں گزرے گا لیکن نیک انجام تمہارے لیے ہوگا)
اور فرمایا:

ان الاحزاب سائرون الیکم بعد تسع لیال او عشر۔
(ایک بہت بڑا گروہ نو دس دنوں کے بعد تمہارے ہاں آنے والا ہے)

وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا یعنی ان کا صدق ظاہر ہوگیا وَمَا زَادَھُمْ اور اہلِ ایمان کو گروہ کا دیکھنا نہ بڑھایا اِلَّآ اِیْمَانًا مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے مواعید پر ایمان وَّتَسْلِیْمًا اور تسلیم کو کہ اس کے ہر امر اور اس کی ہر تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جہان کی سعادت اسی میں ہے ؎

ہر کہ دارد چون قلم سر بر خط فرمان او
می نویسد بخت طغرای شرف برنام او

ترجمہ : جو قلم کی طرح اس کے فرمان پر سر رکھتا ہے اس نام پر طغرائے شرف سے بخت ہی بخت لکھتے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بعض اخلاص سے ایمان والے رِجَالٌ صَدَقُوْا وہ لوگ ہیں جو سچ کے عامل ہیں مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ اس میں جس پر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور اعلائے دین کے لیے لڑتے رہیں گے یعنی جو معاہدہ کیا اس پر عمل کر دکھایا جیسے عثمان بن عفان وطلحہ بن عبد اللہ وسعید بن زید بن عمر بن نفیل وحمزہ ومصعب بن عمیر وانس بن نضر وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان سب نے منت مانی تھی کہ جب یہ مخالف گروہ آئے گا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم شہید ہو جائیں۔

نکتہ : حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات سے انسان کو اور انسان سے اہلِ ایمان کو اور اہلِ ایمان سے من المؤمنین رجال الخ کو مکرم بنایا اور ان رجال سے اہلِ صدق مراد ہیں اور جو صدق کے میدان میں نہیں اسے رجولیت سے خارج سمجھیں۔

مسئلہ : نذر قربت مشروعہ ہے اس کی ادائیگی لازم ہے اور اس پر اجماع ہے بشرطیکہ معصیت کی نذر نہ ہو۔

سوال : حدیث شریف میں ہے :
لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئا۔
(منت نہ مانو اس لیے کہ منت (نذر) اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں روک سکتی)

جواب ۱ : یہ اس عقیدہ کا رد ہے جس کا خیال ہو کہ نذر ہر لحاظ سے تقدیر کو دفع کر سکتی ہے نہ کہ مطلق نذر کی رکاوٹ ہے (جب اس سے اللہ تعالیٰ کے فضل پر امید کر کے منت مانی جائے) جیسا کہ حدیث مذکور کا آخری جملہ دلالت کرتا ہے کہ منت سے بخیل کے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ نکال لیا جاتا ہے۔

جواب ۲ : اگر مطلقاً رکاوٹ ہوتی تو پھر کام ہو جانے پر اس کی ادائیگی کے لزوم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سخی تو اپنے اختیار سے دیتا ہے جو کچھ اس سے ہو سکتا ہے وہ نذر کے بغیر بھی دیتا رہتا ہے اور بخیل صرف اسی وقت دیتا ہے جب نذر مانے اور کام ہو تو تب۔

ف : جس کے خیال میں نذر و عدم نذر برابر ہے (یعنی راہِ خدا میں پہلے سے بھی دیتا رہتا ہے) تو وہ عزیمت تحقیق و تاکید کے لیے منت مانتا ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ ایسی منتیں احسن ہیں۔

خواص کی اکثر نذور وہ ہیں، دل میں جو کھٹکا اس پر ڈٹ گئے اور زبان کی عقد جنانی

صوفیہ کرام کی نذور عقد کی تتمیم ہے تو جیسے عقد لسانی کی ادائیگی لازم ہے ایسے ہی عقد جنانی بطریق اولیٰ واجب ہے اسی لیے ان کی محافظت ضروری ہے کیونکہ یہ عقد باب تقویٰ سے ہے اور اس پر محافظت کرنے والا ولی اللہ ہے

۱ طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

۲ وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ : (۱) صاف دل انسان سے طریقہ صدق کا سبق سیکھ سچے دل سے راہِ مستقیم باغ کے سرو سے طلب کر۔
(۲) ہم وفا کریں گے دکھ اٹھائیں گے اور خوش رہیں گے اس لیے کہ رنج ہونا ہمارے طریقہ میں کفر ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ پس بعض ان میں وہ ہیں جو منت کو پورا کرتے ہیں) یہ صادقین کے حال کی تفصیل اور تقسیم ہے اور وہ دو قسم ہیں (جیسا کہ آیت میں بتایا گیا ہے) :

(۱) النحب، وہ نذر جس کے وجوب کا حکم ہے وہ جو انسان اعمال میں سے کوئی عمل اپنے اوپر لازم کر لے اور
(۲) قضا بمعنے اس کی ادائیگی سے فراغت پانا اور پورا کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

قضیٰ نحبہا۔ (فلاں نے اپنی نذر پوری کی)

اور جو فوت ہو جائے اس پر بھی لفظ قضا کا اطلاق کرتے ہیں مثلاً،

قضی اجلہ واستوفی اکلہ وقضی من الدنیا حاجتہ۔

(فلاں نے اپنی میعاد پوری کر لی اور دانہ پانی پورا کر لیا اور دنیا میں سے اپنی ضرورت پوری کر لی)
اس لیے کہ موت ہر حیوان کے گلے میں نذر کی طرح لازم ہے اور جار مجرور محلاً مرفوع مبتدا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے بعض وہ ہیں جو اپنی نذر سے عہدہ برآ ہوئے بایں طور کہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ جیسے حضرت حمزہ و مصعب بن عمیر اور انس بن النضر الخزرجی الانصاری یعنی حضرت انس بن مالک کے چچا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

عشقِ انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا نمونہ

مروی ہے کہ حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہو سکے اُحد میں شریک تھے۔
جب ابلیس نے اعلان کیا کہ (حضور سرورِ عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سر جوڑ کر بیٹھے تھے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا ان پر گزر ہوا تو پوچھا، کیوں بیٹھے ہو؟ فرمایا: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے (اب ہم کیا کریں) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے خدا کے بندو! اب جی کر کیا کرو گے، اٹھو اور کافروں کے ساتھ لڑ مرو۔ اس کے بعد تلوار گھمائی اور کفار میں گھس گئے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم مبارک پر اسّی سے زیادہ زخم پائے گئے ؎

بے زخم تیغ عشق ز عالم نمی روم
بیرون شدن ز معرکہ بے زخم عار ماست

ترجمہ ، عشق کی تلوار کے زخم کے بغیر ہم دنیا سے نہیں جائیں گے اس لیے کہ معرکۂ جنگ سے زخموں کے بغیر چلے جانا ہمارے لیے عار ہے۔

وَمِنْهُمْ اور بعض ان میں وہ ہیں **مَنْ يَّنْتَظِرُ** جو اپنی منّت پوری کرنے کے انتظار میں ہیں کیونکہ ان کے لیے وقت مقرر تھا جیسے حضرت عثمان و حضرت طلحہ وغیرہما رضی اللہ عنہم، وہ اپنی نذر پر رہے مگر ان کا بعض حصہ ادا کیا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنا یہاں تک کہ آیت کریمہ نازل ہوئی

اور دوسرے حصّہ کے پُورا کرنے کے لیے منتظر رہے یعنی جنگ میں شہید ہونا اور اس میں ان کے انتظار میں ان کے شوقِ شہادت کی طرف اشارہ ہے ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند
عاشقاں گفتند نے نے زود باد

ترجمہ : غافل تو موت سے مہلت چاہتے ہیں لیکن عاشق کہتے ہیں نہیں نہیں خدا کرے جلد موت آئے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

دانۂ مردن مرا شیریں شدست
بل ھم احیاء پے من آمد ست

ترجمہ موت کا دانہ میٹھا ہُوا ہے بل ہُم احیا (بلکہ وہ زندہ ہیں) ہمارے لیے ہے۔

صدق جان دادن بود ھین سابقوا
از نبی برخوان رجال صدقوا
ای بسا نفس شہید معتمد
مردہ در دنیا و زندہ می رود

ترجمہ : صدق سے جان دینا ہی حق ہے آگے بڑھو۔ نبی علیہ السلام سے سبق پڑھو کہ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ سچے ہیں (جو احزاب میں ساتھ تھے) بہت سے لوگ جو نفس کی جنگ میں شہید ہوئے وہ دنیا والوں کے خیال سے مر گئے لیکن درحقیقت وہ زندہ ہیں۔

وَمَا بَدَّلُوا اس کا صدقوا پر عطف ہے اور اس کا فاعل بھی وہی ہے جو صدقوا کا ہے یعنی انہوں نے اپنا معاہدہ نہ بدلا ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا **تَبْدِيلًا** ۝ کسی قسم کی تبدیلی نہ اصل میں نہ وصف میں بلکہ اس پر ثابت قدم بلکہ اس سے بڑھ کر اس کی ادائیگی اور اس کے حقوق کی رعایت کرنے والے ہیں جنھوں نے منّت پُوری کر لی ان کا صدق تو ظاہر ہے اور جو انتظار میں ہے ان کا انتظار ان کے لیے شاہد عدل ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور عشق مروی ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اُحد میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے بلکہ آپ کی حفاظت میں ان کا ہاتھ کٹ گیا اور چوبیس زخم کھائے۔ اس پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا :

اوجب طلحۃ الجنۃ ۔

(طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے اوپر جنت واجب کرلی)

اسی دن آپ نے ان کا نام طلحۃ الخیر رکھا، حنین میں ان کا نام طلحۃ الجود اور غزوۂ ذات العشیرہ میں طلحۃ الفیاض رکھا گیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ یوم الجمل میں شہید ہوئے ۔

ف : آیت میں منافقین اور قلب کے مریضوں کی تعریض ہے کہ وہ عہود کو توڑتے اور عقود کو بدلتے ہیں ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ : افسوس کہ ہم عمر و مال دوست پر قربان نہ کرسکے ۔ عشق میں ہم سے یہ کام نہ ہوسکا ۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ جو کچھ ہوا صادقین سے جو کچھ صادر ہوا اس پر صدق و وفا قولاً وفعلاً کی اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے گا ۔ دنیا میں تمکین اور دشمنوں پر فتح و نصرت اور اسلام کا جھنڈا بلند کرکے اور آخرت میں بہترین ثواب وانجام اور بہشت کی دائمی نعمتیں اور دوسروں پر تکریم و تعظیم سے تقدیم ۔ کما قال فی کشف الاسرار ۔ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اور جو کچھ منافقین سے اقوال و اعمال مذکورہ صادر ہوئے ہیں ان کو عذاب دے گا اِنْ شَآءَ اگر انہیں عذاب دینا چاہے، اگر وہ توبہ کرلیں ۔ البتہ ان کا شرک نہ بخشا جائے گا اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرلے گا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے گناہ چھپاتا ہے اور ان سے جو کچھ صادر ہوا اسے مٹانے والا ہے رَّحِيْمًا انہیں جنت و ثواب کا انعام عطا فرمانے والا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ رجولیت کی علامت ہے صدق فی العہد وہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ و درجات علیا میں غیر اللہ کی پرستش نہ کرے یہاں تک کہ وہ بلند و بالا بارگاہ تک پہنچ جائے ۔ بعض صادقین وہ ہیں جو مقصد تک پہنچ کر مقصد کو پالیا یہ منتہی لوگ ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں بلوغ و وصول کے منتظر ہیں اور وہ ابھی سیر میں ہیں اور یہ متوسط لوگ ہیں طلب و اقبال سے اعراض کرکے اپنے معاہدہ کو تبدیل نہیں کرتے یعنی وہ غیر اللہ کی طلب میں ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں طلب صدق اور قدم صدق کی جزا دے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ پالیتے ہیں اور اگر وہ چاہے تو منافقین کو عذاب دے ۔ اور منافقین سے وہ مدعیانِ طلب مراد ہیں جو بغیر قدم صدق سے طلب کرتے ہیں یعنی جھوٹے مدعی ہیں اور تلبیس و ریاء کرتے ہیں ۔ اہلِ خرقہ (اولیاء) کی صورت اور ان کے لباس میں رہ کر اہلِ ریا و اہلِ نفاق کی سیرت اپناتے ہیں ۔ جیسا کہ

کسی نے کہا ؎

اما الخیام فانھا کخیامھم
واری نساء الحی غیر نسائہ

ترجمہ: یہ خیمے ان کے خیموں کی طرح ہیں لیکن دیکھتا ہوں تو قبیلہ کی عورتیں ان جیسی نہیں۔

سبق سالک کو توبہ وصدق وثبات ضروری ہے یہاں تک کہ اسے مغفرت ورحمت وہدایت کے آثار نمودار ہوں یعنی جواں مرد کو عنایت ازلی صادقین کا گوہر بخشتی ہے اگر وہ ان کی راہ پر چلنا چاہتا ہے توپھر اگر بیگانہ ہے تب بھی اسے آشنا بنادیا جاتا ہے اگر عاصی ہے تو عارف بنادیا جاتا ہے اگر درویش ہے تو اسے توانگر بنادیا جاتا ہے۔

کرامت ابن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے روم کی طرف جانے کی غیبی کشش ہوئی اور میں حیران تھا کہ یہ کشش وجذب کیسی! بالآخر میں روم کو روانہ ہوا، ایک سرائے میں ڈیرہ جمالیا۔ ایک گروہ زنار پہن کر میرے اردگرد جمع ہوگیا میں نے غیرتِ اسلامی سے انہیں دیکھ کر اپنا پیرہن تار تار کردیا اور شور برپا کردیا یہاں تک کہ وہ سارے میرے اردگرد جمع ہوگئے اور پوچھا: بابا! کیا ہے تجھے کون سی بیماری ہے جس سے تم نے پیرہن تار تار کردیا۔ میں نے کہا: میں تمہارے کفر کے زنار دیکھنا نہیں چاہتا۔ پوچھا: تم محمدی ہو؟ میں نے کہا: ہاں، میں محمدی ہوں۔ انہوں نے کہا: توپھر بات آسان ہے وہ یہ کہ ہم نے سنا کہ تمہارے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پتھروں کو کلمہ پڑھا دیتے تھے اور یہ ہمارے زنار بھی پتھر سے کم نہیں اگر یہ تمہارے کہنے پر تمہارے نبی عربی کی نبوت کی گواہی دیں توہم انھیں اتار پھینکیں گے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوجائیں گے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے سر سجدہ میں رکھ کر نہایت عجز وانکساری سے بارگاہِ حق میں عرض کی: اے اللہ العالمین! مجھے بخش دے اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا کر دکھا اور اسلام کی مدد فرما۔ فرماتے ہیں کہ میں ابھی سجدہ میں تھا اور میری مناجات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ہر زنار بزبانِ فصیح بول رہا تھا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

تفسیر عالمانہ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹایا ان کافروں سے وہی گروہ مراد ہیں جو حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے جمع ہوکر آتے تھے اور اس میں واقعہ سابقہ کی طرف رجوع ہے یعنی پہلے جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹایا درانحالیکہ وہ تھے بِغَيْظِهِمْ

اپنے غیظ وغضب اور حسرت میں یعنی غصّہ آلود ہو کر لوٹے۔

حلِ لغات: الغیظ سخت قسم کا غضب یعنی وہ حرارت جو انسان قلب کے خون کے جوش سے اپنے میں محسوس کرے۔

لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا کچھ خیر وبھلائی نہ پائی۔ یہ دوسرا حال ہے یعنی ان کا حال یہ تھا کہ وہ جو ارادہ لے کر آئے کہ ہم غلبہ پا جائیں گے اسے نہ پا سکے یعنی ناکام ونامراد واپس ہوئے۔

ف: اسے خیراً اس لیے کہا کہ ان کے گمان میں یہ خیر وبھلائی متصور تھی انہی کے استعمال اور ان کے گمان کے مطابق اسے خیر کہا گیا (ورنہ یہ تو شر ہی شر تھا)

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو لڑائی میں کفایت فرمائی۔ جیسا کہ مذکور ہوا کہ ان پر سخت آندھی چلی اور فرشتے آئے اور ان کے خیمے وغیرہ اکھاڑ ڈالے ؎

باد صبا ببست میان نصرت ترا
دیدی چراغ کہ کند باد یاوری

ترجمہ: بادِ صبا نے تمہاری مدد پر کمر باندھی۔ اس چراغ کو دیکھو کہ ہوا اس کی مدد کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا اور اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے مطابق جو کچھ پیدا کرنا چاہے قوی ہے **عَزِيْزًا** ۝ ہر شے پر غالب ہے **وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ** **ربط**: ایک اور کفایت کی خبر دی اور فرمایا کہ اور انہیں نازل کیا جنھوں نے ان کی مدد کی۔ اس سے وہ گروہ مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے مردود ہو کر لوٹا اور معاونت کرنے والا اور عہد توڑنے والا۔ وہی اہلِ کتاب مراد ہیں جن کا ذکر آیت میں ہے کہ **مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اہلِ کتاب میں سے۔ اس سے بنو قریظہ مراد ہیں یعنی وہ یہود جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے یعنی اوس کے حلیف، اور اس وقت اوس کا سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے **مِنْ صَيَاصِيْهِمْ** اپنے قلعوں میں۔

حلِ لغات: صیاصی (بالکسر) جمع ہے صیصہ کی۔ جس سے حفاظت کی جائے۔ اسی لیے بیل اور ہرن کے سینگ اور شوکۃ الدیک (مرغ کا پنجہ) کو صیصہ کہا جاتا ہے اور شوکۃ الدیک یعنی مرغ کا وہ پنجہ جو اس کی ٹانگ میں ہے۔ اس سے وہ اپنی حفاظت کرتا اور لڑتا ہے [1]

---

[1] ہمارے دور (۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء) میں جانوروں پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے جس کی ایک جھلک نذرِ قارئین ہے:
(باقی بر صفحہ آئندہ)

وَقَذَفَ اور ڈال دیا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ان کے دلوں میں رعب ۔ یعنی خوف اور گھبراہٹ کہ وہ اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۴)

مُرغ کی مُرغ کے ساتھ کُشتی اس مخلوق کے انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں ۔ اس مخلوق کو آپس میں لڑانا اور مزے لینا انسانیت کے منہ پر بدترین اور بدنما ترین داغ ہے ۔

بٹیر کی بٹیر اور تیتر کی تیتر کے ساتھ کشتی ان کو پنجروں میں بند رکھنا ۔ آزادی اس مخلوق کی قابلِ فخر دولت ہے ۔ ان کو اس سے محروم کرنا اور پھر ستم بالائے ستم کرنا کہ ان کو آپس میں لڑایا جاتا ہے ۔

اونٹ کی کُشتی اونٹ کے ساتھ اللہ رب العزت نے اس مخلوق کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا ۔ انسان جو کبھی اپنی حدی خوانی سے اس پر ہنسی اور خوشی کا عالم طاری کر دیتا تھا آج اسے اس کے بھائیوں سے لڑا کر اپنے ظالمانہ جذبات کی تسکین حاصل کرتا ہے ۔

ریچھ کی کُتّے کے ساتھ کشتی ریچھ جو اپنے کوہستانی وطن میں آزادی کے سانس لیتا ، من بھاتی غذائیں کھاتا اور صاف شفاف چشموں کے پانی پیتا تھا ، انسان کے معصوم چہرے کو دیکھ کر اس کے دام میں پھنس گیا ورنہ اگر یہ اپنا پنجہ بھی ہوا میں لہرا دیتا تو انسان کی جان نکل جاتی ۔ اسے معلوم نہ تھا کہ آج کا انسان اسے اپنے وطن لے جا کر کیسا سلوک کرے گا ۔ کتا جو انسان کے گھر کا نگہبان ہے اسے اپنے ریچھ سے لڑا کر اور دونوں کو لہو لہان دیکھ کر انسان قہقہے لگاتا ہے ۔

کتّے کی کتّے کے ساتھ کشتی کتا ایک پالتو جانور ہے ۔ کتا بہت وفادار ہے ۔ اس کو رکھوالی کے لیے پیدا کیا گیا ۔ مگر انسان ان کو آپس میں لڑا کر بہت خوش ہوتا ہے ۔

جانوروں پر ظلم ظلم اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے ۔ انسانوں پر ظلم بہت بڑی بات ہے ۔ مگر جانوروں پر ظلم اس سے بھی زیادہ برا ہے اس لیے کہ جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت کے لیے مسخر فرما دیا ہے ان سے وہی کام لینا چاہیے جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور اتنا کام لینا چاہیے جس کے وہ آسانی سے متحمل ہو سکیں ۔ ان کی خوراک اور آرام وغیرہ کا بھی خیال رکھنا چاہیے ۔

سوچنے کی بات ہے کہ انسان پر اگر کسی طرف سے ظلم ہو تو وہ شور مچا کر اپنے دل کی بات متعلقہ لوگوں تک

(باقی بر صفحہ آئندہ)

نفسوں کو قتل سے اور اپنے اہل و عیال اور بچوں کو قید سے بچانے کی غرض سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پہنچا دیتا ہے کیونکہ وہ ایک با اختیار مخلوق ہے۔ لیکن جانور، پرندے جو انسان کے سامنے بے بس اور بے زبان ہیں انھیں انسان جو طرح طرح کی ایذائیں صرف دولت جمع کرنے اور لطف اندوز ہونے کے لیے دیتا ہے ناقابل بیان ہیں، یہ اپنی فریاد کہاں پیش کریں! کیا ان سے ہمدردی ہم پر لازم نہیں؟ کیا ہم ان مظلوموں کے چہروں سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟ کیا ان کی آہ و زاری کو خدا تعالیٰ نہیں سنتا بلکہ ہماری آہ و زاری سے ان کی بہت زیادہ سنتا ہے۔

جانوروں پر ظلم و ستم کی جزا و سزا کا بیان آگے چل کر عرض کروں گا پہلے اس نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات گرامی ملاحظہ فرمالیں کہ وہ رحمتِ عالم جس طرح انسانیت کا محسنِ عظیم ہے جانوروں کے لیے کتنا رحیم و کریم ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

اونٹ کی فریاد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ نظر آیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی گُدّی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ نے پوچھا، اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے عرض کی: حضور! یہ اونٹ میرا ہے۔ حضور سرورِ عالم نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

افلا تتقی فی هذه البهيمة التی ملك الله اياه فانه شكى الیّ انك تجيعه وتدئبه۔	اس کے بارے تم خدا سے نہیں ڈرتے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا اونٹ نے ابھی مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور بہت زیادہ محنت لیتے ہو۔
(رواہ ابوداؤد)	

ف: اونٹ ایک کمزور عقل جانور ہے لیکن اس کو یہ خبر ضرور تھی کہ ہم سب کے فریادرس خدا کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی فریاد سنا دی۔ اس کا مزید تبصرہ فقیر کی کتاب "وہابی اور جانور" میں ملاحظہ کیجئے۔

ایک اور اونٹ کی فریاد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اونٹ حاضر ہوا، عرض کی: یا رسول اللہ! میں جن لوگوں میں (باقی برصفحہ آئندہ)

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ایک گروہ ان کے مردوں کو قتل کرتا تھا وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ اور ایک گروہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رہتا ہوں وہ لوگ عشاء کی نماز نہیں پڑھتے سو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس اونٹ کی شکایت پر ان لوگوں کو طلب کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں۔

ف: اس قصہ کو پڑھ کر بے نمازی حضرات اپنے گریبان میں جھانکیں کہ نماز ادا نہ کرنے پر بے زبان مخلوق انھیں کیا سمجھتی ہے۔ میرے خیال میں یہ سمجھتی ہوگی کہ اس بدبخت انسان سے ہم بھلے کہ چارہ کھا کر زمین پر لیٹ کر بہت سی تکالیف جھیل کر بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے لیکن یہ نالائق عیش وعشرت اور عزت وعظمت کی زندگی پا کر بھی خدا تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ سارے جانور بلکہ ساری خدائی اس کے لیے اور یہ خدا کے واسطے ہے

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے

جانور پیدا کیے تیری وفا کے واسطے

قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اور ہم نے انسان اور جن کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

چڑیا کی فریاد حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ (صحابی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے کہ حضور رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے ہم لوگوں نے ایک حمرہ (ایک قسم کا پرندہ چڑیا جیسا) دیکھا جس کے ساتھ دو بچے بھی تھے ہم نے پکڑ لیے حمرا آیا اور ہمارے سروں پر پھڑپھڑانے لگا۔ حضور تشریف لائے اور فرمایا: کس نے اس کے بچے لے کر اسے بیقرار کر دیا ہے اس کے بچے اسے واپس دے دو۔ (ابوداؤد)

ہرنی کی فریاد ہرنی کی فریاد کا معجزہ بہت مشہور ہے جسے عوام الناس خوب جانتے ہیں۔ اس طرح کے متعدد واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اسی لیے تماشا دیکھنے والوں کے لیے عبرت کے لیے کافی ہیں۔

سزا کا بیان جو لوگ جانوروں کی لڑائی سے خوش ہوتے ہیں انھیں یاد ہونا چاہیے کہ جانوروں کی فریاد اللہ تعالیٰ بہت جلدی سُنتا اور اس کی سزا فی الفور مقرر فرما دیتا ہے۔

(باقی برصفحہ آیندہ)

ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بناتا تھا بغیر اس کے کہ ان سے بھاگنا ہوتا مخالفت تو دُور کی بات تھی۔

حلِ لغات: الاسر بمعنے زنجیروں سے باندھنا اور اسیر کو اسی لیے اسیر کہا جاتا ہے کہ اسے زنجیروں سے باندھا جاتا ہے۔ اب ہر قیدی کو اسیر کہا جاتا ہے چاہے اسے کسی شے سے نہ باندھا جائے۔

وَاَوْرَثَكُمْ اور تمہیں وارث بنایا **اَرْضَهُمْ** ان کی زمین، کھیتوں اور باغات کا **وَدِيَارَهُمْ** اور ان کے قلعوں اور گھروں **وَاَمْوَالَهُمْ** اور ان کے اموال کا نقد و دیگر اثاثہ اور جانور۔

ف: چونکہ یہ اشیاء مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں تو انھیں میراث سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے مورث کا مال وارث کو بلا تکلیف حاصل ہوتا ہے ان کو بھی ایسے ہی ملا کیونکہ وہ لوگ نہ تو ان کے رشتہ دار تھے اور ان سے ان کے دین کا تعلق تھا اور نہ ولاء۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر کے ان کے املاک و اموال غنیمت کے طور مسلمانوں کے قبضے ایسے دے دیے جیسے وارث مورث کا مال لیتا ہے **وَاَرْضًا** اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے زمین دی اور یہ اس کے علم و تقدیر میں تھا کہ ایسے ہوگا **لَّمْ تَطَئُوْهَا** جس پر تم نے ابھی قدم نہ رکھا تھا جیسے روم و فارس، اور ایسے وہ علاقے جو قیامت تک فتح ہوں گے۔

حلِ لغات: یہ وطی یطاء وطئا سے ہے بمعنے پاؤں رکھ کر چلنا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے منجملہ ان کے یہی ہے جو تمھارے قبضہ میں زمین وراثت کے طور بخشی ایسے ہی باقی آنے والے ممالک کے قبضہ و قدرت کا خیال کر لو۔ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کیا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سیّد العباد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے غلاموں کو بلاد و ممالک پر فتح و تسخیر بخشے ؎

لشکر عزم ترا فتح و ظفر ہمراہ ہست
لا جرم ہر نفس اقلیم دگر می گیری

ترجمہ: اے لشکر عزم فتح و نصرت تمہارے ہمراہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آن نئی اقلیم پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۷) چنانچہ حدیث شریف میں بلّی والی ایک عورت کا قصہ مشہور ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک عورت محض اس وجہ سے جہنم میں ہے کہ اس نے بلّی کو باندھ رکھا تھا (بخاری)۔ اور جانوروں پر ترس کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ کو بہت رحم آتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے محض اس لیے بخش دیا کہ اس نے ایک پیاسے کتّے کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا (بخاری) اہلِ دل کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور سنگدل کے لیے دفتر کے دفتر ناکافی۔ اویسی غفرلہ

قبضہ جاتے ہو۔

غزوۂ بنی قریظہ

مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم دوپہر کے وقت غزوۂ خندق سے لوٹے تو نمازِ ظہر ادا کرکے اُم المومنین سیدّہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ غسل فرمانے لگے۔ ابھی سرِاقدس کا آدھا حصّہ ہی دھو پائے تھے کہ جبریل علیہ السّلام اپنے حیزوم گھوڑے پر سوار سیاہ پگڑی باندھ کر حاضر ہُوئے اور عرض کی: کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جبریل علیہ السّلام نے عرض کی کہ ملائکہ نے تو ہتھیار نہیں اتارے اس وقت سے پہنے ہُوئے ہیں جب سے آپ پر دشمن نے حملہ کیا۔ لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کرنے کے لیے چلیں، میں اور میرے ساتھی چلتے ہیں اور ان یہودیوں کے قلعوں کو ہلاتے ہیں۔ یہ کہہ کر چل پڑے اور دیگر ملائکہ بھی ان کے ساتھ جارہے تھے ان کے چلنے سے غبار اڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ اعلان سنتے ہی چل دیجئے، اتنی جلدی چلیے کہ نمازِ عصر بنو قریظہ میں جاکر پڑھیے۔ جانے کا اعلان فرماکر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے زرہ زیبِ تن فرمائی اور خود پہنا، عصا مبارک ہاتھ میں لیا اور تلوار گلے لگائی اور لحیف (بالضم) گھوڑے پر سوار ہُوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپ کے اردگرد تھے انھوں نے بھی ہتھیار اٹھائے، اس وقت یہ تین ہزار تھے مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو امیر مقرر کرکے روانہ ہوئے اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا وہی جھنڈا جو خندق میں تھا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہُوئی۔ حضرت علی کو بعض ساتھیوں کے ساتھ آگے چلنے کا حکم دیا اور آپ بنو نجار کے ساتھ چلے جنھوں نے ہتھیار پہن رکھے تھے آپ نے ان سے پُوچھا: یہاں تمہارے سامنے سے کوئی آدمی گزرا ہے؟ عرض کی: ہاں، دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہم نے جاتے دیکھا ہے وہ ہمیں کہہ گئے ہیں کہ ہتھیار پہن لو ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہاں تشریف لانے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ دحیہ کلبی جبریل علیہ السلام ہی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جاتے ہی بنو قریظہ کے قلعوں کے ساتھ جھنڈا گاڑ دیا۔ بنو قریظہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے۔ مسلمانوں نے حوصلے اور برداشت سے کام لیا، خاموشی سے سُنتے رہے۔ بس اتنا کہا کہ تمہارا اور ہمارا فیصلہ تلوار کرے گی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو حضرت قتادہ انصاری کو فرمایا: جھنڈا سنبھالو، میں آپ کا استقبال کروں۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، عرض کی: آپ ان خبیثوں کے پاس نہ جائیں تو بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے ان سے میرے متعلق سب وشتم اور بکواسات سُنے ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا: جب مجھے دیکھیں گے تو کچھ نہ کہیں گے۔ جب آپ قلعوں کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے فرمایا:

یا اخوان القردة والخنازیر۔

(خنزیروں اور بندروں کے بھائیو!)

آپ نے اس لیے فرمایا کہ ان کے آباؤ واجداد میں نوجوان بندر اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے اور یہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے سبب ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار میں تجاوز کیا۔ پھر فرمایا، تمہیں اللہ رُسوا کرے اور عذاب میں مبتلا کرے کیا تم مجھے گالی دے رہے تھے۔ یہود نے سُن کر قسمیں کھائیں کہ ہم نے آپ کو گالیاں نہیں دیں لیکن ہم حیران ہیں کہ آپ ایسے فاحش گالی دینے والے تو نہ تھے لیکن آج آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ خلافِ عادت باتیں کر رہے ہیں۔ بعض صحابہ کرام سے سفر میں عصر کی نماز قضا ہو گئی وہ اب عشاء کے وقت ادا کر رہے تھے اس ارشاد کے مطابق کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا:

لا یصلّین العصر الّا فی بنی قریظة۔

(عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھنا)

اس پر بعض نے کہا کہ یہ کلمات آپ نے تاکید کے طور فرمائے تھے تاکہ ہم بنو قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کریں نہ یہ کہ ہم عصر کی نماز ترک کر دیں اسی لیے انہوں نے نماز اپنے وقت پر پڑھ لی تھی۔ آپ نے دونوں کو اپنے موقف پر برقرار رکھا۔ وقت پر نہ پڑھنے والوں کی سرزنش کی اور نہ ہی قضا کرنے والوں کو کچھ فرمایا کیونکہ دونوں اپنے موقف میں صحیح تھے اور اپنے اس قیاس و اجتہاد پر ثواب پانے والے۔

صوفیانہ استدلال اسی واقعہ سے صوفیہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ جس کو مرشد کسی کام کے لیے بھیجے اور راستے میں مسجد آجائے اور نماز کا وقت بھی ہو تو شیخ کے کام اور فرض کی ادائیگی میں اگر مسجد کو چھوڑ کر منزلِ مقصود پر جا کر نماز پڑھ لے تو جائز ہے اس سے نماز کی سُستی یا مسجد کے چھوڑنے کا اس پر الزام نہ ہوگا۔[1]

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ پچیس راتوں تک جاری رکھا یہاں تک کہ بنو قریظہ پر قید و بند کی صعوبت سخت ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں سخت خوف ڈالا اور حیی بن اخطب بنو نضیر کا سردار بھی اسی قلعہ میں بند تھا اور وہ خندق سے واپسی پر اسی میں ٹھہر گیا تھا۔ جب یہود کو یقین ہو گیا

---

[1] شاید حضرت حافظ شیرازی کے شعر

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کی دلیل یہی واقعہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

کہ حضور علیہ السلام ہمیں کسی صورت میں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہمیں قتل کر دیں گے ۔ ان کے سردار کعب بن اسید نے کہا : اے یہودیو! ہم اس مرد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت قبول کر لیں اور ان کی رسالت کی تصدیق پر آمادہ ہو جائیں بخدا اب تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ وہی نبی (علیہ السلام) ہیں جن کا ذکر خیر تمہاری کتابوں میں ہے اور مدینہ طیبہ ان کا دار الہجرۃ ہے ۔ اب ان سے حسد کرنے کا کیا معنیٰ ! صرف اسی لیے کہ وہ عربی ہیں نبی اسرائیل سے نہیں ؟ میں تو ان سے معاہدہ توڑنے کو بُرا سمجھتا ہُوں ، اور تم پر یہ بلا و شامت اس بیٹھنے والے یعنی حیی بن اخطب کی وجہ سے ہے ۔ یہودیوں نے کہا : ہم تو توراۃ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے کہ اس کے بدلے میں ہم قرآن کو مان لیں ۔ اس نے کہا ، تو پھر یُوں کرو کہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر ڈالیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے صحابیوں سے جنگ کریں وہ تو اس وقت جنگ پر تلے ہوئے ہیں ہم مر جائیں تو ہمارے پیچھے ہماری نسل بھی ختم ہو کیونکہ ہم مر جائیں گے تو پھر ان کی زندگی دُوبھر ہو جائے گی ۔ یہودیوں نے کہا : ان مسکینوں (بچوں) کو قتل کر دیں تو پھر ہمارا جینا کس کام کا ۔ اگر ہم زندہ بچ نکلے تو ۔ پھر اس نے کہا : اگر یہ نہیں مانتے تو پھر لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ ۔ آج شب ہفتہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غفلت میں ہیں ہم ان پر اچانک حملہ کر دیں ممکن ہے ہم کامیاب ہو جائیں ۔ یہودیوں نے کہا : ہم ہفتہ کی توہین نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ کام کرتے ہیں جو ہمارے بڑوں نے نہیں کیا اس پر عمرو بن سعد نے کہا کہ اگر یہودیت پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہو کہ ہم اہلِ عرب کے لیے خراج اپنے گلے میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے جو وہ ہم سے زندگی بھر خراج وصول کرتے رہیں اس سے تو وہی مرنا بھلا ۔ اس پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں فرمایا : میرے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر آؤ ۔ یہودیوں نے انکار کیا ۔ آپ نے فرمایا ، سعد بن معاذ کا حکم مان لو وہ تمہارے قبیلہ کا ہے یعنی اوس کا سردار ہے ۔ یہودیوں نے کہا : اس کا حکم ہمیں قبول ہے جیسے وُہ کہے گا ہم راضی ہیں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گے وُہ موجود نہ تھے خندق میں زخمی ہو چکے تھے آپ نے انھیں مدینہ طیبہ سے بلوایا ، وہ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لاتے چونکہ جسیم لحیم تھے اور زخم خوردہ بھی تھے اسی لیئے ان کے آنے پر صحابہ کرام کو فرمایا :

قوموا[1] الیٰ سیدکم ۔

(اُٹھ کر اپنے سردار کا استقبال کرو)

انصار نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا ۔

مسئلہ : آنے والے کے استقبال کی دلیل یہی واقعہ ہے ۔ انصار نے اُٹھ کر حضرت سعد کا استقبال کیا

---

[1] میلاد شریف یا جلسوں میں قیام کا استدلال بھی اس واقعہ سے کیا جاتا ہے علت جامعہ تعظیم ہے ۔ فافہم ولا تکن من الوہابیہ ہم قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ

انھوں نے آتے ہی فرمایا کہ یہود کے جنگجوؤں کو قتل کر دو اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور کنیزیں بنا لو۔ یہ سن کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور فرمایا:

لقد حکمت بحکم اللہ من فوق سبعۃ ارقعۃ۔

(ہم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا)

مطلب یہ کہ تمہارے اس فیصلے کی شان بلند و بالا ہے۔ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اب قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔

اور فرمایا:

جو کچھ ان کے قلعوں میں ہے سب سمیٹ لو۔

چنانچہ قلعوں میں سے ایک ہزار پانچ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار تیر اور پانچسو ڈھالیں حاصل ہوئیں علاوہ ازیں ان کے برتن اور اونٹ اور مویشی اور دیگر اشیاء بکثرت حاصل ہوئیں۔ آپ نے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا اور ان کی زمینیں مہاجرین کو بخش دیں انصار کو زمینیں نہیں دی گئیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی صاحبِ منازل تھے۔ اس پر تمام حضرات راضی ہو گئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، درست ہے۔ آپ نے فرمایا: یہودیوں کا سامان اٹھاؤ اور جانوروں کو یہاں چرنے کے لیے چھوڑ دو۔ صبح کے وقت مدینہ طیبہ کو روانگی ہوئی اور فرمایا کہ قیدیوں کو دار اسامہ بن زید میں لاؤ وہ چھ سو یا اس سے زاید جنگی تھے۔ اور عورتوں اور بچوں کے لیے فرمایا کہ انہیں بنت الحارث النجاریہ کی دار میں لاؤ، بچوں اور عورتوں کی تعداد سات سو تھی۔ اور یہ گھر چونکہ وفودِ عرب کے ٹھہرانے کے لیے تیار کیا گیا تھا اس لیے ان کو وہاں ٹھہرانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے سوق المدینہ میں تشریف لے جا کر گڑھے کھودنے کا حکم دیا اور فرمایا: ایک ایک قیدی کا سر کاٹ کر لاش اور سر پھینکتے جاؤ اور پھر اس پر مٹی ڈال دو۔ اس کام کے متولی حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے عورتوں میں سے سوائے ایک عورت کے کسی کو قتل نہ کیا گیا، وہ عورت وہ تھی جس نے قلعے کے اوپر سے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی پھینکی جس سے آپ شہید ہو گئے۔ اس غزوہ میں سوائے خلاد بن سوید کے اور کوئی مسلمان شہید نہ ہوا۔ حضور علیہ السلام نے ان کے لیے فرمایا:

لہٗ اجر شہیدین۔

(اسے دو شہیدوں کا ثواب ہے)

اس کے بعد آپ نے قریظہ کی قیدی عورتوں اور بچوں کو نجد میں بیچنے کا حکم فرمایا اور فرمایا اس رقم کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید کر لانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر وہ گھوڑے اور ہتھیار مسلمانوں میں تقسیم کئے گئے۔

حضور علیہ السلام نے روکا تھا کہ بچّے اور اس کی ماں میں جُدائی نہ ڈالی جائے جب تک بچہ بالغ نہ ہو یعنی یہاں تک کہ بچّے کو احتلام ہو اور بچّی کو حیض آئے۔

اور فرمایا:

حدیث شریف من فرق بین والدۃ و ولدھا فرق اللہ بینہ و بین احبتہ یوم القیامہ۔

(جو ماں اور اس کی اولاد میں جُدائی ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو اپنے دوستوں سے جُدا رکھے گا)

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ریحانہ بنت شمعون کو مخصوص فرمایا کیونکہ وہ قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی اور مسلمان ہوگئی تھیں انھیں آزاد کر کے نکاح فرمایا اور وہ آپ کی زوجیت میں رہیں یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر واپسی پر ان کا انتقال ہوا۔ یہ ہجرت کا دسواں سال تھا انھیں جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۰ ذیقعد ۵ھ میں ہوا۔ [1]

---

[1] عیسائی و دیگر دشمنان اسلام کے تاریخ کے رنگ میں اعتراضات کے جوابات

عیسائی اور دیگر دشمنانِ اسلام مورخین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ سنگین یہ الزام لگایا ہے کہ (معاذ اللہ) "آپ اور آپ کے ساتھی غیر مسلموں سے بے رحمی سے پیش آتے تھے اور ان کا کام صرف اور صرف لوٹ مار اور مار دھاڑ تھا"۔ یہ انھوں نے تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے کہا ہے ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رحم دل نہ پیدا ہُوا نہ ہوگا۔ بعض غیر متعصب مورخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اگر کوئی بلا تعصب آپ کی زندگی کا مطالعہ کرے تو وہ یقین کرے گا کہ عیسائیوں کا مذکورہ بالا تصوّر من گھڑت ہے جس میں حبّہ بھر صداقت نہیں۔ فقیر آپ کی ابتدائی کارروائی کا وہ عہد نامہ پیش کرتا ہے جس میں آپ نے مخالفین کو بآرام و سکون زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ اس عہد نامے کا پہلا حصہ جسے آزادیِ ضمیر کا پہلا باب کہنا چاہیے اس طرح شروع ہوتا ہے:

ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے، یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریش ہوں یا یثربی اور ان کے علاوہ ان تمام افراد کے ساتھ خواہ وہ کسی قبیلہ یا قوم سے ہوں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے بنو قریظہ نے مشرکین کی مسلمانوں پر حملہ آوری میں معاونت کی تو ہلاک و تباہ ہوئے۔ ایسے ہی وہ علماء جو مداہنت کرکے نفس و شیطان اور دنیا کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۳)

لیکن مسلمانوں کے مقاصد سے متفق ہوں معاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام ایک قوم شمار ہوں گے۔" اس کے بعد چند قبائل سے دیت کی ادائیگی کے قواعد مقرر کیے گئے ہیں اور مسلمانوں کے آپس میں ذاتی فرائض کے قوانین بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: "صلح و امن تمام مسلمانوں کے لیے مشترک ہوں گے۔ اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی شخص کو بطور خود صلح یا جنگ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ یہودی جنھوں نے ہماری جمہوریت سے الحاق کر لیا ہے ہر قسم کی توہین وغیرہ سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کو ملکی حقوق اور عہدے مسلمانوں کے برابر دئے جائیں گے اور دونوں کو ہر قسم کی امداد دی جائے گی۔ مسلمانوں کے علاوہ یہود قبائل حارث، جشم، ثعلبہ، اوس اور دوسرے جو یثرب میں آباد ہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم شمار ہوں گے اور ان کو اپنے احکام مذہب کی بجا آوری میں ویسی آزادی ہوگی جیسی کہ مسلمانوں کو، اور ان کے دوستدار اور حلیف بھی اس آزادی و تحفظ سے متمتع ہوں گے۔ مجرم سے مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ یثرب کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لیے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان تمام لوگوں کے لیے جو اس عہد نامہ کو قبول کرتے ہیں اندرون یثرب قابل احترام ہوگا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے دوستدار اور حلیف قبائل کی ویسی ہی عزت کی جائے گی جیسی کہ ان کے سرپرستوں کی کی جاتی ہے ہر سچا مسلمان اس شخص سے نفرت کرے گا جو کسی جرم، ناانصافی یا تخریبی کام کا مرتکب ہو۔ کوئی شخص مجرم کی امداد نہیں کرے گا خواہ وہ اس کا قریب ترین رشتہ دار ہو۔"

سلطنت کے چند انتظامی امور کے تذکرہ کے بعد یہ حیرت انگیز دستاویز اس طرح ختم ہوتی ہے:

"آئندہ تمام جھگڑے جو ان لوگوں کے درمیان پیدا ہوں گے جنھوں نے اس عہد نامے کو قبول کیا ہے فیصلے کے لیے رسول اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔"

اس طرح عربوں کی بدعملی کو ایک آخری جان لیوا دھچکا لگا کیونکہ اس سے قبل مظلوم کو انتقام لینے یا انصاف کرانے کے لیے اپنی یا اپنے اقربا کی طاقت پر بھروسا کرنا پڑتا تھا۔ اس عہد نامے کی رُو سے آپ حاکمِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔

بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور دیگر قبائل جو مدینہ کے قرب و جوار میں آباد تھے اس عہد نامہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

قلب پر حملہ آوری میں مدد کرتے ہیں اور اربابِ طلب کو رخصت کا فتویٰ دیتے اور انہیں تجرید و معاہدہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں شامل نہ ہوئے لیکن کچھ مدت بعد اُنہوں نے بھی خوشی کے ساتھ ان شرائط کو قبول کر لیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام الطاف و اکرام یہود کو کسی طرح مطمئن نہ کر سکے۔ کوئی بات ان کے جذباتِ عداوت کو مٹا نہ سکی۔ اس بات سے ناراض ہو کر کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب کے یہودی بنانے میں آلۂ کار نہیں بنا سکتے۔ اور اس لیے کہ اسلام کے عقاید یہودیت کے مقابلے میں نہایت سادہ ہیں۔ اُنہوں نے مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر لیے اور دشمن کی صف میں جا ملے۔ جب اُن سے پُوچھا جاتا کہ وہ بُت پرستی اور اسلام میں سے کس مذہب کو پسند کرتے ہیں تو اُن کا جواب اکثر عیسائی کج بحثوں کی طرح یہی ہوتا کہ ہم بت پرستی کو اس کی تمام برائیوں کے باوجود اسلام پر ترجیح دیتے ہیں وہ بدزبانی پر اتر آتے۔ اپنی زبانوں کو بل دے دے کر قرآن کے الفاظ اور کلماتِ نماز کا تلفظ بگاڑتے اور انہیں بے معنی کر دیتے یا کلماتِ کفر بنا دیتے۔ یہودی شعرا جو اس وقت بہت کثرت سے موجود تھے۔ تہذیب و شرافت کو بالائے طاق رکھ کر مسلمان مستورات کی شان میں نہایت مکروہ اشعار کہتے۔ لیکن اس سے بھی ان کا دل ٹھنڈا نہ ہُوا اور اُنہوں نے اس سلطنت کے دشمنوں کے پاس، جس کی حفاظت میں وُہ خود بھی تھے ایلچی بھیجے۔ قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ عبداللہ بن اُبی کے گروہ اور غدار اسرائیلیوں کے لوگ اسلام کی کمزور حالت سے بخوبی واقف تھے انہیں یہ معلوم تھا کہ یہودیوں نے وقتی ضرورت کے ماتحت عارضی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتحاد کیا ہے اور ان کے مدینہ کے قریب ظاہر ہوتے ہی یہود اور ان کے پرستار مسلمانوں کو چھوڑ کر فوراً ان سے جا ملیں گے۔

چنانچہ اب مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش کا وقت آن پہنچا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر کے تحفظ اور مسلمانوں کی تنظیم سے ابھی فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ حملے شروع ہو گئے۔ تمام مدینہ بغاوت اور سازشوں سے بھر گیا۔ اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ شہر کو کسی ناگہانی اندرونی آفت سے بچاتے یا بیرونی حملہ کی مدافعت کے لیے سخت ترو سائل اختیار کرتے۔ آپ صرف اسلام کے مبلغ ہی نہ تھے بلکہ لوگوں کی جانوں اور آزادی کے محافظ بھی تھے۔ پیغمبر کی حیثیت سے آپ دشمنوں کی بدزبانی اور دشنام دہی کو تو برداشت کر سکتے تھے لیکن سلطنت کے حاکم کی حیثیت سے تقریباً ایک مسلسل جنگ کے جرنیل کی حیثیت سے، جب کہ مدینہ کا نظم و نسق فوجی قوانین کے تحت عمل میں آ رہا تھا۔ آپ اس

(باقی ص ۵۰۶ پر)

وترکِ دنیا وترکِ عزلت وانقطاع پہ ڈھیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو رہبانیت ہے اور اسے دین سے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰۵)

دغابازی کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ رعایا کے تحفظ کا فرض آپ کو مجبور کرتا تھا کہ آپ ایسے گروہ کو دبا دیں جو شہر کو دشمنوں سے تاخت وتاراج کرا دینے والا تھا بلکہ جس نے کرا دیا۔ ملک کے تحفظ کا تقاضا تھا کہ ایسے غدّاروں کو قتل کر دیا جائے جو مدینہ کے اندر بغاوت کا بیج بو رہے تھے یا اپنے مشترکہ دشمن کو اطلاعات بہم پہنچا رہے تھے۔ تقریباً نصف درجن آدمی غدار قرار دے کر قتل کر دئے گئے۔ اس کارروائی کو اگر کوئی متعصب ظلم سے تعبیر کرتا ہے تو وہ علم سیاسیات میں جاہل مطلق ہے۔

اس سے قبل کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر کی حفاظت کا موقع ملے یا مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملے قریش کی فوجیں میدانِ جنگ میں آ پہنچیں۔

وہ جس نے تمام عمر میں کبھی ہتھیار نہ چلایا تھا، جس کا دل انسانی تکالیف دیکھ کر درد اور رحم سے بھر آتا تھا اور وہ عرب کے تمام آئین مردانگی کے خلاف اپنے بچوں اور اپنے متبعین پر رویا کرتا تھا، جس کی نرم دلی اور جس کے دردمندانہ طرزِ عمل نے اسے دشمنوں سے نسائیت کا طعنہ دلوایا، وہی انسان حالات سے مجبور ہو کر اور اپنی طبیعت کے خلاف دشمن کے حملوں کو اسلحہ اور فوج سے روکتا ہے اپنی حفاظت کے لیے اپنے متبعین کو منظم کرتا ہے اور اکثر دشمن کے غدّارانہ اور ناگہانی حملوں کی روک تھام کے لیے مہمیں بھیجتا ہے۔ اس وقت عربی جنگوں کا یہی قاعدہ تھا کہ رات کے وقت یا صبح کے دھندلکے میں دشمن کی لاعلمی میں خونریز چھاپے مارتے تھے۔ اگر دشمن خبردار ہوتا تو ایک ایک دو دو آدمی مقابلے پر آتے یا ایک عام حملہ کر دیا جاتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی عادات کا پورا پورا علم تھا اس لیے آپ ایسے ناگہانی حملوں کی مدافعت کے لیے چھوٹی چھوٹی مہمیں بھیجتے رہتے تھے۔ لیکن اسے متعصب مورخین نے لُوٹ مار سے تعبیر کیا۔ یہ ان کی جہالت نہیں تو اور کیا ہے پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اُن یہود اتحادیوں نے مدینہ کے قرب وجوار پر حملے شروع کر دیے۔ وہ مسلمانوں کے پھلدار درختوں کو تباہ کر دیتے اور ان کے گلّوں کو ہانک کر لے جاتے۔ ابو جہل کی سرکردگی میں ایک ہزار سپاہی کی فوج جنگی سازوسامان سے آراستہ مسلمانوں کے تباہ کرنے اور اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر مسلمانوں کو مدینہ سے باہر اُس کی خبر ہوئی اسی لیے وہ کفار کی پیش بندی کے لیے بدر کی وادی میں پہنچ گئے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے کفار کی فوج کو نہایت متکبرانہ انداز سے وادی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف

(باقی اگلے صفحہ پر)

کوئی تعلق نہیں اور پھر اس پر ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن کا ظاہری معنی بھی ہے اور باطنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اٹھا کر وفاداروں کے اس چھوٹے سے گروہ کے تحفظ کی دعا مانگی :

"اے خدا! اپنی امداد کے وعدہ کو نہ بھولنا۔ اے خدا! اگر یہ چھوٹا سا گروہ فنا ہو گیا تو تیری حقیقی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" جیسا کہ قصۂ بدر میں تفصیل موجود ہے۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد بہت سے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن میں سے صرف دو کو قتل کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے، اس لیے عربوں کے قانونِ جنگ کے مطابق انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑی۔

باقی قیدیوں کے ساتھ عربوں کے تمام دستور و روایات کے خلاف نہایت رحم دلی کا برتاؤ کیا گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی احکام جاری کیے کہ اس مصیبت میں ان کی تحقیر نہ کی جائے اور ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے۔ جن مسلمانوں کے سپرد قیدی کئے گئے تھے اُنھوں نے آپ کی ہدایات پر پُوری طرح عمل کیا۔ یہ لوگ اپنا بہترین کھانا قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود صرف کھجوروں پر گزر اوقات کر لیتے۔ حالانکہ جنگی قیدیوں سے نیک سلوک کیا گیا تاہم متعصب عیسائی مورخین نے اسے خوب اچھالا۔ ہم ان کے غلط پروپیگنڈا کے دفاع میں صرف ان کے اپنے ایک غیر متعصب مورخ کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ میور اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے :

"آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی تعمیل میں مدینہ والوں اور ان مہاجرین نے جن کا کوئی مکان مدینہ میں نہ تھا، قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ زمانہ بعد میں ایک قیدی نے کہا :

"خدا کی رحمت ہو مدینہ والوں پر، وہ ہمیں سواری دیتے اور خود پیدل چلتے تھے اور ہمیں گیہوں کی روٹی کھلاتے جبکہ وہ خود کھجور پر گزارہ کرتے۔"

ان عجیب و غریب اتفاقات نے جو بدر کی فتح کے باعث ہوئے اور ان نتائج نے جو اس فتح سے پیدا ہوئے مسلمانوں کے دل پر نہایت گہرا اثر کیا انھیں پختہ یقین تھا کہ آسمانی فرشتوں نے ان کی طرف سے کفار کے ساتھ جنگ کی ہے۔

ملائکہ کی مدد : غزوۂ بدر وغیرہ میں ملائکہ کی مدد کو بھی متعصب مورخین افسانہ سمجھتے ہیں ہم انہیں یاد دلاتے ہیں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بھی اور وہ صرف ظاہری معنیٰ پر اکتفا کر کے باطنی معنیٰ کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس معنیٰ پر وہ قرآن کے اس بعض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے پیغامات انسان تک پہنچانے والی درمیانی ہستیوں کی موجودگی کے قائل تھے۔ فرشتوں کے متعلق جدید نظریئے ہمارے آباؤ اجداد کے عقاید کا بطلان کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہمارا انکار اور ان کا اقرار دونوں کا درجہ قیاس سے زیادہ نہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت۔ جس چیز کو زمانہ جدید کی نظریں عناصرِ قدرت کی صورت میں دیکھتی ہیں اس چیز کو وہ فرشتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

تقسیمِ غنیمت پر اعتراض متعصبین کو حضور کی تقسیمِ غنیمت پر بھی اعتراض ہے اس کے جواب میں ان کا اپنا مورخ لکھتا ہے کہ:

"یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فوج میں بدر کے مالِ غنیمت پر جھگڑا بالکل اسی طرح شروع ہوا جس طرح حضرت داؤد کی فوجوں میں مالِ غنیمت پر ہوا تھا۔ جو لوگ جنگ میں شریک تھے وہ اس بات پر مُصر ہوئے کہ مال و اسباب کی نگرانی کرنے والوں کو جو جنگ میں شریک نہیں ہُوئے کوئی حصہ نہ دیا جائے۔ لیکن دونوں صورتوں میں ایک ہی فیصلہ دیا گیا جو مستقبل میں قانون کے مطابق سب کو حصہ ملنا چاہیے۔"

بنی نضیر کے کوائف بنی نضیر کی اب بالکل وہی حالت ہو گئی تھی جو ان سے قبل بنی قینقاع کی تھی۔ انھوں نے خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو عہد نامہ کی حدود سے باہر کر لیا۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپس آنے پر اُنھیں بھی وہی پیغام بھیجا جو اس سے قبل بنی قینقاع کو بھیجا گیا تھا۔ منافقین اور عبداللہ بن اُبی کی امداد کے بھروسے پر اُنھوں نے نہایت بے باکانہ جواب دیا۔ لیکن انھیں اپنے بھائیوں یعنی بنی قریظہ کی طرف سے سخت مایوسی ہُوئی اور پندرہ دن کے محاصرے کے بعد شرائطِ صلح کے لیے التجا کرنا پڑی۔ وہی شرائط دُہرائی گئیں جو پہلے پیش کی گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے جلا وطن ہونا قبول کر لیا۔ اسلحہ جنگ کے سوا انہیں تمام منقولہ جائداد لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ روانگی سے پہلے اُنھوں نے اپنے گھروں کو تباہ کر دیا تاکہ مسلمان ان سے مستفید نہ ہوں۔ ان کی زمینیں اور سامانِ جنگ جو وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے اجازت لے کر مہاجرین میں تقسیم کر دئے۔

(باقی بر صفحہ ۵۰۹)

پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طبائع کے موافق ہے اور اس باطنی معنی کو چھوڑ دیتے اور کفر کرتے ہیں صرف اپنی طبائع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۸)

مہاجرین اپنے مدنی بھائیوں کے فیاضانہ سلوک سے خوش ہوئے ۔ آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ والوں کی امداد غیر مستقل ہے ۔ اس لیے آپ نے انصار کے رؤسا کو جمع کیا اور ان سے دریافت فرمایا کہ اس مال کو ان کے غریب مہاجر بھائیوں میں تقسیم کرنے پر انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ۔ سب نے یک آواز ہو کر کہا :

" یہودیوں کا مال ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دو اور ہمارے مال میں سے بھی کچھ حصہ انھیں دے دو ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں ۔"

اس پر آپ نے اس جائداد کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا ، اور دو انصار کو بھی حصّہ ملا جو بہت غریب تھے ۔
بنی نضیر کی جلاوطنی ربیع الاول ۴ھ میں ہوئی ۔ اس سال کا باقی حصّہ اور آیندہ سال کا ابتدائی حصّہ خانہ بدوش دشمن قبائل کی بغاوتیں فرو کرنے اور مدینہ پر چند خونریز حملوں کی سرکوبی کرنے میں صرف ہوا ۔
اس اثنائیں میں دشمنانِ اسلام بھی بے کار نہ رہے ۔ کفار نے دُور دراز علاقوں میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھاریں ۔ ان کوششوں میں یہود پیش پیش تھے ۔ بنی نضیر کے جو آدمی خیبر میں تھے انہوں نے انتقام کی امیدوں سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کے استیصال کے لیے ایک انجمن بنائی ۔ ان کی کوششوں سے ایک ہیبت ناک اتحاد عمل میں آیا اور ساز و سامان سے آراستہ دس ہزار سپاہیوں کی ایک فوج ظالم ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ پر چڑھ دوڑی ۔ راستے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر اُحد کی طرف آن ٹھہرے جو شہر کا سب سے زیادہ غیر محفوظ پہلو تھا ۔ ان کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو صرف تین ہزار جانباز میسر آسکے ۔ اپنی تعداد کی قلّت اور منافقین کی فتنہ انگیز مخالفت کے خیال سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحفظ و دفاع کی تدابیر اختیار کیں ۔ شہر کے کمزور مقامات کے گرد گہری خندق کھود دی ۔ عورتوں اور بچّوں کو شہر کے مضبوط مکانات میں محفوظ کر دیا اور خود خندق کے پیچھے صف آرا ہو گئے ۔ شہر کے جنوب مشرق کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر بنو قریظہ کے کئی قلعے تھے ۔ اس سمت کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو پُورا بھروسا تھا کہ اگر وہ دشمن کے دفاع کے لیے عملی حصہ نہ لیں گے تو کم از کم غیر جانبدار ضرور رہیں گے ۔ کیونکہ وہ عہدنامے کی رُو سے تمام بیرونی حملوں میں مسلمانوں کی امداد کے ذمہ دار تھے ۔ اب یہودیوں کو کفار نے عہد شکنی پر آمادہ کر لیا اور اپنے ساتھ شامل کر لیا ۔ جُوں ہی آں حضرت کو ان کی عہد شکنی کا علم ہُوا آپ نے سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو

(باقی بر صفحہ ۵۱۰)

کے تحت یہی لوگ شیاطین ولنوس اور دنیا کے معاون ہیں جو بھی ان کے قریب ہوگا تو جیسے وہ وادیٔ مساعدت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۹)

ان کے فرائض کی یاد دہانی کے لیے بھیجا۔ اُنہوں نے نہایت تُرشروئی سے جواب دیا؛

محمد کون ہے؟ خدا کا پیغمبر کون ہے کہ ہم اس کی اطاعت کریں؟ ہمارے درمیان کوئی عہد نامہ نہیں۔

چونکہ یہود مدینہ کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور شہر کے کمزور مقامات دکھا کر محاصرین کی عملی امداد کر سکتے تھے اس لیے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ منافقین کی موجودگی نے خطرات کو اور زیادہ کر دیا۔

کفّار اور یہود نے مسلمانوں کو کھلے میدان میں لانے یا یہودیوں کی رہنمائی میں شہر پر ناگہانی حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے۔ اب اُنہوں نے حملۂ عام کا قصد کیا۔ محاصرہ کیے بیس دن ہو چکے تھے۔ صحرا کے مضطرب و بے قرار طبع قبائل جو مسلمانوں کو ایک آسان لقمہ سمجھ کر قریش کے ساتھ آ گئے تھے۔ اس طویل محاصرے سے اکتا گئے۔ محاصرین کے سرداروں نے خندق عبور کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ لیکن مسلمانوں نے ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ اب حالات کفار کے خلاف ہوتے ہوئے معلوم ہوئے۔ ان کے گھوڑے بھوک سے مرنے لگے اور سامانِ رسد کم ہو گیا۔ نا اتفاقی تو ان میں پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے دُور اندیش سردار نے اپنی بے نظیر دانائی سے انھیں اور بھی بیدل کر دیا۔

ایک لحظہ میں دشمنوں کی یہ عظیم الشان متحدہ افواج ہوا میں کافور ہو گئیں۔ رات کی خوفناک تاریکی میں آندھی اور بارش کے ایک غضب ناک طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے اور ان کی ہانڈیاں اُلٹ دیں۔ ابوسفیان اپنا لشکر لے کر بھاگا اور جو باقی بچے اُنھوں نے بنی قریظہ کے پاس پناہ لی۔ آں حضرت نے رات ہی کو دشمن کے انتشار کی خبر دے دی تھی اور دن نکلتے ہی لوگوں نے اس پیش گوئی کو پورا ہوتے دیکھ لیا اور مسلمان خوش ہو کر شہر میں واپس آئے لیکن مسلمانوں کی فتح اس وقت تک مکمل نہ ہو سکتی تھی جب تک بنی قریظہ جیسی خطرناک قوم ان کی ہمسائیگی میں موجود تھی۔ اُنھوں نے اپنے عہد و پیمان کے باوجود غدّار ثابت کیا تھا۔ اور ایک دفعہ تو بے خبری میں مدینہ پر ٹوٹ ہی پڑے تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اس میں وہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا قتلِ عام ہو جاتا۔ مسلمانوں نے اپنا فرض سمجھا کہ ان سے اس غداری کا جواب طلب کیا جائے۔ یہود نے نہایت دیدہ دلیری سے کام لے کر جواب دہی سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اُنہوں نے صرف ایک شرط پیش کی کہ ان کی سزا کا

(باقی صفحہ ۵۱۱ پر)

میں ہلاک وتباہ ہوئے وہ بھی ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ مخالفات وترک ریاضات وترک مجاہدات سے پناہ مانگتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۰)

فیصلہ بنی اوس کے سردار سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس شخص نے جو ایک سخت گیر سپاہی تھا اور جو اسی حملے کے دوران میں زخمی ہوا تھا۔ یہود کے اس غدارانہ طرزِ عمل پر سخت غضب ناک ہوکر فیصلہ کیا کہ یہود کے تمام جنگ کے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں اور اُن کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے لونڈی غلام بنا لیے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ سعد اس فیصلہ کے دُوسرے ہی روز وفات پا گیا۔

متعصب مورخین کے ایک اعتراض کا جواب بنو قریظہ کے محاصرہ پر انھیں سخت سزا پر متعصب عیسائی سخت نالاں ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ ان اشخاص کا جُرم محاصرہ کے وقت حکومت کی بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح ولنگٹن کی گزرگاہ فوج کے مفرورین کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی، انہیں ایک غدار چھوٹے سے قبیلے کے قتل پر حیران نہ ہونا چاہیے۔

یہودیوں کے چند قبائل کی سزا ہی نے میور، سپرنگر، ویل اور اوسبرن جیسے آں حضرت کے عیسائی سوانح نگاروں کے لیے ناجائز حملے کی راہ بھی کھول دی ہے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کو ان کے جرائم کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزائیں دی گئیں صرف بنی قریظہ ہی کو کسی قدر سخت سزا دی گئی۔

انسانی فطرت کی ترکیب ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی شخص کا جُرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو جس وقت اسے سزا دی جاتی ہے۔ ہمیں درشت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے احساسات میں ایک قدرتی انقلاب واقع ہو جاتا ہے اور ہمارے دلوں میں انصاف کی بجائے رحم جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اُس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بنو قریظہ کی سزا سخت تھی لیکن خواہ ہم ان بے چاروں کی قسمت پر کتنا ہی افسوس کریں جنہوں نے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی مرضی سے ایک غضب ناک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا، خواہ ہم کتنا ہی افسوس کریں کہ فلاں شخص کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح سزا دینی چاہیے تھی لیکن ہمیں جذبات میں آکر ان واقعات کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ ہمیں ان کے جرائم کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ ان کی اسلام دشمنی کو، ان کی اس عہد شکنی کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے، جس سے دور رہنا ان کا اوّلین اخلاقی

(باقی بر صفحہ ۵۱۲)

مثنوی شریف میں ہے :۔

اندرین رہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۱)

فرض تھا۔ مزید برآں ہمیں ان ترغیبات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے جو یہوداہ کے یہ پرستار بت پرستی کے قائم رکھنے کے لیے کفار عربوں کو دیتے تھے۔ اخلاقیات کے عیسائی علمبردار آرنلڈ کی طرح کچھ مسلمان بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ "ظالم ومفسد کا فنا کرنا اس سے سو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی ناپاک صحبت سے بے گناہوں کو بھی آلودہ کرے"!

(خطباتِ آرنلڈ۔ غزوات اسرائیلیہ ص ۲۶-۲۵)

یہ مسلمان صرف ایک لفظ کے تغیر سے اسی طرح کہہ سکتے ہیں "آؤ ہم غور کریں کہ ہمارا اور ان تمام دوسری اقوام کا جو اس آسمان کے نیچے آباد ہیں کیا حشر ہُوا ہوتا۔ اگر عربوں (دراصل اسرائیلیوں) کی تلوار اپنا کام کفایت سے انجام دیتی عربوں (دراصل اسرائیلیوں) کی تلوار اپنے خُونیں کارناموں کے ساتھ تمام ممالکِ عالم کے لیے دنیا کے دوسرے سرے تک رحم وکرم کے بیج بوگئی"۔

اگر عیسائیوں کی دلیل صحیح ہے اور بے رحمانہ نہیں تو یقیناً مسلمانوں کی دلیل اس کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ دوسرے مسلمان بنی قریظہ کے اس خوفناک فیصلے کو اسی نظر سے دیکھ سکتے ہیں جس نظر سے کارلائل باشندگانِ ڈروغیڈہ کے قتلِ عام کے متعلق کرآمول کے وحشیانہ حکم کو دیکھتا ہے "ایک مسلّح سپاہی ان جذبات کے ساتھ کہ وہ خدائے عادل کا سپاہی ہے ایک ایسا جذبہ جو ہر سپاہی کے دل میں ہوتا ہے کا احساس رکھنا چاہیے۔ موت کی طرح غضب ناک، تقدیر کی طرح بے رحم، خدائی انصاف کو اس کے دشمنوں پر ظاہر کر رہا تھا"۔

لیکن یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہم اُسے اُن دونوں میں سے کسی ایک نقطۂ نظر سے بھی نہیں دیکھتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اُس وقت کے قوانینِ جنگ کے مطابق انہیں نہایت منصفانہ سزا دی گئی "اُس زمانہ کے رسومِ جنگ کے مطابق قوانین کا پوری طرح اطلاق کیا گیا" (تاریخ یونان جلد ششم) ان لوگوں نے اپنی بدقسمتی کو خود بلایا۔ اگر یہ لوگ سعد کے فیصلے کے بغیر بھی قتل کر دئے جاتے تو یہ اس زمانہ کے قوانین کے بالکل مطابق ہوتا لیکن انہوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے سعد کو خود منتخب کیا۔ انھیں معلوم تھا کہ اس کا فیصلہ اُن کے طرزِ عمل کے خلاف نہیں اور اس لیے اُنہوں نے کوئی عذر پیش نہ کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ کامیاب ہوجاتے تو اپنے دشمنوں کو

(باقی صفحہ ۵۱۳ پر)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

ترجمہ: اے غیب بتانے والے (نبی) اپنی بیبیوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا اور یہ اللہ کو آسان ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

ترجمہ: اس راہ میں حرکت کر اور جنبان رہ تا دم آخر فارغ نہ ہو اس لیے کہ بطالت صرف محرومی لاتی ہے اور جد و جہد مراد کے ہر طرح کے دروازے کھولتی ہے۔

تفسیر عالمانہ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اے رفیع الشان اور رب رحمان سے خبر دینے والے۔

شانِ نزول: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ۹ھ میں نبی سید عالم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۲)

بغیر کسی افسوس کے ذبح کر ڈالتے۔ لوگ حضرت داؤد کی خوں ریزیوں کو اُس زمانہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں"۔ قدیم عیسائیوں کی خوفناک خونریزیاں خاص "روشنیوں" میں دیکھی جاتی ہیں۔ قدیم مسلمانوں کی دفاعی لڑائیاں کیوں نہ اس نقطۂ نظر سے دیکھی جائیں۔ لیکن نقطۂ نظر خواہ کوئی ہو، بے تعصب دل جانتے ہیں کہ بنی قریظہ کی سزا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ ان کے مزید اعتراضات و جوابات "سیرت حبیب کبریا" میں دیکھئے۔

اویسی غفرلہٗ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی اور قسم کھائی کہ ایک ماہ ان کے ہاں آمد و رفت ترک رکھیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ازواجِ مطہرات نے زیب و زینت اور آرائش اور نان و نفقہ کی فراوانی کا مطالبہ کیا اور اس مطالبہ کے تکرار سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچا اس لیے آپ نے مسجدِ نبوی کے حجرہ میں گوشہ نشین ہو کر تنہائی اختیار کر لی۔ انتیس دن گزر جانے کے بعد حضرت جبریل جبریل علیہ السلام آیتِ تخییر لائے اور عرض کی یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی علیہ السلام قُلْ یہ امرِ وجوبی ہے جو ازواجِ مطہرات کے اختیار کے بارے میں ہے اور یہ صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے لِّاَزْوَاجِكَ اپنی بیویوں کو جو اس وقت نو تھیں، پانچ قریش سے :

(۱) سیدتنا عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر

(۲) سیدتنا حفصہ بنت عمر

(۳) سیدتنا ام حبیبہ ، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان تھا۔

(۴) سیدتنا ام سلمہ ، ان کا نام ہند بنت ابی امیہ المخزومیہ تھا۔

(۵) سودہ بنت زمعۃ العامریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

اور چار غیر قریش سے تھیں ؛

(۱) سیدتنا زینب بنت جحش الاسدیہ

(۲) سیدتنا میمونہ بنت الحارث الہلالیہ

(۳) سیدتنا صفیہ بنت حیی بن اخطب الخیبریۃ الہارونیہ

(۴) سیدتنا جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ المصطلقیہ۔

ف : یہی بیبیاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تم حیوٰۃِ دنیا کا ارادہ رکھتی ہو۔ یعنی وسعت اور اس کی نعمتوں سے بھرپور رہنے کا وَزِيْنَتَهَا اور اس کی آرائش کا۔ جیسے قیمتی پارچات اور زیورات جن میں تکلف ہی تکلف ہو، فَتَعَالَيْنَ تو آؤ۔ یہ دراصل تعال سے ہے۔ یہ کلمہ وہ بولتا ہے جو اوپر والے مکان سے نیچے والے کو بلائے۔ پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہر جگہ استعمال ہونے لگا۔ اس سے حقیقی متوجہ ہونا مراد نہیں اور نہ ہی ان کا آنا۔ مقصد یہ ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہم تمہیں پیش کریں اس کا جواب دو اور ہمیں ارادہ کی خبر دو۔ ان دو باتوں میں سے جسے اختیار کرنا چاہو اس کی ہمیں خبر دو۔ یہ اس محاورہ سے ہے ؛

اقبل یکلمنی و ذھب یخاصمی وقام یھددنی ۔
(میری طرف متوجہ ہو کر باتیں کرتا ہے اور وہ مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیتا ہے اور مجھے تہدید کرنے لگ جاتا ہے)

اُمَتِّعْكُنَّ میں تمہیں مال دوں ۔ امر کی وجہ سے مجزوم ہے ۔

حلِ لغات : التمتیع کسی کو برتنے کی چیز دینا ۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ میں متعہ (طلاق) دوں گا ۔ یعنی آؤ میں تمہیں متعہ (طلاق) دوں ، جو مطلقہ عورت کو طلاق کے ساتھ مہر کے علاوہ دیا جاتا ہے ۔ دراصل متعہ و متاع وہ معمولی سی شے ہے جس سے تھوڑا سا نفع اٹھایا جائے پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جائے ۔ لذت اٹھانے کو بھی تمتع اسی لیے کہا جاتا ہے ۔ متعہ طلاق مجموعی طور پر چند کپڑوں کا نام ہے :

(۱) درع ، جس سے عورت بدن ڈھانپتی ہے (قمیص) ۔
(۲) ملحفہ ، وہ کپڑا جس سے عورت پردہ کر کے گھر سے نکلتی ہے (پردہ کی چادر) ۔
(۳) خمار ، وہ کپڑا جس سے عورت سر ڈھانپتی ہے (دوپٹہ) ۔

مسئلہ : امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ کپڑے (متعہ) اس غیر مدخولہ مطلقہ کو دینا واجب ہے جس سے نکاح کے وقت طے کر لیا گیا تھا کہ تجھے مہر نہیں ملے گا اس کے ماسوا باقی جملہ مطلقہ عورتوں کو یہ کپڑے (متعہ) دینا مستحب ہے ۔

نکتہ : یہ کپڑے (متعہ) مطلقہ کے لیے اس پریشانی کا مداوا ہے جو اسے شوہر نے طلاق دے کر دی ۔ یہ کپڑے (متعہ) اسے دئے گئے تاکہ مدتِ عدت میں انھیں استعمال میں لائے ۔

مسئلہ : متعہ (کپڑے) مرد کے حسبِ حال ہوگا ۔ اگر امیر ہے تو قیمتی کپڑے دینے ہوں گے ، اگر مفلس ہے تو اس کے حسبِ حال ۔

مسئلہ : اگر نصف مہر متعہ کے کپڑوں سے کم پڑتا ہے تو پھر صرف وہی مہر دینا ہوگا لیکن یہ نصف مہر پانچ دراہم سے کم نہ ہو کیونکہ کل مہر کم از کم دس درم ہے ۔

وَاُسَرِّحْكُنَّ اور میں تمہیں اچھی طرح چھوڑ دوں ۔

حلِ لغات : السرح پھلدار درخت ۔ کہا جاتا ہے :

سرحت الابل ان ترعیھا السرح ۔
(میں نے اونٹ کو چھوڑ دیا تاکہ وُہ پھلدار درخت کھائے)

پھر اس کا عام استعمال اونٹ کے چرنے کے لیے چھوڑنے کے لیے ہوگیا اور طلاق میں تسریح، تسریح الابل سے استعارہ ہے جیسے طلاق کا لفظ طلاق الابل سے استعارہ ہے۔

مسئلہ: وہ صریح لفظ جس سے طلاق لازماً ہوجائے نیت ہو یا نہ ہو لفظ طلاق ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے علاوہ لفظ فراق و تسریح کا بھی یہی حکم ہے یعنی یہ بھی طلاق صریح کے حکم میں ہیں۔

اسرحکنّ کا معنیٰ ہے اطلقکن۔

سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ اچھی طرح چھوڑ دو جس میں کوئی ضرر نہ ہو اور طلاق بدعی بھی نہ ہو۔

مسئلہ: جملہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی عورت کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے کہ جس میں اس نے اس سے جماع نہیں کیا اور ایک طلاق دے کر اسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہوجائے تو یہ طلاق سنت ہے (یعنی احادیث سے ثابت ہے)

مسئلہ: عورت کو حیض میں یا طہر میں طلاق دینا جس میں جماع کیا ہے اور عورت میں حمل ٹھہرنے کی صلاحیت ہے (نوجوان ہے بوڑھی وغیرہ نہیں) تو یہ طلاق بدعت حرام (سیئہ) ہے۔ لیکن ائمہ کے بالاتفاق واقع ہوجائے گی۔

مسئلہ: یکبارگی تین طلاق دینا بدعت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام احمد رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے اور یہ حرام ہے خلافاً للشافعی اور سب کے نزدیک بلاخلاف طلاق واقع ہوجائے گی۔

نکتہ علیہ: شارع نے اس لیے طلاق کو مکروہ قرار دیا کہ یہ الفت اور زندگی کے نظم و نسق میں نقصان کا موجب ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ حالات کی ناسازگاری پر افتراق (جدائی) واقع ہوگی اسی لیے اسے مشروع بھی فرما دیا۔ طلاق کی اس مجموعی حیثیت کے پیشِ نظر اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے تاکہ بوقتِ مجبوری اسے استعمال کریں۔ اس طرح سے ان کی مذمت نہ ہوگی بلکہ معاشرہ کو درست کرنے کی غرض سے اسے فعل سے محمود (اچھا آدمی) سمجھا جائے۔ اگر اس سے جانبین کی بھلائی مطلوب ہے تو ایسا فعل طلاق شیطان کو سنگسار اور اسے ذلیل کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہاں یہ طلاق کا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابغض المباحات اس لیے ہے کہ اس میں رجوع الی الاسلام ہے کیونکہ طبائع کا ایک دوسرے سے پیار کرنا ترکیب کا وجود ظاہر ہوگا لیکن جونہی اس کے برعکس ہو جائے تو عدم کی طرف رجوع ہوگا اسی وجہ سے زوجین کے مابین فرقت (جدائی) پڑ جائے گی کیونکہ اس میں جو اجتماع مقصود تھا وہ نہ رہے گا۔
(الفتوحات المکیہ)

ف : تمتیع کو تسریح سے پہلے ذکر کرنا فضل واحسان کی طرف اشارہ ہے اور ان کی پہلے حجز ختم کرنا مطلوب ہے کہ تمہاری خواہشات بھی پوری کی جاسکتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اگر تم اللہ جل جلالہٗ ور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہتی ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی اور ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہو اور ان کو راضی رکھنے کا خیال کرتی ہو۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ کا نام اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مقام ہے۔

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةَ اور دارِ آخرت اور اس کی نعمتوں کو، کیوں کہ ان کے آگے دنیا و مافیہا اور اس کی تمام نعمتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے نیکی والیوں کے لیے مِنْكُنَّ تم میں سے۔ مِن بیانیہ ہے کیونکہ وہ تمام عالمین کی عورتوں سے زیادہ محسن تھیں (اس لیے کہ وہ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیبیاں تھیں)۔

نکتہ : منکن کی بجائے لکن نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا (خوشنودی) ان کے نفسوں کی رضا سے مقدم اور ضروری ہے۔

اَجْرًا عَظِيْمًا ○ بہت بڑا اجر جس کی کنہ کوئی نہیں جانتا یہ وہی راز ہے جس میں تمتیع کو تسریح سے پہلے ذکر کیا گیا اور تسریح کو جمیل کہنے کا راز بھی یہی ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا امتحان

جب یہ آیت نازل ہوئی تو چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اسی لیے سب سے پہلے آپ نے ان سے ہی بطورِ امتحان یہی آیت تلاوت کرکے پوچھا: تم اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کو چاہتی ہو یا کچھ اور۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اختیار کیا۔

ادب ازواجِ مطہرات کا انعام

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں لیکن میں دل سے چاہتا ہوں کہ تم عجلت (جلدی) نہ کرنا اس کے متعلق ماں باپ سے مشورہ لے لینا۔ آپ نے یہ اس خیال پر فرمایا کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ مجھ سے جدائی کا مشورہ نہ دیں گے۔ عرض کی: فرمائیے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے یہی آیت پڑھی تو صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

یا رسول اللہ! اس بارے میں مَیں ماں باپ سے کیوں مشورہ کروں، میں تو اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کو اختیار کرتی ہوں اور دارِ آخرت کو۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس جواب سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہُوئے یہاں تک کہ خوشی کے آثار آپ کے چہرۂ اقدس سے محسوس ہوتے تھے ایسے ہی تمام ازواجِ مطہرات نے اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔ جب ان بیبیوں نے اللہ و رسول اور نعم باقیہ یعنی آخرت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں انعام سے نوازا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمادیا کہ ان کے بعد اور کسی عورت سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔ چنانچہ فرمایا:

لا یحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج۔

(اس کے بعد نہ آپ پر اور عورتیں حلال ہیں اور نہ ان کے بجائے اور تبدیل کریں)

اس آیت کی تفصیل اسی سورۃ کی تفسیر[1] میں آئے گی (اِن شاءَ اللہ)

مسئلہ: کیا یہ اختیار تفویض الطلاق ہے کہ ان کے اختیار کے بعد انھیں طلاق واقع ہوجانی چاہیے یا یہ کہ جب وہ دنیا کو اختیار کریں تو پھر حضور علیہ السلام انھیں اپنے سے جدائی کا اعلان فرمائیں جیسا فتعالین سے واضح ہوتا ہے۔ بعض علمأ تو پہلے قول کی طرف گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ دنیا کو اختیار کرتیں تو خود بخود مطلقہ ہوجاتیں۔ اسی لیے فقہاء کرام نے فرمایا کہ تخییر الطلاق کے حکم میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جب مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا تو عورت نے مجلس سے قیام سے پہلے یا ایسے کام میں مشغولی سے پہلے جو طلاق سے روگردانی کا تصور ہوسکتا ہے کہہ دے کہ میں نے نفس کو اختیار کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق بائنہ ہوگی اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رجعی طلاق ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تین طلاق ہیں اور اگر وہ زوج کو چاہے تو کوئی شے واقع نہ ہوگی اس طرح اختیار سے پہلے مجلس سے اُٹھ کھڑی تو بالاتفاق یہ تخییر باطل ہوگی۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مرد نے عورت سے کہا: امرک بیدک۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کہتا ہے تیرا امر طلاق کے بارے میں تیرے ہاتھ میں ہے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت خود چاہتی ہے تو طلاق رجعی ہوگی اگر مرد تین کی نیت کرتا ہے تو اس کی نیت معتبر ہے اگر عورت کہے کہ میں نے ایک چاہی تو بھی تین واقع ہوں گی اور یہ بھی تخییر کی طرح مجلس تک مقید ہوگی۔

---

[1] بعض مفسرین نے کہا یہ آیت "ترجی من تشاء الخ" سے منسوخ ہے۔ تفصیل ہم نے القول الراسخ فی المنسوخ والناسخ میں عرض کردی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

تفسیر صوفیانہ آیت میں دو اشارے ہیں :
(۱) حُبِ دُنیا اور اس کی زیب و زینت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے جدائی ڈالنے کا موجب ہے۔ آپ کی ازواجِ مطہرات کے لیے باوجودیکہ عورت میں یہ فائدہ ہے کہ عالم صورت میں نطفۂ انسانی کے ٹھہرنے کا محل (مرکز) ہے اس سے واضح ہُوا کہ جو امتی دنیا اور اس کی زیب و زینت سے محبت کرتا ہے وہ اپنے نبی علیہ السلام کی صحبت سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اُمت کے قلوب نطفہ روحانیہ ربانیہ کا مرکز ہیں۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ ازکی و اطیب رہے تاکہ اس نطفۂ روحانیہ ربانیہ کا مستحق ہو، کیونکہ الطیبات طیبین کے لیے ہوتی ہیں ؎

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات
مگر ایں نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

ترجمہ : افسوس تیرا دل اس فیض کے نقش کو کب قبول کر سکتا ہے جبکہ یہ نقش سادہ ورق پر تو پھیلاتا ہے۔

(۲) اللہ و رسول اور دارِ آخرت کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصال اور وصالِ الٰہی کی موجب ہے بشرطیکہ اس محبت میں خلوص اور محض رضائے الٰہی ہو اگر اس میں محبتِ جنّت کی ملاوٹ ہو تو پھر بقدر محبت بہشت کی نعمتیں بھی ملیں گی اور محبۃ اللہ کی مقدار پر اجرِ عظیم بھی۔

سوال : جیسے حب اللہ میں حب غیر اللہ کی ملاوٹ ہو جائے تو اجرِ عظیم میں اتنا نقص لازم آجاتا ہے جتنا غیر اللہ کی محبت کی حبِ الٰہی کے ساتھ ملاوٹ ہوگی تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مع حب الٰہی سے اجرِ عظیم میں نقص لازم آئے گا یا نہ جبکہ رسول کی محبت بھی تو غیر اللہ کی محبت ہے۔

جواب : رسول اللہ کی محبت مع حب الٰہی سے اجرِ عظیم کی کمی کے بجائے اضافہ ہوگا اسی لیے کہ حبِ رسول بعینہٖ حُبِ الٰہی ہے جیسے اطاعتِ رسول بعینہٖ اطاعتِ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا :

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

نکتہ : محبت جنت مع حب الٰہی و محبت رسول مع حب الٰہی میں فرق ہے وہ یہ کہ حبِ رسول محض حب الٰہی کے لیے ہے بخلاف جنت کے کہ اس میں حظ نفس کو دخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولکم فیہا ما تشتہیہ الانفس۔
(تمہارے لیے بہشت میں وہی ہوگا جو تمہارے نفس خواہش کریں گے)

اور حبِ نبی حبِ الٰہی کی طرف لے جاتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ۔
(اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو)

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ لی حبیب عربی مدنی قرشی
کہ بود درد وغمش مایۂ شادی و خوشی

۲ فہم رازش نکنم او عربی من عجمی
لاف مہرش چہ زنم او قرشی من حبشی

۳ ذرہ دارم بھوا داریٔ او رقص کناں
تا شد او شہرۂ آفاق بخورشید وشی

۴ گرچہ صد مرحلہ دورست ز پیش نظرم
وجہہ فی نظری کل غداۃ وعشی

ترجمہ :(۱) میرا حبیب عربی مدنی قرشی ہے کہ ان کا درد وغم شادی وخوشی کا سرمایہ ہے۔
(۲) ان کے راز سے میں کب واقف ہو سکتا ہوں وہ عربی ہیں عجمی۔ ان سے محبت کا دم کیسے بھروں وہ قرشی، میں حبشی۔
(۳) میں تو ایک ذرّہ کی طرح ہوں لیکن ان کی محبت میں رقص کناں ہوں، ان کے حُسن کا شُہرہ تو سورج کی طرح ہے۔
(۴) اگرچہ کوسوں دور ہے میری نظر سے، لیکن اس کا ہر صبح وشام میری نظر میں ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اے نبی علیہ السلام کی بیبیو۔ اس خطاب میں ان کی نصیحت کو مہتم بالشان ظاہر کرنا مطلوب ہے ایسے ہی نداء کو سمجھئے جبکہ نبی علیہ السلام کی اضافت سے انھیں یہ قدر ومنزلت نصیب ہوئی کیونکہ جو احکام ان پر لاگو ہوں گے وہ اسی اضافت کی حیثیت سے ہوں گے مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ جو تم میں صریح حیا کے خلاف جرأت کرے۔ فاحشہ (قبح میں سیئہ بلیغہ) غلیظ بُرائی یعنی گناہِ کبیرہ۔ اب معنیٰ یہ ہو کہ تم میں سے ناپسندیدہ فعل سرزد ہو مُّبَیِّنَۃٍ جس کی قباحت بالکل ظاہر ہو۔ یہ بیّن بمعنے تبیین سے ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے:

لئن اشرکت لیحبطن عملك ۔
(بفرضِ محال اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے)

تو ایسے ہی بیبیوں سے بفرضِ محال ایسے ہو کیونکہ وُہ ایسی نہ تھیں کہ معاذ اللہ ان سے کوئی معصیت ظاہرہ کا صدور ہوا ہو یا ہونا ہو۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں فاحشہ سے نشوز نافرمانی اور سوء الخلق مراد ہے۔ حضرت امام راغب نے فرمایا کہ اقوال و افعال میں سے وہ فعل یا قول جو قبیح ہوں۔

نکتہ : فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ ہے کہ ان سے سوء الخلق اور نافرمانیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہے جیسے دوسری عام عورتوں سے فاحشہ صادر ہوتا ہے کیونکہ وہ بلند مقام کی مالکہ اور شرافت و بزرگی کی پیکر تھیں بالخصوص وُہ فعل قول جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا موجب ہو۔ اسی لیے فرمایا :

يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ اس پر اوروں سے دگنا عذاب ہوگا یعنی جیسے اوروں کو عذاب ہوگا انہیں ان سے دگنا عذاب ہوگا وَكَانَ ذٰلِكَ اور ہے یہ یعنی دگنا عذاب دینا عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ اللہ تعالیٰ کو آسان۔ اس سے کوئی امر نہ روکے گا کہ یہ نبی علیہ السلام کی بیبیاں ہیں بلکہ وُہ تو یہ عذاب ضرور دے گا کہ اسے اپنے نبی علیہ السلام کی عزت و تکریم مطلوب ہے۔

سوال : اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو دگنا عذاب دینے کی کیا وجہ ؟

جواب : چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی نعمتیں بہ نسبت دیگر عورتوں کے ان پر زاید تھیں اور فوائد کے چشمے ان کے ہاں اُبل رہے تھے سب سے بڑی بات کہ انہیں نبی الانبیاءؑ و امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت تھی اور انہی کے حجرات میں نزولِ وحی ہوتا تھا اور ملائکہ کرام کی حاضری انہی کے گھروں میں ہوتی تھی اسی لیے ظاہر ہے کہ ان کے لیے سزا کا پہلو بھی زاید ہو جبکہ ان کی مخالفت بھی تو بہت بڑے امر بلکہ امام الامور کی ہے جو دیگر امور کا امر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سرتاج ہے۔

مسئلہ : یہی وجہ ہے کہ بے خبر گناہ گار کی بہ نسبت گناہ کو جان کر گناہ کرنے والے کی سزا زیادہ ہے۔

مسئلہ : ایسے ہی آزاد کی سزا بہ نسبت غلام کے زیادہ ہے۔

مسئلہ : ایسے ہی شادی شدہ کی حد غیر شادی شدہ سے زیادہ ہے۔ ان میں یہی راز ہے۔

مسئلہ : جیسے انبیاءؑ علیہم السلام کو محبوبانہ عتاب شدید ہوتا ہے ایسے عوام امتیوں کو نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ گناہ کی عظمت گناہ کرنے والے کی نسبت پر ہے اور اس کی قباحت کا سخت ہونا بھی اسی وجہ سے ہے۔ چونکہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین اور اشراف نساء العالمین ہیں اسی لیے ان سے غلطی کا صدور (بفرض محال) قبیح تر ہے تو سزا کا بھی شدید تر اور دگنا ہونا لازمی امر ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

آنچہ عین لطف باشد بر عوام
قہر شد بر عشق کیشان کرام

ترجمہ : وہ عین لطف جو عوام پر ہے وہ عشق والوں کے لیے قہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ثواب وعقاب نفس کی نفاست وخساست ہے اور سزا کا زاید ہونا بھی فضیلت کی دلیل ہے جیسے آزاد انسان پر بہ نسبت غلام کے زاید ہے اس لیے کہ اہلِ سعادت دو قسم ہیں :

(۱) سعید

(۲) اسعد

سعید اہل الجنۃ ہیں۔

اسعد اہل اللہ ہیں۔

جب سعید سے طاعت صادر ہوتی ہے تو اسے بہشت کا ایک اجر ملتا ہے اگر اس سے معصیت سرزد ہو تو اسے دوزخ کا ایک عذاب ملے گا اور اگر اسعد سے طاعت صادر ہو تو اس کا دگنا اجر ہے یعنی ایک درجہ بہشت کا اور ایک مرتبہ قربت الٰہی کا، اگر اس سے معصیت کا صدور ہو تو اسے دو عذاب ملیں گے۔ بہشت کے ایک درجہ کی کمی اور قربت الٰہی کا ایک مرتبہ کی کمی یا جہنم کے عذاب کا جھونکا اور قربِ الٰہی سے دُوری کا عذاب اور حجاب کی ذلت۔ اسی لیے حضرت سری سقطی قدس سرہٗ دُعا مانگتے تھے :

اللھم ان کنت تعذبنی بشیٔ فلا تعذبنی بذل الحجاب ۔

(اے اللہ ! اگر مجھے عذاب دینا ہے تو حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا)

وکان ذٰلك علی اللہ یسیرا اور یہ اللہ تعالیٰ کو آسان ہے کہ ان کا عذاب دگنا کر دے بخلاف عام مخلوق کے کیونکہ ان کے حق میں دگنا عذاب آسان نہیں کیونکہ وہ اسی کا اتباع کرتے تھے تو سزا پائی بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کے لیے یہ بات مشکل بن جائے گی کیونکہ وہ اس کمی کے درپے نہ تھے۔

دُعا : اللہ تعالیٰ ہم سب کو عذاب سے بچائے اور جزیل ثواب سے نوازے۔ (آمین)

ف : عذاب وتنزل کے اسباب سے عدم توکل واصل کے ساتھ ترک قناعت اور سعی بلا حاصل ہے۔

حکایتِ میمونۃ السوداء حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین راتیں مسلسل دُعا مانگی کہ یا اللہ ! میرا رفیقِ جنت مجھے دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے جواب ملا کہ تیرا رفیقِ جنّت بی بی میمونہ سوداء (سیاہ فام) رضی اللہ عنہا ہیں۔ میں نے پوچھا، وہ کہاں ہیں ؟ جواب ملا کہ کوفہ کے فلاں محلہ میں فلاں قبیلہ سے ہے۔ فرماتے ہیں ان کی زیارت کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ وہ نماز میں ہیں، ان کے آگے ڈنڈا پڑا ہے اور خود سیاہ جُبّہ میں ملبوس ہیں جس پر مرقوم ہے :

لا تباع ولا تشتری اور بکریوں کے ساتھ بھیڑئیے چر رہے ہیں نہ بھیڑئیے بکریوں کو کچھ کہتے ہیں نہ بکریاں بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں۔ جب مجھے دیکھا تو نماز میں تخفیف کر لی، سلام پھیر کر کہا،

اے ابن زید! چلا جا، یہاں ملنے کا موقعہ نہیں۔ وہاں یعنی بہشت میں (میری اور تمہاری رفاقت مقدر ہے)

میں نے پوچھا ،

آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہو گیا ؟

اس نے فرمایا ؛

عالمِ ارواح سے، اس لیے کہ وہاں ارواح ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے، جن کا وہاں تعارف تھا ان کا تعارف آج بھی ہے۔

میں نے کہا ؛

کچھ نصیحت فرمایئے۔

فرمایا ؛

اُس واعظ پر تعجب ہے جو دوسروں سے عبرت کا خواہاں ہوتا ہے اور کوئی بندہ جو کچھ دنیا میں حاصل کرتا ہے لیکن شکر کے بجائے حرص کرکے اور مانگتا ہے تو اس سے حُبِ خلوۃ چھین لی جاتی ہے اسے قُربِ چھین کر بُعد میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ انس چھین کر وحشت میں اسے مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اس راز کا اللہ تعالیٰ نے ارواح کو قرآن میں وعظ سنایا۔ یہ اُس کا فضل و کرم ہے۔

حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؛ ؎

تا ز خاک پاے درویشی توانی سرمہ کرد
خاک در چشمت اگر در پادشاہی بنگری

ترجمہ ؛ جہاں تک ہو سکے درویشوں کی خاک پا ہو، اگر تو اُن کی خاکِ پا کو سُرمہ جان کر آنکھوں میں ڈال لے تو تُو خود کو بادشاہی میں دیکھے گا۔

یعنی جلاء البصر فقر و قناعت و ترکِ زینتِ دنیا میں ہے نہ کہ دولت و سلطنت اور فانی نعمتوں میں، دنیا کا

سارا معاملہ گدلا و مکدر رہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وُہ دنیا میں رہ کر اپنے آخرت کے بوجھ ہلکے کرے اور چھوٹی سی عمر کے آخری حصے میں تجرد کی تکمیل کی کوشش کرے۔

ہذا آخر ما رقمہ قلم للفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ

۱۸ صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۶ء

بروز پنجشنبہ سوا بارہ بجے